ملتان کے معروف سیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ

(1970-2000ء)

مقالہ نگار:-

ریاض احمد قریشی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سیاسیات

گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

نگران مقالہ:-

پروفیسر ڈاکٹر عذرا اصغر علی

چیئرپرسن شعبہ مطالعہ پاکستان

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شریک نگران مقالہ:-

پروفیسر ڈاکٹر سید قلب عابد

چیئرمین شعبہ تاریخ

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور

پی۔ایچ۔ڈی تحقیق مقالہ (2003-2008)

شعبہ مطالعہ پاکستان

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

سرٹیفکیٹ

میں اس امر کی تصدیق کرتا / کرتی ہوں کہ ریاض احمد قریشی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سیاسیات نے پی۔ایچ۔ڈی 2008-2003ء کے تحقیقی مقالہ بعنوان ''ملتان کے معروف سیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ (1970-2000) کو زیر دستخطی کی نگرانی میں مکمل کیا اور زیر دستخطی نے اس کو تحقیقی معیار برائے پی۔ایچ۔ڈی کیلئے منظور کیا

نگران مقالہ: ____________

____

شریک مقالہ: ____________

____

چیئرمین

____

شعبہ مطالعہ پاکستان

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

انتساب

اپنے والدین اور بھائی قاری مقبول احمد قریشی شہید کے نام
جن کی دعاؤں کی بدولت میں اس مقام پر پہنچا

اظہار تشکر

تحقیق کا کام دراصل ایک دقت طلب کام ہے محقق کو اس کام میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کامیابی بھی انہیں نصیب ہوتی ہے جو مشکل سے گھبراتے نہیں بلکہ منزل کی جستجو میں آگے بڑھتے رہتے ہیں کامل ذات تو اللہ تعالی کی ہے میری اس مکالے میں کوشش رہی ہے کہ موضوع کے ساتھ انصاف کرسکوں۔تنہا کوئی شخص کچھ نہیں کرسکتا اسے رہنمائی کے لیے دیگر اشخاص کی معاونت کی ضرورت ہوتی ہے میں بھی اپنے اس کام کے سلسلے میں بہت سی ہستیوں کا ممنون واحسان ہوں۔

اس مکالے کی تکمیل میں سب سے پہلے تو میں نگران اعلیٰ میڈم عذرا اصغر علی چیئر پرسن شعبہ مطالعہ پاکستان کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور مجھے کسی مرحلے پر بھی کبھی مایوس نہیں ہونے دیا اور میرے دوسرے نگران پروفیسر ڈاکٹر سید قلب عابد چیئر مین شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب لاہور میرے شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے مجھے اس مقالے سے روشناس کرایا۔

میرے رفیق کار پروفیسر شاہد محمود اسٹنٹ پروفیسر شماریات گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان میرے خاص شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے شماریات کا تحقیقاتی جائزہ بڑے احسن طریقے سے مکمل کروایا۔میڈم روبینہ ترین چیئر پرسن شعبہ اردو بہاءالدین زکریا یونیورسٹی علم دوست خاتون ہیں انہوں نے ملتان کے حوالے سے میری معاونت کی۔ساجد اعوان لیکچرار شعبہ مطالعہ پاکستان میرے خاص شکریے کے مستحق ہیں۔جنھوں نے مکالے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری خاص مدد کی۔اس مکالے کی تکمیل میں ملتان کے معروف خانوادے قریشی، گیلانی، خاکوانی، گردیزی، کھر، لغاری، مزاری، دولتانہ، بچہ، نون، سید، مہاجر قریشی، انصاری کے معتمد اشخاص جنھوں نے انٹرویو کی صورت میں مجھے قیمتی آراء سے نوازا۔میں مشکور ہوں پنجاب اسمبلی لائبریری کے ڈائریکٹر عنایت اللہ لق صاحب جنھوں نے پنجاب اسمبلی تقاریر اور دیگر سرکاری ریکارڈ بہم پہنچایا۔میں قومی اسمبلی لائبریری کے لائبریرین حاجی خان صاحب اور سینٹ کے لائبریرین نعم الوکیل صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے مجھے ریکارڈ فراہم کیا۔

میں انتہائی شکر گزار ہوں روز نامہ جنگ، خبریں، روزنامہ پاکستان کا جنھوں نے پرانے اخبارات کا ریکارڈ فراہم کیا اور اپنا ریفرنس روم استعمال کرنے کی اجازت دی۔ ڈاکٹر منصور احمد قریشی میرے ان

دوستوں میں سے ہیں جن کا محض رسمی شکریہ ادا کرنا کافی نہیں سمجھتا انہوں نے میرے مکالے کی نوک پلک سنواری اور نا صرف معاونت کی بلکہ رہنمائی بھی کی۔ میں اپنے بچوں کی درازی عمر کی دعا کرتا ہوں جنہوں نے میرے شانہ بشانہ مل کر اس مقالے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اپنی تحقیق کی تکمیل کے باوجود میں اسے حرف آخر نہیں سمجھتا انسان کی سرشت میں غلطیاں کرنا شامل ہے انتہائی کوشش کے باوجود مجھ سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی میری التماس ہے کہ انہیں نظر انداز کیا جائے میں اپنے محسنوں کے لیے دعا گو ہوں۔

دیباچہ

ملتان کے سیاسی عمل میں مختلف ادوار میں سیاسی خانوادوں کا ایک خاص کردار رہا ہے۔ جس کا تحقیقی بنیادوں پر ایک تنقیدی جائزہ درکار ہے۔ خصوصاً ان سیاسی خانوادوں کا جو بالعموم جنوبی پنجاب اور بالخصوص ملتان کی سیاست پر اثر انداز ہوتے رہے۔ زیر تحقیق عنوان "ملتان کے معروف سیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ" اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے۔

زیر تحقیق علاقہ یعنی ملتان جو سندھ اور پنجاب کا تہذیبی سنگم ہے وہیں تاریخی، فکری، اور سیاسی سرگرمیوں کا دیرینہ مرکز بھی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ملتان کا حدود اربعہ بدلتا رہا ہے۔ موجودہ تحقیق میں ملتان سے مراد 1955ء میں قائم ہونے والا ڈویژن ہے۔ جس میں ڈیرہ غازی خان، ساہیوال، بہاولپور، بہاولنگر اور مظفر گڑھ کے اضلاع شامل ہیں۔

سیاسی خانوادوں کے کردار کا مطالعہ کرتے ہوئے محقق نے معروف سیاسی خانوادوں کی اصطلاح ارادی طور پر استعمال کی ہے۔ جس کا مقصد صرف ان مخصوص سیاسی خانوادوں کا انتخاب ہے جو ملتان کی سیاسی سرگرمیوں میں فعال رہے انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ لوکل سیاسی خانوادے

۲۔ مہاجر سیاسی خانوادے

لوکل سیاسی خاندانوں میں قریشی، گیلانی، خاکوانی، گردیزی، کانجو، بچہ، نون، سید، دولتانے، شاہ، کھر، لغاری اور مزاری شامل ہیں جبکہ مہاجر سیاسی خانوادوں میں شیخ، قریشی اور انصاری شامل ہیں۔ یہاں مقامی اور مہاجر کی تقسیم قیام پاکستان سے منسلک یعنی وہ خاندان جو آزادی کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور ملتان میں سکونت پذیر ہوئے صرف وہ مہاجر خانوادوں میں شامل ہیں۔

زیر مطالعہ تحقیقی عنوان میں استعمال کی گئی خانوادوں کی تحقیق سے مراد یہ ہے کہ ایسے سیاسی خانوادے جو عوام کے نبض شناس ہوں اور آنے والے حالات کو سمجھ سکتے ہوں اور اصولوں کی سیاست کرتے ہوئے حالات کو ملک کے مفاد میں ڈھالیں۔ ووٹ کے ذریعے اسمبلیوں میں آئیں۔ حکومت اور حزب مخالف کا کردار ادا کرتے ہوئے ملک کی خدمت کریں۔ انہیں اصولوں پر کئی عشروں تک لوگوں کے دلوں میں زندہ

رہیں۔

جمہوری اداروں کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقامی حکومتوں ،صوبائی اسمبلی ،قومی اسمبلی اور سینٹ میں ووٹ کے ذریعے منتخب ہوں جذبہ عوام کی خدمت ہو جمہوری ادارے کہلاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنوبی پنجاب کی سیاست ،معیشت ،تجارت ،زراعت پر ان کا عرصہ دراز سے کنٹرول رہا ہے۔ یہ خانوادے پاکستان کی قلیدی آسامیوں پر بھی موجود رہے ہیں اپنی سیاسی وابستگیوں کو ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں جانا ان کا اصول رہا ہے۔ اس لئے ان خانوادوں کے سیاسی کردار کا تحقیقی مطالعہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس تحقیقی مطالعہ سے نہ صرف ان کی سیاسی خدمات کا تعین ہو گا بلکہ ان کے سیاسی کردار کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے گا۔ ان خانوادوں کی مذہبی حیثیت نے بھی ان کی سیاست میں مزید رنگ دیا ہے۔بعض خانوادے صوفیاء کرام کے سجادہ نشین بھی ہیں۔ان کا ووٹ بینک ان کے مریدین ،مزارعین ،اور برادری ہے۔ میں نے پی۔ایچ۔ڈی کے لئے بھی ان خانوادوں کے کردار کو منتخب کیا ہے۔ان کی کارکردگی کیا رہی اور ان کا مستقبل کیا ہو گا۔ان خانوادوں پر ان کی تاریخ ،ثقافت ،مذہب ،سماجی حیثیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔مگر ان کا جمہوری اداروں میں کردار پر کسی محقق نے ابھی تک قلم نہیں اٹھایا۔ اس لیے یہ موضوع مواد اور اسلوب کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے جس میں ان خانوادوں کا بلدیاتی سیاست، صوبائی سیاست اور قومی سیاست میں کردار کا تنقیدی جائزہ ہے۔یعنی ان خانوادوں نے اسمبلیوں میں بیٹھ کر پاکستان بالخصوص ملتان اور جنوبی پنجاب کی کیا خدمت کی ہے۔کون کون سے قوانین بنوائے ہیں۔اور ان پر کیا عمل درآمد ہوا ہے۔بعض خاندانوں کو دیگر اضلاع کی نسبت سیاسی میدان میں مسلسل برتری حاصل رہی ہے۔ زیر تحقیق دور 1970ء سے 2000ء کا انتخاب بھی ارادی طور پر کیا گیا ہے۔جسکی منطقی وجہ پاکستان میں انتخابی سیاست کی ابتداء ہے۔

1970ء میں پاکستان میں پہلے جمہوری عام انتخابات منعقد ہوئے جن کے ذریعے پہلی دفعہ عوام کی نمائندہ حکومت کا قیام عمل میں آسکا۔محقق اس دور سے شروع ہونے والی سیاسی اور جمہوری اداروں کی ارتقائی سفر میں ملتان کے سیاسی خانوادوں کے کردار کا تنقیدی مطالعہ 2000ء تک کرنا چاہتا ہے۔

دوران تحقیق محقق چند سوالات کے ذریعے اس کردار کی اصلیت ،اہمیت اور افادیت کا احاطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

مثلاً

۱۔ سیاست کیا ہے؟

۲۔ کیا یہ خانوادے سیاست کی تعریف اور اس کے کوائف پر اترتے ہیں؟

۳۔ ان خانوادوں کی سیاست کا آغاز کب ہوا اور کیسے؟

۴۔ ہندوستان کی بدلتی سیاست خصوصاً برطانوی دور میں ان کا کردار

۵۔ اسمبلیوں میں کس طرح شامل ہوئے؟ ان کا ووٹ بینک کیا تھا؟

۶۔ اسمبلی کی کاروائی میں حصہ لیا اور کون کونسے قوانین بنوائے؟

۷۔ اپنے علاقے کی ترقی کیلئے کونسے اقدامات کئے؟

۸۔ عوام کی خدمت کس طرح سے کی؟

۹۔ ان کا مستقبل کیا ہے؟

۱۰۔ سفارشات

ان کے اصل ماخذات کے حصول کے بعد ان کے اصل کردار پر تحقیق مکمل ہو سکے گی۔ اپنی تحقیق کو مکمل کرنے کے لئے میں نے Historical Method کو چنا ہے۔ مجھے Sample serving method کو بھی استعمال کرنا ہے۔ جس کے لئے میں نے دو سوالنامے تیار کیے ہیں۔ پہلا سوال نامہ جس میں خانوادوں سے انٹرویوز کئے گئے ہیں۔ تا کہ ان کے نقطہ نظر سے ان کی اہمیت کو جان سکوں۔ ایک سوالنامہ عوام الناس کے لیے تیار کیا گیا تا کہ ان خانوادوں کے انتخابی حلقوں سے ان کے ترقیاتی کام کا تجزیاتی جائزہ لیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ریکارڈ کی چھان بین کے لئے Achivies کی مدد لی گئی اور ان کو موجودہ حقائق کے مطابق پرکھا گیا۔ اس تجارتی رپورٹ پر مبنی گراف کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ بہت سے رسائل، کتب، اخباروں اور انٹرویوز کی مدد سے تحقیق کو سرانجام دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے تا کہ نتائج کو مدلل طریقے سے پیش کیا جا سکے۔

مقالہ کی موجودہ صورت یہ ہے کہ اس کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول

(ا) تاریخ ملتان

اس میں ملتان کی قدامت، اہمیت اور سیاسی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے عرب ہند تعلقات اور ان کی نوعیت۔ پھر محمد بن قاسم کے تحت مسلمانوں کا حملہ اور اس کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمود غزنوی کے حملے۔ خاندان غلاماں کا ذکر اور مختصر مغل دور کو اس باب میں احاطہ دیا گیا ہے۔

(ب) ملتان کی انتظامی تقسیم

ملتان کی تہذیب وثقافت، ملتان کی مذہبی زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ملتان کا علمی ورثہ اور جدید دور کو احاطہ دیا گیا ہے۔

باب دوئم

ملتان کے اہم سیاسی خانوادے

قریشی، گیلانی، خاکوانی، گردیزی، کانجو، بچہ، نون، سید، دولتانے، شاہ، کھر، لغاری مزاری۔

ملتان کے مہاجر خاندان

قریشی، شیخ، انصاری

ان خانوادوں کا مذہبی اور روحانی پس منظر، معاشی پس منظر، معاشی پس منظر، عملی خدمات، سیاسی کردار اور ووٹ بینک کو احاطہ دیا گیا ہے۔

باب سوئم

تحریک پاکستان میں ملتان کے سیاسی قائدین کا حصہ

۱۔ قیام پاکستان سے پہلے ان خانوادوں کا کردار انڈین کونسل ایکٹ 1861ء

۲۔ لوکل سیلف گورنمنٹ ایکٹ 1883-1935

۳۔ سیاسی خانوادوں کا میونسپل اور ٹاؤن کمیٹیوں کی ریاستی حکومت میں کلیدی عہدوں میں شمولیت 1861-1947 تک

باب چہارم

(ا) قیام پاکستان کے بعد سیاسی خانوادوں کا کردار 1947-1969 تک

۱۔ مقامی سیاست اور بلدیاتی ادارے

۲۔ مرکزی اور صوبائی سیاست میں کردار

۳۔ پاکستان کی سیاست پر اثرات

1970 سے لے کر 2000 تک کا دور

ذوالفقار علی بھٹو، ضیاء الحق، محمد خان جونیجو، بے نظیر بھٹو، اور نواز شریف کا دور حکومت

جنرل پرویز مشرف کا سیاسی پروگرام (Road Map) 1999ء

ان اداروں میں ملتان کے سیاسی خانوادوں کا حکومتی عہدوں میں شمولیت اور کردار کا تنقیدی جائزہ اور احوال بیان کیا گیا ہے۔

(ب) ۱۔ انٹرویو مختلف خانوادوں کی مقتدر شخصیات سے

۲۔ عوام الناس سے انٹرویو اور تجزیاتی جائزہ گراف کی مدد سے

باب پنجم

عصری تقاضے

ملتان میں سیاسی اور جاگیرداروں کا کردار کوا حاطہ دیا گیا ہے۔ ملتان میں مہاجرین کی آبادکاری اور یہاں کی سیاست میں ان خاندانوں کی شمولیت اوران کے کام کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز ملتان کی سیاست اور سیاسی تبدیلیوں میں اتار چڑھاؤ پر بحث کی گئی ہے۔

باب ششم

نتائج اور سفارشات

فہرست

سرٹیفکیٹ	i
انتساب	ii
اظہار تشکر	iii
دیباچہ	v

فہرست ابواب

باب اول:۔

تاریخ ملتان، ماضی و حال	1-74

باب دوئم:۔

ملتان کے اہم سیاسی خانوادوں کے ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد کے حالات	75-124

باب سوئم:۔

تحریک پاکستان میں ملتان کے سیاسی قائدین کا حصہ ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء	125-173

باب چہارم:۔

قیام پاکستان کے بعد سیاسی خانوادوں کے کردار کا تنقیدی جائزہ	174-349

باب پنجم:۔

ضلع ملتان کی سیاست، عصری تقاضے اور جائزہ	350-451

باب ششم:۔

موضوع کے حوالے سے سفارشات	452-456
ضمیمہ جات	457-491
کتابیات	492-503
Abstract	1-8

''ملتان کے معروف سیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ''

1970-2000ء

ریاض احمد قریشی
سکالر برائے پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سیاسیات
گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

باب اول

تاریخ ملتان ماضی وحال

قدیم دور:۔

کوئی بھی شہر یا ملک جس قدر قدیم ہوتا ہے اس پر تاریخی مواد بھی اس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ تاریخی مواد کسی بھی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا ہو۔ ملتان کی قدامت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کے ماضی اور بالخصوص اس کے آباد ہونے کے زمانے کے بارے میں مواد اس کی قدامت کے مقابلہ میں نہایت ہی کم دستیاب ہے۔ مختلف مورخین نے اس کی قدامت کے بارے اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔

منشی عبدالرحمٰن خان اپنی کتاب ''ملتان ذیشان'' کے صفحہ 28 پر لکھتے کہ ابن الفقیہ الہمدانی (متوفی 279ھ) نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب، امام محمد بن علی الباقر اور امام جعفر صادق کی روایات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ''نیز حدیث میں ہے کہ آدم ہند میں سراندیپ (لنکا) پہاڑ پر اتارے گئے اور حوا جدہ میں اور ابلیس میسان میں اور سانپ اصفہان میں'' (عربی سے ترجمہ) ؎1

اس کے علاوہ یہی مصنف منشی عبدالرحمٰن خان ایک قلمی نسخہ ''مراۃ الافاغنہ'' جس کے مصنف خانجہان لودھی یکے از امرائے جہانگیری ہیں (یہ نسخہ پبلک لائبریری باغ لانگے خان میں موجود ہے) لکھتے ہیں ''جنت بدر ہونے کے بعد آدم جزیرہ سراندیپ (لنکا) میں حضرت حوا جدہ میں شیطان ملتان میں سانپ ایران میں اور مور ہندوستان میں اترا'' (فارسی سے ترجمہ) ؎2

ملتان نے ابتدائی زمانے میں یا وقت گزرنے کے ساتھ جو بھی نام پائے ان میں پہلا نام میسان ہے۔ منشی صاحب نے مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں یہی نتیجہ نکالا ہے۔ بالکشن بترہ اپنی کتاب تواریخ ملتان مطبوعہ 1926ء میں لکھتے ہیں۔ کہ نرسنگھ بھگوان کا واقعہ نصف ست یگ گزرنے کے بعد کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس واقعے کو تیس لاکھ گزر چکے ہیں اور یہی شہر اس سے بھی پہلے آباد تھا۔ ؎3

تارج الدین مفتی کی غیر مطبوعہ کتاب ''تاریخ پنجاب'' میں جو 1868ء میں لکھی گئی اور مسٹر احمد ربانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ روایت درج ہے کہ طوفان نوح کے وقت ملتان آباد تھا۔[۴]

نامور مورخ البیرونی اپنی کتاب ''کتاب الہند'' کے صفحہ 155 پر لکھتا ہے کہ ''گیارہویں صدی عیسوی میں میرے قیام ملتان کے زمانے میں ملتان کے باشندے اسے دولاکھ سولہ ہزار چار سو تیں سال پرانا بتاتے ہیں۔[۵]

مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں ملتان کی قدامت کا درست اندازہ نہیں بھی ہوتا پھر بھی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں بہر حال ہم دقت محسوس نہیں کرتے کہ ملتان کی قدامت اور بالخصوص ابتدائی زمانہء آبادی کے بارے میں موجود انسانی وسائل اور تاریخ کے اوراق کوئی واضح جواب دینے سے عاری ہیں۔قدیم شہروں کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا۔اس کی وجہ حالات اور واقعات کے اثرات رہے ہیں۔ایسا بھی ہوا ہے کہ شہروں کو لقب بھی دے دیے جاتے رہے ہیں۔دہلی کے بیس نام اور بنارس کو چوبیس ناموں سے پکارا جاتا رہا۔مکہ معظّمہ کے مشہور ناموں میں مکہ،معطشہ،حاطمہ،باسہ،ناشتہ،عروض،بلدامین،ام القرای،فاران،فیقان اور وقاویس شامل ہیں۔[٦]

اسی طرح ملتان بھی مختلف وقتوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے۔ذیل میں ہم ان ناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ میسان:اس کا پہلے تذکرہ کیا جاچکا ہے۔۲۔کشپ پوری:ہندو روایت کے مطابق ملتان کا اصل نام کشپ پورہ ہے۔اور مشہور ہندو رشتی کشپ نے آباد کیا۔سنسکرت کی کتب میں درج ہے کہ برہمانے دنیا بسانے کا ارادہ کیا تو اسنے 9 دیوتاؤں کو جنم دیا۔جن میں سے ایک دیوتا کا نام مریچی تھا۔اور وہ رشی کشپ کا باپ تھا۔البیرونی اپنی کتاب مالہند میں کھشتری مصنف اوپ ٹالا کے حوالے سے لکھتے ہیں۔کہ زمانہ قدیم میں ملتان کا نام کشپ پورہ تھا۔[۷]

البیرونی نے بھی ملتان کا دورہ 1015 A.D میں کیا یوں کہا جا سکتا ہے کہ

Al-Beruni, alongwith his master Sultan Mahmud of Ghazna, writes about the town as 'Mulatana' He visited Multan the same year and recorded that Multan was originally called 'Kasyapapura' then 'Hansapura' then 'Bhagapura' then 'Sambapura' and then 'Mulasthana'. Sir Gen-Alexander cunningam, after conductingexcavations in the old fort in 1853 A.D and 1864 A.D, further adds to these names those of 'Prahladapura' and 'Adysthana'. The firstrecorded event in the history is the invasion of Alexander theGreat in February 325 B.C. Several other important historiansvisited Multan including Masudi (915 A.D), Istakhri (951 A.D) andIbn-Batuta (1134 A.D) and they all wrote about the social, cultural and educational activities in Multan. Multan's importance hasalways been acknowledged and it has always maintained itsdistinguished and honourable position among the cities of thisregion. (1)

۳۔ پرہلادپورہ: پرہلاد راجہ ہرنا کشپ کا چھوٹا لڑکا تھا جبکہ راجہ ہرکشپ کی اولاد سے تھا شہزادہ پرہلاد وشنو کا پجاری تھا چونکہ راجہ ہرنا کشپ خودخدائی کا دعوی رکھتا تھا اس لئے اس نے پرہلاد کو وشنوی پوجا کرنے سے منع کیا مگر باز نہ آیا۔ جس پر راجہ نے پرہلاد کو پہاڑ کی چوٹی سے گرایا مگر پرہلاد پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ازاں بعد ستون کو تپا کر پرہلاد کو اس کے

ii۔ سید نور علی ضامن لکھتے ہیں "چھٹی صدی قبل از مسیح کے دارا اول کے فرستادہ مشہور جہاز ران سیکائی لیکس کی دریائے سندھ کی تفتیشی سیاحت کا علاقہ شہر کسی پیٹرس سے آغاز کرنے کا ذکر ہے۔ پندرھویں صدی کے البیرونی نے اس کو Kasyaparura بنا دیا ہے

ساتھ باندھ کر مارنے کا ارادہ کیا تو وشنو کا دیوتا پر ہلاد کی امداد کے لئے ستون پر نرسنگھ یعنی شیر کی شکل میں نمودار ہوا راس اس نے راجہ ہرنا کشپ کو چیر ڈالا ۔ اس طرح ملتان کا نام پر ہلا د پورہ پڑ گیا ۔ ۸

۴۔ سنب پورہ: بھشوا پوران میں درج ہے کہ رانی جنب وطن نے کشن جی کے ساتھ میدان جنگ میں بڑی وفا داری دکھائی تھی چنانچہ اس وفاداری سے خوش ہو کر ملتان کا شہر رانی جنب وطن کے بیٹے شہزادسنب کو بخش دیا۔ جس نے اس شہر کی تزئین کی اس طرح اس کا نام سنب پورہ پڑ گیا۔ ۹

۵۔ متر ون: میتر اسورج دیوتا کا نام ہے۔ متر ون کے معنی سورج دیوتا کا شہر کے ہیں۔ راجہ سنب کو کوڑھ کا مرض تھا۔ اسے شفا ہوئی تو اس نے سورج دیوتا کا عالیشان مندر تعمیر کرایا اور سورج دیوتا کی پوجا شروع کر دی اس طرح ملتان متر ون بھی صدیوں تک مشہور ہوا۔ ۱۰

۶۔ ہنس پورہ: تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کے لڑکے یافث ادھر آئے تھے۔ اور ان کے لڑکے ہنس نے اس شہر کو آباد کیا۔ چنانچہ اسی نسبت سے یہ شہر ہنس پورہ کہلاتا رہا۔ یہ نام سنسکرت کی پرانی کتابوں میں ملتا ہے۔ ۱۱

۷۔ بھاگ پورہ: ہندو کتب میں روایت ہے کہ ملتان اجڑ گیا تھا۔ راجہ بھاگ کشن نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام بھاگ پورہ رکھا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ بھاگ پورہ اور ہنس پورہ سورج کے مترادف نام ہیں۔ ۱۲

۸۔ شام پورہ: ایک روایت کے مطابق ملتان کو تیسری بار راجہ شام پریم ناتھ نے آباد کیا حکم چند نے اس شعر کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۳، ۱۴

ہنس پورہ بھاگ پورہ اور چوتھا پورہ ملتان پانچواں پور مہاج کرتھی سی آری پور ملتان۔

۹۔ مالستھان پورہ: سکندر اعظم کے وقت ملوئی قوم نے سکندر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کننگھم کا خیال ہے کہ موجودہ ملتان مالی استھان پور کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو بعد میں ملی تھان کہلاتا رہا۔ ۱۵

۱۰۔ مول استھان پورہ: ادتیہ دیوتا کے مندر کے اجرا کے بعد مول استھان پورہ کہلایا۔ سنسکرت مین مولا کے معنی اصل

کے ہیں۔اور استھان جگہ کو کہتے ہیں۔۱۶

۱۱۔مولوسان پولا: چینی سیاح ہیون سانگ اکتوبر 641ءمیں ایک شہر مولوسان پولا سے گزرتا ہے۔مولوسان پولوکو سنسکرت میں مولستھار پکارتے ہیں کننگم اور سمتھ لکھتے ہیں کہ اس علاقے میں کوئی مولستھانہ نہیں ہے اس لئے مولوسان پورہ بلاشبہ موجودہ ملتان ہے۔۱۷

۱۲۔مولتارن: تواریخ ملتان کا مورخ حکم چند لکھتا کہ راجہ مورنے جو راجہ فوزبانی دہلی کا بھائی تھا اس نے ملتان شہر بسایا اور اس کا نام مولتارن رکھا۔اسی طرح تذکرہ ملتان میں بھی لکھا ہے۔۱۸

''نام ایں شہر مولتارن پور: معنی اش بزبان ہندی قدیم شہر است۔ بواسطہ کثرت استعمال ملتان قرار یافت''۔۱۹

ملتان کے لئے ملتان کا لفظ بطور نام استعمال ہونے کے بارے میں زمانے تعین کرنے کی بات کی جائے تو جو حوالہ تحریری تاریخ میں ہمیں ملتا ہے وہ چچ نامہ میں ہی ملتان ہے۔اس کتاب میں (15ھ سے 96) (636ء تا 714ء) اسلامی فوجوں کے سندھ پر ابتدائی بری اور بحری حملوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ہاں قبل از اسلام کی حکومتیں کا بھی ذکر ہے یہ کتاب قاضی محمد اسماعیل ساکن اروڈ بکھر کے پاس قلمی نسخہ کی صورت میں موجود تھی جسے علی بن احمد بن ابوبکر کوفی نے 693ھ 1293ءمیں حاصل کر کے اس کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

iii۔چچ نامہ کی روایت:

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا باقاعدہ دور محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ہوا۔محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا ملتان پہنچا۔چچ نامہ میں اس حملے کی جو تفصیلات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی فتح مکمل ہوئی تو شہر کے رئیس اور سربراہوں نے جمع ہو کر ساٹھ ہزار درھم وزن کی چاندی تقسیم کی اس کے علاوہ ایک بت سے بے شمار خزانہ ہاتھ لگا۔

ملتان حملوں کی زد میں :۔

برعظیم ہند پر جو بھی

حملے ہوئے وہ مغرب کی جانب سے ہی کیے گئے۔مصری، ایرانی، یونانی عرب سبھی مغرب کی جانب سے حملہ آور ہوئے۔سندھ اور ملتان برصغیر کے چونکہ مغربی حصے میں واقع تھے۔اس لیے ان حملہ آوروں کو سب سے پہلے ملتان کے علاقے ہی سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ملتان پر قبضہ کے بعد لاہور تک پہنچنا مشکل نہ رہتا تھا اور بقیہ ہند پر قبضہ موثر بنانے کے لیے ہر قسم کی تیاری کا وقت مل جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ صدیوں تک ان حملوں کی زد میں رہنے کی وجہ سے ملتان کے تہذیبی آثار کو مسلسل نقصان پہنچتا رہا۔حتیٰ کہ قلعہ ملتان جو انیسویں صدی کے وسط تک ایک شہر ایک آبادی کی صورت آباد تھا۔اب صرف ایک ٹیلے کی صورت موجود ہے۔پرانی عمارات موجود نہیں ہیں صرف دو مقابر موجود ہیں مگر یہ بھی حملوں کی زد سے مکمل طور پر محفوظ نہیں رہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے سے جو حقیقت آشکار ہوتی ہے اس کے مطابق آریہ قوم ایران سے سفر کرتی ہوئی 1500 ق م کے زمانے میں در آئی اور مقامی تہذیب وتمدن کے آثار تباہ کر ڈالے اور مقامی آبادی کو یہاں مستقل قیام نہ کرنے دیا اوران کو ترک سکونت پر مجبور کر دیا۔انہوں نے ذات پات کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کی۔[۲۰]

511 ق م کے زمانے میں ایران کے بادشاہ دارائے اول نے اس علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور یہ علاقہ بیسویں اقلیم کے طور پر سلطنت کا حصہ بنایا گیا۔یہاں سے سالانہ گیارہ ٹن سونا محصول ادا کیا جاتا تھا۔ جرجیس بادشاہ ایران کے زمانے میں سندھ اور ملتان سے تیار کی گئی فوج نے سکندر مقدونی کے خلاف لڑی گئی جنگ میں ایرانی سلطنت کی جانب سے جنگ کی ملتانی سپاہی ہلکی کمانوں،فولادی نوک والے تیروں سے مسلح تھے۔اس زمانے کی تلواروں کو آج بھی تیغ ہندی کہا جاتا ہے۔اس طرح 517 تا 327 ق م تک یعنی 190 سال تک یہی

صورتحال رہی اس کے بعد سکندر مقدونی نے ایران پر حملہ کر دیا اور ایران شکست کھا گیا چونکہ ایرانی فوج میں ملتانی سپاہی بھی تھے اس لیے سکندر نے انتقاماً ملتان پر بھی حملہ کیا اور قتل و غارت کی انتہا کر دی۔ ملتان پر حملہ کے دوران سکندر کو ملتانی سپاہی نے زہر میں بجھے ایک خنجر سے زخمی کیا جو بعد ازاں اس کی وفات کا سبب بنا۔ ۲۱

ملتان مسلم عہد میں:۔

اپڈو سکتھین اقوام نے 160 ق م سے 140 ق مسیح تک ملتان پر حملہ کیا۔ کشان خاندان 155 ق م تا 177 ق م، یونانی باختری خاندان 185 ق م تا 5 عیسوی ملتان کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے رہے۔ سفید ہن اقوام نے حملہ آور ہو کر یہاں 456ء تا 544 تک حکومت کی۔ یہاں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وقفوں وقفوں سے مقامی باشندے حکمران ہوتے رہے۔ ۲۲

عرب حملہ آور محمد بن قاسم نے 712ء تا 517ء کے عرصے کے دوران ملتان اور سندھ کو فتح کیا۔ ملتان سے باہر قلعہ سکہ واقع تھا۔ جہاں بجے راؤ کا نواسہ حکمران تھا۔ محمد بن قاسم نے ملتان سے قبل اس قلعہ پر حملہ کیا۔ مقامی فوج 17 روز تک دیوانہ وار لڑتی رہی۔ اہل سکہ کی طرح مسلمانوں کے بھی بہت آدمی کام آئے اور ان افسران اور جوانوں کا نقصان محمد بن قاسم کے لیے سخت صدمے کا باعث ہوا۔ شہدا کے انتقام میں اس نے حکم دیا کہ سکہ کو مسمار اور برباد کر دیا جائے۔ چنانچہ شہر سکہ کو اس طرح برباد کیا کہ آج کھنڈرات بھی نظر نہیں آتے۔ سکہ کا حکمران شکست کے بعد ملتان چلا آیا۔ محمد بن قاسم نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ سکہ کا حکمران بھی ملتان والوں کے ساتھ مل کر لڑا اور جواں مردی کا حق ادا کیا آخر کار اہل ملتان قلعہ بند ہوئے۔ دو ماہ کے محاصرہ نے قحط کی صورت پیدا کی اور خچر اور گدھے کھانے پڑ گئے۔ قلعہ سے ایک شخص باہر نکلا تو اس سے قلعہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ چنانچہ کمزور حصے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے گئے۔ اور دیوار ٹوٹ گئی چانچہ دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ سخت مقابلہ

کے بعد محمد بن قاسم کو فتح ہوئی اور تمام مسلح افراد قتل کر دیئے گئے۔ 980 میں فرقہ قرامطیہ کے سردار جلم بن شیبان نے ملتان فتح کرلیا۔ ہندوؤں کے سورج مندر کو گرا دیا اور پرانی مسجد کے بجائے نجّی مسجد تعمیر کرائی 1005ء میں محمود غزنوی نے ملتان کا سات روز تک محاصرہ کیا اور فتح کے بعد لوگوں پر بے حد سختی کی کیونکہ ابوالفتح کے ملحدانہ عقائد کی وجہ سے لوگ کفر والحاد کی جانب متوجہ تھے۔ 1010ء میں محمود نے دوبارہ ملتان پر حملہ کیا اور ہزار ہا قرامطیوں کا قتل کیا اور ابوالدتح کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ 1175ء میں شہاب الدین غوری نے بھی ملتان پر حملہ کیا۔ کیونکہ فرقہ قرامطیہ نے یہاں زور پکڑ لیا تھا۔ اس مرتبہ اس فرقہ کا مکمل طور پر خاتمہ کیا گیا اور ملتان شہر کفر والحاد کے جال سے خلاصی پا گیا۔ ۲۳

1210ء تا 1227ء تک علاوہ سندھ و ملتان پر ناصر الدین قباچہ نے حکومت کی۔ مغل جرنیل طغی نے منجنیقوں سے ملتان پر حملہ کیا۔ قلعہ کی دیواریں جگہ جگہ سے خستہ ہوگئیں۔ اور قلعہ تقریباً فتح ہونے والا تھا کہ مغلوں کی فوج گرمی برداشت نہ کر سکی اور ناصر الدین قباچہ نے زر کثیر ادا کر کے اس مصیبت سے نجات پائی۔ ۲۴

1255ء میں ملک عز الدین بلبن ملتان کا گورنر حاکم مقرر کیا گیا۔ اس نے مغلوں سے ساز باز کی اور انہیں خفیہ طور پر بلا کر ملتان ان کے حوالے کر دیا۔ قلعہ کے کئی حفاظتی مورچے اور برج گرا دیئے گئے۔ قتل عام ہونے والا تھا کہ مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے زر کثیر ایک لاکھ دینار ادا کر کے شہر کو عام تباہی سے بچایا۔ ۲۵

1035ء ایک خان کے ماتحت مغلوں نے ایک لشکر عظیم سے علاقہ ملتان کو تاخت و تاراج کیا۔ آخر کار غازی بیگ تغلق نے انہیں ہزیمت سے دوچار کیا اور مغلوں کی ساری فوج ریگستانی علاقہ میں تباہ ہوگئی۔ ۲۶

1321ء میں غازی بیگ حاکم لاہور و ملتان نے سرکشی کی اور دہلی پر قبضہ کر کے سلطان غیاث الدین کا لقب اختیار کیا۔ ملتان کی جامع مسجد پر ایک کتبہ کندہ کرایا جس میں یہ الفاظ درج تھے۔ ''ہم نے 29 بار مغلوں سے مقابلہ کر کے ان کو شکست فاش دی'' اسی وجہ سے ہم کو ملک الغازی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۲۷

محمد تغلق شاہ دہلی نے دکن میں شہر دولت آباد بنایا اور رعایا کو حکم دیا کہ وہاں آباد ہو جائے یہی فرمان 1340ء میں ملتان کے حاکم بہرام ابیہ کے پاس پہنچا ہر کارہ نے پیغام شاہی ناموزوں الفاظ میں سنایا۔ بہرام نے پیامبر کو قتل کا حکم دیا محمد تغلق نے چڑھائی کا حکم دیا اور کشتیوں کے پشتے لگنے شروع ہو گئے۔ آخر شاہ رکن عالم نے دربار شاہی میں برہنہ سر ہو کر لوگوں کے لیے امان طلب کی۔ درخواست منظور ہوئی ورنہ خدا معلوم کیا حشر ہوتا۔ ۲۸

1397ء میں امیر تیمور کے پوتے پیر محمد جہانگیر نے ملتان کا چھ ماہ تک محاصرہ کیا قلعہ ملتان فتح نہ ہوا۔ اس دوران خود تیمور بھی پہنچ گیا۔ زمینداروں کو سزا دیتا ہوا ہزار ہا مویشی ساتھ لے گیا۔ تین ہزار گھوڑے بھی جمع کیے اور دہلی روانہ ہو گیا۔ ۲۹

1525ء میں سلطان محمود لنگاہ فوت ہو تو اس کے تین سالہ پسر سلطان حسین کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد قوام خان اور لشکر خان لنگاہ منحرف ہوئے۔ مرزا شاہ حسین ارغون سے مل کر سلطان حسین سے جنگ کی اور ملتان پر قبضہ کر کے شہر کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سات سال سے ستر سال کے افراد کو قید کر لیا گیا۔ صغیر سن سلطان کو بھی قید کر لیا گیا۔ ۳۰

1541ء میں علاقہ ملتان شیر شاہ سوری کے قبضے میں آ گیا اور مزاری بلوچ تلمبہ پہنچ گئے اور ست گھرہ میں میر چاکر رند آباد ہو گیا۔ شیر شاہ نے ہیبت خان کو قتل کر کے اس کی پسلیاں بھنوائیں۔ میر چاکر نے جوابی حملہ کر کے ملتان فتح کر لیا اور سیت پور پہنچا۔ ۳۱

1748ء میں مغل دربر سے معین الدین خان عرف میر منو ملتان اور لاہور کا صوبیدار بنایا گیا۔ میر منو نے کوڑامل کو فوج دے کر بھیجا اور ملتان کے باہر شاہ شمس سبزواری کی خانقاہ کے جانب مشرق لڑائی ہوئی۔ اولا کوڑامل کو شکست ہوئی مگر جب شاہ نواش خان کو علم ہوا کہ کوڑامل چند سواروں کے ساتھ دردانہ لنگا نہ کے قریب خیمہ زن ہے تو وہ بھی چند سواروں کو ساتھ لے کر حملہ آور ہوا۔ شاہنواز خان اپنی تلوار کی ضرب سے کوڑامل کے ہودے کو نیچے گرانے

ہی کوتھا کہ ایک گولی اس کی سر پر آ لگی اور وہ وہیں فوت ہو گیا۔ کوڑامل نے ملتان کا پٹہ میر منو سے حاصل کیا اور مہاراجہ کا لقب اختیار کر کے حکومت کرنے لگا۔ اس کے بہاولپور کے حکمران سے گہرے تعلقات تھے اور اس نے آدم واہن کا علاقہ چار ہزار روپے سالانہ پر دوامی پٹے پر دے دیا۔

1752ء میں ملتان کا علاقہ احمد شاہ ابدالی کے ماتحت تھا۔ اس نے علی محمد خاکوانی کو یہاں گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ 1758ء میں آدینہ بیگ نامی سردار کی انگیخت پر مرہٹوں نے علاقہ ملتان کو تاخت و تاراج کیا۔ اس بارا گوبار مرہٹہ نے صالح بیگ اور سنجلی بیگ نامی دو سرداروں کو لشکر جرار کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس طرح ملتان مرہٹہ گردی کا شکار ہو گیا۔ 1717ء تا 1779ء میں سکھوں کے ظلم و تشدد کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شریف بیگ کو کابل کی حمایت نہیں رہی تو انہوں نے ملتان کی طرف پیش قدمی کی۔ ان سکھوں کے سردار جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ تھے۔ جرنیل لہنا سنگھ تھا۔ سکھوں نے قلعہ کے اندر جانے کے لیے شریف بیگ تکلو کو آمادہ اس طرح کیا کہ وہ مدنر کی یاترا کے لیے جانا چاہتے تھے۔ ساٹھ ساٹھ کی ٹولیوں میں قلعہ کے اندر جانے لگے۔ ہر بار دس سکھ اندر رہ جاتے تھے۔ جب ایک ہزار سکھ اندر جمع ہو گئے تو سکھوں نے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی جانب سے حملہ کر دیا۔ شریف بیگ موقع پا کر تلمبہ کو فرار ہو گیا۔ جب کہ سکھوں نے دیوان سنگھ چھا چھوالیہ کو ملتان کا کاردار مقرر کیا گیا۔ جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ نے ملتان کے حصے بخرے کے لیے اور اپنے کاردار مقرر کر کے جھنگ سے ہوتے ہوئے امرتسر چلے گئے۔[۳۲]

نواب مظفر خان اور سکھ تحریک:۔

مارچ 1773ء میں احمد شاہ ابدالی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے پسر تیمور شاہ نے ایک لشکر جرنیل بھیرو خان اور ایک لشکر علی محمد خان کے ماتحت سکھوں کو ملتان سے نکالنے کے لیے بھجوائے لیکن کامیابی نہ ہوئی اور قلعہ ملتان کو فتح

نہ ہو سکا۔ 1779ء میں تیمور شاہ خود بہت بڑی فوج لے کر پشاور سے ڈیرہ غازی خان آیا۔ سکھوں کے ساتھ نواح شجاع آباد میں جنگ ہوئی اور کابل کی فوج زنگی خان کمال زئی کی سر کردگی میں تھی۔ زور کی آندھی آئی اور سکھوں کا نقارہ افغان فوج کے ہاتھ آ گیا۔ جو بجایا گیا تو سکھ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے اور گھیرے میں آ کر موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس مہم میں مظفر خان بھی تیمور شاہ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ سکھوں کو جب شجاع آباد میں ہزیمت ہوئی تو تیمور شاہ نے سکھ فوج کا تعاقب کیا اور ملتان تک پہنچا اور ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ اور گفت وشنید کے نتیجے میں قلعہ ملتان سکھوں نے خالی کر دیا اور تیمور شاہ نے مظفر خان کو گورنر ملتان مقرر کر دیا۔ ۳۴

مہاراجہ رنجیت سنگھ:۔

1799ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کیا اور 1801ء میں مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کے ساتھ مل کر ملتان پر حملہ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی تو اس نے ملتان پر حملوں کا آغاز خود ہی کر دیا۔ پہلا حملہ 1802ء میں کیا گیا۔ اس کے بعد 1812, 1816, 1817, 1806, 1807, 1810ء میں بھی حملے کیے اور رقم واپس لے جاتا رہا اور قلعہ پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔ اس دوران ملتان پر نواب مظفر خان کی حکمرانی تھی۔ آخری حملہ 1818ء میں کیا گیا۔ قلعہ پر گولہ باری کا آغاز کیا گیا۔ سکھ فوج کے پاس لاتعداد توپیں تھیں۔ گولہ باری کے نتیجے میں قلعہ کی دیواریں برجوں کے بالائی مورچے دیدبان اور دمدمے تباہ ہو گئے۔ قلعہ میں موجود عمارتیں بھی گولہ باری کا نشانہ بنیں۔ احمد شاہ ابدالی کی مشہور زمزمہ توپ سے بھی حملہ کیا گیا۔ صلح کی گفت وشنید شروع ہوئی مگر محصورین نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ نواب مظفر خان کو بشارت ہوئی چنانچہ نواب اپنے پسران سمیت شہادت کی سعادت سے مشرف ہوا۔ فتح کے نشے میں سرشار سکھ لوٹ مار میں مصروف ہو گئے جو مکانات اور محلات بچ گئے تھے۔ ان کو بھی دفینوں کی تلاش میں مسمار کر دیا گیا۔ عورتوں کی بے

حرمتی کی گئی۔ کئی عورتیں عصمت بچانے کے لیے کنوؤں میں کود گئیں۔ سقوط ملتان 1818ء کے بعد سکھا شاہی شروع ہوگئی۔ یکے بعد دیگرے تین سالوں میں چھ گورنر دربار کی جانب سے مقرر ہوئے مگر موقوف کر دیئے گئے۔ اس کے بعد دیوان ساون مل کو 1821ء میں گورنر مقرر کیا گیا۔ اگر چہ یہ انصاف پسند تھا۔ مگر مذہبی طور متعصب تھا۔ کلیدی عہدوں پر ہندو متعین کیے سال 1939ء میں رنجیت سنگھ فوت ہوا جبکہ سال 1945ء میں دیوان ساون مل کر بھی ایک پٹھان کی گولی کا نشانہ بنا اور فوت ہوگیا۔ اس کے بعد دیوان مولراج جو کہ دیوان ساون مل کا بیٹا تھا۔ گورنر مقرر ہوا۔ اس کے سکھ دربار سے اختلافات ہوئے تو نیا گورنر کاہن سنگھ مقرر کیا گیا۔ جس کے ساتھ دو انگریز اور اینڈرسن ملتان گورنری کا چارج دلانے کے لیے آئے۔ مگر حالات نے اچانک تبدیلی اختیار کی اور ایگنیو اور اینڈرسن کو قتل کر دیا گیا۔ اگر چہ دیوان مولراج خود سازش میں شریک نہ تھا۔ مگر اپنے بھائیوں اور اہل شہر کے مجبور کرنے پر مقابلے پر آمادہ ہوا۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈ نے جو سندھ میں متعین تھا یہ خبر پاتے ہی کرنل کورٹ لینڈ جو سکھ افواج کا افسر تھا کو کمک کے واسطے لکھا چنانچہ وہ 2 ہزار سپاہی اور 15 توپیں ساتھ لے کر مدد کے لیے آیا اور 18 جنوری 1848ء کو بہاول خان اپنی افواج کے ساتھ آملا۔ شیخ امام الدین بھی چار ہزار فوج لے کر امداد کے لیے آ گیا اس طرح کل فوج اٹھارہ ہزار جمع ہوگئی۔ یکم جولائی 1848ء کو سدو حسام کے قریب متحارب فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جگہ جگہ نالے گڑھے اور ناقابل گزر رکاوٹیں موجود تھیں۔ چھ گھنٹے تک توپوں کا شور جاری رہا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایک گولہ دیوان مولراج کے ہودے پر لگا اور وہ نیچے آ رہا اور صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی سمت چلا گیا۔ انگریزی اور ریاستی افواج کو کمک حاصل ہوئی اور 28 دسمبر کو بمبئی اور بنگال کی قلعہ شکن توپوں نے قلعہ اور فصیل پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس ہولناک آتشباری کا اس امر سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بہاولپور میں توپوں کی گھن گرج کو سنا گیا۔ 30 دسمبر کو قلعہ شکن توپ کا ایک گولہ قلعہ کے اندر میگزین کے ذخیرے پر گرا تو ایسا دھماکہ ہوا کہ قلعہ کے نزدیک کی عمارتیں ہوا میں اڑتی نظر آئیں۔ کئی میل تک زلزلہ محسوس کیا گیا۔ گرد و غبار کے بادلوں میں

کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ دھماکے کا اندازہ ایک ہزار توپ کے چلانے سے بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ سولہ ہزار پونڈ بارو داچانک پھٹ پڑا تھا۔ وقتاً فوقتاً لڑائی ہوتی رہی۔ 21 جنوری 1849ء کو مولراج کا وکیل انگریزی کیمپ میں پہنچا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ انگریزی کیمپ نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ چنانچہ 22 جنوری 1849ء کو دیوان مولراج قلعہ سے باہر آیا اور اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ انگریزوں کے ساتھ ریاست بہاولپور کی فوج نے بھی اس معرکہ میں دیوان مولراج کے خلاف حصہ لیا تھا۔ دیوان چھر کنڈہ مل اس وقت بہاولپور کی افواج کی قیادت کر رہا تھا۔ اس نے ملتان کے حالات لکھے۔ یہ خط اگرچہ فارسی میں تحریر کیا گیا۔ اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔ ۳۴

''مولراج کے نمائندے'' گفت وشنید کا پیغام لائے تاکہ مسئلہ انجام کو پہنچ سکے۔ آج 26 ماہ صفر المظفر 1265 بوقت سورج نکلنے کے 2 گھنٹے بعد مولراج نے ملاقات کے ارادہ کا پیغام بھجوایا۔ انک صاحب اور پالک صاحب تخی دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور انتظار کرنے لگے۔ مولراج سرخ لباس میں سنہری دستہ کی تلوار کمر میں لٹکائی ہوئی شام سنگھ اور ورنگرام کے ساتھ باہر آیا اور صاحبان جو دروازہ پر موجود تھے کو سلام کیا۔ فوجی دیوان کے گھوڑے کی پشت کی طرف آگئے اور اسے دولت دروازے کے راستے باہر لے گئے۔ میں نے ایک صاحب سے قلعہ کے اندر جانے کی اجازت لی موصوف مجھے اور دوسرے افسروں کو اندر لے گئے۔ حضرت بہاءالدین زکریاؒ کے مقبرہ کی حویلی کی دیوار شکستہ ہوگئی ہے اور روضہ کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ قلعہ منہدم ہوگیا ہے عمارات خراب ہوگئی ہیں۔ دیہہ دروازہ کے بغیر کسی نبی آدم کے رہنے کی جگہ باقی نہیں رہی۔ زمین گولہ باری سے چھلنی ہوگئی ہے۔ جانوروں کے مرنے سے ہر طرف بدبو ہے۔ بدبو سے سر چکراتا ہے۔ اجناس وغلہ جات، کاغذات دفتر منتشر ہوگئے ہیں۔ غلام قلعہ کو دیکھ کر واپس ڈیرہ آگیا ہے۔ (مندرجہ بالا خط کتاب انشاء (فارسی قلمی نسخہ ملکیتی راقم) مرتب کردہ احمد فقر ملہانی موضع ملہانی تحصیل اللہ آباد نظامت خانپور ریاست بہاولپور سے لیا گیا ہے۔) ۳۵

ملتان کی مذہبی شناخت:۔

سرزمین ملتان کی قدامت ایک مسلمہ امر ہے۔ یہاں مختلف نسلوں کے لوگ وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ تمام قدیم مذاہب میں جن میں بت پرستی رائج تھی ان میں سورج کو ایک خاص اہمیت ہی نہیں بلکہ تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ اسے زمین کو روشنی اور وقت بخشنے والا سمجھتے تھے۔ سورج مندر ملتان میں زمانہ قبل از تاریخ سے قائم تھا۔ راجہ ہرنا کشپ نے اپنے آپ کو سورج دیوتا کہلوایا ہے اور دعوی کیا کہ میں ہی سورج دیوتا ہوں اور اس نے اپنی ہی شکل کا طلائی بت تیار کر کے سورج مندر میں رکھوا دیا اور لوگوں سے جبراً پوجا کرائی۔ ۳۶

راج کمار پر جو راجہ ہرنا کشپ کا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کے خدائی دعوی کا منکر ہوا تو راجہ ہرنا کشپ نے قلعہ کی بلند و بالا فصیل سے گرایا۔ تیل کے گرم کڑھاؤ میں پھینکوا دیا۔ دریا میں غرق کرنے کی کوشش کی مگر ہرنا کشپ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ روایت ہے کہ پرہلاد کو گرم ستون سے باندھنے لگے تو وہ شق ہوا اور اس میں سے وشنو جی شیر کی صورت نمودار ہوئے اور راجہ ہرنا کشپ کو مار ڈالا۔ ۳۷

پرہلاد مندر پرہلاد بھگت کی یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا جو بعد از اں تعمیر در تعمیر کے باوجود قلعہ کہنہ پر موجود ہے۔ پرہلاد مندر کی حیثیت ہر زمانے میں ایک یونیورسٹی کی رہی ہے۔ دور دور سے ہندو طالبان علم ملتان آ کر اس درسگاہ میں علم حاصل کرتے تھے۔ پرہلاد کے بعد اس کے پوتے بانا کے حریف راجہ سنب نے بانا کو شکست دی اور ملتان کا نام سنب پورہ رکھ دیا۔ اس طرح پوجا جو پرہلاد کے وقت میں ختم ہوگئی تھی۔ کو دوبارہ رائج کیا اور سورج دیوتا کا بت بنوایا اور آدیتہ استھان نامی میں رکھوا دیا۔ یہی بت بعد میں مولا استھان کے نام سے مشہور ہوا۔

ہندوؤں کی معتبر کتاب ''رگ وید'' علم انسانی میں سب سے پرانی کتاب ہے۔ ۳۸

ملتان صوفیاء کرام کے دور میں

حضرت بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ:۔

پروفیسر محمد شفیع اپنے مضمون بعنوان ''شیخ الکبیر بہاء الدین زکریا ملتانیؒ'' میں حضرت بہائد الدین کے حسب نسب پر ''سیر العارفین'' اور ''تاریخ فرشتہ'' کے حوالہ سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ۳۹

حضرت حسام الدین ترمذی نے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی کمال الدین علی شاہ قریشی کے بیٹے وجیہہ الدین سے کردی جس کے بطن سے کوٹ کروڑ میں بروز جمعہ 27 رمضان 566ھ 3 جون 1171ء کو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی پیدا ہوئے۔ آپ گیارہ سال کے تھے کہ والد رحلت فرما گئے۔ قرآن حفظ کر چکے تھے۔ مزید تعلیم کے لئے خراساں تشریف لے گئے۔ چند سال بعد وہاں سے بخارا چلے گئے۔ اسلامی تعلیم کے سلسلہ میں پھر مکہ اور مدینہ کارخ کیا۔ مدینہ میں شیخ کمال الدین یمنی سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بغداد تشریف لے گئے۔ حدیث میں دسترس حاصل کر لی تھی۔ بغداد میں حضرت شیخ سید شہاب الدین سہروردی گیلانی سے ملاقات ہوئی۔ سترہ دن کے بعد انہوں نے آپ کو ملتان روانگی کا حکم دیا کہ وہاں جا کر سہروردیہ خانقاہ قائم کریں اور مدرسہ میں اسلامی تعلیم کا سلسلہ شروع کریں۔ ان کے حکم پر آپ نے ملتان پہنچ کر قلعہ پر ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے ساتھ ملحقہ مدرسہ قائم کیا۔ رہائش ساتھ ہی حجرہ میں رکھی اور مخدوم شیخ عبدالرشید کی ہمشیرہ سے شادی کی۔ پرہلاد مندر سے ملحقہ مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک قائم ہے۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کا سلسلہ شروع کر دیا جو کہ آپ کی وفات 666ھ 1267ء کے بعد بھی جاری رہا۔ اسلام کی سربلندی کے لئے آپ نے ملتان سے سندھ کا سفر کیا۔ وعظ دیئے۔ آپ کے عمل سے ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ آپ ایک امیر آدمی تھے آپ اپنے مریدوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کاروبار میں ایمانداری کا درس دیتے تھے۔ آپ کے تربیت یافتہ مریدین نے سندھ اور ملتان

کے علاقوں میں پھیل کر اسلام پھیلایا۔ قلعہ پر قائم مدرسہ ایک اقامتی درسگاہ تھی اس درسگاہ میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی فقہ سے متعلق تعلیم دی جاتی۔ طلباء کو کاروبار کی تربیت دی جاتی کیونکہ آپ خود اپنے عہد کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ایمانداری، عمدہ معاملات، نرم خوئی، اعلیٰ اخلاق اور عبادات میں نظم وضبط زندگی کی کامیابی کے سلسلے میں بنیادی اصولوں کے طور پر پڑھائے جاتے تھے۔ ان خوبیوں کی بناء پر جنوبی ایشیاء بلکہ سنٹرل ایشیاء سے بھی طلباء یہاں علم کی تلاش میں آتے تھے۔ اس مدرسہ کی شہرت حضرت بہاءالدین زکریا کی محنت اور لگن کی وجہ سے تھی۔ اساتذہ کو معقول تنخواہ دی جاتی تھی اور طلباء کو بھی وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ان کو قیام وطعام کی سہولت میسر تھی۔ یہ سب اخراجات حضرت زکریا خود برداشت کرتے تھے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد طلباء سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ حضرت کی رہنمائی میں کام کریں اور وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا کر اسلام پھیلائیں۔ سب کو ہزاروں روپے کا سامان تجارت دیا جاتا تھا تا کہ ان سے وہ اپنے اخراجات حاصل کریں۔ انہیں ایمانداری کے ساتھ کم سے کم منافع پر تجارت کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے مقامی لوگ ان کی دیانت اور اچھے معاملات کے گرویدہ تھے۔ وہ اپنی بات اس وقت تک علاقے کے لوگوں کے سامنے پیش نہ کرتے جب تک انہیں اپنے اعتماد میں نہ لے لیتے۔ پھر وہ ان کے سامنے اسلامی نظریات بیان کرتے اور انہیں مانتے ہوئے لوگ اسلام قبول کر لیتے۔ یہ سب تاجر سال میں ایک مرتبہ واپس ملتان آ کر مدرسہ میں مقرر تاریخ کو حضرت زکریا کے سامنے اپنے تجربات بیان کرتے تھے۔ ان میں سے بیشتر لوگ کامیابی سے واپس آتے۔ کچھ مایوس ہوتے انہیں مشکلات کا سامنا رہا تھا۔ اور بعض کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہوتا لیکن حضرت بہاءالدین ان سے مہربانی سے پیش آتے۔ آپ اپنے مال میں نقصان کی پرواہ نہ کرتے آپ کا مقصد اسلام پھیلانا تھا۔ جس میں بالآخر وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ آپ کے کچھ مریدین نے بلوچستان اور اس سے بھی آگے علاقوں میں اسلام کی اشاعت کی۔ انوار غوثیہ نامی کتاب کے مطابق حضرت بہاءالدین زکریا پرہلاد کے مندر کے قریبی کھلے میدان میں اپنی عادت کے مطابق

ہندوؤں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ان اجتماعات میں تاجر برادری یعنی اونچی ذات کے بے شمار ہندو مسلمان ہو گئے۔ آپ لوگوں کی بہبود کا بہت خیال رکھتے۔ آپ کی مدد سے دریائے راوی اور چناب سے زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھودی گئیں۔ آپ نے کاشت کاروں کی بہت مدد کی۔ زراعت کے سلسلہ میں سہولتیں فراہم کیں۔ لوگ خوشحال ہو گئے۔[۳۸]

قطب الدین ایبک کی وفات پر دہلی سلطنت سے ملتان ناصر الدین قباچہ کے تحت آزاد خود مختار ہو گیا۔ دہلی سے علیحدگی کو آپ نے پسند نہ کیا چنانچہ آپ نے قاضی ملتان شرف الدین سے مل کر سلطان شمس الدین التمش کو خطوط لکھ کر حالات سے آگاہ کر دیا یہ خطوط پکڑے گئے اور قباچہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ قباچہ نے ان کو دربار میں طلب کیا اور خطوط کے بارے میں پوچھا۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ اللہ کی مرضی یہی تھی اور میں نے خط لکھا۔ قباچہ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور آپ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا لیکن قاضی شرف الدین کو قتل کروا دیا۔ شیخ بہاء الدین صرف اللہ کی ذات سے ڈرتے تھے۔ کسی دوسرے کی پرواہ نہ کرتے۔ اور آپ نے اسی عمل کی تبلیغ بھی کی لوگوں کی خاطر آپ نے ایک مرتبہ منگولوں کے حملہ کے دوران 1257ء میں بھاری رقم دے کر منگولوں کو واپس کر دیا تا کہ لوگوں کا خون ناحق نہ بہایا جائے۔ زکوۃ اور عشر کی ادائیگی پر ہمیشہ زور دیا۔ آپ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کے دروازے اجنبی لوگوں کے لئے کھلے رہتے تھے آپ نے مدرسہ کے ساتھ کئی کمرے مسافروں کے لئے بنوائے تھے۔ آپ نے غرباء کو رقم قرض دینے کی مثال بھی قائم کی تھی جبکہ اکثر لوگ یہ رقم لے کر واپس نہ کرتے تھے۔ آپ نے اس عمل کو جاری رکھا۔ لوگوں کو سود سے منع فرمایا کرتے۔ اس طریق کار کے تحت قرض لینے والے لوگوں نے بھی ایمانداری کی عادت اپنائی اور قرض کی رقم واپس کرنے لگے۔ آپ نے امیر لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ زکوۃ کی رقم سے غریبوں کی مدد کریں۔ مزید یہ کہ بیواؤں اور یتیموں کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے قلعہ کی مسجد کے قریب ایک لنگر خانہ جاری کیا گیا تھا جہاں سے بچوں، بوڑھوں، نادار لوگوں کو تین وقت کھانا مفت دیا جاتا تھا۔ آپ نے سندھ،

بلوچستان، کشمیراور ملتان کے مضافات میں اپنے فلاحی کاموں کی نگرانی کے لئے بہت سے سفر بھی کئے۔ آپ نے معاشرہ میں بھلائی کے کام کئے۔ برائیوں کوختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کوسلطان شمش الدین التمش نے شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے (مخدوم عبدالرشید کی بہن سے) صدر الدین عارف (پیدائش 629ھ 1224ء) اور پیروکاروں میں مولانا برہان الدین احمد، مولانا ضیاء الدین احمد اور آپ کے پوتے حجرت ابوالفتح رکن الدین اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے افراد نے آپ کے کام کو جاری رکھا۔ آپ ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی تھے۔ آپ نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ [۱۳]

سید شمس الدین سبزواری المعروف شاہ شمس:۔

اسی زمانہ میں ایک صوفی حضرت سید شاہ شمس الدین بھی سنٹرل ایشیاء سے ملتان تشریف لائے۔ وہ ایک اسمٰعیلی داعی تھے۔ ان کے والد سید صلاح الدین محمد کی شادی سید عبدالہادی کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی۔ سید عبدالہادی حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے۔ سید شمس الدین 15 شعبان 560ھ 1164ء میں علاقہ سبزوار (ایران) میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیمات 579ھ 1183ء میں مکمل کی اور 600ھ 1204ء میں شادی ہوئی۔ انہوں نے ساری اسلامی سلطنت (دنیا) کی سیاحت کی اور 1265ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد 1266ء میں ملتان تشریف لائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ ملتان سے باہر تشریف فرما ہوئے تو شہر میں داخلہ کے لئے حضرت بہاء الدین سے اجازت چاہی۔ انہوں نے دودھ کا پیالہ لبالب بھرا ہوا بھجوادیا جس کا مقصد تھا کہ یہاں تمہارے لئے جگہ نہیں ہے کیونکہ وہ اسمٰعیلی تھے اور حجرت بہاء الدین کٹر سنی تھے) حضرت سید شمس الدین نے اس پیالہ پر پھول رکھ کر واپس بھجوادیا۔ اس پر حضرت بہاء الدین خاموش ہوگئے۔ آپ کے پیروکاروں نے سید شمس الدین کی ملتان میں موجودگی کی مخالفت کی مگر آپ نے اپنے پیروکاروں کو سنبھالا۔ بعد میں ان دونوں

بزرگوں میں عمدہ روابط قائم ہوگئے سید شمس الدین نے قلعہ سے مشرق کی طرف قیام کیا۔ مسجد تعمیر کرائی اور اپنا حجرہ بنوایا۔ اب سبزوار سے ان کے مرید آہستہ آہستہ ملتان آنا شروع ہوگئے اور اس طرح ایک کثیر تعداد میں اسمٰعیلی جمع ہوگئے آپ صلح کن اور نیک سیرت شخص تھے۔ سید شمس الدین تمام روحانی کمالات کے حامل ایک روحانی شخصیت تھے۔ آپ ایک ذہین شخص تھے۔ لوگوں نے آپ کے نام کے ساتھ بے شمار کمالات کی داستانیں بیان کی ہیں۔ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ انہیں بے شمار زبانوں پر دسترس تھی۔ مثلاً سرائیکی، پنجابی، سندھی، گجراتی، ہندی، پوربی کشمیری، فارسی وغیرہ اور ان سب زبانوں میں لکھتے تھے۔ ان کی شاعری نے انہیں عوام میں بہت مقبول کر دیا۔ ان کا مشن بھائی چارہ اور امن پسندی تھا۔ علم تصوف سے گہری دلچسپی تھی۔ آپ کردار میں بہت نرم خو تھے۔ آپ کے پیروکار اپنے آپ کو شمسی کہلواتے تھے۔ یہ لوگ اب بھی ملتان میں موجود ہیں اور کاروبار میں مشغول ہیں۔ سید شمس الدین نے 111 سال عمر پائی اور 1176ء میں وفات پائی۔ آپ کو آپ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ بعد میں نہایت خوبصورت مقبرہ بنایا گیا جو قابل دید ہے۔[۴۲]

حضرت سید ابوالحسن موسیٰ پاک شہیدؒ:۔

سید موسی پاک شہید کی پیدائش 952ھ 1542ء میں ہوئی۔ دونوں بھائیوں سید عبدالقادر اور سید موسی پاک شہیدؒ کے درمیان گدی نشینی پر اختلافات پیدا ہو گئے۔ بالآخر چھوٹے بھائی سید ابوالحسن موسی پاک شہید نے ملتان چھوڑ کر اوچ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ ملتان سے 16 میل دور بطرف جنوب لاڑ کے قریب سرور شاہ کوٹ پہنچے اور آرام کی غرض سے قیام فرمایا۔ کہ آپ کے قافلہ پر ڈاکوؤں نے لوٹ مار کی غرض سے حملہ کر دیا۔ ڈاکوؤں کا سردار سلطان لنگاہ نے رات کے اندھیرے میں حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ 13 شعبان 1070ھ 15 فروری 1602ء کو پیش آیا۔ آپ کو سید سرور شاہ کے مزار کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔ لیکن پندرہ سال بعد آپ

کے جسد مبارک کو وہاں سے نکال کر ملتان شہر میں پاک دروازہ میں آپ کے والد اور دادا کے ساتھ دفن کیا گیا۔آپ نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے۔سید حامد گنج ثانی، سید یحیٰی، سید عیسیٰ اور سید جان محمد سب نے اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا اور نیک نام کمایا۔ان کی نیکی کی وجہ سے مغل بادشاہ شاہ جہان نے سید حامد گنج بخش ثانی کے بیٹے سید موسیٰ پاک دین کو ملتان میں نائب صوبیدار مقرر کیا۔شاہ جہان کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی میں اورنگ زیب کامیاب ہوا۔شہزادہ اقبال بلند دارا شکوہ شکست کھا کر لاہور پہنچا۔وہاں سے ملتان کا رخ کیا اور پھر بطرف سندھ ٹھٹھہ روانہ ہوا۔تا کہ بلوچستان میں پناہ حاصل کرے۔اورنگزیب اس کے پیچھے پیچھے ملتان پہنچا۔مخدوم سید روشن شاہ محمد یوسف گردیزی ''تذکرہ الملتان'' (1861 میں فارسی میں لکھی گئی) میں لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب 1068ھ 1675ء میں ملتان سے پانچ میل دور دریائے چناب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔شیخ موسیٰ گیلانی نائب صوبیدار اور سید عزت خان جو کہ دارا شکوہ کے قدیم ملازموں میں سے تھے۔ پیچھے رہ گئے تھے۔ان کے ساتھ سید مسعود بارہوی بھی تھے اس نے دارا شکوہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔یہ سب اورنگ زیب کے سامنے پیش ہوئے۔اورنگ زیب نے دارا شکوہ کے متعلق پوچھا۔سید موسیٰ نے نامناسب جواب دیا۔چنانچہ اسے معزول کر دیا گیا۔کشمیر کے صوبیدار لشکر خان کو ملتان کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔خان عالم کو حکم ملا کہ لشکر خان کے آنے تک وہ ملتان میں نائب صوبیدار کی حیثیت سے قیام کرے۔پھر اورنگ زیب نے حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار اور حضرت سید محمد یوسف گردیزی کے مزار کی زیارت کی اور ان مزارات کے خادمین کو انعام و اکرام سے نوازا۔تیل چراغ کے لئے جاگیریں دی۔مختصر یہ کہ سنٹرل ایشیاء سے آنے والے صوفیاء علماء نے ملتان میں دین کی خدمت کی۔اسلام کی اشاعت کی۔اسلامی تعلیمات پھیلائی۔مقامی آبادی ان کے اخلاق سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ان صوفیاء کی خانقاہوں نے ثقافتی سماجی انقلاب برپا کر دیا۔ان کے درس کی بنیاد وحدانیت، مساوات اور انسانی محبت تھی۔ انہوں نے لوگوں کے کردار میں تبدیلی پیدا کی۔چھوت چھات اونچ نیچ کو ختم کیا۔تقویٰ پر زور دیا۔زندگی میں سادگی

پرزور دیا۔۴۳؎

حضرت شاہ رکن عالم:۔

شہر ملتان کو مدینہ الاولیاء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں سینکڑوں کی تعداد میں اولیاء کرام آئے اور اپنے علم اور فیض سے اس خطہ کو روشن ومنور کردیا۔ برصغیر پاک وہند میں صوفیاء کرام نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں ان کی یہ عظیم دینی مذہبی تبلیغ اور روحانی خدمات ہماری اسلامی تاریخ کا روشن باب ہیں حضرت شاہ رکن عالم سہروردیؒ برصغیر کے عظیم صوفیاء کرام میں سے ہیں۔تاریخ تصوف میں بہت کم ایسا ہوا ہے۔ کہ باپ کے بعد بیٹے کے پوتے نے رشید وہدایت کی مسند کو زینت بخشی ہو۔ شیخ اسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی ان کے صاحبزادے حضرت صدرالدین عارف اور ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین ابوالفتحؒ ایسے ہی سلسے کی کڑیاں ہیں۔جن پر تصوف کو عموماً اور سہروریہ کو خصوصاً حسن افتخار ہے۔حضرت شاہ رکن عالمؒ 649ہجری میں ماہ رمضان کے بابرکت مہینے کی نویں تاریخ کو حضرت صدرالدین عارفؒ کے گھر پیدا ہوئے۔اور حضرت بی بی راستیؒ کے دامن میں پرورش پانے والے کو قطب الاقطاب کے لقب سے پہچانا گیا داداجان شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا کی شہرت پوری دنیا میں پھیل چکی تھی نانا حضرت سلطان جمال دینؒ زہدتقوی میں بے مثال تھے۔ پردادا حضرت محمد غوثؒ وقت کے قاضی تھے۔اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپؒ کے گھر میں کس قدر علمی وروحانی ماحول میسر تھا۔آپؒ نے مدرسہ علوم سلامیہ البہائیہ میں دادا حضرت بہاءالدین زکریاؒ، والد حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ، حضرت سید برہان الدینؒ، حضرت میر حسینیؒ اور حضرت سید بلال بخاریؒ سے قرآن وسنت اور ظاہری علوم پر مکمل دسترس حاصل کی اور تمام تر روحانی تصوف وطریقت کی منازل اپنے دادمحترم سے حاصل کی۔آپؒ کی والدہ حضرت بی بی راستیؒ اتنی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔آپؒ بچپن سے ہی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور سات برس کی عمر سے نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔آپؒ رات کے پچھلے پہر بیدار ہوجاتے اور نماز تہجد کے بعد ذکرواذکار فرماتے۔نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرنا آپؒ کا معمول تھا۔۴۴؎

ملتان برطانوی دورِ حکومت میں :۔

ملتان کو فتح کرنے کے سلسلہ میں لشکر تمام ہندوستان سے اکٹھا کیا گیا تھا ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں ڈیرہ فتح خان ڈیرہ غازی خان بہاول پور ریاست ملتان کے پٹھان و دیگر مسلمان، بمبئی بنگال کی رجمنٹیں گورکھا رجمنٹ سب نے ملکر دیوان مولراج کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر انگریز 4 ماہ بعد جا کر کامیاب ہوئے۔ فتح کے بعد کیپٹن ایڈورڈ ہربرٹ جنرل کورٹ لینڈ جنرل وش کرنل فرینکس Franks کرنل نیش Nash، لیک Lake وغیرہ تقریباً 2-1/2 ماہ ملتان میں رہے پھر اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔ ملتان کا سب سے پہلا ناظم لگایا گیا جو بعد میں کیپٹن کے عہدہ پر ترقی پا گیا کورٹ لینڈ کو ڈیرہ غازی خان کا ناظم مقرر کیا گیا۔

مسٹر جم کرپس کو ملتان کا نائب ناظم بنایا گیا ملتان کی فتح کے بعد کیپٹن ایڈورڈ کے ساتھ بہت سے روساء خصوصاً فوجدار خان علیزئی، غلام سرور خان خاکوانی، غلام مصطفیٰ خان خاکوانی، صادق محمد خان بادوزئی، غلام قاسم خان ملیزئی، مخدوم شاہ محمود قریشی وغیرہ لاہور گئے وہاں ریذیڈنٹ لارنس نے انہیں خطابات سے نوازا۔ خلعت فاخرہ دی۔ نواب فوجدار خان کو 4 ہزار روپے سالانہ پنشن اور ایک باغ وزرعی جاگیر دی گئی، جبکہ صادق محمد خان کو 2 ہزار روپے سالانہ پنشن اور ایک باغ ملا اس طرح دوسرے روساء بھی نوازے گئے۔[۴۵]

فتح پنجاب مارچ 1849ء کے بعد انتظامی اصلاحات کے تحت ملتان کو ضلع کا درجہ دیا گیا اور یہاں ڈپٹی کمشنر تعینات کیا گیا چنانچہ Lt. James پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا۔ جم کرپس کو اسسٹنٹ کمشنر تعینات کیا گیا۔ ڈیرہ غازی خان کو بھی ضلع کا درجہ دے کر کورٹ لینڈ کو ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا۔ ڈیرہ غازی خان کا لیہ صدر مقام بنایا گیا اور میانوالی کو اس کا حصہ قرار دیا۔

iv۔ ڈاکٹر شمیم زیدی لکھتی ہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا دربار کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے۔ امراء اور حکام کیسا تھ ان کی آمد و رفت تھی ہو سکتا ہے خود تشریف لے جاتے ہوں۔ بحوالہ خلاصہ العارفین کے مطابق احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتان مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی (ایران، پاکستان)

کورٹ لینڈ سکھوں کا ملازم تھا پہلے ہی وہاں سکھوں کی طرف سے ناظم کے فرائض خوش اسلوبی سے سر انجام دے چکا تھا اب انگریز سرکار نے اس کی خدمات کے پیش نظر اسے دوبارہ ڈیرہ غازی خان میں لگا دیا یہ وہاں 1849ء سے 1954ء تک فرائض سر انجام دیتا رہا۔ اس نے اس علاقہ کو مختلف انتظامی ڈھانچوں میں تقسیم کیا۔ یہاں کے قبائلی سرداروں سے عمدہ تعلقات قائم کیے۔ ان قبائل کے لوگوں کو سرکاری لشکر میں بھرتی کیا۔ ضلع ملتان میں ملتان شہر شجاع آباد لودھراں وہاڑی میلسی کروڑ تلمبہ کبیر والا سرائے سدھی چنیوٹ جھنگ مظفر گڑھ خان گڑھ پنجند تک کے علاقے شامل تھے۔ جبکہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں ڈیرہ غازی خان سے راجن پور اور روجھان تک کا علاقہ لیہ ڈیرہ اسماعیل خان بکھر کوٹ ادو وہوا میانوالی شامل تھے۔ 1850ء میں ملتان اور ڈیرہ غازی خان کو کمشنری کا درجہ دے دیا گیا لیہ کو کمشنری کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ کرنل راس کو پہلا کمشنر مقرر کیا گیا۔ یہ 1850 سے 1857ء تک کمشنر رہا۔ اس کی اچانک وفات لیہ میں ہوئی اور وہیں گورا قبرستان میں دفن کیا گیا اس دوران کورٹ لینڈ کے بعد ڈیرہ غازی خان کا دورا ڈپٹی کمشنر 1854ء میں کیپٹن پولاک کو مقرر کیا گیا جب کرنل راس 1857ء میں فوت ہوا تو کیپٹن پولاک کمشنر بنا دیا گیا چند ماہ کے لئے اسے عارضی طور پر چارج دیا گیا تھا پھر میجر براؤن Brown کمشنر بن کر آ گیا پولاک کو دوبارہ 1857ء سے 1860ء تک ڈپٹی کمشنر مقرر کر دیا گیا اس دوران تونسہ کے علاقے بھی ڈیرہ غازی خان کی کمشنری میں شامل کر دیے گئے 1874ء میں کیپٹن سنڈیمن کو ڈیرہ غازی کا ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا۔

۴۶

1858ء کے بعد مزید انتظامی اصلاحات کی گئیں ڈیرہ اسماعیل خان کو علیحدہ انتظامی یونٹ کا درجہ دے دیا گیا وہوا کو ڈیرہ غازی خان سے علیحدہ کر کے ڈیرہ اسماعیل خان کے ماتحت کر دیا گیا۔ جس پر قیصرانی قبیلہ والوں نے احتجاج کیا۔ بکھر میانوالی دریا خان بھی ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع میں شامل کیے گئے مسٹر گرے کو ڈپٹی کمشنر لگایا گیا، وہوا کے لوگوں نے خصوصاً قیصرانی قبیلہ والوں نے مسٹر گرے کو اغوا کر لیا۔ کیپٹن سنڈیمن نے قیصرانی قبیلہ

کے لوگوں سے اس شرط پر مسٹر گرے کو رہائی دلوائی کہ وہوا کا علاقہ ڈیرہ غازی خان میں دوبارہ شامل کردیا جائے گا چنانچہ ایسا کرلیا گیا۔ 1858ء جنگ آزادی کے بعد اصلاحات کا سلسلہ چلتا رہا ملتان کمشنری میں ملتان ڈیرہ غازی خان مظفر گڑھ، ساہیوال فیصل آباد سرگودھا چنیوٹ جھنگ یہ تمام علاقے شامل کردیئے گئے مگر 1901ء میں ملتان کمشنری میں ڈیرہ غازی خان اور لیہ بھی شامل کیا گیا۔ الغرض دریائے راوی کے پار کے علاقے شامل کئے گئے۔ جبکہ شمال کی طرف ترموں ہیڈ ورکس کے علاقے ملتان کی کمشنری کا حصہ بنا دیئے گئے۔ کیپٹن جیمز کے بعد ملتان کا ڈپٹی کمشنر M.P. Edgewrth کو لگایا گیا۔ یہ پہلا سول سروس کا شخص تھا۔ بعد میں اسے کمشنر بنا دیا گیا۔ اس کی جگہ پھر کیپٹن Farrignton کو ڈپٹی کمشنر لگایا گیا۔ یہ انگریز افسران مئی 1854ء تک ملتان میں کام کرتے رہے اس کے بعد مئی 1854ء میں G.W. Hamilton ہملٹن بحیثیت کمشنر ملتان آیا، اس نے ملتان میں بڑا نام کمایا۔ اس تعیناتی سے پہلے یہ فروری 1853ء سے مئی 1854ء تک ملتان میں بحیثیت ڈپٹی کمشنر کام کرچکا تھا انہوں نے زراعت، تجارت صنعت وحرفت کو بڑی ترقی دی۔ ہملٹن کے .D.C دور میں اینڈرسن کمشنر لگایا گیا۔ پٹھانوں کے دور کی تمام نہروں کو صاف کروایا گیا دیگر بے شمار نہریں نکالی گئیں۔ اس طرح نہروں کا جال بچھا دیا گیا۔ کم وبیش چھوٹی بڑی 34 نہریں ملتان میں زراعت کی ترقی کا باعث بنیں۔ لوگ خوشحال ہوگئے۔ قانون کی بالادستی قائم کی گئی۔ دریائے راوی، چناب، ستلج، سندھ ملتان کمشنری کی زراعت کی ترقی کے ضامن ٹھہرائے گئے۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں نے حکومت سے تعاون شروع کرکے پرامن شہری بن کر رہنے لگے۔ کاروبار پر مکمل کنٹرول کرلیا گیا جبکہ مسلمان زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہوکر رہ گئے۔ البتہ پٹھان انگریز فوج و پولیس میں بھرتی کئے جاتے تھے۔ سب نے سکھوں سے نجات حاصل کرلی۔ انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ اینڈرسن ملتان میں 25 مئی 1854ء کو ڈپٹی کمشنر بن کر آگیا۔ یہ 13 دسمبر 1861ء تک ملتان کا کمشنر تھا۔ ہملٹن 1-1/2 سال کی چھٹی پر لندن چلا گیا۔ چنانچہ ملتان میں کمشنر کے عہدہ پر مسٹر بورن کو تعینات کیا گیا۔ چھٹی ختم ہونے کے بعد

ہملٹن بحیثیت کمشنر واپس ملتان آ گیا جبکہ مسٹر بورن جہلم تبدیل کر دیا گیا۔

ملتان کے ڈپٹی کمشنر:۔

Maj Voyle. 29جنوری1856 تا13 دسمبر 1861ء

Gen. Vancartlendt. CB. 5نومبر 1863ءتا23مارچ1868ء

Col. Ferris. 15 نومبر 1870ءتا13اپریل1873ء

Capt. Lag. 21دسمبر 1877ءتا21مارچ1880ء

Mr. O. Brien. 2جون1882ءتا27فروری1885ء

Maj. J.B. Hutchison اپریل1885ءتا14 جولائی 1887ء

Mr. H. Fyson, M.B.E. 27مارچ1923ءتا24 جون1925ء

Mr. E.P. Moon, Esq. 20مارچ1934ءتا21مارچ1937ء

یکے بعد دیگرے ملتان کے ڈپٹی کمشنر تعینات ہوتے رہے۔

بحوالہ:۔گزیٹر آف دی پنجاب لاہور 1950ء

ملتان انگریزی دور میں:۔

کنہیالال نے دہلی گزٹ پریس میں چھپنے والی اپنی کتاب ’’دی ٹرائل آف مولراج‘‘میں لکھا کہ لاہور میں مسٹر منٹگمری سمیت سول سروس کے دو معزز افسران اور ایک فوجی افسر کرنل بینی نے دیوان کی غداری کا مقدمہ سنا چونکہ مولراج پر بغاوت کا الزام تھا لیکن کمیشن نے قرار دیا دیوان صرف اس حد تک جرم میں شامل تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں اور عوام کی سلطنت برطانیہ کا تاج اچھالنے سے نہ روک سکا لہذا اسے موت کی سزا نہیں دی گئی اور پہلے کلکتہ اور بنارس جیل میں رکھا گیا جہاں وہ جلدی ہی چل بسا۔اس بغاوت کے اصل مجرم ملتان کو سخت ترین سزائیں

دی گئیں جنگی قلعے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا فوج کے تمام سپاہیوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا مزاروں کو چھوڑ کر عظمت رفتہ کے تمام آثار کھرچ دیئے گئے یہاں کی ثقافت روایات لٹریچر اور خوشحالی کو برباد کر دیا گیا مخدومین پٹھانوں اور سیدوں کی سخت توہین کی گئی۔ متوسط طبقہ ختم کر دیا گیا صرف وہ لوگ باقی رہے جو ''ریڑھ کی ہڈی'' تک گوری حکومت کے وفادار تھے۔ ہر قسم کے ہتھیار بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی سختی سے روک دی گئی ایران اور افغانستان سے آنے والی تجارت آمد ورفت روک کرا سے چناب سے پار کے علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔ شہر کے باہر ایک بڑی چھاؤنی قائم کی گئی جہاں ملتان اور گردونواح سے بھرتی ہونے والا کوئی سپاہی یا افسر پوسٹ نہیں ہو سکتا تھا مقامی فوجیوں اور شہریوں کی کڑی نگرانی کے لئے بڑی تعداد میں خفیہ اہلکار مقرر کئے گئے ہر سال کے دوران اوسطً دوسو سے زائد افراد کو محض پبلک مقامات پر جمع ہو کر گفتگو کرنے کے جرم میں قید بامشقت یا کالا پانی کی سزا دی جاتی تھی۔ اس جرم کو فساد برپا کرنے کی کوشش کا نام دیا جاتا تھا ۱۸۸۵ء میں سنٹرل جیل کے قیدیوں کے بارے میں کچھ پریشان کن اطلاعات ملیں تو تین سال کے لئے جیل بند کر کے قیدیوں کو دوسرے شہروں کی جیلوں میں بھجوا دیا گیا۔ یوں ملتان نے اپنی طویل زندگی میں پہلی بار غلامی کے آداب سیکھے۔ یونین جیک کی سعادت نصیب ہونے کے پچاس سال بعد یہاں صوبائی سطح کے چھ درباری موجود تھے۔ دربار بہاول حق کے مخدوم حسن بخش قریشی محمد یار خان خاکوانی مخدوم سید صدر الدین شاہ، عاشق محمد خان بادوزئی، سالار واہن کے سید حیدر شاہ گردیزی اور جلال پور پیروالا کے دیوان سلطان اور احمد اور ان کے علاوہ مخدوم شیخ راجو گردیزی، خان بہادر حسن بخش گردیزی، خان بہادر رب نواز خان اور کونا گہ کے سید غلام رسول شاہ گردیزی مجسٹریٹ ہونے کی حیثیت سے لیفٹیننٹ گورنر کے دربار میں کرسی کے حقدار ٹھہرائے جا چکے ہیں۔ ڈویژنل درباریوں اور کمشنر بہادر کے دفتر میں کرسی نشین حضرات کی ایک طویل فہرست تیار ہو چکی تھی خانقاہوں کے نام پر بے شمار زمینیں الاٹ کی گئیں ملتان مہم میں ہاتھ بٹانے والوں کو ان گنت انعامات سے نوازا گیا۔ مصطفیٰ خان خاکوانی جو دیوان مولراج کا کردار تھا مگر اسے چھوڑ کر وفادار فوجیوں سے آملا تھا اس کے بیٹے غلام قادر خان خاکوانی کو ہزار ایکڑ زمین مالکانہ حقوق کے ساتھ دی گئی۔ [۴۷]

ملتان کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ای ڈی میکلیگن ۱۸۹۷ نے "Uzban Afrang" "یز بان افرنگ" انگریزی زبان میں تحریر کیا۔ "ملتان کے لوگوں کی عادتیں وسطی پنجاب کے لوگوں سے مختلف ہیں یہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں اور صرف اپنے علاقے کے مظاہر فطرت کا ذکر کرتے ہیں۔ اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرتے اور یہاں سے دور جانا پسند نہیں کرتے یہاں کے امیر لوگ مفاد عامہ کے کام پر خرچ کرنا پسند نہیں کرتے دوستی کے معاملے میں تا بہ عید گاہ یعنی ملتان کے رہنے والے کی دوستی ایک دور تک ختم ہو جاتی ہے" مسٹر میکلیگن کو اس بات پر شدید رنج تھا کہ وہ ملتان کی کسی سڑک کا نام اپنے نام پر نہ رکھ سکے تھے۔ اس دکھ میں کمشنر ہال برانڈرتھ، بیڈن، ریواز اور ڈپٹی کمشنر ایجرٹن فین ہملٹن اور بہت سے دوسرے معزز انگیریز افسران شریک تھے جن کے نام نامی ہندوستان بھر کے بڑے بڑے شہروں کی چمکتی دمتی سڑکوں پر جگ مگا رہے تھے مگر ملتان کے باشندے یہ دوستی نبھانے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ یہاں وہی دقیانوسی نام یعنی شیر شاہ روڈ، التمش روڈ، قاسم روڈ، معصوم شاہ روڈ، ابدالی روڈ، شیش محل روڈ، تولے (تغلق) خان روڈ، شاہ شمش روڈ، حضوری باغ روڈ، حافظ جمال روڈ وغیرہ وغیرہ چل رہے تھے۔ لے دے کر انہوں جب قلعہ کی فوجی حیثیت ختم کرکے بلکہ اسے تباہ و برباد کرکے شہر کے مغرب میں نئی چھاؤنی قائم کی تو ٹیپو سلطان روڈ کے برابر میں ایک نئی سایہ دار ٹھنڈی سڑک نکالی اور نام اسکامال روڈ رکھا جس پر انہوں نے کمپنی گارڈن بسایا اور عام خاص باغ لانگے خان کو ویران ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ انگریز بہادر نے ہندوستان پر اپنا قبضہ مکمل کرنے کے بعد جن شہروں پر سرخ روشنائی سے حساس ترین لکھا۔ ملتان ان میں سرفہرست تھا وجہ اس کی صاف اور سیدھی تھی۔ میسور، حیدر آباد، اودھ، پٹیالہ، کشمیر اور ڈیرہ جات سمیت تمام وہ علاقے یا شہر جنھوں نے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر ملکہ معظّمہ کی فرمانبرداری سے مقدور بھر انکار کیا تھا۔ یا انگریزوں کا مقدس خون بہانے کا جرم کیا تھا زیادہ تر ریاستیں با جواڑے تھے۔ جن کے حکمران پشتنی نواب یا مہاراجہ تھے اور وہ اپنی اپنی فوجیں رکھتے تھے۔ اورنگزیب بادشاہ کے انتقال کے بعد ہونے والی کامیاب بغاوتوں کے نتیجے میں مکمل خود مختار ہو چکے تھے اور تاج برطانیہ کی سرپرستی کی نعمت سے ان کا انکار انگریز محققین کی نظر میں حب الوطنی کی جنگ سے زیادہ ان کے ذاتی اقتدار کی بقاء کا معاملہ تھا لیکن ملتان کوئی ریاست نہیں تھا یہ ایک کھلا میدان تھا۔ جہاں تاریخ کے ہر دور میں باہر سے آنے والوں نے حکومت کی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سرکار انگلیشیہ کے قدم رنجہ فرمانے کے وقت کم از کم 30

سال سے پہلے سکھوں کی حکمرانی قائم تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ملتان کے مجاہدین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔دریاؤں کے کناروں پر آباد کسانوں نے علم بغاوت بلند کیا؟ [۴۸]

تاریخ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خان کے تجزیے کے مطابق برطانوی عہد میں گو ہم انگریزوں کے محکوم اور غلام تھے مگر زندگی بسر کرنے میں آزاد تھے۔ قانون کی حکومت تھی۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اندرونی تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی ہر طرف امن و امان تھا۔ کبھی ریل گاڑیاں اور بسیں نہیں لوٹی گئیں۔ بدکاری اور بدقماشی، بدمعاشی کا دور دورانہ تھا۔ نہ رشوت اور نہ اقربا پروری کا دور تھا۔ راتوں رات امیر بننے کا شوق بھی نہ تھا۔ زندگی کے ہر امتحان میں صلاحیت اور قابلیت کو اہمیت حاصل تھی۔ غرضیکہ جو آرام و اطمینان دور غلامی میں میسر آیا وہ عہد آزادی میں نصیب نہ ہو سکا۔

ملتان اور تحریک پاکستان:۔

تحریک پاکستان ایک ایسی تحریک تھی جو قائداعظم کی قیادت میں پورے برصغیر میں چلائی گئی اس تحریک میں کروڑوں مسلمانوں نے حصہ لیا۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی مخالفت کے باوجود پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اس تحریک میں ملتان نے بھی جی بھر کر حصہ لیا۔ حصول پاکستان کی جدوجہد میں ملتان کے مسلمانوں کا حصہ تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ اس جدوجہد میں ملتان کے امراء، وروٴسا، جاگیردار اور گدی نشین بالکل الگ تھلک رہے اور غریب مسلمانوں نے ایسی قربانیاں دیں جنہیں تاریخ میں یاد رکھا جائیگا۔ [۴۹]

تحریک پاکستان میں ملتان کا کردار:۔

تحریک پاکستان میں ملتان کے کردار کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں پرانی تاریخ دہرانا پڑے گی جو اس طرح ہے۔ مسلم دور اقتدار سے ملتان کا سماجی ڈھانچہ باہمی اعتماد پر قائم تھا۔ ملتان کے مسلم حکمران نے ہمیشہ غیر مسلموں سے بہتر سلوک کیا اور انہیں اقتصادی، سماجی و مذہبی آزادی حاصل رہی لیکن سکھ دور میں 1818ء سے 1849ء تک مسلمانوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک روا رکھا گیا ان کی املاک ضبط کی گئیں اور مساجد کو مندروں و گوردواروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ انہیں 1857ء کی جنگ آزادی میں بھی ایسے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران انگریزوں نے مسلم حریت پسندوں کو اندھادھند موت کی گھاٹ اتارا اس کے باوجود مقامی آبادی نے بھی

شکست تسلیم نہیں۔اکابرین کے زیراثر مسلمانوں نے غیرملکی حکمرانوں کے جارحانہ رویے کی دلیرانہ مزاحمت کی۔ ۵۰

بیسویں صدی کے آغاز پر 1905ء میں تقسیم بنگال سے انہیں تحریک ملی جس کے نتیجے میں دسمبر 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی۔یہ دونوں واقعات مسلمانوں کی سیاسی سوچ کے عکاس ہیں۔انہوں نے سیاسی ترقی کے لئے اپنی آئندہ پالیسیاں وضع کیں انہیں افرادی قوت کا احساس ہوا اور وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوگئے۔انگریزوں کے متعصبانہ رویے کی بنا پر لارڈ کلائیو کے دور میں مسلم سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔خود لارڈ کلائیو نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ کسی بھی مسلمان کو چپڑاسی یا جونیئر کلرک کے عہدے سے بڑی کوئی سرکاری ملازمت نہیں دی جائے گی۔ ۵۱

تحریک خلافت میں ملتان کا کردار:۔

برصغیر کے مختلف حصوں میں جہاں اس تحریک نے زور پکڑا وہاں ملتان بھی پیچھے نہ رہا۔ ملتان کے مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر،شوکت علی اور دیگر مسلمان رہنماؤں کے حکم پر لبیک کہا اور اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،جس وقت خلافت تحریک کے اجراء کا اعلان کیا گیا تو ملتان میں بھی مولانا محمد علی جوہر کی آواز پر لبیک کہنے والے نوجوان موجود تھے۔مولانا محمد علی جوہر کی آواز ملتان میں سب سے پہلے ان کے اخبارات نے پہنچائی۔ 1914ء میں ہمدرد اور کامرید سب سے پہلے یہاں ڈاکٹر عبدالحق خان درانی جو کہ ملتان کے مشہور سرجن تھے کے ہاں آنا شروع ہوا۔ ۵۲

خواجہ عبدالرشید صدیقی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالحق کا مکان اور مطب حرم گیٹ میں تھا۔ ڈاکٹر صاحب روزانہ اپنی بیٹھک میں باری باری یہ دونوں اخبارات بلند آواز سے اپنے حلقہ نشینوں میں بیٹھ کر پڑھتے اور بہت دیر تک بحث ہوتی رہتی۔

ڈاکٹر عبدالحق کے مطب میں حلقہ نشینوں میں خواجہ غلام قادر صدیقی بھی تھے جنہوں نے متاثر ہو کر سالہ

ہمدرد اپنے ہاں منگوانے کا بندوبست کرلیا۔ یوں خواجہ صاحب کے ہاں بھی بیٹھک ہونے لگی جس کے ذریعہ مولانا محمد علی جوہر کے خیالات پروان چڑھنے لگے، خواہ غلام قادر صدیقی کے صاحبزادے خواجہ عبدالرشید صدیقی جو تحریک خلافت سے وابستہ رضا کاروں میں سے واحد شخصیت تھے جن سے میں نے 1985ء میں ملاقات کی اور وہ اس وقت 84 برس کے تھے اور ان کی غیر مطبوعہ ڈائری کا مطالعہ بھی کیا اور ان کا انٹرویو بھی کیا، انہوں نے انٹرویو کے دوران فرمایا کہ برصغیر کے مسلمان پہلی جنگ عظیم کی آگ میں سلگ رہے تھے۔ جب برطانیہ نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ یہ نفرت ملتان کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی تھی برطانیہ کے خلاف ملتان میں لوگوں نے انگریزی مال کا بائیکات کیا، جلوس نکالے، جلسے منعقد کئے، جنگ کے اختتام پر جب فاتح اتحادیوں نے ترکی کے حصے بخرے کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح خلافت کو بھی خطرہ لاحق ہوا تو یہ حالات تھے مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی جھنڈواڑہ جیل (سی پی) سے رہا ہو کر 20 دسمبر 1919ء کو خلاف تحریک میں شرکت کی غرض سے امرتسر پہنچے ،انہوں نے علی برادران کا ریلوے اسٹیشن امرتسر پر استقبال خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں اور پھر مجھے اپنے انٹرویو میں بھی بتایا کہ لوگوں نے علی برادران کو بگھی میں بٹھایا، بگھی کا کاندھوں پر اٹھا کر جلیا نوالہ باغ میں لے گئے مولانا محمد علی جوہر کی امرتسر کی تقریر نے لوگوں کے ایمان کو تازہ کر دیا۔ ۵۳

1920ء کے اوائل میں خلاف تحریک کو لبیک کہتے ہوئے ملتان کے مسلمانوں نے بھی تحریک چلائی اور ملتان میں خلافت تحریک پروان چڑھنے لگی ملتان میں خلافت تحریک کے سب سے پہلے صدر سید صدرالدین شاہ گیلانی، نائب صدر شیخ محمد صدیق بابر بیرسٹر تھے، جنرل سیکرٹری مولانا غلام رسول مہر، سیکرٹری قاضی عبدالواحد فطرت انصاری تھے، دفتر انچارج قاضی مسعود احمد انصاری تھے۔ خواجہ عبدالرشید صدیقی اس تحریک کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے اپریل 1920ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ابدالی روڈ ملتان سے مڈل پاس کیا اور خلافت تحریک سے وابستہ ہو گئے حتیٰ کہ جذبہ نے مزید تعلیم ترک کروادی اور وہ ایک رضا کار کی حیثیت سے اس تحریک کے سلسہ

میں دن رات وقت گزارنے لگے۔خلافت تحریک کا دفتر غلام قادر خان ترین کے مکان چوک فوارہ ابدالی روڈ کی بالائی منزل میں قائم کیا گیا،جلد ہی محلّہ کڑی افغاناں خلاف تحریک کا مرکز بن گیا اور ہر جمعہ کو طے شدہ پروگرام کے مطابق صدر دفتر سے جلوس نکالا جاتا،جلوس کے شرکاء کے لبوں پر مسلسل مقبول یہ نظم رہی۔

اور یہ جلوس ملتان کے گھنٹہ گھر سے ہوتا ہوا حسین آگاہی کے راستہ پیر دربار گیلانی کے احاطہ میں پہنچتا اور پھر حرم گیٹ سے بوہڑ گیٹ کے راستہ سے دوبارہ صدر دفتر واقع کڑی افغاناں میں آکر ختم ہو جاتا۔ملتان میں تحریک کے عہدہ داران اس جلوس کی قیادت کرتے ،راستے میں تقاریر ہوتیں،اس کے علاوہ حفاظتی اقدامات کیلئے رضا کاروں کی بھرتی شروع ہوئی۔رضا کاروں کے سالار عبدالشکور خان خدکہ سدوزئی تھے جو بڑے جید پٹھان تھے یہ سلسلہ 9 ماہ تک جاری رہا کہ ستمبر 1921ءمیں انگریز حکومت کے اثر کی وجہ سے متلان خلافت تحریک کے صدر سید صدرالدین شاہ گیلانی نائب صدر شیخ محمد صدیق بابر بیرسٹر اور مرکزی کمیٹی کے رکن سید زین العابدین شاہ گیلانی نے استعفٰی دے دیا۔

اب خلافت تحریک کا الیکشن ہوا چنانچہ متفقہ طور پر مولانا عبدالتواب کو صدر شیخ عبدالرزاق بیرسٹر کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا،باغ لانگے خان میں جلسے منعقد کیے جاتے جن میں مسلم رہنما تقریریں کرتے اور جلسے کے اختتام پر جلوس نکالا جاتا،یوں مسلم عوام بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لینے لگے۔حتیٰ کہ ہندوؤں نے بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا،ملتان میں اس تحریک کے لئے باری باری مولانا عبدالغفار،حفیظ اللہ خان خدکہ سدوزئی خلافت تحریک کے صدر منتخب کیے گئے جنرل سیکرٹری شیخ عبدالرزاق بیرسٹر،سیکرٹری قاضی عبدالواحد فطرت انصاری ندوی منتخب ہوئے،مولانا عبدالتواب صاحب نائب صدر منتخب ہوئے۔

اب طے پایا کہ علی برادران کو ملتان آنے کی دعوت دی جائے،اس تحریک کے دوران چندہ جمع کرنے کی بھی مہم شروع کی گئی تاکہ مرکز کی وساطت سے ترکی رقم بھجوائی جائے اور اس سلسلہ میں مقامی صدر تحریک خلافت

اوران کے رفقاء کار نے کثیر رقم جمع کر کے بھجوائی اور ساتھ ہی مرکزی رہنماؤں کو ملتان آنے کی دعوت دی چنانچہ مولانا شوکت علی 1921ء میں ملتان تشریف لائے، آپ کے ہمراہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا داؤد غزنوی، سید اسماعیل غزنوی، آغا صفدر سیالکوٹی، ملک لال خان گوجرانوالا سے، حکیم مہر دین محمد فیصل آباد سے، شیخ نظام حیدر فیروز پور سے، مولانا عبدالقادر قصوری اور مولانا عبداللہ قصوری تشریف لائے۔ ملتان شہر کے ریلوے اسٹیشن کے قریب مسجد جنازہ گاہ کے میدان میں جلسہ عام منعقد ہوا ان مقررین نے لوگوں کے جذبہ ایمانی کو تیز کر دیا، بیسویں صدی کی تاریخ میں ملتان کا یہ دن انقلابی اہمیت کا حامل تھا، کیا ہندو کیا مسلمان سب مل جل کر اہلیان ملتان جلسہ گاہ میں جمع تھے اور شوکت علی گرج رہے تھے، فرما رہے تھے کہ خلافت کو بچانے کیلئے مسلمانان برصغیر سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

بیسویں صدی کی تاریخ میں ملتان کے ہنگامہ خیز سال خلافت تحریک کی وجہ سے اہمیت رکھتے ہیں، اس دوران ملتان میں جتنے جلسے اور جلوس نکالے گئے اس سے پہلے نہیں نکالے گئے اگر چہ مولانا محمد علی جوہر اپنی بے حد مصروفیات کی بناء پر ملتان تشریف نہ لا سکے، تاہم مولانا شوکت علی نے ان کی کمی محسوس نہ ہونے دی، خلافت تحریک سے وابستہ لوگوں نے ملتان کے نواح میں جا کر تقریریں کیں۔

ملتان میں اس تحریک کے دوران ہندو مسلم اتحاد قائم رہا، مگر اب انگریز حکومت نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح اس اتحاد کو توڑا جائے اور خلافت تحریک کو بھی ختم کیا جائے، چنانچہ سب سے پہلے اس تحریک سے وابستہ ان افراد کو علیحدہ کیا گیا جو حکومت سے مراعات یافتہ تھے، پھر ملتان کے انگریز ڈپٹی کمشنر ایمرسن نے جو بعد میں گورنر (ایمرسن) پنجاب بھی بنے، سوچ بچار کے بعد ہندو مسلم اتحاد کو ختم کرنے کی سکیم بنائی اور اس سلسلے میں ملتان کے ڈی ایس پی سید فیروز حسن شاہ نے اہم کردار ادا کیا۔ 12 ستمبر 1922ء کو عاشورہ کے دن جبکہ تعزیہ کا جلوس اندرون شہر سے نکل کر بطرف حسن آگاہی آہستہ آہستہ چل رہا تھا، جونہی نچھلیاں والہ تعزیہ ملتان کے صرافہ بازار میں سے گزرا اور

طے شدہ پروگرام کے مطابق چند کرائے کے آدمی تعزیہ کو کندھا دینے کے بہانے تعزیہ کے ساتھ لگ گئے اور تعزیہ کو اتنا اونچا اٹھا لیا کہ اس کے اوپر والا گنبد بجلی کے تارے سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ گنبد کا نیچے گرنا تھا کہ مسلمان مشتعل ہو گئے مگر مسلمانوں کے جذبات ابھی نقطہ عروج تک نہ پہنچے تھے کہ بلوہ کی صورت اختیار کرتے، ابھی سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور کہ کیا کسی کی شرارت ہے یا اتفاقیہ ایسا ہوا ہے؟ کہ اس اثناء میں ڈیوٹی پر موجود پولیس آفیسر سید فیروز حسن شاہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کسی ہندو کی شرارت ہے اور ہندو ہی نے اینٹ مار کر تعزیہ کا گنبد گرا دیا ہے بس اب کیا تھا کہ مسلمان مشتعل ہو گئے اور ہندوؤں کی دکانوں کو آگ لگانے لگے، نچھلیاں والا تعزیہ کے پیچھے ملتان کے باقی تعزیے تھے۔ عاشورہ کے اس جلوس میں شیعہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سنی بھی شامل ہوا کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمان متحد ہو کر ہندوؤں سے ٹکرا گئے اور وہ ہندو مسلم اتحاد جو عرصہ سے قائم تھا ایک لمحے کی غلط رپورٹ پر انگریز کی سکیم کی نذر ہو گیا، شہر کے اندرونی گنجان آباد علاقہ میں کئی گھنٹے ہندو مسلم ایک دوسرے سے لڑتے رہے، جب خون بہہ چکا لوگ دونوں طرف سے زخمی ہو گئے۔ کئی مکانات، دکانیں جل گئیں تب پولیس نے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ فوج بلائی گئی اور شہر میں کرفیو لگا دیا گیا۔[۵۴]

اس فساد کی نذر کئی معصوم لوگ بھی ہوئے مثلاً نوابزادہ فیض محمد خان بادوزئی کو جب اس فساد کی اطلاع ملی تو وہ اپنے لڑکے کو ڈھونڈنے کڑی افغاناں سے حسین آگاہی روانہ ہوئے جب ہنوں کے چھجہ میں پہنچے تو ہندوؤں نے انہیں گھیر لیا اور قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس واقعہ کے بعد ملتان میں ہندو مسلم اتحاد نہ ہو سکا۔ مسلسل گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا اور شہر میں یہ کشیدگی قیام پاکستان تک قائم رہی۔ اس واقعہ نے ملتان میں خلافت تحریک کو بڑا دھچکا پہنچایا، ملتان میں خلافت تحریک کمزور ہوتی چلی گئی۔ ملتان میں خلافت تحریک کے آخری صدر مولانا عبدالتواب، سیکرٹری قاضی عبدالواحد فطرت انصاری ندوی تھے ان کے رفقاء ان کے ساتھ مل کر بہت کوششیں کیں کہ غلط فہمی دور ہو جائے اور شہر کی ہندو مسلم کشیدگی ختم ہو جائے مگر ناکام رہے اب اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے اور ہندو مسلم فساد

کی تحقیق کیلئے قومی سطح کے لیڈر جن میں حکیم محمد اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت موتی لال نہرو، مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت موہن مالویہ، تصدق احمد خان شیروانی شامل تھے۔ دو دو کر کے وفدوں کی صورت میں مختلف اوقات میں ملتان تشریف لائے۔ انہوں نے یہیں جلسے منعقد کیے، تقاریر کیں کہ کسی طرح اتحاد ہو جائے مگر سب بے سود رہا، ملتان کے مسلم عوام کا وہ جذبہ جو تحریک خلافت کے دوران ہر قربانی کے لیے تیار تھا، اب ہندوؤں سے اتحاد کیلئے تیار نہ ہوا، اس سے پہلے آل انڈیا خلافت کانفرنس دہلی منعقد ہوئی تھی تو ملتان کی خلافت کمیٹی نے بھی اپنے نمائندے بھیجے تھے اور دہلی جانے والوں میں شیخ عبدالرزاق بیرسٹر، قاضی عبدالواحد انصاری کے ساتھ خواجہ عبدالرشید صدیقی بھی تھے۔

ملتان کے مسلم عوام کا تحریک خلافت اور علماء ہند سے وابستگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب جمعیت علماء ہند نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور مسلمانوں کا ایک قافلہ ہجرت کی غرض سے زیر قیادت مولانا سید تاج محمود امروٹی سندھی اور جان محمد جونیجو بیرسٹر چلا اور یہ قافلہ ٹرین کے ذریعے ملتان کا پہنچا تو ریلوے سٹیشن پر ایک طرف بے شمار لوگ ان کی خاطر و مدارت میں لگے ہوئے تھے اور دوسی طرف بے شمار لوگ جن میں نوجوان اللہ نواز خان چترالی بابر شامل تھے۔ ہجرت کی غرض سے دارالحرب ہند سے مسلم ملک افغانستان جانے کیلئے ٹرین میں سوار ہو رہے تھے۔ اس زمانہ میں افغانستان ایک سہارا بنا ہوا تھا۔ ملتان چھاؤنی سے شیخ عبدالحق، ملتان شہر سے حاجی عبدالجبار، حاجی عبدالغفار اور حاجی عبدالسلام کے نام بھی اللہ نواز خان کی طرح قابل ذکر ہیں۔ انگریز حکومت کا یہ حال تھا کہ اس قافلے کی خاطر مدارت کرنے والوں سے بھی باز پرس کی جانے لگی اور بعد میں انہیں تنگ کیا گیا۔ بعض کو سزا دی گئی چنانچہ حکیم اللہ بخش اور ڈاکٹر عبدالعزیز خان کو جو ملتان میں رہائش پذیر تھے چھاؤنی کے علاقے سے باہر نکال دیا گیا۔ یہ حضرات کچہری میں رہائش پذیر ہو گئے مگر مسلم عوام بے خوف وخطر خدمت اسلام میں لگے رہے۔

ملتان میں خلافت تحریک کے دوران ایسا جوش وخروش پایا جاتا تھا کہ انگریز کو اپنی حکومت کا معرض وجود خطرے میں نظر آنے لگا۔ چنانچہ ملتان میں انگریز افسروں نے ایک طرف ہندو مسلم فساد کروا دیا تو دوسری طرف مراعات یافتہ مسلام امراء کی وساطت سے خلافت تحریک کو کمزور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح یہ تحریک دسمبر 1922ء میں ختم ہو کر رہ گئی۔ اس تحریک کی ایک دردناک صداقت یہ بھی ہے کہ یہ عظیم الشان تحریک پورے ملک میں نہایت مایوسی اور افسردگی کے عالم میں ختم ہوئی، تاہم ملتان تحریک کے سامنے سرخرو ہوا، مولانا محمد علی جو ہر ملتان تشریف نہ لا سکے مگر ان کا پیغام وہاں پہنچ گیا اور ان کے پیغام پر ملتان کے مسلم عوام نے لبیک کہا اور تحریک خلافت میں جوش وجذبہ کے ساتھ شرکت سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ قومی لیڈروں کی بات کو سمجھنے اور احکامات پر چلنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ملتان نے برصغیر کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ علاقہ مسلم فاتحین کے دور سے اسلام کا علمبردار رہا ہے۔ صحیح سمت میں تحریک کے مقاصد کا ادراک ہونے کی بنا پر علاقے کے مسلمان اپنی قیادت کے گرد جمع ہو گئے اور ملتان میں مسلم لیگ کی شاخ قائم ہو گئی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ملتان ڈویژن' ملتان کے علاوہ مظفر گڑھ' ڈیرہ غازی خان' ساہیوال (منٹگمری) اور جھنگ کے اضلاع پر مشتمل تھا۔ قیام پاکستان کے وقت موجودہ پاکستانی پنجاب کے تین ڈویژن ملتان، لاہور اور راولپنڈی تھے۔ موجودہ فیصل آباد ڈویژن ملتان ڈویژن کے ضلع جھنگ کی ایک تحصیل تھی۔ قیام پاکستان کے کئی سال بعد ضلع جھنگ کو نئی سرگودھا ڈویژن میں شامل کر دیا گیا اور سابق لائل پور موجودہ فیصل آباد کی تحصیل ضلع اور بعد میں ڈویژن بن گئی۔ ملتان ڈویژن پنجاب کا اہم علاقہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہ علاقہ شمالی ہندوستان میں سب سے زیادہ کپاس اور گندم پیدا کرنے والا علاقہ تھا۔ ملتان کو مدتوں مرکزی انتظامی یونٹ کی حیثیت حاصل رہی۔ علیحدہ صوبہ ہونے کی بناء پر اس نے اپنی انفرادیت اور اہمیت برقرار رکھی۔ 1947ء میں تقسیم برصغیر سے قبل ہندو مسلم پرامن طور پر زندگی گزارتے رہے۔ ملتان میں مسلمانوں کی آبادی 60 فیصد اور ہندوؤں سمیت باقی تمام مذاہب کے ماننے والوں کی آبادی 40 فیصد تھی۔ 1947ء میں ملتان شہر کی آبادی ایک لاکھ 35 ہزار تھی۔ تاہم بلدیہ ملتان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بلدیاتی نشستیں مساوی

طور پر تقسیم ہو چکی تھیں۔ ضلع ملتان 4 تحصیل شجاع آباد، لودھراں، کبیر والا اور ملتان پر مشتمل تھا۔ 1901ء کی مردم شماری کے مطابق ملتان شہر کی آبادی 87 ہزار 394 تھی۔ ملتان کی آبادی سیاسی طور پر سادات، گیلانیوں اور گردیزیوں کے زیر اثر تھی جبکہ پٹھانوں، بلوچوں اور قریشیوں کا کردار بھی اہم تھا۔۵۵

بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں گیلانیوں، گردیزیوں، پٹھانوں، بلوچوں اور جوئیوں (دولتانہ) کا ملتان ضلع کی سیاست میں خاصا دخل تھا۔ 1973-80ء کی سٹیلمنٹ رپورٹوں اور تخمینوں کے مطابق علاقے میں ہندوؤں کی ملکیت مجموعی رقبے کا 26 فیصد تھی جبکہ ضلع ملتان میں مسلمان قبی 74 فیصد رقبے کے مالک تھے۔ اس دور میں مسلمان علاقے کی سیاست پر چھائے رہے۔ تمام تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھیں جبکہ زرعی شعبے میں مسلمانوں کا کنٹرول تھا۔ نتیجتاً مسلمانوں کا دیہی علاقوں میں سیاسی اثر ورسوخ زیادہ تھا۔

سرسید کی تعلیمی تحریک نے ملتان کے مسلمانوں کو بھی متاثر کیا اور ملتانی بھی اس نے مشن میں شامل ہو گئے۔ مولوی محمد عبداللہ نے 1884ء میں ملتان میں انجمن اسلامیہ قائم کی۔ بیسویں صدی کی ابتداء میں ملتان میں سید راجن شاہ گیلانی نے تعلیمی تحریک کی سرپرستی کی۔ انجمن اسلامیہ کا مقصد مسلمانوں کو تعلیم دے کر ان کا تعلق اسلامی تعلیمات سے مضبوط کرنا تھا۔ انجمن اسلامیہ نے ملتان میں کئی سکول اور لائبریریاں قائم کیں۔ جن سے مسلمان بچوں کو تعلیمی سہولتیں میسر آئیں۔ 1935ء میں لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے اسلامیہ ہائی سکول قائم کئے گئے بعد میں لڑکوں کیلئے ایک ہوسٹل تعمیر کیا گیا۔ جب سید ولایت حسین شاہ گیلانی انجمن اسلامیہ کے صدر بنے تو انجمن اسلامیہ نے قیام پاکستان کے بعد لڑکے اور لڑکیوں کے کالج بھی قائم کئے۔ جس سے تعلیمی تحریک کے مقاصد کو بڑی تقویت ملی۔

مخدوم مرید حسین قریشی سرگرم سیاست میں حصہ لینے والے قریشی خاندان کے پہلے شخص تھے۔ ان کے عم زاد نواب ریاض حسین قریشی نے بھی ضلعی سطح کی سیاست میں حصہ لیا اور 1921ء میں ملتان ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن منتخب ہوئے چونکہ ان کا انگریز سے خصوصی اور قریبی تعلق تھا۔ اس لئے انہیں نواب خان بہادر کے خطاب سے نوازا اور انہیں اعزازی مجسٹریٹ بنا دیا۔ انہیں برطانوی سلطنت کا نائب بنا کر سر کا خطاب بھی دیا گیا۔ 1935ء میں کوئٹہ کے تباہ کن زلزلے میں نواب ریاض حسین قریشی مارے گئے چونکہ قریشی یونینسٹ پارٹی کے رکن تھے اس

لئے مرید حسین قریشی کو مخدوم راجن بخش شاہ گیلانی کی وفات سے خالی ہونے والی صوبائی اسمبلی کے لئے یونینسٹ پارٹی کی طرف سے ضمنی انتخاب میں ٹکٹ دیا گیا۔ اس طرح وہ 1936ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے والے قریشی خاندان کے پہلے فرد تھے۔ وہ 1945ء تک صوبائی اسمبلی کے رکن رہے انہوں نے دسمبر 1945ء میں یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر پھر صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا لیکن سید محمد رضا شاہ گیلانی کا مقابلہ نہ کر سکے اور ہار گئے۔ انگریز حکومت نے مخدوم مرید حسین قریشی کو ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف کے طور پر نواب اور خان بہادر کے خطابات سے نوازا۔ 1935ء میں انہیں سر کا خطاب بھی مل چکا تھا۔

ریاض حسین قریشی کے بیٹے نواب زادہ میجر عاشق حسین قریشی نے بھی 1937 میں یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر Legislative اسمبلی کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی بعد میں وہ ملک خضر حیات ٹوانہ کی پنجاب کابینہ میں وزیر بنا دیئے گئے۔ قریشی خاندان نے کبھی انگریز کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ اس سے تعاون کر کے اس سے بھرپور فائدے حاصل کئے جبکہ گیلانی مخدوم یونینسٹ پارٹی سے اپنی وفاداری کے بوجود مسلم لیگ رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کبھی ملتان نہیں آئے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملتان کی تمام قابل ذکر شخصیات جن میں نوابزادہ میجر عاشق حسین قریشی مخدم زادہ سید ولایت حسین شاہ گیلانی مخدمزادہ سید محمد رضا شاہ گیلانی' سید نصیرلدین شاہ' خان بہادر' ہیبت خان ڈاہا' میاں احمد یار خان دولتانہ اور مشتاق احمد گورمانی (جو قیام پاکستان کے بعد پنجاب کے گورنر بھی رہے) سب نے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر 1937ء میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قریشی، گیلانی، بوسن، گورمانی، خاکوانی، ڈاہنے اور دولتانہ وغیرہ سبھی یونینسٹ پارٹی کے ساتھ تھے۔ ان حالات میں ملتان میں بیسوی صدئی کے ابتدائی تین عشروں میں کسی کو مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

آغا عزیز مرزا اور سعید احمد شاہ بخاری جنہوں نے علی الترتیب لاہور اور دہلی سے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا۔ نے ملتان میں آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر قائم کیا۔ آغا عزیز احمد مرزا مسلم لیگ ملتان کے پہلے صدر اور سید سعید احمد شاہ بخاری جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ ملتان کے اولین عہدیداران میں اکرم خان نے پروپگینڈہ سیکرٹری اور ڈاکٹر عبدالستار حامد (جو ملتان میں اخبارات کے سب سے بڑے اولین ایجنٹ تھے) نے آفس سیکرٹری

ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔اس گروپ نے جو چند نوجوانوں پر مشتمل تھا۔صوبائی مسلم لیگ کی رہنمائی میں اپنا کام شروع کیا۔ملتان میں مسلم لیگ کی شاخ کو ضلعی مسلم لیگ کا نام دیا گیا۔

شروع میں حکمران یونینسٹ پارٹی کی شدید مخالفت کی بناء پر ملتان کے لوگ مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوئے لیکن جب پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات ٹوانہ 13 اکتوبر 1937 ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کانفرنس میں شامل ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ان کی مفاہمت ہوگئی کہ وہ مسلم لیگ سے تعاون کریں گے اور مسلم لیگ میں لوگوں کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کریں گے۔جس کے نتیجے میں ملتان کے مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہونا شروع ہوگئے۔اس دوران ہندوستان کے آٹھ صوبوں میں قائم کانگریسی حکومت مسلمانوں کے مفادات کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔کانگریسی حکومت نے اپنے اقتدار کے دوران ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی اور کانگریس کا ترنگا پرچم لہرانا شروع کردیا انہوں نے واردھا (تعلیمی تحریک) شروع کیا اور برصغیر کی تمام قوموں پر ایک قومیت اور ایک نظریہ نافذ کرنے کی کوشش کی مسلمانوں میں کانگریس کے ان عزائم سے خاصا ہیجان پیدا ہوا انہوں نے کانگریسی عزائم کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ انہیں مسترد کردیا جولائی 1937 ء سے اکتوبر 1939 ء کے کانگریس کے مختصر دور اقتدار کی جارحانہ پالیسیوں کے نتیجے میں مسلمان مسلم لیگ کے گرد جمع ہونے لگے۔

اس مرحلے پر سید زین العابدین شاہ گیلانی نے 1939 ء میں مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا اور 1931 ء میں اپنی قائم کردہ ''انجمن فدایان اسلام'' کو مسلم لیگ میں ضم کردیا۔اس کے بعد سید زین العابدین شاہ گیلانی کو ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان ملتان کا صدر بنا دیا گیا۔اسی سال سید علی حسین شاہ گردیزی ،سید غلام نبی شاہ گیلانی ،سید شیر شاہ گیلانی ،سید ولایت حسین شاہ گیلانی ،سید رحمت حسین شاہ گیلانی ،عبدالکریم قاصف ،محمد حسین ناصر ،ایم شاکر اور سید مختار حسین شاہ گردیزی بھی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔سید شیر شاہ گیلانی دسمبر 1945 ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سنٹرل اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن بھی منتخب ہوئے۔1939 ء میں ملتان میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی شاخ بھی قائم ہوئی۔کچہری روڈ پر واقع گورنمنٹ ایمرسن کالج کے طالب علم محمد عظیم خان سروزئی اور محمد صادق اعوان جو بعد میں کرنل بنے اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

22 مارچ سے 24 مارچ 1040ء تک لاہور میں منعقد ہونے والی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس عام میں گیلانی اور پٹھانوں پر مشتمل ایک وفد نے سید زین العابدین شاہ گیلانی کی قیادت میں شرکت کی اس تاریخی اجلاس میں قرارداد پاکستان کی منظوری دی گئی سید زین العابدین شاہ گیلانی جو بڑی خوبیوں کے مالک تھے وہ بہت اچھے منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ عوام میں بہت مقبول تھے ان کی تنظیمی صلاحیتوں کے سبھی قائل تھے وہ ملتان کے مسلمانوں میں جذبہ بن کر پھیل گئے انہیں افسانوی حیثیت حاصل ہوگئی اور انہیں ملتان کے بے تاج بادشاہ کہا جانے لگا۔

ان حالات میں پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے عہدیداروں کے ایک وفد نے ملتان کا دورہ کیا اس وفد میں عاشق حسین بٹالوی صوبائی مسلم لیگ ہائی کمان کے نمائندے مولانا عبدالستار خان نیازی، زمان مہدی (ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر) شامل تھے۔ اس موقع پر لانگے خان باغ میں ملتان میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مجلس احرار کے کارکنوں نے بھی زمان مہدی سے اپنے قریبی تعلقات کی بناء پر شرکت کی یہ جلسہ عام انتہائی کامیاب رہا جلسے کے شرکاء نے ''قائداعظم زندہ باد'' اور لے کرے رہیں گے پاکستان'' کے فلک شگاف نعرے بلند کئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان کے صدر سید زین العابدین شاہ گیلانی کو 1940ء میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کیا۔

10 اگست 1942ء کو پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری پروفیسر عنائیت اللہ ملتان آئے انہوں نے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے رہنماؤں اور عہدیداروں سے ملتان سٹی مسلم لیگ تنظیم کے قیام پر تبادلہ خیال کیا چونکہ ملتان شہر کی 60 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی اس لئے شہر میں مسلم لیگ کے قیام کی ضرورت پر اتفاق رائے پایا گیا۔ گیلانی خاندان کے ارکان مسلم لیگ کی تنظیم سازی میں نہایت سرگرم تھے۔ 14 اگست 1942ء کو اندرون پاک گیٹ غلام نبی شاہ گیلانی کے گھر پر مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا اور میزبان سید غلام نبی شاہ گیلانی کو ملتان سٹی مسلم لیگ کا صدر منتخب کرلیا گیا جبکہ فضل حسین قریشی، سید عبدالجلیل شاہ گردیزی، حافظ محمد اعظم خاکوانی، بیرسٹر شیخ محمد صاق بابر، مخدوم زادہ قاسم شاہ آف شیر شاہ (نائب صدر کنٹونمنٹ) سید عبدالغنی مسلم لیگ ملتان شہر کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ میونسپل کمشنر حکیم غلام مصطفےٰ قریشی کو سٹی مسل لیگ کا جنرل سیکرٹری، مولوی محبوب اللہ احمد انصاری کو سیکرٹری

اور خواجہ منظور حسین کو خزانچی اور صوفی عبدالغفور لدھیانوی کو پروپیگنڈہ سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ نوابزادہ غلام قاسم خان خاکوانی بھی 1942ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں میونسپل کارپوریشن کے میئر بھی رہے۔ ۵٦ے

پروفیسر عنائیت اللہ کے دورے کے نتیجے میں مسلم لیگ کی سیاسی سرگرمیاں بہت زیادہ پھیل گئیں ملتان کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد سب سے پہلے ملتان کے لوگوں نے اس روز کو یوم پاکستان کی حیثیت سے باقاعدگی سے منانا شروع کیا۔ اس مقصد کے لئے ہر سال باغ لانگے خان ملتان میں جلسہ عام منعقد ہوتا تھا اس جلسے میں شرکت کے لئے شہر کے لوگ اپنے اپنے علاقوں سے جلوس کی شکل میں سرکلر روڈ کے گشت کے بعد باغ لانگے خان پہنچا کرتے تھے۔ جلوس کے شرکاء پورے راستے پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ 23 مارچ کو ملتان کے تمام تاجر قیام پاکستان سے پہلے یوم پاکستان منانے کیلئے اپنی دکانیں بند رکھتے تھے۔ ہر شہری سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ برطانوی استعمار کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا۔ مسلمانوں کے جداگانہ وطن کے مطالبے کی یاد ہر سال ملتان میں بھرپور طریقے سے نہایت جوش وخروس کے ساتھ منائی جاتی تھی جس میں مسلم لیگ ملتان شہر کے عہدیدار اور کارکن نمایاں کردار سرانجام دیتے تھے۔ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان کی مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے ارکان بھی یوم پاکستان کی تقریبات میں بھرپور حصہ لیتے رہے اور اپنے رہنماؤں کی قیادت میں جلسہ وجلوس کو کامیاب بنانے کے لئے دن رات کام کرتے تھے۔ اس دوران ملتان شہر میں مسلم لیگ کی کئی شاخیں قائم ہوگئیں۔ سٹی مسلم لیگ کا دفتر پل شوالہ پر قائم کیا گیا۔ مجلس احرار اور خاکسار پارٹی کے بہت سے کارکن مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ مختصر عرصے میں پل شوالہ پر واقع ملتان سٹی مسلم لیگ کا دفتر ضلعی اور ڈویژنل مسلم لیگ کا بھی دفتر بن گیا۔ مختلف مواقع پر ملتان میں کئی جلسہ عام منعقد ہوا کرتے تھے۔ جن سے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، پروفیسر عنائیت اللہ، سردار شوکت حیات خان، عاشق حسین بٹالوی، مولانا عبدالستار خان نیازی اور مولانا عبیداللہ بدایونی شریک ہوکر عوام سے خطاب کرتے تھے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں مسلم لیگ ملتان کے مسلمانوں کی مقبول ترین اور واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔ اس دوران 1943ء میں صوبائی اسمبلی کی ایک نشست خالی ہوئی جس پر میلسی تحصیل سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر میاں

ممتاز محمد خان دولتانہ ضمنی انتخاب لڑا اور وہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ اسی دوران مسلم لیگ ملتان کے جنرل سیکرٹری سید سعید احمد خان بخاری ایڈووکیٹ نے اگست 1944ء میں خالی ہونے والی پنجاب اسمبلی نشست پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ضمنی انتخاب میں نوابزادہ میجر عاشق حسین کے بھتیجے شیخ فضل حسین قریشی کو جو پنجاب کی یونینسٹ کابینہ کے وزیر تھے شکست دی۔

مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے سیاست میں سرگرم ہونے سے مسلم لیگ کے ہندوستان میں مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے قیام کے مطالبے کو خاصی تقویت حاصل ہوئی۔ طلباء نے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں اور گھر گھر قائداعظم کا پیغام اور انہیں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص وطن کے مطالبے کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ اسی دوران برطانوی حکومت نے برصغیر ہندوستان کے مستقبل کے تعین کے لیے عام انتخابات کا انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران ملتان میں ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ اپریل 1944ء میں میجر عاشق حسین قریشی کو پنجاب کی کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا۔ جس کے بناء پر ان کی میونسپل کمیٹی کے وارڈ نمبر 8 مسلم کی بلدیاتی نشست خالی ہوگئی۔ یونینسٹ پارٹی نے ان کے بھتیجے فضل حسین قریشی کو اگست 1944ء میں منعقد ہونے والے بلدیہ کے ضمنی انتخاب کے لیے اپنا امیدوار نامزد کیا تاکہ ان کے چچا کی خالی کردہ نشست اسی خاندان کے پاس رہ سکے مسلم لیگ نے سید سعید احمد بخاری کو ان کے مقابلے کے لئے اپنا امیدوار نامزد کیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے گھر گھر جا کر مسلمانوں کو سید احمد بخاری کے ووٹ دینے کا قائل کیا گیا قریشی خاندان اسے اپنی خاندانی نشست سمجھتا تھا لیکن انہیں بلدیہ کے ضمنی انتخاب میں مسلم لیگ کے امیدوار کے ہاتھوں عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ نشست محلّہ شاہ گردیز النگ کے ساتھ ساتھ واقع بوہڑ گیٹ کے محلوں پل شوالہ اور سوتری وٹ کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ موجودہ جنرل پوسٹ آفس کی جگہ پولنگ سٹیشن قائم ہوا۔ مسلمان نے اس جوش وخروش کے ساتھ مسلم لیگی امیدوار فضل حسین قریشی کو صرف 19 ووٹ مل سکے اور ان کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ ۵۷

شہر کی مقامی سیاست میں مسلم لیگ کی یہ پہلی تاریخی کامیابی تھی۔ اس انتخاب میں مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن نے سید سعید احمد شاہ بخاری کی کامیابی کے لیے اہم کردار سرانجام دیا بیگم زبیدہ جعفری نے جو سعید احمد شاہ بخاری کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ خواتین کو مسلم لیگ کے حق میں مجتمع کیا اور ایم ایس ایف کے ساتھ اس عظیم

خاتون نے خود کو مسلم لیگ کا بہت بڑا اثاثہ ثابت کر دیا اس تجربہ سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے پنجاب میں 46-1945ء کے عام انتخابات میں ہی شاندار خدمات سرانجام دیں گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان جو کچہری روڈ پر موجودہ گورنمنٹ گرلز کالج کی عمارت میں قائم تھا۔ سرگرمیوں کا مرکز بن گیا کالج کے طلباء نے مسلم لیگ کی عظمت کیلئے کام کیا اور پاکستان کے قیام کیلئے قابل قدر خدمات انجام دیں انہوں نے قائداعظم کے پیغام کا ابلاغ کیا اور مسلم لیگ کو نہ صرف عوام میں متعارف بلکہ مقبول بھی بنایا۔ انہیں یونینسٹوں کے مقابلے میں عام انتخابات میں بڑی سختیاں سہنا پڑیں حتیٰ کہ جیل بھی جانا پڑا۔ لیکن وہ سول نافرمانی کی تحریک میں قائد کے فرمان پر مضبوطی سے ڈٹے رہے انہوں نے حکومتی ضابطوں اور احکامات کو جوتے کی نوک پر رکھا جس کے نتیجے میں مسلم نوجوان طلباء کو گرفتار کیا گیا عام مسلمانوں کی ان قربانیوں سے بالآخر علیحدہ وطن کے قیام کی منزل قریب آ گئی۔

1944ء میں مسلم لیگ ملتان میں حقیقی عوامی جماعت بن چکی تھی۔ اسی بناء پر قائداعظم محمد علی جناح نے ملتان کا دورہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا جو مسلم لیگ کی ضلعی شہری اور مقامی قیادت پر انکے بے پناہ اعتماد کا بھرپور اظہار تھا۔ قائداعظم نے صوبائی سطح پر بھی مسلم لیگ کو نمائندگی دی اور سید زین العابدین شاہ گیلانی، سید غلام نبی شاہ گیلانی، محمد اعظم خان سدوزئی، سید مختار حسین گردیزی، نوابزادہ سعد اللہ خان اور خواجہ عبدالکریم قاصف کو پنجاب مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ سید زین العابدین شاہ گیلانی کو پہلے ہی قائداعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ سید زین العابدین شاہ گیلانی پہلے ہی قائد اعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے رکن بن چکے گے۔ مسلم لیگ میں شمولیت سے قبل انجمن فدایان اسلام عام خاص باغ ملتان میں ہر سال سید زین العابدین شاہ گیلانی کی تاجپوشی کی رسم ادا کرتی تھی اور وہ ملتان کے بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے معروف تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی تنظیم سازی پر خصوصی توجہ اور اگست 1944ء میں ملتان ڈویثرن کے لیے آرگنائزنگ کمیٹی مقرر کی گئی جس کا صدر سید محمد رزاق شاہ گیلانی اور سیکرٹری سید علی حسین گردیزی کو نامنرد کیا گیا جبکہ مولوی محبوب احمد اویسی اور صوفی عبدالغفور کو سٹی مسلم لیگ کے لیے صدر اور جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ مسلم لیگی عہدیداروں نے اپنے اپنے علاقوں کا دورہ کر کے آنے والے عام انتخابات کے لیے مسلم لیگ کے کارکنوں کو متحرک کیا اور عوام نے قیام

پاکستان کے لئے ایک نئی لہر پیدا کی۔ جس کے نتیجے میں مسلم لیگ کے ریکارڈ کے مطابق ملتان کے زعماء مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے تھے۔ نہایت مختصر مدت میں یونینسٹ پارٹی غیر مقبول ہوگئی حتیٰ کہ دیہی علاقوں میں بھی لوگوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کو بھاری اکثریت سے ووٹ دیئے۔ ۵۸

مسلم لیگ میں مندرجہ ذیل حضرات ملتان ڈویژن کی نمائندگی کرتے رہے۔

میاں ممتاز خان دولتانہ ایم ایل اے	خان بہادر میاں اللہ یار خان دولتانہ ایم ایل اے
سید محمد رضا شاہ ایم ایل اے	سید محمد ولایت حسین شاہ ایم ایل اے
سید بہاء الدین گیلانی	سید رحمت حسین شاہ
سید شوکت حسین شاہ	سید زین العابدین شاہ
سید سیف الدین شاہ	سید علی حسین شاہ گردیزی
سید مختار حسین شاہ گردیزی	سید صاحب علی شاہ گردیزی
منشی جان محمد	چوہدری ظفر اللہ جہانیاں
چوہدری نصر اللہ جہانیاں	چوہدری عطاء اللہ جہانیاں
صوفی عبدالغفور	سید غلام دستگیر شاہ
سید فیض عالم شاہ	سید گل شاہ
چوہدری محمد اکرم میاں چنوں	محمد عظیم خان
شمیم مہدی	سعید احمد شاہ
غلام نبی شاہ	(نوائے وقت رپورٹ)

قیام پاکستان:۔

1946ء میں خضر وزارت کے خلاف تحریک سول نافرمانی کے دوران اہل ملتان نے حکومت کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ملتان کی معروف شخصیات مخدوم سید شیر شاہ گیلانی، سید محمد ولایت حسین شاہ گیلانی، مخدوم زادہ محمد سجاد حسین قریشی، نیو سنٹرل جیل ملتان کی بارکوں میں دیگر اکابرین ملتان کے ساتھ ساتھ بیٹھے دکھائی دیئے۔ اس

میں عورتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

2 مارچ 1947ء کو خضر وزارت نے دم توڑ دیا پنجاب میں گورنر راج قائم ہوا یہ پنجاب کے مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ آخر کار 14 اگست 1947ء کو دنیا کی بڑی اسلامی مملکت معرض وجود میں آئی۔ ۵۵

ملتان کی انتظامی تقسیم:۔

قدیم دور میں ملتان کو صوبے کا درجہ حاصل رہا لیکن برطانوی دور اقتدار کو پہلی بار صوبے کے درجے سے محروم کردیا گیا۔ حالانکہ سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے یا اس کے بعد ملتان یا تو ایک خود مختار ریاست کی حیثیت سے زندہ رہا یا پھر ایک صوبہ کے صدر مقام کی حیثیت میں اسے اہمیت حاصل رہی۔ مگر انگریزوں کے تسلط کے بعد اسے صوبے کے صدر مقام کی بجائے کمشنری کا درجہ دے دیا گیا اور اس کی صوبائی اہمیت ختم کردی گئی اس علاقہ کی قومی زبان ملتانی جو قریباً ڈیڑھ کروڑ افراد بولتے اور سمجھتے تھے اس کی اپنی خاص تہذیب تھی اور اپنا تمدن تھا سب کچھ ختم کر کے رکھ دیا گیا۔

ملتان ڈویژن:۔

قیام پاکستان کے بعد ملتان ڈویژن ملتان، منٹگمری (موجودہ ساہیوال) مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، لائل پور (موجودہ فیصل آباد) اور جھنگ کے اضلاع پر مشتمل تھا 1960ء۔

گورنمنٹ آف دی پنجاب ریونیو ڈیپارٹمنٹ لاہور نے ملتان ڈویژن کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی ہے کہ فیصل آباد کو سرگودھا ڈویژن میں شامل کردیا گیا۔ ڈیرہ غازی خان کو گورنمنٹ آف دی پنجاب ریونیو ڈیپارٹمنٹ کے ایک نوٹیفکیشن کے مطابق ملتان سے علیحدہ کر کے ایک نیا ڈویژن بنا دیا گیا اسی طرح ایک اور نوٹیفکیشن کے مطابق جھنگ بھی ملتان ڈویژن سے نکل گیا ملک بھر کا سب سے بڑا ڈویژن کچھ سکڑ گیا۔ ملتان ڈویژن اپنی وسعت اور کثرت آبادی کی وجہ سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس ڈویژن سے پورے ملک کی کپاس کی کل پیداوار کا ایک تہائی پیدا ہوتا تھا۔ گندم مجموعی ملکی پیداوار کا پانچواں حصہ یہاں سے حاصل ہوتا تھا۔ ملتان ڈویژن کو جو ساڑے پانچ سو میل طویل اور دو ڈھائی سو میل چوڑا تھا۔ اب سمٹ سمٹا کر صرف ڈیڑھ سو میل لمبا اور اوسطاً ستر میل چوڑا رہ گیا۔ اس ڈویژن کی آبادی گھٹ کر ایک چوتھائی رہ گئی ہے۔

موجدہ ڈویژن، ملتان، خانیوال، وہاڑی، لودھراں، ساہیوال اور پاکپتن کے اضلاع پر مشتمل ہے۔

ضلع ملتان:۔

ضلع ملتان کی حدود مشرق میں ضلع ساہیوال تک مغرب میں ضلع مظفر گڑھ تک، شمال میں ضلع جھنگ تک اور جنوب میں سابق ریاست بہاولپور تک تھیں اور اس میں سات تحصیلیں شامل تھیں۔

1- ملتان 2- شجاع آباد 3- کبیروالہ 4- لودھراں 5- خانیوال 6- میلسی 7- وہاڑی

گورنمنٹ آف دی پنجاب ریونیو ڈیپارٹمنٹ لاہور کے نوٹیفکیشن نمبر

1976ء میں ملتان ضلع کی سات تحصیلوں میں سے تحصیل وہاڑی اور تحصیل میلسی کو ملا کر ایک نیا ضلع وہاڑی بنا دیا گیا تاہم یہ نیا ضلع بھی ملتان ڈویژن میں شامل رہا۔

اسی طرح گورنمنٹ آف دی پنجاب ریونیو ڈیپارٹمنٹ لاہور کے درج ذیل نوٹیفکیشنز کے مطابق ملتان کی مزید تحصیلوں کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔

(1) نوٹیفکیشن نمبر IR-V 1105-85/608 مورخہ 9-4-85 کے مطابق یکم جولائی 1985ء سے ملتان کو درج ذیل اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا یعنی ملتان، وہاڑی، ساہیوال، خانیوال اور ان کے ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی یہی اضلاع قرار پائے۔

(2) نوٹیفکیشن نمبر 1107-85/603-LR-V مورخہ 9-4-1985 ضلع ملتان کو ان تحصیلوں میں تقسیم کر دیا گیا ملتان تحصیل، شجاع آباد تحصیل، لودھراں تحصیل

(3) نوٹیفکیشن نمبر 858-87/472-R&G-SI مورخہ 1-7-1987 کو ضلع ساہیوال کی تحصیل عارف والہ کو تحصیل/سب ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا۔

(4) نوٹیفکیشن نمبر 565/91/46/R&G S.O II مورخہ 30-6-1991 ملتان ڈویژن کو مورخہ 1-7-1991 سے پھر اس طرح تقسیم کر دیا گیا یعنی ملتان، وہاڑی، خانیوال، ساہیوال، پاکپتن، لودھراں اور ان کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز کو بھی ان شہروں میں بنا دیا گیا۔

(5) نوٹیفکیشن نمبر 306-91/492-R&GSI مورخہ 30 جون 1991ء کے مطابق 1-12-1994

سے ضلع ملتان میں ایک نئی تحصیل جلال پور پیر والہ تحصیل / سب ڈویژن بنا دیا گیا۔

(6) نوٹیفکیشن نمبر 293-94/U-20/1438-R&SOII مورخہ 24-11-1994 کے مطابق 1-12-1994 سے ساہیوال کے مزید سب ڈویژن بنا دیئے گئے۔

(7) نوٹیفکیشن نمبر 57-95/U-55/351-R&S/SOII مورخہ 20-2-1995 کے مطابق 29-2-1995 سے پاکپتن کے ضلع عارف والہ سے سب ڈویژن میں تقسیم کر دیا گیا۔

دنیا کی تمام قدیم تہذیبیں دریاؤں کی وادیوں میں پیدا ہوئیں اور وہیں انہیں عروج حاصل ہوا ملتان شہر اس کے نواحی علاقے دریائے سندھ کی وسیع و عریض وادی میں آباد ہے۔ جنوبی پنجاب کے شہروں میں ملتان سب سے بڑا اور قدیم شہر مانا جاتا ہے۔ سات دریاؤں کی سرزمین کے مصنف ابن حنیف نے ملتان کی تاریخ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ''اندرون فصیل ملتان کی گلیاں اور سڑکوں پر گزرتے ہوئے اکثر خیال آیا کرتا ہے کہ ان گلیوں کے نیچے، ان سڑکوں کے نیچے گہرائیوں میں ہزاروں برس پہلے کا وہ ملتان سویا ہوا ہے جو صدیوں تک بار بار اجڑتا اور آباد ہوتا رہا ہے۔ جواب سے ساڑھے چار ہزار سال پہلے بھی چند اہم ترین شہروں میں سے تھا''

ملتان کی جغرافیائی حیثیت پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ چاروں صوبائی دارلحکوت' کراچی لاہور' پشاور اور کوئٹہ سے تقریباً یکساں فاصلے پر واقع ہے۔ اس لحاظ سے اسے پاکستان کا دل کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ شہر دو بڑے دریاؤں راوی اور چناب کے سنگم کے نزدیک اور راوی کے کنارے آباد تھا اس لئے اسے ایک اہم دریائی بندرگاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

ملتان کی دریائی بندرگاہ سے نہ صرف موجودہ پاکستان کے بالائی اور زیریں حصوں کے مابین تجارت ہوتی تھی بلکہ تجارتی جہاز یہاں سے ہوتے ہوئے سمندروں تک جا پہنچتے تھے اور بلوچستان کے ساحلوں کے علاوہ عراق کی بندرگاہوں تک سامان تجارت پہنچاتے تھے۔ ممتاز دانش ور اور ملتان کی اہم صاحب علم شخصیت ملک خدا بخش بچہ کے مطابق ! مغربی پاکستان کی تاریخ اور جغرافیہ میں پاکستان کو شروع ہی سے قابل رشک حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ خطہ مرکز روحانیت اور منبع انوار ہونے کے علاوہ ایک خاص قسم کی مشرقی اور اسلامی ثقافت کا علم بردار ہے۔ جو پاکستان کی ثقافت کے رنگا رنگ گل دستے میں ایک منفرد رنگ و بو کا مہکتا ہوا پھول قدامت کے باوجود اس

علاقے کی تہذیبی اور ثقافتی تروتازگی ہمیشہ کی طرح آج بھی قائم ہے

ملتان کے لوگ سادہ مزاج ہیں‘ مہمان نوازی میں اپنی مثال ہیں۔ طبعاً وسیع القلب‘ خوش گفتار اور غیر متعصب ہیں۔ قیام پاکسان کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے بڑی تعداد میں مہاجرین بھی یہاں آ کر آباد ہوئے۔ جس کی وجہ سے ملتان میں ایک رنگارنگ ثقافت نے جنم لیا۔ ملتان فقط ایک شہر ہی نہیں ہے بلکہ اہم ترین تاریخی، سیاسی مذہبی، علمی اور ادبی مرکز ہے۔

ملتان اور گردونواح میں قدیم تہذیب کے آثار ملتے ہیں۔ محققین کا کہنا ہے کہ پتھر کے زمانے میں بھی ملتان ایک متمدن علاقہ تھا۔ یہاں پر دو ہزار برس آریاؤں نے حکومت کی بعدازاں یہاں ایران، عراق اور اوسط ایشیاء سے لوگ آ کر آباد ہونے لگے۔ ان لوگوں اور ملتان کے قدیم لوگوں کے باہمی میل جول سے جو نسل تیار ہوئی وہ خوش شکل اور مناسب قد والی تھی۔ ملتان میں برہمن کھشتری اور اروڑہ قوم کی اکثریت آباد تھی۔ البتہ شہروں میں کھشتری اور نواح میں اروڑوں کی تعداد تھی۔ فصیل شہر کے اندر تنگ و تاریک گلیاں تھیں۔ جن میں چھوٹے، تنگ، دو تین منزلہ مکانات تھے۔ فصیل شہر سے باہر مکانات کھلے تھے۔ ان گھروں میں باورچی خانہ اور غسل خانہ نہیں ہوتا تھا۔ اسلامی حکومتوں کے دور میں ملتان کو ہمیشہ ایک صوبے کی حیثیت دی گئی۔ لیکن برطانوی دور اقتدار میں اس کی یہ حیثیت ختم کر کے اسے کمشنری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس وقت ملتان کا رقبہ پانچ سو میل طویل اور ڈھائی سو میل چوڑا تھا مگر اب اس کا طول و عرض ڈیڑھ سو میل اور سترہ میل رہ گیا ہے۔ ملتان کے مشرق میں ضلع لودھراں، خانیوال، مغرب میں دریائے چناب اور ضلع مظفر گڑھ، شمال میں ضلع خانیوال اور جنوب میں دریائے ستلج اور بہاولپور واقع ہے۔ موجودہ مردم شماری کے مطابق شہر کا رقبہ 634 مربع کلومیٹر، ضلع ملتان کا رقبہ 3721 مربع کلومیٹر، جبکہ ملتان شہر کی آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 15 کروڑ 14 لاکھ 82 ہزار بیان کی جاتی ہے۔ ۵۶

باغات کی تعداد، میوہ جات ہر قسم کے بارے میں:۔

یہ شہر اور اس کے آس پاس کے علاقے بہت آباد ہیں، بڑے پُر رونق ہیں اور اس کے باغوں اور کنوؤں کے سبب جو آبادی شہر میں پائی جاتی ہے وہ دوسرے شہروں میں کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ جب کنوؤں سے پیداوار ہوتی ہے اور نہری پانی بھی میسر آتا ہے تو فصل ربیع میں گندم، جو، خربوزے، تربوز، کھیرے، بینگن، توری، کریلہ،

تمباکو، پوست، بھنگ کی پیداوار ہوتی ہے اور خریف کی فصل کے موقع پر گنا، پونہ، گاجر، شکر قندی، مکئی، جوار، باجرہ اور کنگنی، کپاس، تل، سیاہ تل اور پالک، ساگ، چوکا، شلغم، گندلاں وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ جہاں دریا کا پانی پہنچ جاتا ہے وہاں ان چیزوں کے علاوہ چنا، دال ماش، دال مونگی اور دھان وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ راوہ کے علاقے میں یعنی وہ جگہ جہاں دریا کا پانی نہیں پہنچتا وہاں گندم، جو اور کنگنی فصل ربیع میں اور جوار شلغم کنگنی اور کپاس فصل خریف میں پیدا ہوتے ہیں اور راوہ میں دھان کی فصل جب بارش فراواں ہو جائے تو ہوتی ہے۔ کنوؤں سے بھی یہ اپنے سارے مویشیوں کو راوہ میں دریا کے کنارے لے جاتے ہیں اور انہیں وہاں دو تین مہینے چراتے ہیں اور بارشوں والے سالوں میں غلے، گھی اور دودھ و دیگر اجناس کی بہتات ہو جاتی ہے۔ تین چار سالوں میں اس قسم کی بارش خوب ہوتی ہے اور جس سال بارش ہوتی ہے اس سال بخار وغیرہ بیماریاں بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ملتان شہر کے آس پاس باغ بہت ہیں۔ قدیم باغوں میں سے ایک باغ جیسمل والہ باغ ہے اور یہ اسی نام سے باقی ہے۔ یہ دوسو سال سے آباد ہے اور اب بھی اس کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ دوسرا مشہور باغ قصائی والا ہے کہ وہ بھی تقریباً دوسو سال پہلے بنایا گیا تھا اور اس میں موجود آم کے درخت دوسرے باغوں میں موجود نہیں ہیں۔ اب یہ ویران ہو رہا ہے اور اس میں آموں کے کچھ درخت باقی ہیں۔ آج کل کاشت ٹیوب ویلوں کے پانی کے ذریعے ہو رہی ہے۔ موجودہ مردم شماری کے اعداد وشمار پر ملتان کے سماجی ماہرین بھروسا نہیں کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس وقت ملتان کی آبادی پندرہ بیس لاکھ کے درمیان ہے۔ ۵۹

قدیم ملتان اونچائی پر واقع ہے یہ اونچائی قدرتی طور پر موجود نہیں تھی۔ بلکہ جس زمانے میں شہر کی فصیل بنائی جا رہی تھی۔ اس علاقے میں مٹی کا بھراؤ کر کے اسے ایک ٹیلے کی شکل دے دی گئی۔ یہ اقدام آبادی کو سیلاب کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا گیا تھا کیونکہ ان دنوں راوی اور چناب شہر کے نزدیک سے گزرتے تھے۔ مٹی کا بھراؤ کرنے کے لئے پرانے علاقے کے شمالی حصے سے مٹی نکالی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علاقہ آج بھی نشیب میں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان نشیبی علاقوں میں بھی آبادیاں قائم ہو گئیں۔ نشیبی علاقوں میں آج بھی نشیب میں ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ان نشیبی علاقوں میں بھی آبادیاں قائم ہو گئیں۔ نشیبی علاقوں میں اب بھی معتدد ایسے مکانات اور دکانیں دکھائی دیتی ہیں جو اگر چہ کسی زمانے میں سطح زمین کے برابر تھیں مگر زیر زمین چلی

گئیں اور تہہ خانوں کی مانند دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد از تعمیرات کرنے والوں نے موجودہ سطح زمین کو مدنظر رکھ کر بنیادیں اٹھائی ہیں۔ قلعے اور فصیل کے اندر آبادی انتہائی گنجان ہے۔ پرانے علاقوں میں صفائی، سیوریج اور ٹرانسپورٹ کے مسائل انتہائی سنگین ہیں پرانے علاقوں میں گلیاں تنگ ہیں۔

دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ملتان روز اول سے تعمیر و ترقی کے مختلف مراحل طے کرتا رہا ہے۔ لیکن ملتان میں تیز رفتار ترقی کسی دور میں نظر نہیں آئی مگر آج ملتان قدیم و جدید کا حسین امتزاج ہے۔ اب نئے علاقوں میں جدید ترین عمارتوں کے ساتھ کشادہ اور صاف ستھری سڑکیں اور باغات ابھر رہے ہیں۔ قدیم دینی درسگاہوں اور تعلیمی اداروں کے ساتھ جدید تعلیمی ادارے بھی پھل پھول رہے ہیں الیکٹرانک میڈیا نے جس طرح دنیا بھر میں ترقی کی راہیں کھول دی ہیں سرزمین ملتان بھی اس تیز رفتاری مواصلاتی اور اطلاعاتی نظام کے ثمرات سے بہرہ مند ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب ملتان کا شمار بھی ترقی یافتہ اور جدید شہروں میں کیا جانے لگے گا۔

آج کا ملتان بہت تبدیل ہو چکا ہے نئے پلازے شاپنگ سنٹرز تعمیر ہوتے جا رہے ہیں ادبی و ثقافتی مراکز ہیں تعلیمی ادارے ہیں۔ بلند و بالا عمارتیں ہیں کالونیاں ہیں۔ ملتان تیزی سے پھیل رہا ہے اس کا مزاج تبدیل ہو رہا ہے ملتان نے یہ ترقی اگرچہ ایک روز میں نہیں کی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملتان گذشتہ 20 برسوں کے دوران جس تیزی کے ساتھ تبدیل ہوا اتنا گذشتہ ایک صدی میں بھی نہیں ہوا تھا۔ اندرون شہر اگر تنگ گلیوں میں چھوٹی اینٹ سے بنے ہوئے بلند و بالا مکانات ہیں تو شاہ رکن عالم، نیو ملتان، شالیمار، سبزہ زار، نشیمن کالونی اور دیگر جدید کالونیوں میں جدید طرز تعمیر دیکھنے کو ملتا ہے۔ آبادی پھیلنا شروع ہوئی تو سب سے پہلے گلگشت اور ممتاز آباد کالونی تعمیر کی گئی۔ اب شہر کا پھیلاؤ اس سے کہیں زیادہ ہو گیا ہے۔ جنرل بس سٹینڈ اب شہر سے باہر نہیں شہر کا حصہ ہی بن گیا ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایشیاء کی سب سے بڑی پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹری موجود ہے اسی کھاد فیکٹری کے دوسری جانب وہاڑی روڈ پر نو تعمیر شدہ کرکٹ اسٹیڈیم ہے۔ اس خطے نے کرکٹ کو انضمام الحق اور وقار یونس جیسے عالمی شہرت یافتہ کرکٹر دیے ہیں اب ملتان میں ایک خوبصورت کرکٹ اسٹیڈیم تو موجود ہے لیکن یہاں میچ اکا دکا ہی ہوتے ہیں۔ پاکستان کا یہ بڑا شہر اور ثقافتی مرکز ٹی وی سنٹر سے محروم ہے۔ الیکٹرانک میڈیا پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کے لئے یہاں کے شاعروں، ادیبوں، اداکاروں اور گلوکاروں کو شہر سے ہجرت کرنا پڑتی ہے اس شہر میں

بے پناہ ٹیلنٹ موجود ہے لیکن ان کی آواز لوگوں تک نہیں پہنچ پاتی۔

ملتان ہنرمندوں کا شہر ہے یہاں کرافٹ بازار قائم ہوگیا۔ وہ ہنرمند جو شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں کرتوں اور دوپٹوں پر کڑھائی کرتے ہیں کھسے بناتے ہیں اونٹ کی کھال سے ٹیبل لیمپ بناتے ہیں کاشی گری کرتے ہیں۔ آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والے نیلے ملتانی رنگ سے برتنوں پر نقش و نگار بناتے ہیں۔ قالین بانی کرتے ہیں ملتان میں دوسرے ملکوں سے سیاح یہاں کی سوغاتیں دیکھنے آتے ہیں۔ پاک گیٹ کی گلیوں میں حسین آگاہی اور چوک بازار میں بوہڑ گیٹ، لوہاری گیٹ میں اب گداگر دعائیں دیتے ہیں اور جس کے گورستان اس لئے ہمیں عزیز ہیں کے وہاں ہمارے آباؤ اجداد آسودۂ خاک ہیں۔

ملتان گزیٹر کی رو سے انگریزوں کے ابتدائی دور 1881ء میں ضلع ملتان میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت نازک تھی۔ مسلمان آبادی میں اگرچہ 80 فیصد تھے مگر تعلیمی میدان میں صرف 32 فیصد تھے ان کے مقابلے میں ہندو صرف 20 فیصد تھے مگر وہ تعلیم میں 48 فیصد کی رفتار سے ترقی کر رہے تھے۔ 1883 کے امپیریل گزٹ کے مطابق ضلع ملتان میں کل 79 سرکاری سکول تھے جن میں سے صرف 9 سکول ملتان شہر میں تھے اعلیٰ تعلیم کے چار زنانہ اور چار مردانہ سکول انگریزوں کے تبلیغی یعنی مشنری اداروں کی مدد سے چل رہے تھے۔ ان کے علاوہ 2 مڈل سکول اور 59 پرائمری سکول تھے ان تمام سکولوں میں طلباء کی تعداد 3924 تھے اس لحاظ سے انگریزی حکومت کی طرف سے تعلیمی سہولت نہ ہونے کے برابر تھی۔ انگریزوں نے سرزمین ملتان پر قبضہ کرنے کے 7 سال بعد 1856ء میں بمقام حسین آگاہی پہلا انگریزی طرز کا ہائی سکول کھولا۔ 1861 میں یہ ہائی سکول پنجاب یونیورسٹی سے منسلک ہوا اور یونیورسٹی نے دسویں کا امتحان لینا شروع کیا۔ 1920ء میں ملتان میں پہلا گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج قائم ہوا جو 1934ء میں ڈگری کالج بنا دیا گیا اور ملتان کے ڈپٹی کمشنر ایمرسن کے نام پر اس کا نام ایمرسن کالج رکھ دیا گیا بعد میں یہ کالج گورنمنٹ کالج کے نام سے بوسن روڈ منتقل ہوگیا۔ 1926ء میں گرلز انٹر میڈیٹ کالج کھولا گیا 1948ء میں انجمن اسلامیہ نے پرائمری سکول قائم کیا 1953ء میں انجمن اسلامیہ نے انٹر کالج قائم کیا 1962ء میں انجمن اسلامیہ نے اسلامیہ گرلز کالج قائم کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے برسراقتدار آ کر تمام غیر سرکاری ادارے سرکاری تحویل میں لے لیے جو تادم تحریر سرکاری سرپرستی میں چل رہے ہیں اس وقت ملتان کا

تعلیمی منظر مندرجہ ذیل ہے۔[٦٠]

یونیورسٹی:۔

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی جس کے زیر اثر ایک میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج، زرعی کالج جن میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری وساری ہے اس کے علاوہ ملتان میں بہت سے سکول ہیں جو گورنمنٹ اور نجی شعبے کے زیر اثر چل رہے ہیں۔

کالجز:۔

شہر میں ڈگری کالجز کی تعداد 9، انٹر کالجز کی تعداد 2، ایلیمنٹری کالجز 3، نجی کالجز 12 ہے۔

مشہور تعلیمی اداروں میں

(ا) بہاءالدین زکریا یونیورسٹی جو 15 ستمبر 1975ء میں قائم ہوئی

(ب) نشتر میڈیکل کالج میں 31 دسمبر 1950ء میں قائم ہوا

(ج) گورنمنٹ کالج ملتان جو اپریل 1920ء میں وجود آیا

(د) بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن جو کہ ستمبر 1968ء میں قائم ہوا

(ر) گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن جس کا آغاز ستمبر 1959ء بہاولپور میں ہوا پھر 1963ء میں اس کو ملتان منتقل کر دیا گیا۔

(ح) ملتان پبلک سکول 1985ء میں قائم ہوا

یہ تمام ادارے کمپیوٹر کی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ جن میں جدید ترین سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کمپیوٹر پر مشتمل لیبارٹریاں موجود ہیں ہر سال بہت سے طلباء اور طالبات ان تمام اداروں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملک کی خدمت کر رہے ہیں ملتان میں رفاہی تعلیمی ادارے جن میں گونگے بہروں کا سکول، نابیناؤں کا سکول، تعلیم بالغاں اور سپیشل سکول بھی عوام کی خدمت کر رہے ہیں ان کی کارکردگی بھی حوصلہ افزاء ہے۔ جس طرح ملتان اپنی قدامت کی وجہ سے عظمت کا حامل ہے اسی طرح علم وادب اور فنون میں بھی اس کی رفعت مسلمہ ہے۔ محمود غزنوی کے دور میں البیرونی جیسا محقق برسوں ملتان رہا اور ملتان میں ہی اس نے اپنی کتاب ''کتاب الہند'' لکھی۔ 605

ھ میں غوث بہاء الحق زکریا کی علمی درگاہ علوم فنون کا مرکز بن کر ابھری۔ آپ کے زمانے میں شمس الدین بلخی بہت بڑا خطاط، شاعر اور عالم ملتان کو شاعری اور فن خطاطی سے خاص طور پر نواز رہا تھا۔ آج بھی ملتان اسلامی علوم کا گہوارہ ہے جہاں ہر مکتب اور مسلک کی درسگاہیں ہیں۔ این جی اور زبھی ملتان میں تعلیم کی بہترین سرپرستی کرر ہے ہیں۔

ملتان قدیم زمانہ سے علم و فن کا مرکز رہا ہے ملتان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل بہت سے کتب خانے تھے۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے مدرسہ بہائیہ۔ مولانا قطب الدین کاشانی کا مدرسہ سلطانیہ اور سلطان ناصر الدین کا مدرسہ ناصریہ کے کتب خانے بہت مشہور و معروف تھے ملتان سلاطین لنگاہ میں بھی اپنے مدرسوں اور کتب خانوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ ان کتب خانوں سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے کتب خانوں سے نادر کتابیں بھی دیکھی گئی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے علم و ادب اور فنون لطیفہ کا کتنا قیمتی خزانہ ہمارے لئے چھوڑا اس کا مختصر اندازہ ملتان کے قدیم کتب خانوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

(1) سب سے پہلا کتب خانہ جس کا آغاز پانچویں صدی کے آخر میں صوفیائے کرام اور اولیاء عظام کی آمد کے ساتھ شروع ہو۔ حضرت شاہ یوسف گردیزیؒ کا کتب خانہ 531ھ کا ہے۔ آپ نے ملتان کو باقاعدہ تبلیغ اسلام اور روحانی پیغام کا مرکز بنایا۔

(2) حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا کتب خانہ: یہ کتب خانہ 666ھ میں بنایا گیا۔ جب بہاء الدین زکریا جو سمر قند، بخارا، بغداد سے تشریف لائے "مدرسہ بہائیہ" عرب کے تشنگان توجہ کا مرکز تھا۔

(3) علامہ کتب الدین کاشانی کا کتب خانہ جو کہ مدرسہ بہائیہ کے مقابلے میں قائم کیا گیا۔ اس دار العلوم میں منطق، معقول اور اہل کلام کی تعلیم پر زور دیا گیا۔

(4) حضرت موسیٰ پاک شہید گیلانی کا کتب خانہ: اس خاندان نے تصوف و سلوک میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اس خاندان کے کتب خانہ میں اب بھی نادر کتب موجود ہیں۔

(5) سلطان محمد شہید کا کتب خانہ: خاندان سہروردیہ کے عروج کے زمانہ میں سلطان محمد شہید نے ملتان آ کر ایک کتب خانہ قائم کیا۔مگر منگولوں کی تباہ کاریوں سے کتب خانہ تباہ ہوگیا۔[۶۱]

موجودہ کتب خانے

پبلک لائبریری:۔

1886ء میں باغ لانگے خان میں مغلیہ دور کی ایک بارہ دری میں ایک پبلک ریڈنگ روم کھولا گیا۔جس کو بعد میں پبلک لائبریری اور سٹی ریڈنگ روم کا نام دیا گیا۔

میونسپل لائبریری:۔

15فروری 1954 کو اس کا سنگ بنیاد سید علمدار حسین شاہ گیلانی نے رکھا۔اس میں 15000 کے قریب قدیم وجدید کتب موجود ہیں۔

گلڈ لائبریری:۔

یہ لائبریری ملتان شہر اور چھاؤنی کے درمیان رائیٹرز گلڈ ہاؤس میں ہزاروں کتابوں پر مشتمل تھی۔گلڈ ہاؤس کے خاتمے کے بعد وہ لائبری بھی غائب ہوگئی۔

نیشنل سنٹر لائبریری:۔

1973ء میں رائیٹرز گلڈ ہاؤس کی مرحوم لائبریری کے سامنے پاکستان نیشنل سنٹر سرکاری طور پر قائم ہوا۔اس میں تقریباً 7000 کتابیں موجود ہیں۔

قرآنی لائبریری وریڈنگ روم:۔

منشی عبدالرحمٰن خان کا قائم کردہ ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ نہ صرف بذریعہ نشر واشاعت تبلیغ دین میں مصروف ہے بلکہ اس میں ریڈنگ روم بھی ہے اس میں 5000 کتابیں موجود ہیں۔

سردار جھنڈیر لائبریری:۔

میلسی کے علم دوست جھنڈیر خان نے اپنے علاقے میں ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی۔اس میں ایک لاکھ سے زائد کتب موجود ہیں۔1500 سے زیادہ قرآن پاک کے نادر قلمی نسخے اکھٹے کئے گئے ہیں۔

ادب:۔

ادب کے میدان میں بھی ملتان شاندار روایات کا حامل رہا ہے۔امیر خسرو مشہور غزل گو شیخ فخر الدین عراقی، میر سادات حسین مہروری، امیر حسین سنجری دہلوی، سعدی شیرازی کے بھائی قاضی حمید الدین و دیگر شعرا کا ملتان میں طویل قیام رہا۔

ملتانی ادب

ملتانی زبان اور اس کی اہمیت:۔

ملتانی اور سندھی دونوں ایک ہی ملک کی دو زبانیں ہیں۔سرائیکی سندھ کے سرداروں کی زبان تھی۔یہ جنوبی سندھ میں بولی جاتی تھی۔ یہ سرائیکی سے بالکل الگ ایک مستقل بالذات زبان تھی۔ 110ھ میں جب سندھ ملتان سے علیحدہ ہوا تو ملتانی زبان بھی سرائیکی سے علیحدہ ہو کر آزادانہ طور پر ترقی کرنے لگی۔ملتانی زبان اگرچہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے۔اس کے حروف تہجی بھی تمام زبانوں سے زیادہ ہیں۔ایک ملتانی بولنے والا دنیا کی ہر زبان کے الفاظ و حروف کا باآسانی صحیح تلفظ ادا نہیں کر سکتا ہے۔ملتانی زبان کی اہمیت و وسعت کا ان امور سے بھی باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(1) انگریزوں نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے ملتانی زبان کو فروغ دیا۔

(2) ملتانی زبان کے متعلق جرمن اور انگریزی میں کتابیں میں لکھی گئیں۔

(3) مسٹر اوبرائن نے ملتانی زبان کے متعلق الفاظ کی فہرست ''گلوسری آف ملتانی لینگوئج'' کے نام سے تیار کر کے شائع کروائی جس کا مقصد بہت دلچسپ اور پر از معلومات ہے۔ یہ کہانیاں بڑی حیرت انگیز اور سبق آموز ہونے کے علاوہ ملتان کی تہذیب و تمدن کی بھی غماز ہیں۔جرمنوں اور انگریزوں نے ملتانی زبان کی خدمت کا حق ادا

کیا۔مگر اردو زبان اور اردو طبقہ ملتانی زبان کے لئے کوئی قابل ذکر خدمت نہ کر سکا۔

ملتانی لٹریچر:۔

ملتانی زبان کا لٹریچر اگر چہ انقلابات زمانہ کی بدولت محفوظ نہیں رہا۔لیکن ملتان کے بعض گھرانوں میں ملتانی زبان کا ایسا لٹریچر آج تک موجود ہیں۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان شعر ونغمہ، قصہ کہانی، بجھارتیں، پہلیوں، مرثیوں، نوحوں کے لحاظ سے مالا مال تھی۔ملتانی زبان کے مندرجہ ذیل لٹریچر کو تو دوامی حیثیت حاصل ہے جسے اب سرائیکی ادب کہا جاتا ہے۔

تراجم قرآن مجید:۔

ملتانی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مولوی خیر الدین صابر ملتانی نے کیا ہے جس کے پہلے پارہ کو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ملتانی ترجمہ کا مکمل قرآن مجید مترجم محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ، عزیز المطابع بہاولپور نے 1372ھ میں شائع کیا تھا۔حال ہی میں جناب دلشاد کلانچوری کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

نور نامہ اس نظم کا سن تصنیف حافظ محمد شیروانی مرحوم نے 446ھ میں یعنی 1054 تسلیم کیا گیا ہے۔

یوسف زلیخا یہ خوبصورت کتاب 1218 ھ میں عبدالحکیم نے لکھی اور اسے نواب بہاولپور کے نام سے منسوب کیا

معراج نامہ یہ حافظ محمد شاعر کی تصنیف لطیف ہے یہ خالص ملتانی زبان ہے۔

سیف الملوک یہ میاں لطف علی کی تصنیف ہے یہ ملتانی شاعری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔

دیوان فرید خواجہ فرید کا یہ کلام ٹھیٹھ ملتانی زبان میں ہے۔جس کی مستقل اقدار نے ملتانی زبان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ آپ کی کافیاں بڑی مشہور ہیں۔

مجموعہ صحرائی مرثیہ گوئی کا آغاز چونکہ ملتان سے ہوا تھا اس زبان میں اتنے مرثیے شائع ہوئے کہ اگر ان کو تلاش کر کے جمع کیا جائے تو کئی دفتر تیار ہو جائیں۔

ملتانی شاعر:۔

ماہرین شعروادب کے نزدیک ملتانی کا پہلا شاعراورصوفی بزرگ شیخ فریدالدین شکر گنج تھا۔ان کے بعد ملتانی میں شعر کہنے کا رواج پیدا ہوا۔ ملتان کے شعراء میں خواجہ غلام فرید،عبدالطیف بھٹائی سچل سرمست، بیدل روہڑوی، میاں لطف علی، خواجہ نور محمد مہاروی، حافظ محمد جمال ملتانی، میاں نصیر الدین خرم اور جندن ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ملتان میں اردو شاعری کا آغاز سب سے پہلے مرثیہ گوشاعروں سے ہوا۔ پہلے بیس سالہ دور میں ملتان کے چار نامور شاعر ہوئے جن کے نام مخدوم حسین بخش قریشی ،مخدوم حسن بخش گردیزی ارشد گورگانی اور محمد سعید اعجاز ملتانی ہیں۔

اردو شاعری کا دوسرا دور 1900-880 ءتک ہے۔اس کا تیسرا دور 1920 سے 1900 ء کا ہے جو ملتان کی تاریخ بلا مبالغہ میر سودا کا دور کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں وہ تمام شعراء شامل ہیں جنھوں نے ملتان شاعری کو فروغ بخشا اور مشاعروں کی بنیاد ڈالی اس دور کے نامور شاعر اسد ملتانی کشفی ملتانی ممتاز ملتانی ،غنچہ امروہوی، ناطق جالندھری اور صوفی آذر ملتانی ہوئے ہیں۔

اردو ادب:۔

عاصی کرنالی لکھتے ہیں

ادب ملتان نے 1947 ء میں اپنے ارتقائی سفر کے ایک نئے مرحلے میں قدم رکھا۔لکھنوء دہلی اور اردو کے دوسرے قریبی مراکز سے تعلق رکھنے والے لوگ انقلاب کے نتیجے میں یہاں پہنچے ملتان چونکہ طوفان نہیں بلکہ طوفان سے پناہ دینے والے ساحل تھا اس لئے اس وقت کے ملتانی ادب میں اس گزرتے ہوئے عہد کے خدوخال اس شکل میں نظر نہیں آتے جس شکل میں اردو ادب کے چہرے نمایاں ہیں۔ اس دور کے جذباتی ادب میں اردو ادباء کے یہاں اضطراب اور ملتانی ادباء کے یہاں غمگساری ،ہمدردی اور تسکین دہی کے عناصر نمایاں ہیں۔

1966 ء سے 1984 ء کے اختتام تک یعنی بیس سال کے عرصے پر محیط ساعتوں میں ملتان کے ادبی سفر نے بہت سے ارتقائی مدارج طے کئے بیشمار انجمنیں اور تنظیمیں شعر وادب کے افق پر ابھریں۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ایک عظیم ترین درسگاہ اور مرکز تخلیق وتحقیق ہونے کے سبب ملتان کو سرعت رفتار کا ایک موثر وسیلہ اور مفید

محرک ثابت ہوئی۔ ریڈیو پاکستان ملتان کی تاسیس تشکیل کے سبب بھی جوہر قابل کی مزید دریافت کا عمل شروع ہوا اور اس ذریعہ ابلاغ کے آنے سے بھی یہاں کے اہل فکر اور اہل قلم کو مختلف متنوع موضوعات پر لکھنے کے مواقع ہاتھ آئے۔ وقتاً فوقتاً کئی رسائل نکلے اور بعض اخبارات نے ادبی ضمیموں کی بنیاد ڈالی یہ ذریعہ بھی ادبی پیش رفت کا سبب بنا یہاں کے ادیبوں کا دوسرے ملکی علاقوں میں جانا، ملکی اور غیر ملکی وفود کا ملتان میں آنا اور اس طرح کے مذاکروں اور افکار کے باہمی تبادلے سے بھی ذہن وفکر کو جلا ملی۔

1984ء کے بعد ملتان میں علمی و ادبی سرگرمیاں زیادہ تیز ہوگئیں اور نئے نئے ادیب اور دانشور ادب کے افق پر نمودار ہوئے اس زمانے میں سرائیکی اور اردو زبان کے ساتھ انگریزی میں لکھنے والے اہل قلم بھی نظر آتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی علم وادب کے نئے گوشے سامنے لاسکتی ہے۔

جنوبی پنجاب کا ادبی منظر نامہ:

جنوبی پنجاب میں ہمیں کئی ایسے قلمکاروں کے نام نظر آتے ہیں جنھوں نے بڑے ادبی مراکز سے دور رہ کر تخلیق کی شمع جلائی اور ادبی منظر نامہ کو روشن کیا۔ رفتگان میں اسد ملتانی، کیفی جام پوری، افق کاظمی، ادب سیمابی تاثیر نقوی ایسے نام ہیں کہ جنھوں نے شاعری کی محفلوں کو آباد کیا۔ حزیں صدیقی ملتان کی شناخت تھے۔ نظم، دوہے اور تنقید میں ان کا اسلوب منفرد تھا۔ ظہور نظر کا تعلق بہاولپور سے تھا مگر انہیں شاعروں کی بدولت ملک بھر میں پہچانا جاتا تھا۔ منشی عبدالرحمٰن خان نے ملتان کی تاریخ سمیت کئی کتابیں تحریر کیں۔ حزیں صدیقی اور حیدر گردیزی نے ادبی محفلوں کو آباد کیا حیدر گردیزی بابا ہوٹل کی رونق تھے۔ ان کے دم سے نواں شہر کا چھوٹا سا چائے خانہ ملتان کا پاک ٹی ہاؤس بن گیا تھا۔ حسن رضا گردیزی اپنی وضع کے انسان تھے۔ مقصود زاہدی کا کلینک صدر بازار میں تھا۔ وہ رباعی کہتے تھے خاکے لکھتے تھے۔ مذاق العیشی اور ممتاز العیشی نے صلہ کی تمنا کیے بغیر عمر بھر ادب کی خدمت کی، مہر عبدالحق محقق تھے۔ سرائیکی کے بارے میں ان کا کام ادب کا معتبر حوالہ تھا۔ منیر فاطمی، طارق جامی، طفیل ابن گل نے بہت کم وقت میں صلاحیتوں کا اعتراف کرایا اور اگلے جہاں سدھار گئے۔

یہ سب لوگ اس شہر ملتان کی پہچان تھے۔ آج ہم میں نہیں مگر ان کی یادوں کے چراغ روشن ہیں۔ خطۂ ملتان کے ادب کا احوال بیان کرنے سے پہلے ہم نے رفتگان کا ذکر اس لئے کیا کہ ہم اپنے حال کو ماضی کے ساتھ

جڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج مشاعروں اور ادبی محفلوں کی رونق وہ نہیں رہی جو ایک صدی قبل تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہاں اچھا ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ ملتان میں عاصی کرنالی، ڈاکٹر انوار احمد، روبینہ ترین، ڈاکٹر اسلم انصاری، ارشد ملتانی، ایاز صدیقی، اصغر علی شاہ، فخر الدین بلے غزل کے گیسو سنوار رہے ہیں۔ نظم میں فیاض تحسین، رحمان فراز، تاثیر وجدان، خالد سعید، علی اظہر کے ہاں جذبے کی شدت موجود ہے اور فن کی پختگی بھی۔ پھر شاعروں کی ایک اور صف آتی ہے جس میں ممتاز اطہر، شوذب کاظمی، قمر رضا شہزاد، اصغر تبسم، ناہمواریوں و رسیاسی سماجی رویوں کو اپنی غزل سے ہم آہنگ کر رہے ہیں۔

سرائیکی شاعری کا ذکر آئے تو احمد خان طارق، شاکر شجاع آبادی، اشولال فقیر، عاشق بزدار، نصر اللہ ناصر، رفعت عباس، خواجہ فرید کی دھرتی میں امن و محبت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ خواتین میں ثمر بانو ہاشمی، نوشابہ نرگس، ماہ طلعت، عذرا شوذب، شگفتہ الطاف، غزالہ خاکوانی کا شعری سفر جاری ہے۔ احمد خان درانی، حنیف چوہدری اور منیر فاطمی نے اپنے بیرونی سفر کی روداد قلمبند کر کے اس خطے میں سفرنامہ نگاری کی ابتداء کی طنز و مزاح کا جو پودا اقبال ساغر صدیقی نے یہاں لگایا وہ تناور درخت بن چکا ہے۔ خالد اقبال خالد مسعود، جاوید اصغر اور اسلام تبسم جیسے نوجوان صلاح الدین حیدر، پروفیسر نسیم شاہد کی قیادت میں سرگرم عمل ہیں اور اشیاء کے مضحک پہلوؤں کو اجاگر کر کے گردوپیش کے دوہرے رویوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ [۶۲]

ادبی ادارے

ملتان اکادمی:۔

اس کی بنیاد سید محمد قاسم رضوی سی۔ ایس۔ پی نے جنوری 1954ء میں رکھی جب کہ وہ ملتان میں تعینات تھے۔ اس کی باگ دوڑ آغا شیر احمد خان خاموش کے سپرد کی گئی۔ آغا شیر احمد خاموش کے عہد میں ملتان اکادمی کے جتنے بھی جلسے ہوئے وہ اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے یادگار حیثیت کے حامل تھے۔ لیکن ارباب ذوق کو ملتان اکادمی سے یہ ضرور شکوہ رہا کہ یہ خواص کا ادارہ ہے عام کا نہیں۔ چنانچہ جب سید قاسم رضوی، کمشنر بن کر 1970ء میں ملتان آئے تو انہوں نے ملتان اکادمی کو آغا خاموش سے لے کر ان کے طے کردہ ناظم کے سپرد کر دی۔ جو اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کی وجہ سے اس اکادمی کے لئے صحیح طور پر کام نہ کر سکا اور اس طرح ملتان آ کادمی آثار قدیمہ

میں شمار ہونے لگی

رائیٹرز گلڈ:۔

ملتان نے گلڈ بام شہرت پر پہنچانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ یہاں گلڈ ہاؤس' گلڈ لائبریری اور رائیٹرز کالونی قائم ہوئی ملتان میں گلڈ نے باقاعدہ ماہانہ علمی' ادبی اجلاس کو فروغ دیا لیکن گلڈ سے ایک مخصوص طبقہ کے سوا نہ عام ادیب کو کوئی فائدہ پہنچا اور نہ یہ علم وادب کی اتنی خدمت کر سکا جتنے اس نے دعوے کئے۔ بلکہ اس کی بدولت ملک کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔

بزم ثقافت:۔

انقلاب اکتوبر 1958ء کے فوراً بعد قومی زندگی نے ایک نئی کروٹ لی ۔ 1959ء کے شروع میں پاکستانی ادیبوں کی پہلی کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے صدر مملکت ایوب خان نے کہا انکی حکومت ادب کے فروغ اور ادیبوں کی بہبودی کے لئے انجمن مصنفین (رائیٹر گلڈ) کی پوری مدد کرے گی ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی صدر مملکت نے ادیبوں کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔صدر مملکت کی اس ادب وثقافت کی ترقی کا نیا دور شروع ہوا اور بزم ثقافت ملتان اسی دور کی یادگار ہے۔ بزم ثقافت کی قیام سے قبل ملتانی ادب وثقافت کی ترقی کے لئے کوئی ادارہ نہ تھا۔حکومت نے بہت سے ادارے قائم کئے مگر کسی نے ملتانی زبان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ حالانکہ اس زبان کا کلاسیکی ادب بہت عظیم ہے۔بابا فرید شکر گنج 'بلھے شاہ'لطف علی'علی حیدر' خواجہ فرید' سلطان باہو' اور خرم بہاولپوری جیسے باکمال شعراء کے کلام سے اس زبان کا دامن مالا مال ہے۔ملتان ادبی وثقافتی لحاظ سے بہت پسماندہ شمار کیا جاتا تھا۔لیکن بزم ثقافت کی جدوجہد سے اس کی ادبی اور ثقافتی اہمیت بڑھ گئے ہے۔ بزم نے بے شمار ادبی جلسوں 'موسیقی کی محفلوں تصاویر کی نمائش اور نامور ادیبوں کی ساتھ شام منانے کا اہتمام کیا ہے۔

ثقافتی تخلیقات:۔

بزم ثقافت نے ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ملتانی ادب کی ترویج اور یکجہتی کے فروغ کے لئے مطبوعات پر بھی پوری توجہ دی۔سب سے پہلے بزم نے 1961ء میں ''پربت بہار'' شائع کی بزم نے 1963ء میں خواجہ فرید کی کافیوں کی مجموعہ ''کلام فرید'' کا اردو نثر میں ترجمہ بھی شائع کیا تا کہ ملتانی نہ سمجھنے والے بھی خواجہ فرید

کی شاعری سے استفادہ کر سکیں۔ 1965ء میں بزم نے ملتانی لوک گیتوں کا مجموعہ ''سرائیکی لوک گیت'' شائع کیا ۔یہ مجموعہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے مرتب کیا تھا1966ء بزم نے ملتانی رزمیہ نظموں کا مجموعہ ''للکار'' شائع کیا۔خواجہ فرید کی شاعری کی یورپ میں متعارف کرانے کے لئے بزم نے ان کی مختلف کافیوں کا انگریزی میں ترجمہ کرایا۔یہ ترجمہ بنگالی کے نامور شاعر شمس الرحمٰن نے کیا ہے۔اردو کے نامور افسانہ نگار قدرت اللہ شہاب کے مختلف افسانوں اورمشرقی پاکستان پر ریاض انور کی طویل نظم ''آرزوؤں کا بھنور'' کا بنگالی میں ترجمہ کیا گیا۔ان کے علاوہ بزم ثقافت ملتان کے سرمایہ علم وادب میں اضافہ کیا۔

فن کتابت وخوش نویسی:۔

خطاطی قدیم ترین فن ہے جسے مختلف وقتوں میں عوام سے لے کر حکمران طبقہ تک نے اپنایا۔اسے معراج تک پہنچایا اور پیشہ اختیار کرنے پر بڑا فخر محسوس کیا۔سلطان محمود غزنوی کا پوتا سلطان ابراہیم غزنوی'سلطان ناصر الدین محمود ظہیر الدین بابر خود ماہر خطاط تھے۔ بلکہ بابر خود ''خط بابری'' کا موجد تھا۔جس میں اس نے قرآن شریف لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ بہادر شاہ ظفر بھی بہت مشاق خوشنویس تھے۔ملتان میں عبید بن احمد بغدادی سب سے پہلی ہستی تھے جنہوں نے اپنی حکمت عملی سے خوشخطی کوفروغ دیا۔بقول صاحب تذکرۃ الجواہر فارسی قلمی کے لئے ''چوں محمد بن قاسم معہ عسکریان درسن نود وسہ ہجری المقدس ورود مسعود فرمود بآں ہمزاد بزرگان دین وعلماء کبار وصاحب خوشخطی آمدند در خطہ ملتان بہ فیوض وبرکات علمی'روحانی رالبسیا میکروند''پھراس کے بعد مختلف دیا روامصار سے بزرگان دین'علماء'فضلاء نے سرزمین ملتان کارخ فرمایا۔ان خطاط بزرگوں میں حضرت شاہ یوسف گردیزؒ'حضرت غوث بہاءالدین ملتانیؒ'حضرت ملا منہاج الدین المتوفی 617'حضرت علامہ کمال الدین ملتانی المتوفی 629ھ'حضرت مولانا سید جلال الدین بلخی ملتان جیسی عظیم شخصیات نے روحانیت کے علاوہ علم وادب وفن خوشخطی کوفروغ دیا۔جہانگیر نے عزاز کے ساتھ اپنا کاتب خاص منتخب کیا۔میر معصوم قندھاری کے لخت جگر میر ملا قیوم قندھاری ثم ملتان ہی میں بسر کئے اور فن خطاطی کو فروغ دیا اور عالمگیر شہرت اس قدر پھیلی کہ۔۔۔۔۔جہانگیر کے دربار تک آپ کی رسائی ہوئی۔

احمد شاہ ابدالی کے عہد حکومت میں'نواب مظفر خان شہید کے دور گورنری میں فن خوشنویسی کو بہت تقویت

پہنچی۔حضرت حافظ محمد جمال اللہ چشتی نظامیؒ ملتانی المتوفی 1226ھ حضرت خواجہ خدا بخش المتوفی 1251ھ حضرت منش غلام حسین شہید المتوفی 1265ھ حضرت خواجہ پیر دلیر قادری المتوفی 1347ھ جیسے اکابر بزرگوں نے فن خوشنویسی کو نہ صرف عام کیا بلکہ عامتہ الناس میں اس کی خوب اشارت وترویج فرمائی۔

اس وقت ملتان کے درج ذیل خوشنویس ومصور ملتان کے لیے قابل فخر ہیں۔جن میں ابن کلیم، غلام بھٹی، علی اعجاز نظامی، زوار حسین، خلیل الرحمٰن چشتی، راشد سیال، استاد جہانگیر، اظہر عباس، ملک محمد عاشق، استاد عالم نقاش اور ضمیر ہاشمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ثقافتی روایات

عید میلاد النبی ﷺ:۔

جشن عید میلاد النبی ﷺ پاکستان اور ملتان میں سرکاری طور پر بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارک پر اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔سیرت کے مختلف کتابوں پر انعامات دیئے جاتے ہیں۔جلوس، جلسے اور چراغاں کئے جاتے ہیں اور جوش محبت میں عوام وہ تمام کام کر گذرتے ہیں جن کی قرآن وحدیث کی رو سے اجازت نہ ہے اور نہ صاحب جشن نے یا ان کے صحابہ کرام اور سلف صالحین نے ایسی باتوں کو جائز سمجھا۔اس رسم کو نہ خود اختیار کیا نہ اس کی اجازت دی۔ملتان میں عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بازاروں کی سجاوٹ، چراغاں، جلوس اور جلسے قابل دید ہوتے ہیں۔

عرس اور میلے:۔

ملتان چونکہ ''پیری پتر'' ہے اس لیے یہاں عرس منانے کا رواج ہے۔اس رسم نے آہستہ آہستہ اتنی ترقی کی کہ اولیاء اللہ کی پرستاری اور بزرگان دین سے عقیدت کے تحت مزار پر بڑی دھوم دھام سے عرس منائے جانے لگے۔رفتہ رفتہ قرآن خوانی، نعت خوانی، فاتحہ خوانی اور قوالی کے علاوہ صاحب مزار کی قبر کو دودھ اور عرق گلاب سے غسل دینا اور چادر چڑھانا، بوسہ دینا، چراغاں کرنا، عرس کے لوازمات میں شامل ہوگیا۔ایسے موقعوں پر وہ سب کچھ جائز ہوتا ہے جس کی نہ تو اولیاء نے خود تعلیم دی اور نہ عرس منائے۔ان میں سب سے سرفہرست حضرت بہاء الحق زکریاؒ کا عرس ہے۔جو تین دن تک جاری رہتا ہے۔اس میں سندھ سے شمولیت کے لئے لوگ ہوائی جہازوں،

ٹرینوں، موٹروں اور بسوں کے ذریعے پہنچتے ہیں اور بعض ملتان کی سرحد پر قدم رکھتے ہی احترام وعقیدت کے طور پر جوتی اتار کر ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ حضرت بہاء الحق زکریاؒ کا عرس ہر سال 7 صفر المظفر کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر محکمہ اوقاف کی طرف سے ایک زکریا کانفرنس بھی منعقد ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ رکن عالمؒ، شاہ شمس سبزواریؒ، حافظ محمد جمال اللہؒ ملتانی، سید موسیٰ پاک شہیدؒ و حافظ عبید اللہ ملتانیؒ اور دیگر شاہ شمس سبزواری کا میلہ بڑے ذوق وشوق سے منایا جاتا ہے۔ ملتان کے بہت سے خانوادے آج بھی ان تمام بزرگوں کے عرس مناتے ہیں اور ان کے گدی نشین ہیں۔

مرثیہ خوانی:۔

ملتان میں مرثیہ گوئی اور عزاداری کو باقاعدہ رواج ہمایوں نے دیا۔ ایرانی جاگیرداروں نے عزاداری اور مرثیہ گوئی کی سرپرستی کرکے ملتان کو ایران کا پاکٹ ایڈیشن بنا دیا۔ جس میں ملتان کا کم اور ایران کا زیادہ رنگ جھلکتا تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں فارسی شاعر سکندر نے فارسی زبان کے اثرات سے ہٹ کر ملتانی اور پھر اردو میں مرثیے کہنے شروع کئے اور ملتان میں مرثیہ گوئی کا باوا آدم قرار دیا گیا۔ اس کے بعد میاں مسکین ملتانی نے مرثیہ گوئی میں نام پایا بعد ازاں سلطان باہو، علی حیدر ملتانی، لطف علی لطف، عبدالحکیم اُچی، میاں حامد ملتانی، میاں نور محمد مہاروی اور حافظ جمال الدین ملتانی کے اشعار میں مرثیہ اور مرقبت کے آثار ملتے ہیں۔ [۲۱]

تعزیہ داری:۔

برِاعظم ہندو پاک میں لکھنوء کے بعد ملتان میں محرم بڑے احترام واہتمام سے منایا جاتا ہے۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی شیعہ گھرانوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ وہ سیاہ لباس پہن لیتے ہیں مجالس عزا اور ماتمی جلوس شروع ہوجاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اپنی مساجد میں محلوں میں شہداء کربلا کے اسوہ حسنہ پر تقاریر کرا کر مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ عشرہ محرم میں علم، پنگوڑہ، مہندی، تیج کی تقریبات نو محرم تک ختم ہوجاتی ہیں۔ دسویں محرم کی صبح کو ماسوائے شاہ گردیز کے تعزیے جو تعداد میں 50 کے قریب ہیں اپنے اپنے مقررہ راستوں سے اپنی اپنی کربلا کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں ہر تعزیہ کے لائسنس میں اس کی روانگی، گزر گاہ، جائے قیام اور اس سے گزرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے اوقات درج ہوتے ہیں۔ جن میں کمی بیشی قابل تعزیز ہوتی ہے۔ خواتین

کے دو بڑے جلوس آستانہ لعل شاہ اور بھیدی پوتر اں سے نکالے جاتے ہیں۔ ماتم کی شدت سے در و دیوار کانپ اٹھتے ہیں۔

دو مشہور تعزیے:۔

اگر ملتان میں 50 سے زائد تعزیے نکالے جاتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور۔ایک استاد کا تعزیہ اور دوسرا شاگرد کا تعزیہ۔ یہ دونوں لکڑی سے بنائے جاتے ہیں اور دونوں اپنے سائز اور فنی مہارت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔

پروفیسر خالد پرویز نے دونوں تعزیوں کی بابت درج ذیل تحقیق کی ہے۔''جہاں تک استاد کے تعزیہ کا تعلق ہے یہ چنیوٹ کے ایک دستکار پیر بخش کی فنکارانہ انگلیوں کی تخلیق ہے۔جسے اس نے دو سال کی مدت میں تکمیل کیا۔اس کی تعمیر کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی مگر بیشتر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسے 1835ء سے 1840ء کے درمیانی عرصے میں تیار کیا گیا۔اس کی اونچائی 7.6 میٹر ہے۔جبکہ اس کے ابتدائی بنیادی ڈھانچے کا رقبہ 2.4 مربع میٹر ہے یہ مکمل طور پر ہاتھ سے بنا ہوا ہے۔اب اس کی سات منزلیں ہیں اور ان کے 25 حصے ہیں۔ان کو با آسانی سے توڑا اور جوڑا جا سکتا ہے۔اسے ماہ محرم میں محلّہ پیر قاضی جلال سے نکالا جاتا ہے''۔

''شاگرد کے تعزیئے کی بناوٹ کی کہانی بھی دلچسپی سے خالی نہیں لوگ کہتے ہیں کہ شاگرد کا تعزیہ اپنے استاد کے تعزیے سے زیادہ نفیس،مزین اور منقش تھا۔لیکن بدقسمتی سے 1943ء میں آگ لگنے سے ضائع ہو گیا جبکہ اس کی کوئی تصویر بھی موجود نہیں۔شاگرد کا تعزیہ بھی چنیوٹ کے استاد پیر بخش کے ایک شاگرد نے بنایا تھا۔اسی لئے اسے شاگرد کا تعزیہ کہا جانے لگا۔ نئے تعزیہ کی تخلیق کے لئے چنیوٹ کے استاد الٰہی بخش کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس طرح ایک سال کے عرصہ میں کاریگروں نے مل کر اصل تعزیہ سے قریب ترین شکل کا تعزیہ ڈھال دیا۔ شاگرد کا تعزیہ چنیوٹی چوپ کاری کا نادر اور نایاب نمونہ ہے۔اس کی پانچ منزلیں ہیں جن کی اونچائی اور چوڑائی استاد کے تعزیہ کے برابر ہے مگر یہ مکمل طور پر ہاتھ سے نہیں بنایا گیا اس میں مشینوں سے بھی مدد لی گئی ہے اس ماڈل کی مختلف منازل جوڑ کر ماہ محرم میں اسے ملتان کے علاقے خونی برج سے نکالا جاتا ہے۔

استاد اور شاگرد کے دو مشہور اور نامور تعزیوں کے علاوہ ملتان سے اور بھی تعزیے نکلتے ہیں جن میں ہر ایک فن کے حوالے سے کئی خوبیاں رکھتا ہے مگر استاد اور شاگرد کے تعزیوں کا ملتان تو کیا پورے برصغیر پاک و ہند میں کوئی ثانی نہیں۔

سلوک و تصوف:۔

برصغیر میں ملتان کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ یہاں بڑے عظیم اور نامور صوفیاء کرام نے جنم لیا ملتان کو پیروں اور فقیروں کا شہر کہا جاتا ہے۔ دنیا کے کئی ملکوں سے بہت عظیم روحانی شخصیات نے ملتان میں قدم رنجہ فرمایا اور اسی کو اپنا وطن ثانی بنایا۔

حضرت شاہ یوسف گردیز 1088ء میں ملتان تشریف لائے۔ آپ ملتان آنے والے سب سے پہلے روحانی بزرگ ہیں۔ آپ سے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتان آئے اور اسے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ 1011ء میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ملتان کو فتح کرنے کے بعد شہر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ حضرت شاہ گردیز نے 1088ء میں اس شہر کو آباد کیا۔ حضرت شاہ یوسف گردیز نے ملتان میں تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے ارادات مندوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے لوگ آپ سے روحانی فیض حاصل کرنے آتے۔ آپؒ نے اپنے حجرہ شریف کو خانہ کعبہ کی مناسبت سے تعمیر کیا اور اس کا دروازہ درمیان میں رکھنے کی بجائے ایک طرف بنایا آپؒ کی وفات 1148ء میں اسی حجرہ شریف میں ہوئی اور آپ یہیں دفن ہوئے آپ کا مزار نصف بارہویں صدی عیسوی میں ان کی وفات کے بعد تعمیر کیا گیا مقبرے کا سادہ چوکور نقشہ یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مسلم طرز تعمیر میں یہ پہلی کوشش ہے اسی وجہ سے باقی مقابر سے بہت مختلف ہے۔ شاہ یوسف گردیز کے مزار کی طرز تعمیر میں ان کا اثر صرف اور صرف بیرونی آرائش میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جہاں مختلف رنگوں کی امتزاج اور اینٹوں کی بناوٹ سے زیبائش و تزئین کا کام لیا گیا ہے۔ گو یہ عین ممکن ہے کہ زیادہ تر آرائش بعد میں کی ہوں۔ لیکن خطاطی اور نقش کاری اصل معلوم ہوتی ہے ہول دار نمونے بہت کم دکھائی دیتے ہیں شہاب الدین غوری نے بھی سلطان محمود غوری کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان پر حملے کئے اور 1175ء میں ملتان کو فتح کیا تو یہاں اس وقت حضرت یوسف گردیز کے پوتے سید عبدالصمد کی

دعوت پر ہندوستان پر حملہ کیا کیونکہ یہاں پرتھوی راج نے ناطقہ بند کر رکھا تھا۔لوگوں پر ظلم وستم کا بازار گرم تھا۔ حضرت شاہ گردیز کے مقبرے پر شہاب الدین غوری نے کاشی کا کام کروایا جبکہ دیگر بادشاہان وقت بھی یہاں حاضری دیتے رہے۔

گورنر مغربی پاکستان سردار عبدالرب نشتر بھی حضرت یوسف گردیز کے مزار پر حاضری دیتے تھے ان کی تصاویر خاندان شاہ گردیز کے پاس محفوظ ہیں۔اس کے علاوہ مختلف مسلمان بادشاہوں کے فرامین بھی اس خاندان کے پاس ہیں جن میں تیمور خان سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک تمام تر فرمانرواؤں کی اسناد اور مکاتب شامل ہیں۔شاہ یوسف گردیز کے موجودہ مقبرے کو سید احمد شاہ گردیزی نے 1887ء میں دوبارہ تعمیر کروایا۔اس سے پہلے شیعہ مجالس کا سلسلہ خانقاہ سے ملحقہ مکان میں ہوتا تھا۔اس لئے یہ مکان شاہ گردیز خاندان نے مجالس کے لئے وقف کردیا۔مزار کا یہ حصہ ''وڈا گھر'' کہلاتا ہے یہاں زنانہ مجالس بھی ہوتی ہیں۔

1944ء میں مخدوم سید محمد یوسف گردیزی نے مزار میں مزید توسیع کرائی۔آپؒ کا توسیع شدہ مزار اندرون بوہڑ گیٹ واقع ہے جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔[۶۳]

ملتان میں اہم دستکاریاں:۔ (خالد پرویز کی تحقیق کے مطابق)

جہاں تک ملتانی دستکار کا تعلق ہے یہ انگریز کی غلامی سے آزاد ہوا مگر فکر معاش سے آزاد نہ ہوسکا ملتانی دستکار کی زخم خوردہ انگلیاں رنگینیاں بکھیرتی رہیں مگر اس کا پیٹ فاقہ زدہ اور چہرہ زرد سے زرد تر ہوتا گیا قومی لوک ورثہ نے ملتانی دستکاروں کو نمائشوں اور میلوں میں ضرور شامل کیا مگر ملتانی دستکاریوں کے فروغ کیلئے واضح لائحہ عمل مرتب نہ کیا گیا۔

ملتانی دستکاروں کے عروج وزوال پر نظر ڈالیں تو ملتان گزیٹیئر مطبوعہ ۱۹۰۱ء اور جارج واٹ کا تحریر کردہ ہندوستانی آرٹ کا کیٹلاگ مطبوعہ ۱۹۰۳ء ہماری بہتر رہنمائی کرتے ہیں اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ملتان کی قدیم ترین دستکاریوں میں عاج کاری اور چمڑہ سازی بھی سرفہرست ہیں۔ملتان چمڑا سازی بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ ملتان کی تاریخ مگر بدقسمتی سے یہ ہمیشہ غیر معروف رہی ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جو لوگ اسے منسلک رہے وہ بھی اسے پوشیدہ رکھتے رہے۔جن میں خواجہ اور شیخ خاندان زیادہ نمایاں ہیں چمڑہ سازی کے ساتھ ساتھ

چمڑے کی مصنوعات بھی صدیوں سے تیار ہو رہی ہے ان میں پانی کی مشک، پانی کا بوکا، حقہ، ڈھول، ڈھولکی، کتابوں کی جلدیں، جائے نماز، دستانے، فرشی دریاں اور جیکٹ وغیرہ مختلف اقسام کے چمڑے استعمال میں لائے جاتے رہے ہیں۔ بیل گائے، بھینس اور بچھڑے کے چمڑے کی مصنوعات کے ساتھ ساتھ اونٹ کی کھال کی مصنوعات بھی برسوں سے تیار کی جارہی ہیں ملتان میں اونٹ کی کھال سے پیالے، چھڑیاں، صراحیاں، ٹیبل لیمپ اور دوسری آرائشی اشیاء ۱۹۲۲ء کے اوائل سے ہی بننا شروع ہو گئیں تھیں۔

ملتان کی ایک قدیم دستکاری کاشی گری ہے ملتان کے گزیٹر میں ای ڈی میکلیگن نے لاک وڈ کپلینگ پرنسپل لاہور سکول آف آرٹ کے حوالے سے ملتان میں کاشی گری کی صنعت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نقش نگاری اور چمڑا سازی دونوں جڑواں دستکاریاں ہیں جوتا سازی کے حوالے سے چمڑا سازی کی دستکاری نے یہاں فروغ پایا جب سے ملتانی کھسے اور سلیم شاہی جوتے ملتان میں تیار ہو رہے ہیں۔ اسکے علاوہ ملتان میں سلک اور دستی کھڈی سے دریاں قالین بستر کی چادریں تکیہ کے غلاف پردہ کلاتھ اور کھیس وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ بحوالہ ملتان گزٹ ایئر 1924ء

ملتان میں موسیقی اور ڈرامہ:۔

موسیقی ڈرامہ کی روح ہوتی ہے اس کے بغیر ڈرامہ لکھنے والوں کی تسلی نہیں ہوتی ملتان میں موسیقی اور ڈرامہ نے کیا مقام پایا ہے اور کتنے ملک کے باکمال صاحب ساز فنکار پیدا کئے ہیں۔ اس کی تفصیل ملتان کے ایک مشہور فنکار شبیر حسن ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ سُر امرت ہے جس کے بغیر انسانی تمدن کے بقاء کا تصور نا ممکن ہے ملتان کی جدید ثقافت کا خمیر بھی اسی آب حیات کا مرہون منت ہے جو یہاں کی مٹی میں صدیوں سے رچ بس چکا ہے۔ چنانچہ یہ شہر شعر و ادب اور فکر و فن کے علاوہ سنگیت اور ساز و آہنگ کے میدان میں نہ صرف ملک بھر کے دوسرے تمام بڑے شہروں کا ہم پلہ رہا ہے بلکہ اس نے قومی سطح پر نمایاں مقام پایا ہے۔ ملک کے نامور موسیقاروں میں نزاکت علی خان، علامت علی خان، استاد چھوٹے غلام علی خان واختر علی خان، ذاکر علی خان قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بشیر احمد قوال فضل احمد، رفیق احمد قوال، استاد گھسن، حسین بخش نے اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کر چکے ہیں اور آسودہ خاک ہیں۔

ملتان کے موسیقی کے فنکاروں میں ثریا ملتا نیکر، نگینہ بائی، اقبال بانو، مینا لودھی، مسرت بانو، نذیر بیگم، ناہید اختر، زاہدہ پروین، شاہدہ پروین، نسیم بیگم نے ملتان ہی سے فن کے چراغ روشن کئے۔ ان کے علاوہ اداکاروں میں انجمن، ریما، گوری، شکلیہ قریشی، صائمہ، کنول، ثناء، سائرہ خان، نور اور سمیتا خان کا تعلق بھی ملتان سے ہے۔ سلور سکرین پر سہیل اصغر، خالد سلیم، محسن گیلانی اور رائیٹر اصغر ندیم سید ملتان کا نام روشن کرر ہے ہیں فلمی دنیا میں نامور اداکار محمد علی اداکارہ زیبا اور دلجیب مرزا نے ملتان کے نمائندوں کی حیثیت سے اداکاری کا رتبہ کمال پایا یہاں کے ایک اور ہونہار نوجوان منظور ملتانی لاہور میں فلمی دھنیں بنا رہے ہیں ملتان کے معروف مغنی غلام محی الدین صراحی ٹیلی ویژن میں کمپوز کرر ہے ہیں۔

ملتان میں موسیقی کی تربیت کا پہلا ادارہ ماسٹر شرف الدین شرف میوزک اکیڈمی کے نام سے قائم کیا تھا اس ادارے نے کئی ایسے شوقین فنکار پیدا کئے جنہوں نے بعد میں گائیکی اور ساز بجانے میں بڑا نام پایا۔ ماسٹر شرف الدین کے شاگردوں میں عبدالغنی ملک شبیر احمد بھٹہ بزم سنگیت کے نام سے موسیقی کی ترویج کا کام کرر ہے ہیں۔

ملتان آرٹس کونسل 1975ء میں قائم کی گئی تھیں اس کا بنیادی مقصد ملتان میں ثقافتی سرگرمیوں کی ترویج کے لئے ایک جدید پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا۔ پروفیسر اسلم انصاری اس کے بانی ڈائریکٹر تھے۔ ملتان آرٹس کونسل کی اپنی عمارت کے لئے ایم ڈی اے روڈ پر زمین حاصل کی گئی اور 1990ء وفاقی وزیر شاہ محمود قریشی نے اس کا سنگ بنیاد رکھا آج کل ملتان آرٹس کونسل میں ڈرامہ اور موسیقی کے مختلف پروگرام پیش کئے جار ہے ہیں۔[۶۴]

حوالہ جات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	پبلشرز	تاریخ	صفحہ
۱۔منشی عبدالرحمٰن	ملتان زیشان	ملتان عالمی اشاعت علوم اسلامیہ ملتان	2000ء	28
i۔نظامی	تذکرہ شرح سکندنامہ ازین یونانی	تحقیق وتذکرہ احمد پور	1966ء	26
۲۔خان جہان لودھی	مراۃ الافاعنہ			
۳۔بالکشن تمرہ	تاریخ ملتان			9
i۔ایس آر این گیتا	تاریخ ہندی فلسفہ جلد اول	دارطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	1945	
ii۔میڈم زیڈاے راگوزن	ویدک ہند	مطبوعہ دارالترجمہ سرکار حیدراابادوکن	1921ء	203
۴۔تاج الدین مفتی	تاریخ پنجاب			31
i۔ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین تین پر اسرار خطے اور ملتان	کاروان ادب ملتان	1980ء	235-236
۵۔البیرونی بحوالہ ارض ملتان	الاہند			21
i۔بہ جٹ اور ریمنڈ الچن	The rise and fall of civilization in India & Pakistan volume first edition 1989	varanasi	انڈیا	21
۶۔مولانا غلام دستگیر	تاریخ مکہ معظمہ			4
۷۔کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان	امتزاج پبلشرز لاہور		20
i۔ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین تین پر اسرار خطے اور ملتان	کاروان ادب ملتان	1980ء	237
ii۔ہری کرشن مہاراج اقوال	بھوت پران	دہلی		245
۸۔کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان باراول	امتزاج پبلی کیشنز لاہور	1978ء	58
۹۔ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین اور تین پر اسرار خطے اور ملتان	کاروان ادب ملتان	1980ء	237
i۔علامہ عتیق فکری	نقش ملتان	فکری اکیڈمی ملتان	1982ء	134-138
ii۔بلاذری	الملل والنحل	دہلی	1892ء	135
۱۰۔اکرام الحق	ارض ملتان	الاکرام پبلشرز ملتان	1970ء	224

i۔منشی عبدالرحمٰن خان	آئینہ ملتان	مکتبہ اشرف المعارف ملتان	اشاعت اول	26
۱۱۔برنی ضیاء الدین	تاریخ فیروز شاہی	مرکزی اردو بورڈ لاہور		191
i۔لالہ حکم چند	تواریخ ملتان	سن ندارد		42
۱۲۔لالہ حکم چند	تواریخ ملتان	سن ندارد		45
۱۳۔لالہ حکم چند	تواریخ ملتان	سن ندارد		46
i۔علامہ تعیق فکری	نقش ملتان	فکری اکیڈمی ملتان جلد اول	1982	34-35
۱۴۔کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان	امتزاج پبلیکیشنز لاہور	1978	43
i۔کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان	امتزاج پبلیکیشنز لاہور	1978	45
۱۵۔عبدالحلیم شرر	تاریخ سندھ	سٹی بک پوائنٹ کراچی	2004	256
۱۶۔منشی عبدالرحمٰن	ملتان ذیشان	ملتان عالمی اشاعت علوم اکسیر	2000	29
i۔	چینی سیاح ہیون سانگ (Hiuentsang)	جو بدھ مت کا پیروکار تھا 641ء میں ملتان پہنچا تھا اس نے ملتان شہر کا نام میلوسان پولوبیان کیا ہے		
۱۷۔کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان	امتزاج پبلیکیشنز	1978	40
۱۸۔لالہ حکم چند	تواریخ ملتان	تاریخ ندارد	1978	48
۱۹۔ایضاً	ایضاً			50
۲۰۔مرزا کالج بگ پیٹرن بگ	تاریخ سندھ چچ نامہ	کمشنر پرنٹنگ پریس حیدرآباد	1900	
i۔محمد یوسف شاہ گردیزی	تذکرہ الملتان ترجمہ ڈاکٹر بشیر انور	سید حریا حی گردیزی شاہ گردیز ملتان		135,139
۲۱۔Dr R.C Majumdar	An advacne History of India	London	1961	283
i۔Gunther John	Alexander the grate	London	1956	142-143
۲۲۔علامہ عتیق فکری	نقش ملتان حصہ اول	فکری اکیڈمی ملتان	1982	203-204
	The cyclopedia of India	Vol-I	P31	
۲۳۔ظہیر الدین محمد بابر	تزک بابری	لاہور	1975	401
۲۴۔S.R Sharma	Mughal empire in India	آگرہ	1966	17

مصنف	کتاب	ناشر	سال	صفحہ
۲۵۔محمد شفیع پروفیسر	شیخ الکبیر شیخ السلام بہاءالدین زکریا ملتانی	لاہور	1975	123
۲۶۔محمد عبداللہ خان	تاریخ داؤدی ترجمہ عبدالرشید	علی گڑھ	1954	148
۲۷۔شہنشاہ جہانگیر (فارسی)	تزک جہانگیری (ترجمہ رحم علی ہاشمی)	ترقی اردو بیورو نئی دہلی	1971	
i۔Abu-alfazal	Ain-e-Akbari	Qausain H.Balochman لاہور		
۲۸۔علامہ عتیق فکری	نقش ملتان	فکری اکیڈمی ملتان	1982	210-211
i۔ڈاکٹر حمیرہ دستی	مطاہرالامراء	یونیورسٹی پرنٹنگ پریس ملتان		P3, 692
۲۹۔پروفیسر محمد عاشق خان درانی	تاریخ ملتان	ملتان بزم ثقافت	2007	195-96
۳۰۔حمیرہ دستی ڈاکٹر	آئین اکبری صفحہ 331	یونیورسٹی پرنٹنگ پریس ملتان	2007	200-201
۳۱۔امیر خسرو	تغلق نامہ (ترجمہ آغا مہدی حسن)	دہلی	1974	68
۳۲۔عمر کمال خان	ملتان لنگاہ دور میں	بزم ثقافت	1995	92
i۔چوہدری عزیز احمد	پنجاب مغلوں کے عہد میں	لاہور	1980	107,131
۳۳۔سبطین گیلانی	ملتان ماضی اور حال کے آئینے میں	ملتان بیکن بکس	1994	172
i۔گنڈا سنگھ	احمد شاہ ابدالی	ترجمہ رئیس احمد جعفری لاہور	1997	164
۳۴۔منشی عبدالرحمٰن	تاریخ ملتان ذیشان	عالمی اشاعر علوم اسلامیہ ملتان	2000	180-81
i۔آس برن ڈبلیو جی	رنجیت سنگھ کا دربار	ترجمہ نواب ذوالفقار علی خان لاہور	1997	169
۳۵۔مولانا نور احمد فریدی	تاریخ ملتان	قصر الادب رائٹرز کالونی ملتان	1980	89
۳۶۔اعجاز الحق قدوسی	تاریخ سندھ	مرکزی اردو بورڈ لاہور	1971	60
۳۷۔T.H.Grifth	The hymns of the rigveda vol-I	Varanisa	1989	India
۳۸۔جواہر زیدی	اصغر علی چشتی	لاہور وکٹوریا پریس	1979	177
۳۹۔محمد قاسم	تاریخ فرشتہ (ترجمہ عبدالحی خواجہ)	شیخ غلام نبی اینڈ سنز لاہور	1978	214-218
i۔ڈاکٹر روبینہ ترین	ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیاء کرام کا حصہ	زکریا یونیورسٹی پریس	1989	207
۴۰۔اعجاز الحق قدوسی	لمحات خواجہ لاہور	ادارہ ثقافت پاکستان لاہور	1977	126
i۔قاضی جاوید	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقا لاہور	ادارہ ثقافت پاکستان لاہور	1977	18
ii۔شیخ محمد اکرم	آب کوثر ملتان	الکرم پبلشر	1984	202

۴۱۔فرحت ملتانی	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور	1984	193
i۔اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جازب پبلشر لاہور	1970	224
ii۔حکم چند	تاریخ ملتان	سن ندارد		
iii۔ڈاکٹر عاشق محمد درانی	تاریخ ملتان	بزم ثقافت ملتان	2007	53
۴۲۔شہاب مسعود حسن	خطہ پاک اوچ	بہاول پور اردو اکیڈمی	1967	137-40
i۔عبدالرحمٰن چشتی	تذکرہ اولیائے ہند	لکھنو	1914	37-38
ii۔جمالی حامد بن فضل اللہ	سیر العارفین	لاہور مرکزی اردو بورڈ	1962	221-222
۴۳۔برنی ضیاءالدین	تاریخ فیروز شاہی ترجمہ سید معین الحق	لاہور مرکزی اردو بورڈ		
۴۴۔فرید نور احمد مولانا	تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی	قصر الادب جگنو والا ملتان	1980	
۴۵۔سلیم شیخ اسد	انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان	لاہور	1999	237
۴۶۔اعوان ایم جے	تحریک آزادی میں پنجاب کا کردار	راولپنڈی	1993	53
۴۷۔او کے میم کمال	تحریک خلافت	کراچی	1991	42
۴۸۔اعتزاز احسن	سندھ ساگر اور قیام پاکستان (ترجمہ) مستنصر جاوید	اسلام آباد	1999	379
۴۹۔احمد وحید	شاہراہ آزادی انڈیا ایکٹ 1935	کراچی	1990	46-47
۵۰۔رضی حیدر خواجہ	قرارداد پاکستان	کراچی	1990	52
۵۱۔حسن ریاض سید	پاکستان ناگزیر تھا	کراچی	1967	256
۵۲۔قریشی اشتیاق حسین	جدوجہد پاکستان (مترجم) بلال زبیری	کراچی	1990	247-48
۵۳۔روزنامہ جنگ	اشاعت خاص	جنگ پبلیشر لاہور	2002	24-25
۵۴۔مخدوم سید روشن جمال	تذکرۃ الملتان (ترجمہ) ڈاکٹر بشیر انور	زکریا یونیورسٹی پریس	2004	33
۵۵۔منشی عبدالرحمٰن	تاریخ ملتان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان	2000	283-85
۵۶۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	312-14
۵۷۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	340-45
۵۸۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	350-52
۵۹۔روزنامہ جنگ	اشاعت خاص	جنگ پبلشرز لاہور	2002	28
۶۰۔ملتان گزیٹر			1924	

۶۱۔منشی عبدالرحمٰن	تاریخ ملتان	عالمی ادارہ علوم اسلامیہ	2000	352-55
۶۲۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	385-86
۶۳۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	440-50

باب دوئم

ملتان کے اہم سیاسی خانوادے

1857 سے پہلے اور بعد کے حالات

تاریخ:۔

سیاسی خانوادوں کے کردار کا مطالعہ کرتے ہوئے ملتان کے سیاسی خانوادوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مقامی سیاسی خانوادے

۲۔ مہاجر سیاسی خانوادے

مقامی سیاسی خانوادوں میں ،قریشی ، گیلانی ، خاکوانی ، گردیزی ، مزاری ، لغاری ، سید ، کانجو ، نون ، دولتانے ، شاہ ، اور کھر شامل ہیں جبکہ مہاجر خاندان جو قیام پاکستان سے منسلک ہیں ان میں شیخ ، قریشی اور انصاری شامل ہیں ۔صرف انصاری خاندان نے تحریک پاکستان میں کردار ادا کیا ہے جبکہ قریشی اور شیخ خاندان نے قیام پاکستان میں کوئی سیاسی کردار ادا نہیں کیا۔ محقق نے مقامی خانوادوں کی تخصیص نہیں کی ہے کیونکہ ان کا کردار سب برابر ہے اس باب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جنگ آزادی 1857 سے قبل اور بعد میں ان خانوادوں کے کردار کا تذکرہ موجود ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

۱۔ جنگ آزادی کا تعارف:۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا اور مرہٹوں سکھوں کے پے در پے شورشوں کے نتیجہ میں برصغیر میں مسلم حکومت کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ شاہ ولی اللہ کی دوررس نگاہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو درپیش خطرات کو بھانپ لیا انہوں نے مسلمان نوابوں کو خطوط لکھے جن میں انہیں متحد ہونے کی تلقین کی۔ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے اور اسلام کی عظمت کے تحفظ کے لیے تحریک کا آغاز کیا۔ ان کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ وہ متحد ہو کر سکھوں ، جاٹوں اور مرہٹوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی شاہ ولی اللہ کی چلائی ہوئی تحریک کا ہی شاخسانہ تھی۔ [1]

انگریزی تسلط کے خلاف ملک بھر میں ہمہ گیر اور منظم کوشش جنگ آزادی کی صورت میں 1857ء میں ہوئی جس میں ہندو ، مسلم سب لوگ شامل تھے۔ جنگ آزادی میں تحریک مجاہدین کے رضا کاروں نے بھی بھر پور حصہ لیا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے اس جنگ کی سیاسی وجوہات میں سے بڑی وجہ لارڈ ڈلہوزی کی بعض ایسی پالیسیاں تھی جن کے باعث بالخصوص مسلمان امراء کو کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جبکہ مسلمانوں سے انگریزی حکومت کا نا مناسب رویہ ان کے اندر

اسلام کے خلاف بغض اور بدنیتی ،حکومت کی معاشی استحصال کی پالیسی دوسری وجوہات کہی جاسکتی ہیں۔عوام میں قیادت کے فقدان، آپس میں گروہی چپقلش اور انگریز کی عیاریوں کے باعث جدوجہد آزادی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد انگریز حکومت نے ساری کشمکش کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا اوران پر ظلم وتشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا۔ ۲

جنگ آزادی کی وجوہات:۔

جنگ آزادی کی وجوہات کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ سیاسی وجوہات

۲۔ معاشرتی وجوہات

۳۔ معاشی وجوہات

۴۔ مذہبی وجوہات

ذیل میں ان تمام وجوہات کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے۔

سیاسی وجوہات:۔

1857ء میں مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار کو ہندوستان کے تخت سے محروم کر دیا گیا اور اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر تاج برطانیہ کو منتقل ہوگیا۔ ہندوؤں نے غدر کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں کے سرتھوپ دی۔ حالانکہ انگریز کے خلاف برپا ہونے والی اس جنگ میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ نئے حکمرانوں کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں بدگمانیوں کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان کا اقتدار مسلمانوں ہی سے چھینا تھا۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ''دی انڈین مسلمانز'' میں برطانیہ کے جذبات کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ہندوستان کے مسلمان آج بھی ماضی کی طرح ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لئے سنگین خطرہ ہیں'' ۳

انگریزوں کے نزدیک مسلمانوں کی کڑی نگرانی نہایت ضروری تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی وقت بھی مزاحمت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اوران کے پاس اپنی نوزائیدہ حکومت کے فروغ اور استحکام کا ایک ہی راستہ تھا کہ مسلمانوں کو کمزور کر دیا جائے (۴)۔ دوسری طرف ہندوؤں نے اجنبی راج کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہا کیونکہ انگریز حکومت ان کے لئے محض آقاؤں کی تبدیلی تھی اور جیسا کہ رام گوپال نے لکھا ہے کہ

''ہندو ایک بے پایاں احساس مسرت کے ساتھ کاروبار مملکت میں شریک ہو گئے اور انگریزوں کو اپنا عظیم محسن گردانے لگے(۵)'' انہوں نے مسلمانوں کو دبانے میں انگریز کا بھرپور ساتھ دیا یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کا تمام نزلہ مسلمانوں پر گرا جو بہر صورت عضو ضعیف تھے۔

ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حالتِ زار کی تصویر کشی کرتے ہوئے کلکتہ کے فارسی اخبار ''دوربین'' کا حوالہ دیا ہے اخبار لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں کی زبوں حالی کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ سرکاری ملازمت کے اہل بھی ہوتے ہیں تو انہیں دانستہ طور پر نوٹیفکیشن جاری کر کے نا اہل قرار دے دیا جاتا ہے ان کی بے چارگی کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی اور اعلیٰ حکام ان کے وجود کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں (۶)'' اخبار نے اس ضمن میں سندربن کے کمشنر کے دفتر میں خالی ہونے والی آسامیوں کا حوالہ دیا۔ ان آسامیوں کے اشتہار میں ایک اضافی نوٹ بھی شامل تھا جس کے مطابق یہ آسامیاں صرف ہندوؤں کے لئے مختص تھیں۔

پورے ہندوستان میں شاید ہی کوئی سرکاری دفتر یا سا ہو جہاں مسلمان قلی یا چپڑاسی کے علاوہ کوئی ملازمت حاصل کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں میں اس مخاصمانہ پالیسی کا آغاز کمپنی کی حکومت کے دوران ہی ہو گیا تھا۔

لارڈ ایلین بارو نے ۱۸۴۲ء ہی میں ڈیوک آف ولنگٹن کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ مسلمان بنیادی طور پر انگریزوں کے دشمن ہیں اور حکومت کے ساتھ ان کی معاندت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے (۷)۔ مگر ۱۸۵۷ء کے غدر نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کو مزید تاریک کر دیا کیونکہ بغاوت کا زیادہ زور شور اودھ اور دہلی کے مسلم علاقوں میں ہی تھا۔

برطانوی حکومت کے جابرانہ سلوک نے مسلمانوں میں ردعمل کی کیفیت کو جنم دیا اور انہوں نے اینگلو انڈین سکولوں اور نئے تعلیمی نظام کا بائیکاٹ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ انگریز کا نظام تعلیم ان کے ایمان کی تباہی کا باعث ہو گا۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ ''کوئی نوجوان اپنے آباءواجداد کے دین پر شک کرنا سیکھے بغیر ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے فارغ التحصیل نہیں ہوتا'' (۸)۔ اس صورتحال نے مسلمانوں کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد سے مسلمانوں کو یکے بعد دیگرے کئی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ سرسید احمد خان ہندوستان کے سیاسی افق پر مسلمانوں کے لئے ستارہ سحری بن کر نمودار ہوئے۔انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ زندگی کے جدید رویوں کے خلاف جھوٹے تعصّبات کی زنجیریں توڑ دیں۔ پروفیسر سرور کے بقول "سرسید کی چشم دور بین نے دیکھ لیا تھا کہ توہمات کی قدیم دنیا دم توڑ رہی ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کا عہد نو اس کی جگہ لے رہا ہے(۹)"۔سرسید اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اگر انگریزوں اور مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ رہے اور مسلمان انگریزی تعلیم سے اسی طرح کنارہ کش رہے تو ان کے لئے بحیثیت قوم اپنی کھوئی عظمت حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی حالت سدھارنے کا بیڑا اٹھایا اور اس مشکل نصب العین کے حصول کے لئے درج ذیل لائحہ عمل تشکیل دیا۔

۱۔ یہ کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان موجودہ بداعتادی کی فضا کو ختم کیا جائے اور ان کے درمیان افہام وتفہیم اور خوشگوار تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

۲۔ یہ کہ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔

انہی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے سرسید نے ۱۸۵۸ء میں اپنا معروف رسالہ "اسباب بغاوت ہند" تحریر کیا۔اپنی اس تصنیف میں سرسید نے "غدر" کے اسباب کا تاریخی جائزہ پیش کیا اس تصنیف کی اشاعت کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ "غدر" کا واقع کسی سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ نہیں تھا اور یہ کہ اس میں مسلمانوں کا حصہ ہندوؤں سے کسی صورت زیادہ نہیں تھا۔اس کتابچے میں سرسید احمد خان نے "غدر" کے کئی اسباب گنوائے ہیں مگر ان کے نزدیک اس بغاوت کا اہم ترین سبب لیجسلیٹو کونسلوں میں ہندوستان کی عدم نمائندگی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ "اگر لیجسلیٹو کونسل میں کچھ مقامی باشندے بھی موجود ہوتے تو وہ حکمرانوں کو رائے عامہ کے رجحانات سے آگاہ رکھتے (۱۰)۔اس طرح سرسید نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی جزوی طور پر غدر کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

سرسید احمد خان نے رسالہ اسباب بغاوت ہند کے بعد کتابچوں کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں ان مسلمان خاندانوں کے نام گنوائے گئے تھے جنہوں نے غدر کے دوران انگریزوں کی جانیں بچائی تھیں۔ان کتابچوں کی تصنیف کا مقصد مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔اس مقصد کے حصول کے لئے سرسید نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "یہ دونوں مذاہب ایک ہی دین کے دو مظاہر ہیں

جن میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں مذاہب انسانی ذہن کی ایک ہی سمت میں رہنمائی کر سکتے ہیں اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہیے'' (۱۱)۔

معاشرتی وجوہات:۔

جنگ آزادی کے معاشرتی اسباب یہ تھے۔

(۱) نسلی امتیاز:۔

برصغیر میں ہزار سالہ مسلم حکمرانی نسلی امتیاز سے پاک تھی۔ ہندو رعایا کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندو چھوت چھات کے قائل تھے۔ مگر مسلمانوں نے کبھی ہندوؤں کے ساتھ توہین آمیز سلوک نہ کیا۔ انگریزوں نے حاکم بن کر ابتداء ہی سے نسلی امتیاز کی پالیسی اختیار کی۔ عوام اس کے عادی نہ تھے۔ سرسید رسالہ اسباب بغاوت ہند میں لکھتے ہیں۔ ''ہماری گورنمنٹ نے آج تک اپنے آپ کو ہندوستانیوں سے ایسا الگ رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی گھاس۔ ہماری گورنمنٹ اور ہندوستانی پتھر کے دو ٹکڑے ہیں۔ سفید اور کالے کہ پہچانے جاتے ہیں اور ان میں فاصلہ ہے کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ نیز ہندوستانیوں کے اشراف آدمی کی۔ ایک چھوٹے سے یورپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں ہے جیسے ایک چھوٹے یورپین کی ایک بہت بڑے ڈیوک کے سامنے۔ یوں تصور کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی جنٹل مین ہی نہیں ہے۔'' اور یہ کہ ''کیا ہماری گورنمنٹ کو معلوم نہیں کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں تھا اور کیا یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہلکار صاحب کے سامنے مسل پڑھ رہا ہے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہا ہے اور صاحب کی بدمزاجی اور سخت کلامی سے دل میں روتا جاتا ہے کہ ہائے افسوس روٹی اور کہیں نہیں ملتی۔ اس نوکری سے تو گھاس کھودنی بہتر ہے''۔ انگریزوں کے نزدیک گورا ہر کالے سے بہتر اور افضل تھا۔ یہ باتیں ہر شخص کا دل دکھاتی تھیں۔

(۲) ثقافتی ورثہ کا مذاق:۔

انگریز صرف اپنی نسل کو اعلیٰ اور اپنی زبان اور ثقافت کو تہذیب کی علامت سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے برصغیر کی زبانوں تہذیب اور تمدن اور مذاہب کا کھلم کھلا مذاق اڑایا۔ انہوں نے ان کے ماضی پر کیچڑ اچھالا اور ان کی تاریخ کو ظالمانہ کہا۔ لارڈ میکالے کہا کرتا تھا کہ ''انگریزی کی کتاب کے مقابلہ میں تمام مشرقی ادب

بے حیثیت ہے''۔ (۱۲) انگریزوں نے عوام کے احساسات اور جذبات سمجھنے کی بجائے برصغیر کے سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ کو بدل ڈالنے کی کوشش کی۔ نیا تعلیمی نظام رائج کرنے کا مقصد محض وفادار اور انگریزی ذہن رکھنے والے سرکاری ملازم فراہم کرنا تھا۔ اپنی تہذیب وثقافت پر بے جا غرور وتکبر کی وجہ سے انگریز حاکموں اور عوام کے درمیان نفرت خلیج بڑھتی چلی گئی۔

(۳) اعلیٰ سرکاری ملازمتوں سے محرومی:۔

مغل دور حکومت میں اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے ہر باصلاحیت اور قابل شخص کے لئے کھلے تھے اور ہندو اور مسلمان کی تمیز نہ تھی۔ ہندو گورنر وزیر اور فوج کے کمانڈر بنتے تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کا قول تھا کہ ''انتظامی معاملات میں مذہب کا کیا تعلق ہے''۔ (۱۳) انگریزوں کی پالیسی اس سے بالکل مختلف تھی۔ تمام اعلیٰ سول اور فوجی عہدے ان کے لئے مخصوص تھے۔ مقامی لوگوں کو ادنیٰ درجے کے وہ عہدے دیئے جاتے تھے جن پر کوئی انگریز کام کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ پھر ملازمتیں زیادہ تر ہندوؤں کو دی جاتی تھیں۔ مسلمان سوار فوج میں ملازمت پسند کرتے تھے مگر ان کو بھرتی نہ کیا جاتا۔ ولیم ہنٹر اپنی کتاب اور انڈین مسلمانز میں لکھتا ہے۔ ''ہم نے فوج کے دروازے مسلمان امراء پر تنگ کر دیئے کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ ان کو دور رکھنا ہماری سلامتی کے لئے ضرور تھا''۔ سرکاری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے کچھ مسلمان سرکاری ملازمتوں میں موجود تھے۔ ۱۸۳۷ء میں انگریزی دفتری زبان بن گئی تو رہے سہے مسلمان سرکاری ملازم نکال دیئے گئے۔ اعلیٰ سرکاری ملازمتوں سے محرومی کا احساس ہندوؤں کو بھاتا تھا۔ سرسید کے الفاظ میں ''بڑے بڑے اعلیٰ حکام اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جیسی ترقی دیسی لوگوں کی ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی ان حالات میں مقامی لوگوں سے وفاداری کی امید رکھنا غلط تھا۔

ملکی معاشی وجوہات:۔

مغلوں کے دور حکومت میں برصغیر سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔ ملک میں خوش حالی کا دور دورہ تھا۔ ضروریات زندگی کی بہتات تھی۔ انگریزوں نے ملک کو مفلس اور بے حال کر دیا۔

(۱) ملکی صنعت کی تباہی:۔

ابتداء میں انگریز تاجر برصغیر کی مصنوعات یورپ لے جاتے اور بڑا منافع کماتے تھے۔ مگر بنگال بہار

اور اڈیسہ پر قبضے کے بعد ان کے تجارتی طور طریقے بدل گئے۔ بقول ڈاکٹر تارا چند "کمپنی نے یہ پالیسی اختیار کی وہ تجارتی مال بنگال کی سرکاری آمدنی سے خریدتی اور انگلستان لے جاتی اس کو سرمایہ کاری کا نام دیا جاتا۔ جنگ پلاسی کے فوراً بعد انگلستان میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ ۱۷۶۰ء سے کپڑے کی صنعت میں ایجادات شروع ہوئیں۔ کچی دھات کو پگھلانے کے لیے لکڑی کی بجائے کوئلہ کا استعمال شروع ہوا۔ ۱۷۶۸ء میں واٹسن نے سٹیم انجن بنایا۔ سوال یہ ہے کہ انگلستان میں صنعتی انقلاب کی ابتداء ۱۷۶۰ء سے پہلے کیوں نہ ہوئی۔ یہ بات یقین سے کہا جا سکتی ہے کہ اگر واٹسن پچاس برس پہلے ہوتا تو وہ اور اس کی ایجاد تباہ ہو جاتی۔ صنعتی انقلاب کے بعد انگریزوں کے برصغیر کے خام مال کی ضرورت تھی۔ اس لئے انہوں نے یہاں کی صنعتوں کو تباہ و برباد کیا تا کہ ان کی مصنوعات کی زیادہ کھپت ہو۔ ڈھاکہ کی ململ کی صنعت جو اپنی نفاست کی بناء پر مشہور تھی۔ ختم ہوگئی یہی حال ریشمی کپڑے کی صنعت کا ہوا۔ جو صنعتیں بچ رہیں ان پر اس قدر بھاری ٹیکس لگا دیئے کہ وہ سستی برطانوی مصنوعات کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ ہنرمند کاریگروں سے اس قدر بیگار لی جاتی کہ وہ اپنے انگوٹھے کاٹنے پر مجبور ہو جاتے۔ اگر یہ صورتحال نہ ہوتی تو برطانوی کارخانے کھلتے ہی بند ہو گئے ہوتے اور پھر بھاپ کی طاقت بھی انہیں حرکت میں نہ لا سکتی تھی۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "اہل حرفہ کا روزگار ولایت کی اشیاء تجارت کے آنے کے سبب جاتا رہا جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا۔ جب برصغیر برطانوی سلطنت کا ایک حصہ تھا تو سرکار کو رعایا کی اس تنگ حالی پر توجہ دینی چاہیے تھی"۔☆

(۲) تجارت پر انگریزی قبضہ:۔

مغلوں کے دور حکومت میں برصغیر اپنے خام مال اور مصنوعات کی بہتات کے لئے مشہور تھا اور ساحلی علاقوں کا تاجر طبقہ جو مسلمان تھا مالدار اور مضبوط ہو چکا تھا۔ بیرونی تجارت پر برطانوی اجارہ داری کا پہلا اثر یہ ہوا کہ مسلم تجارتی طبقہ تباہ ہو گیا ان کی جگہ ایک ایسا ہندو طبقہ وجود میں آیا جو انگریز تاجر کا گماشتہ تھا۔ کمپنی کے ملازمین نے نجی تجارت شروع کر دی جو کافی عرصہ جاری رہی۔ بعد میں انگریز تاجروں کا ایک گروہ آ گیا جس کو وہ تمام سہولتیں حاصل تھیں جو ایک حکمران قوم کو ملا کرتی ہیں۔ درآمدات اور برآمدات پر انگریزی اجارہ داری کے سبب سے بڑا نقصان مسلمانوں کو پہنچا تھا۔ داخلی تجارت کے سبب ہندو اس خسارے سے نہ بچ سکے اور وہ بھی تباہ ہوتے چلے گئے۔

☆ پی۔ای۔رابرٹس اے ہسٹری آف برٹش انڈیا صفحہ 363,364

مذہبی وجوہات:۔

ثقافت اور مذہب انسانی زندگی کے وہ نازک اور حساس گوشے ہیں جن پر کوئی تنقید برداشت نہیں کر سکتا۔انگریزوں نے اسلام اور ہندومت پر کھلم کھلا کیچڑ اچھالا۔

(۱) عیسائیت کی سرکاری تبلیغ:۔

مسلمان بادشاہوں نے اسلام کی تبلیغ کو سرکاری پالیسی کا حصہ کبھی نہ بنایا اور مذہبی رواداری کی روایت قائم کیں۔جس کو انگریزوں نے ختم کر ڈالا۔۱۸۱۳ء کے بعد پادریوں کو برصغیر آنے کی اجازت ملی ان کو سرکاری سرپرستی مہیا کی گئی۔ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی جس کے سبب پادریوں کا اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا۔فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے پرنسپل کا عہدہ صرف پادری کو دیا جانے لگا۔حکومت نے پادریوں کو بہت سی رعایتیں اور سہولیات دیں وہ شہروں اور دیہاتوں میں جلسے منعقد کرتے اور عیسائیت کی خوبیاں بیان کرنے کے بجائے زور دوسرے مذہبوں کی برائیوں پر دیتے۔وہ بازاروں میں مجمع لگاتے۔سماجی اور مذہبی تقریبوں میں چلے جاتے۔بعض جگہ پولیس کا ایک سپاہی ان کے ساتھ ہوتا۔سول اور فوجی حکام اپنے ماتحتوں کو مجبور کرتے کہ وہ پادریوں کے وعظ میں شریک ہوں وہ خود بھی ان جلسوں میں جاتے اور عیسائی لٹریچر خود تقسیم کرتے تھے۔۱۸۳۷ء میں قحط میں ہلاک ہونے والے والدین کے یتیم بچوں کو پادریوں کے حوالے کر دیا گیا تاکہ ان کو عیسائی بنا لیا جائے۔مسلمانوں کے بارے میں عیسائی مشنریوں کو ناکامی ہوتی تھی۔عیسائیت کی تبلیغ کا نشانہ صرف ہندو تھے۔انگریزوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ پر جوز ور دیا اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ۱۸۵۴ء میں مختلف مقامات پر ۱۴۲ نئے گرجے تعمیر کئے گئے۔

(۲) پادری ایڈمنڈ کا گشتی خط:۔

برصغیر میں پہلے ہی یہ تاثر عام تھا کہ انگریز برصغیر کے باشندوں کو عیسائی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔اس تاثر کو پادری ایڈمنڈ کے ایک خط نے اور شدید بنا دیا۔وہ کلکتہ کا لاٹ پادری تھا۔اس نے ۱۸۵۵ء میں گورنر جنرل ہاؤس کلکتہ سے تمام سرکاری ملازمین کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں کہا گیا کہ اب تمام برصغیر میں ایک عمل داری قائم ہو گئی ہے۔تار ڈاک اور ریلوے نظام نے تمام علاقوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔مذہب بھی ایک ہونا چاہیے اس لیے تمام سب عیسائی مذہب قبول کر لو۔سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ ان چٹھیات کے

آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت آ گیا۔ اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اور ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو۔''

ملتان اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء:۔

جنگ آزادی کے دوران ہملٹن کمشنر تھا اس نے پٹھانوں اور دیگر وفادار سپاہیوں کو باغیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ پٹھانوں پر مشتمل لشکر کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی فساد برپا کرنے والی قومیں مثلاً راٹھ، کاٹھیا، کول فتیحانہ، گوگیرہ اور جوئیہ اقوام دریائے راوی، ستلج کے اطراف میں رہائش پذیر تھے ان سب نے علم بغاوت بلند کیا۔ ان کے خلاف لشکر کسی کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گی۔ اہملٹن لشکر کے ساتھ خود میدان میں پہنچ جاتا تھا۔ ان باغی اقوام کے سرداوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ لوگ شکست کھا کر منتشر ہو گئے اور جو باقی بچے وہ قید کر لیے گئے۔ ان کو بہاول پور کے صحرا کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد معافی مانگنے پر واپس ان کے علاقے میں بھیج دیا گیا۔ اس جنگ آزادی کو غدر کا نام دیا گیا۔ ملتان کے روساء نے حکومت کی بڑی مدد کی ان روساء میں ملتان کے قریشی، گیلانی ،سید، گردیزی، پٹھان، بلوچ اقوام، بہاول پور کے داد پوترہ، بوسن، سیال، تھہیم، ترگڑ، وینس، کھوکھر، مڑل، بھٹہ، نون، لنگاہ، ہراج، ہترو، کھچی، لنگڑیال، اور دولتانہ وغیرہ سب شامل تھے۔ جب امن قائم ہوا تو ۱۸۶۰ء کو ان سب کو جاگیریں دی گئیں۔ خطابات سے نوازا گیا اور باغیوں کا قتل عام ہوا۔ ہندو بھی انگریزوں سے تعاون کرنے میں پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ ملتان کے، برہمن، کھشتری، جاٹ بھاٹیہ ان سب کو بھی جاگیریں دی گئیں اور خطابات سے نوازا گیا اس طرح انگریزوں نے ایک وفادار کلاس بنا لی جس کی بنیاد پر آئندہ ۹۰ سال پنجاب پر کامیابی سے حکومت کی۔

1- پنجاب پر برطانوی قبضے کا بین الاقوامی پس منظر:۔

برطانوی سامراج نے ۴۴-۱۸۴۲ء میں سندھ کے علاقے پر اور ۴۹-۱۸۴۵ء میں پنجاب و سرحد کے علاقے پر محض اپنی فوجی حکمت عملی کے تحت قبضہ کیا تھا۔ ان کاروائیوں کا بنیادی مقصد یہ تھا۔ کا برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ، مدراس، بمبئی اور الہ آباد کی پریزیڈنسیوں کے جن علاقوں پر گذشتہ ایک سو سال کے دوران مقامی حکمرانوں اور فرانسیسی سامراج کے ساتھ طویل کشمش کے بعد قبضہ کیا تھا۔ انہیں روسی سامراج کے توسیع پسندانہ پنجوں سے محفوظ رکھا جائے۔ ۱۸۱۲ء میں نپولین کی فیصلہ کن شکست کے بعد روس کے کئی جرنیلوں نے

ہندوستان پر حملے کے منصوبے بنائے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وسطی ایشیاء سے ہندوستان کی جانب باآسانی پیش قدمی ہوسکتی ہے۔ (۱۴)

جب تک رنجیت سنگھ زندہ رہا اس وقت تک کلکتہ میں جو انگریزی حکومت کا دارالحکومت تھا، کمپنی کے کارپردازان کا خیال تھا۔ کہ سکھوں کی اس طاقتور سلطنت کی امداد وحمایت سے ایران اور افغانستان کو روس کی دستبرد سے بچایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اسی خیال کے تحت ۱۸۳۸ء میں رنجیت سنگھ کے ساتھ مل کر افغانستان پر حملہ کیا تھا۔ اس حملے کی فوری وجہ یہ تھی کہ کمپنی کے گورنر جنرل آک لینڈ (AUCKLAND) کو ۱۸۳۶ء میں تہران میں مقیم برطانوی سفیر سے اطلاعات ملی تھیں کہ ایران نے روس کی شہ پر افغانستان کے علاقہ ہرات پر قبضہ کرلیا ہے اور ایران کی یہ کاروائی دراصل روس کی جانب سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی پہلی چال کی حیثیت رکھتی ہے ۔۱۸۳۷ء میں آک لینڈ نے اپنے ایک ماہر سفارت کار کیپٹن الیگزینڈر برنز (ALEXANDER BURNES) کو افغانستان کے ساتھ تجارتی معاہدے کرنے اور قریبی سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے کابل بھیجا لیکن برنز وہاں سے ناکام ونامراد لوٹا۔ اس کی رپورٹ یہ تھی کہ قندھار پر حکمران بارک زئی سرداروں نے رنجیت سنگھ کے خلاف روسیوں کی امداد طلب کی ہے۔ انہوں نے روسیوں کی ہدایت کے مطابق ایران سے معاہدہ کرلیا ہے اور یہ کہ تہران میں برطانوی سفیر کی بےعزتی کی گئی ہے۔ اُدھر کابل کے امیر دوست محمد خان کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ جو طاقت اسے رنجیت سنگھ سے پشاور لے کردے گی وہ اس کا ساتھ دے اس لیے دوست محمد خان اعلانیہ طور پر روس کا حلیف بن گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۳۸ء میں آک لینڈ رنجیت سنگھ اور افغانستان کے معزول بادشاہ شاہ شجاع کے درمیان لاہور میں ایک سہ طرفی معاہدہ ہوا جس کے نتیجے میں ان تینوں کی فوجوں نے ایکساتھ افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اپریل ۱۸۳۹ء میں ان فوجوں نے قندھار فتح کرلیا دوست محمد خان کابل سے فرار ہوکر ہندوکش پہنچ گیا اور برطانوی فوج کسی لڑائی کے بغیر کابل میں داخل ہوگئی۔

جون ۱۸۳۹ء میں رنجیت کا انتقال ہوگیا تو انگریزوں اور روسیوں کے درمیان طاقت کا توازن یکایک پھر روسیوں کے حق میں ہوگیا۔ اسی سال روسی جرنیل پیروسکی (PEROVSK) وسطی ایشاء میں فتوحات حاصل کرتے ہوئے خیوا تک پہنچ گیا تو اس کی رائے کوئی دیوانے کا خواب نہیں تھی بلکہ اس کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد سکھ سلطنت میں خونریز طوائف الملو کی کا لامتناہی سلسلہ شروع

ہوگیا تھا۔اگر چہ ان حالات میں امیر دوست محمد خان نے ۱۸۴۰ء میں بخارا سے کابل واپس آ کر انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن اس کے اگلے ہی سال یعنی ۱۸۴۱ء کی سردی کے موسم میں کابل میں انگریزوں کی فوج کے خلاف زبردست عوامی بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں انگریزوں کو وہاں سے فرار ہونا پڑا لیکن پندرہ ہزار کی اس فوج میں سے صرف ایک شخص زندہ پشاور پہنچ سکا۔باقی سارے راستے میں یا تو چھاپہ ماروں کے ہاتھوں مارے گئے یا انتہائی سردی اور بھوک کا شکار ہو گئے۔اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل لارڈ آ ک لینڈ کو برطرف کردیا گیا اور اس جگہ لارڈ ایلین بر ELLENBOROUGH) کا تقرر ہوا جبکہ کابل میں دوست محمد خان کے بیٹے اکبر خان نے تخت پر قبضہ کر کے انگریزوں کے مسلط کردہ بادشاہ شاہ شجاع کو قتل کر دیا تھا۔ایلن برو نے اپنے عہدے کا چارج لینے کے فوراً ہی بعد اگست ۱۸۴۲ء میں قندھار اور جلال آباد میں مقیم اپنی فوجوں کو مختلف اطراف سے کابل پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔اس لڑائی میں اکبر خان کو شکست ہوئی اور کابل پھر انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔انہوں نے انتقاماً شہر کو تباہ و برباد اور پھر وہ براستہ درہ خیبر پنجاب میں واپس آ گئے۔فیروز پور میں سکھوں کے ایک کمانڈر انچیف نے ان کی بہت آ ؤ بھگت کی۔(۱۵)

پہلی افغان جنگ میں ناکامی کے بعد برطانوی سامراج نے سندھ اور بولان کے علاقے کو براہ راست اپنی تحویل میں لے لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔کیونکہ ۱۸۳۸ء میں افغانستان پر پہلا حملہ اسی راستے سے ہوا تھا۔اور اس بنا پر فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ علاقہ بہت اہم تھا۔سندھ کے امیروں نے تو زیادہ مزاحمت نہیں کی البتہ وہاں کے بلوچوں نے جوانمردی سے انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن آخر کار ۱۸۴۴ء میں انہیں فیصلہ کن شکست ہوگئی اور وادی سندھ کا زیریں علاقہ برطانوی سلطنت کی بمبئی پریذیڈنسی کا ایک حصہ بن گیا۔تاہم اسی سال لارڈ ایلن برو کو برطرف کر دیا گیا اور اس کی جگہ لارڈ ہنری ہارڈنگ (HENRY HARRINGE) کا تقرر ہو گیا۔نومبر ۱۸۴۵ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان پہلی جنگ ہوئی جو فیروز پور لدھیانہ اور سبھراؤں کی لڑائیوں کے بعد فروری ۱۸۴۶ء میں انگریزوں کی فتح پر اختتام پذیر ہوئی۔ ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو قصور میں سکھوں کے نوعمر راجہ دلیپ سنگھ نے ہتھیار ڈال دیئے ایک معاہدہ کے تحت بیاس اور ستلج تک کا علاقہ انگریزوں کی تحویل میں چلا گیا۔لاہور کے سکھ دربار میں انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر ہوا اور ۱۵ لاکھ پونڈ تاوان مقرر ہوا۔۲۰ فروری کو انگریزوں کی فوج ہارڈنگ کی زیر سرکردگی فاتحانہ طریقے سے لاہور میں داخل ہوئی۔چونکہ دلیب سنگھ کا خزانہ بالکل خالی تھا اس لیے اس کے وزیر اعظم گلاب سنگھ نے ۱۵ لاکھ پونڈ

تاوان کی ادائیگی کی۔ چنانچہ اس کے عوض اسے وادی کشمیر کا علاقہ دے دیا گیا۔

مارچ ۱۸۴۸ء یں ہنری ہارڈنگ واپس انگلستان چلا گیا اور اسکی جگہ لارڈ ڈلہوزی (DALHOUSIE) کا تقرر ہوا ۱۵ اگست ۱۸۴۸ء کو ڈلہوزی کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر سر جان ہوب ہاؤس (JOHN HOBHOUSE) کے نام ایک خط میں یہ تجویز پیش کی کہ سکھوں کی سلطنت کا بقیہ علاقہ بھی لے لینا چاہئے کیونکہ ''لاہور میں مقیم انگریز ریڈیڈنٹ نے اسے سازش کی اطلاع دی تھی'' یہ مبینہ سازش رافی جنداں نے کابل کے بادشاہ اور چیفس آف پنجاب کے ساتھ مل کر کی تھی اور اس کا مقصد انگریزوں کو پورے شمالی ہندوستان سے باہر نکالنا تھا۔ ڈلہوزی کا خیال تھا کہ اب یہ سکھ سلطنت افغانستان اور ہندوستان کے درمیان ''بفر سٹیٹ'' کا کام نہیں دے سکتی۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۴۸ء میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان ملتان میں مٹھ بھیڑ ہوئی تو سکھوں نے افغانستان کے حکمران امیر دوست محمد خان سے فوجی اتحاد کرلیا۔ متعدد چھوٹی بڑی لڑائیوں کے بعد ۲۰ فروری ۱۸۴۹ء کو گجرات میں فیصلہ کن لڑائی ہوئی جس میں برطانوی سامراج فتح یاب ہوا اور سکھوں کی سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ دوست محمد خان کی جو گھوڑ سوار فوج سکھوں کی امداد کے لئے گجرات آئی تھی وہ فرار ہو کر واپس چلی گئی ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو سکھوں کے جنرل شیر سنگھ نے ہتھیار ڈال دیئے اور ۲۹ مارچ کو مہاراجہ دلیپ سنگھ نے لاہور میں منعقد دربار میں شکست تسلیم کرلی اور اس طرح پورا پنجاب و سرحد برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ جبکہ اُدھر روسی سامراج دریائے ڈینیوب کے گردونواح میں اور وسطی ایشاء میں ترکوں کے متعدہ علاقوں پر قابض ہو چکا تھا۔ اور برطانیہ میں تقریباً سارے مکاتب فکر کے ارکان اس امکان سے آگاہ ہو چکے تھے کہ روس اپنی سلطنت کی افغانستان' ایران اور چین میں توسیع کر کے ہندوستان کے گھیراؤ کا حقیقی خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔

ان حالات میں کمپنی نے پنجاب کے نئے مقبوضات کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک سہ رکنی بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کا تقرر کیا جس کا سربراہ ایک فوجی جرنیل ہنری لارنس (HENRY LAWRENCE) تھا۔ یہ شخص سکھوں کی شجاعت و بہادری کا قائل تھا۔ اور ان کے انفرادی و اجتماعی کردار کو پسند کرتا تھا اسے سکھوں کے کردار کی خصوصیات سے آگاہی تھی۔ کیونکہ وہ لاہور دربار میں نوعمر راجہ دلیپ سنگھ کی جانب سے کاروبار حکومت کی نگرانی کر چکا تھا۔ بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کا دوسرا رکن اس کا چھوٹا بھائی جان لارنس (JOHN LAWRENCE) تھا۔ وہ کمپنی کی سول سروس کا رکن تھا۔ اور اسے شمال

مغربی صوبوں یعنی یو۔ پی۔ میں اور جالندھر کے دوآبہ میں بندوبست اراضی کے کام کا خاصا تجربہ تھا۔ تیسرا رکن چارلس مینسل (CHARLES MANSELL) جو مالیاتی امور کا ماہر تھا۔ صوبہ کو سات کمشنروں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ان کمشنروں کے ۲۸ اضلاع تھے۔ ان کا انتظام کمشنر، ڈپٹی کمشنر، اسٹنٹ کمشنر، اور ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر، کرتے تھے۔ چونکہ اس سارے علاقے کو محض فوجی حکمت عملی کے تحت زیرتحویل لیا گیا تھا۔ اس لیے اس کی حیثیت سرحدی صوبہ کی تھی۔ اور اس کی انتظامیہ فوجی طرز کی تھی۔ تقریباً سارے افسر فوجی تھے جنہیں پنجاب کمیشن کے ارکان کہا جاتا تھا۔ ان کا اولین فرض یہ تھا۔ کہ وہ روسی سامراج کی توسیع پسندانہ کاروائیوں کے پیش نظر اس علاقے میں سختی کے ساتھ امن وامان قائم رکھیں۔ انہیں اس مقصد کے لیے ۲۰ ہزار فوجی اور پندرہ ہزار پولیس دی گئی تھی۔ اس فوج اور پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سکھوں کے علاوہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مقامی آبادی کے جذبہ حریت کو جس طرح چاہیں کچل دیں اور انگریزوں کی حکومت کا ایسا دبدبہ قائم کریں کہ کسی اور کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہو۔ چنانچہ ایک باقاعدہ مہم کے ذریعے سکھوں کے مسلح جتھوں کے علاوہ ساری مقامی آبادی کو بے ہتھیار کر دیا گیا۔ اس مہم کے دوران ۲۵ جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں کیونکہ انہوں نے سکھوں کے ساتھ دونوں جنگوں کے دوران انگریزوں کی مخالفت کی تھی ان میں متعدد جاگیرداروں کو ان کے گھروں میں نظر بند رکھا گیا اور کئی دوسروں کو پنجاب سے بے دخل کر کے کلکتہ اور آباد میں مقید کر دیا گیا۔ چنانچہ سکھوں کے حوصلے اتنے پست ہوئے کہ ۱۸۵۰ء میں مہاراجہ دلیپ سنگھ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جو جاگیرداران جنگوں میں غیر جانبدار تھے۔ انہیں ان کی پیش کردہ دستاویزات کی بنیاد پر نئی گرانٹیں دی گئیں اور اس طرح انہیں نئے حکمران کے وفادار رہنے کی ترغیب دی گئی یہ کام چند ہی سالوں میں بڑی آسانی اور خوش اسلوبی سے مکمل ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک صنعتی معاشرے کے انگریز فوجی وسول افسروں کو ہندوستان کا نظم ونسق چلانے کا وسیع تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کی آبادی رنجیت سنگھ کی موت کے بعد خونریز طوائف الملوکی اور لاقانونیت سے بہت تنگ آئی ہوئی تھی جب لوگوں نے انگریزوں کی انتظامیہ اعلیٰ چنانچہ سکھوں کے حوصلے اتنے پست ہوئے کہ ۱۸۵۰ء میں مہاراجہ دلیپ سنگھ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جو جاگیرداران جنگوں میں غیر جانبدار تھے انہیں نئے حکمرانوں کے وفادار رہنے کی ترغیب دی گئی۔ (۱۶)

یہ کام چند ہی سالوں میں مکمل ہو گیا۔ اس کی وجہ تو یہ تھی کہ اس وقت تک صنعتی معاشرے کے انگریز فو جی وسول افسروں کو ہندوستان کا نظم و نسق چلانے کا وسیع تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کی آبادی رنجیت سنگھ کی موت کے بعد خونریز طوائف الملوکی اور لاقانونیت سے بہت تنگ آئی ہوئی تھی۔ جب لوگوں نے انگریزوں کی انتظامیہ کی اعلیٰ معیار کی کارکردگی دیکھی تو انہوں نے حکمرانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کی بلا تامل امداد حمایت کی۔ انگریزوں کی آمد سے قبل بے لگام سکھا شاہی نے عوام الناس کی زندگی کو اجیرن کر رکھا تھا۔ (۱۷)

۲۔ نیا بندوبست اراضی اور ساہوکاری کی قوت میں اضافہ:۔

جب صوبہ میں انگریزوں کی فوجی انتظامیہ نے امن وامان نافذ کر کے اپنا اقتدار مستحکم کر لیا تو بورڈ آف ایڈمنسٹریشن نے بندوبست اراضی کی طرف توجہ کی۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرح پنجاب میں بھی انگریزوں کی آمد سے قبل زمین کی نجی ملکیت کا تصور نہیں تھا۔ سکھوں نے مغلوں کی نظام اراضی کو برقرار رکھا تھا اور یہ تھا کہ زمین کا کوئی رقبہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتا تھا بلکہ گاؤں کا پورا معاشرہ ساری زمین کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ لہذا کسی کسان کو کبھی بیدخلی کا خطرہ لاحق نہیں ہوتا تھا اور کوئی انتقال اراضی گاؤں کے سارے لوگوں کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ ایس۔ ایم۔ اکرام نے تھوربرن ڈارلنگ اور ستیا رائے کے حوالے سے لکھا ہے کہ پنجاب میں ''کسان نجی حقوق'' ''جائیداد'' ''دولت کی قوت خرید'' اور ''ترقی وفروخت'' کے تصور سے بالکل ناآشنا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتا تھا کہ کوئی شخص اسے اس کی زیر کاشت زمین سے محروم کرسکتا ہے۔ چونکہ قرضے کی کوئی قانونی ضمانت نہیں ہوتی تھی اور ساہوکار کسی صورت مقروض کسان کی زمین حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے کسان قرضے کی ادائیگی صرف اس وقت کرتا تھا جبکہ اس کے پاس فالتو پیسہ ہوتا تھا۔ کوئی آڑھتی یا دلال نہیں ہوتے تھے اور بنیا گاؤں کے لوگوں کی اجتماعی قوت اور حکومت کی عدم مداخلت کے باعث بالکل بے بس ہوتا تھا۔ ساہوکار اپنے قرضے کی وصولی کے لیے حکومت کے کردار کی بجائے اپنے اثر ورسوخ پر اعتماد کرتا تھا۔ کسی جاگیردار یا زمیندار کو بھی کسی رقبہ اراضی پر مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے تھے۔ اسے صرف اپنے مخصوص علاقے میں مالیہ وصول کرنے کا اختیار ہوتا تھا جس کا ایک حصہ وہ سرکاری خزانے میں جمع کراتا تھا اور ایک حصہ اپنے پاس رکھتا تھا جو ان خدمات کا عوضانہ تصور کیا جاتا تھا جو وہ اپنے علاقے میں امن وامان قائم رکھنے اور بعض دوسرے سرکاری معاملات طے کرنے کے لیے سرانجام دیتا تھا۔

لیکن ۱۸۵۰ء کے بعد ہزاری لارنس نے اس دیرینہ نظام اراضی میں بعض بنیادی تبدیلیاں کردیں۔ایک نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ ساہوکار کے قرضہ کی دستاویز کو قانونی تقدس بخش دیا گیا اور اسے بعض شرائط کے تحت زمین رہن میں لینے اور خریدنے کا حق حاصل ہوگیا۔اس طرح ہر گاؤں میں ساہوکار کی بالا دستی قائم ہوگئی اور گاؤں والوں کی اجتماعی قوت میں کمی آ گئی۔تاہم پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن نے بندوبست اراضی کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ اس طریقے سے مختلف تھا جو ۱۷۹۳ء میں لارڈ کارنوالس (CORNWALLIS) نے بنگال میں نافذ کیا تھا۔فرق یہ تھا کہ پنجاب میں بندوبست مستقل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کی ۱۵ سے ۳۰ سال تک کی معیاد مقرر کی گئی تھی۔اگرچہ اس عرصے کے لیے مالیہ کی شرح سکھوں کی مقرر کردہ شرح سے بظاہر ۵ سے لے کر ۵۰ فیصد تک کم تھی لیکن کسانوں کو شکایت ہوتی تھی کہ ان سے مالیہ کی وصولی میں بڑی سختی کی جاتی ہے۔

۳۔انگریزوں کی قائم کردہ حکومت'فوجی حکومت تھی:۔

۱۸۵۳ء میں سہ رکنی بورڈ آف ایڈمنسٹریشن ختم کردیا گیا اور سر جان لارنس صوبہ کا پہلا چیف کمشنر مقرر ہوا۔اس شخص کو انتہائی فوجی اہمیت کے حامل اس سرحدی صوبے میں اتنے زیادہ اختیارات دیئے گئے تھے کہ یہ عملاً یہاں کا آمر مطلق تھا۔اس نے اپنے زیر تحویل علاقے میں جو انتظامیہ تشکیل کی اس پر برطانوی پارلیمنٹ کے ۱۷۷۳ء کے ریگولیٹنگ ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔مطلب یہ تھا کہ اس سرحدی صوبہ کو عملاً سرزمین بے آئین قرار دیا گیا تھا۔سر جان لارنس اور اس کے ماتحت حکام ان قوانین وقواعد کے پابند نہیں تھے جو قبل ازیں کلکتہ'مدارس' بمبئی اور الہ آباد کی پریذیڈنسیوں میں نافذ ہو چکے تھے۔لارنس کے ماتحت فوج اور پولیس میں بہت اضافہ کردیا گیا تھا تاکہ چوری چکاری' ٹھگی' رسہ گیری اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کا سدباب کرکے مکمل امن وامان قائم کیا جائے۔اس نے اپنے ڈپٹی کمشنروں کو اتنے اختیارات دیئے تھے کہ وہ عملاً اپنے ضلع کے مطلق العنان بادشاہ تھے۔وہ بیک وقت ضلع کی انتظامیہ کا سربراہ بھی تھا اور جج بھی تھا۔ریونیو کلکٹر بھی تھا اور پولیس کا انچارج بھی تھا۔وہ سفارتکار بھی تھا اور پادری بھی تھا۔مزیز برآں اسے جنگلات' صحت' تعلیم' زراعت اور آبپاشی کے محکموں پر کلی اختیارات حاصل تھے۔عوام الناس مالیہ کی معافی' زرعی قرضوں کی گرانٹ' سکولوں اور ہسپتالوں کی تعمیر اور دوسرے بے شمار کاموں کے لیے صرف ڈپٹی کمشنر کی نظر عنایت پر انحصار کرتے تھے اور یہ ڈپٹی کمشنر بالعموم فوجی افسر ہوتا تھا۔

پنجاب میں اس قسم کی ابتدائی انتظامیہ قائم کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں بین الاقوامی سطح پر کچھ ایسے واقعات ہورہے تھے جن کی پیش نظر انگریزوں کو اپنی سلطنت کی ''سونے کی چڑیا'' کے مستقبل کے بارے میں لاحق شدہ خطرہ بڑھ گیا تھا۔ جب ۱۸۵۳ء میں پنجاب میں سر جان لارنس کی آمریت قائم ہوئی تھی تو اس سے قبل روس کے زار نکولس اول نے برطانوی سفیر کے ساتھ بات چیت کے دوران ترکوں کی سلطنت عثمانیہ کو ''یورپ کا مرد بیمار'' ☆ قرار دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ''ہمارے بازوؤں پر ایک مرد بیمار پڑا ہے۔ یہ بہت ہی بیمار ہے اور اس امر کا امکان ہے کہ یہ یکا یک ہمارے بازوؤں پر دم توڑ دے''۔ اور پھر ۱۹ اپریل ۱۸۵۳ء کو ترکی میں مقیم روسی سفیر پرنس الیگزینڈر مینشی کوف (ALEXANDER MENCHIKOFF) نے سلطان عبدالحمید کو یہ الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر سلطنت عثمانیہ میں عیسائیوں پر ''مظالم'' فوری طور پر بند نہ کیے گئے تو روس اپنے ہم مذہبوں کے تحفظ کے لیے کوئی کارروائی کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔ جب مئی میں سلطان نے یہ الٹی میٹم مسترد کر دیا تو زار نکولس اول (NICHOLASI) نے دریائے ڈینیوب کے گردونواح میں ترکوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اگرچہ ان دنوں میں برطانیہ اور فرانس میں ایسے عناصر موجود تھے ۔ جو وسطی ایشیا میں روسی سلطنت کی توسیع کا خیر مقدم کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس کی روز افزوں توسیع پسندی کو اپنے عالمی مفادات کے لیے خطرناک تصور کرتی تھیں چنانچہ ان دونوں نے ایک طرف تو روس کے خلاف ترکی کی امداد کرنے کا فیصلہ کیا اور دوسری طرف اپنی غیر ملکی نوآبادیات کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے مناسب کاروائیاں کیں ۱۳ جون ۱۸۵۳ء کو انگریزوں کا بحری بیڑہ درہ دانیال میں پہنچ گیا اور اس سے اگلے دن فرانسیسی بیڑہ بھی اس کے ساتھ جاملا اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ یہ سمندری راستہ ان کی غیر ملکی نوآبادیات کی جانب آمدورفت کے لیے کھلا رہے۔ ۲ جولائی کو روس نے ترکی کے ڈینیوبی صوبوں پر حملہ کر دیا اور ۴ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو برطانوی اور روسی فوجوں کے درمیان کریمیا کی جنگ شروع ہوگئی چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے پنجاب کے سرحدی صوبے میں سر جان لارنس کی استبدادی حکومت کی تقویت کے لے مزید فوج یہاں بھیج دی ان دنوں پورے برصغیر میں انگریزوں کی ۱۲ ڈویژن فوج تھی جس میں سے ۴ ڈویژن صرف پنجاب میں متعین کی گئی جبکہ ۱۷ اضلاع کے ڈپٹی کمشنر بھی فوجی افسر تھے۔

☆ Dr. R.C. Majumdar "An Advance History of India" London 1961, Pg. 287

۱۲ مارچ ۱۸۵۴ء کو برطانیہ اور فرانس نے ترکی کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے روس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روس کے ایک جرنیل ڈولگورکی (DOLGORUKI) نے اسی سال جنگ کریمیا کے بعد ہندوستان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ جنگ ۲۵ فروری ۱۸۵۶ء کو ختم ہوئی جبکہ ترکی کی علاقائی سالمیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۵۶ء کو برطانیہ' فرانس اور آسٹریا نے ترکی کے ساتھ ایک اور معاہدہ کیا جس کے ماتحت انہوں نے ترکی کو اس کی آزادی و سالمیت کی ضمانت دی۔ اسی سال ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ (CANNING) نے ایران کے خلاف اعلان جنگ کر دیا کیونکہ تہران میں برطانوی سفیر کی ''بے عزتی'' کی گئی تھی اور ایران کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں ایران کو بری طرح شکست ہوئی۔ اس کے بعد ہرات کا علاقہ ہمیشہ کے لیے افغانستان کے حوالے کر دیا گیا کیونکہ اس سے قبل پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کے پہلے سربراہ سرہنری لارنس نے افغانستان کی جانب روس کی امیر دوست محمد سے مصالحت کر لی تھی۔ اس طرح ہندوستان کی جانب سے پیش قدمی کا وقتی طور پر سدباب ہو گیا ۔ پنجاب کی حکومت نے اس مقصد کے لے ۱۸۴۹ء سے لے کر ۱۸۵۶ء تک شمالی مغربی علاقے کے حریت پسند قبائلیوں کے خلاف ۱۲ مرتبہ فوجی کاروائی کی تھی اور پشاور' راولپنڈی' ملتان' سیالکوٹ' میاں میر (لاہور) اور کوہاٹ میں چھاؤنیاں تعمیر کی تھیں۔ اس دوران متعدد سول تعمیراتی کاموں کے علاوہ صوبہ کے بعض دوسرے علاقوں میں بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دینے کی رسم زیادہ تر سکھوں میں بیدیوں کے ایک فرقہ میں پائی جاتی تھی جنہیں ''کڑی مار'' کہا جاتا تھا لیکن صوبہ کے ہندو اور مسلمان بھی اس وحشیانہ رسم سے مبرا نہیں تھے۔ چنانچہ اس کے مکمل انسداد کے لیے چھ سال کا عرصہ لگا تھا۔ مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں برطانوی سامراج کے خلاف پہلی آزادی جسے انگریز غدر کا نام دیتے ہیں کا آغاز ہوا تو اس کے اثرات پنجاب کے سرحدی صوبے پر بھی پڑے۔ انبالہ' جالندھر' فیروز پور' ملتان' کوہاٹ اور بعض دوسرے شہروں میں گڑبڑ ہوئی لیکن سر جان لارنس کی انتظامیہ نے جلد ہی اس پر قابو پا لیا۔ بہت سے ہندو' سکھ' اور مسلمان جاگیرداروں نے اس سلسلے میں انگریز وں کی ''گراں قدر'' خدمات سرانجام دیں چنانچہ بعدازاں ان وفادار ''چیفس'' کو بڑی فیاضی کے ساتھ انعام وکرام سے نوازا گیا۔ جون ۱۸۵۸ء مین یہ ''بغاوت'' ختم ہوئی تو برطانوی پارلیمنٹ نے ''انڈیا ایکٹ'' منظور کیا جس کے تحت حکومت برطانیہ نے براہ راست ہندوستان کا نظم ونسق سنبھال لیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ایک وزیر ہند مقرر کیا گیا جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ قوانین اور ضوابط

کے مطابق چلایا جائے۔(۱۸)

کانجو خاندان:۔

اس قوم کے افراد زیادہ تر تحصیل شجاع آباد۔لودھراں میں آباد ہیں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ قوم اصل میں راجپوت راجہ دوھم کی اولاد میں سے ہے اس خاندان کا مورث اعلیٰ کانجوں جنامی راجہ بکرماجیت کے خاندان سے تھا۔شاہاں مغلیہ کے وقت میں اطراف دہلی سے اس نواح میں آیا اور موضع علی پور کانجو آباد کیا۔ جب اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو مختلف مقامات میں آباد ہو گئے خاندان کی دو شاخیں ہو گئیں ایک تحصیل شجاع آباد میں قوم (نون) کے نام سے مشہور ہوگئی اور دوسری کانجی کہلائی۔نواب مظفر خان والئی ملتان کے عہد میں اور پھر سکھوں کے عہد میں بدستور مالک اراضیات چلے آئے ۔ جب سرکار انگلشیہ کی عملداری ہوئی تو اس خاندان کے مورث اعلیٰ پناہ محمد خان موجود رہے تھے۔آپ نے سرکار انگلشیہ کی بہت خدمات کیں۔آپ کے بعد آپ کا لڑکا جمال خان مالک ہوا جونہایت نیک اور سادہ مزاج انسان تھا۔سرکار عالیہ کے ہمیشہ خیر خواہ رہے۔آپ کے بعد آپ کا لڑکا جندو خان مالک ہوا اور وہ بھی سرکار کا دلی خیر خواہ رہا۔

جندوڈو خان کی وفات کے بعد ان کے دولڑکے غلام رسول، پیر بخش خان موجود تھے۔پیر بخش خان ذیلدار مقرر ہوئے۔آپ متواضع تخلیق اور مرجع بزرگ ہیں۔خیر خواہ سرکار اور رعایا پرور ہیں۔ ہر ایک شخص کی فریاد سن کر اس کی ہر ممکن طریقہ سے امداد اور دادرسی کرتے ہیں۔ ہر محکمہ کے اہلکار کو سرکاری کام میں خندہ پیشانی سے اور امداد دیتے ہیں۔آپ کی ہر دلعزیزی اور رسوخ کا عالم ہے کہ ہندو مسلم آپ سے خوش رہے۔(۱۹)

تنقیدی جائزہ:۔

اس خاندان کا سیاسی کردار 1857ء سے قبل نہیں ملتا۔قیام پاکستان کے بعد ان کا اصل سیاسی کردار شروع ہوتا ہے۔

بحوالہ ملتان ڈسٹرکٹ گزیٹر Vol: II ED. Maclagan 1901

کھر خاندان:۔

قیام پاکستان کے بعد جنوبی پنجاب کے جو خاندان میدان سیاست میں نمایاں ہوئے۔ان میں ایک نام کھر خاندان کا بھی ہے ۔کھر خاندان کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے تہمینہ درانی اپنی کتاب ''میڈا سائیں''میں لکھتی ہیں۔

''کھر خاندان کا تعلق پنجاب کے کھرل قبیلے سے ہے۔کہا جاتا ہے ایک مرتبہ خطہ لاہور سے تعلق رکھنے والے کھروں کے ایک ٹولے نے ملتان میں گنے کے کھیت کے پاس پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔انہوں نے گنے کاٹ کر کچھ اپنے مویشیوں کو کھلا دیئے اور کچھ کو جوڑ جاڑ کر جھونپڑیاں بنالیں۔جب کھیت کے مالک نے گلہ کیا تو انہوں نے بھولپن سے کہا کہ وہ سمجھتے تھے کہ گنا کسی قسم کا بیج ہے۔جب ان سے دریافت کیا گیا وہ کون ہیں تو انہوں نے فخر سے کہا کہ وہ کھرل ہیں۔بذلہ سنج مالک نے رعایت لفظی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا ''تم کھرل نہیں،خر ہو جس کے معنی فارسی میں گدھا ہیں''یہ شاخ ملتان سے ملحق مظفرگڑھ میں دریائے سندھ کے کنارے آباد ہوگئی۔

غلام مصطفیٰ کے دادا نے چار شادیاں کیں ہر بار اس کی بیوی پورے پورے گاؤں اپنے جہیز میں لائی ان دیہات کے علاوہ بابا نے اپنی منقول عورتوں کے سونے اور زیورات کی مدد سے جو وہ ساتھ لانا نہ بھولا تھا۔ زرخیز زمین کے بڑے بڑے رقبے خرید لیے۔مربع بھر زمین صرف چار آنے میں مل جاتی تھی۔

اس کی ایک بیوی کا نام سناواں تھا وہ جہیز میں ایک گاؤں لائی تھی جو آج بھی اس کے نام سے منسوب ہے۔خریداری اور ازدواجی رشتوں سے دادا کی جاگیر میں کوٹ ادو اور ڈوگر کا بھی اضافہ ہوا۔ان بزرگوار کے تین بیٹے ہوئے ان میں سے ایک طفولیت میں فوت ہوگیا۔یہ فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ پرانے خانہ بدوش طور طریقے چھوڑ کر کسی جگہ ٹک کر رہا جائے۔جو زمین پہلے پورے قبیلے کی شاملات تھی اسے اب صرف ایک خاندان کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔قبائلی معاشرے سے جاگیردارانہ معاشرے کی طرف سفر کا آغاز ہوگیا تھا۔

دونوں بیٹوں،محمد یار کھر اور احمد یار کھر کے سماجی قدوقامت میں اضافہ ہوتا گیا۔محمد یار کھر بہت بچہ خیز واقع ہوئے تھے۔ان کے پچیس سے زیادہ اولادیں ہوئیں۔انہوں نے بہت ہی کم عمر میں شادی کی تھی۔ جب ان کی بیوی فوت ہوئی تو انہوں نے دوبارہ شادی کرلی۔انہی کی بیوی ملتان میں کوئی رقاصہ تھی۔اس رقاصہ کی بہن کی شادی ڈیرہ غازی خاں کے سردار مزاری سے ہوئی۔رقاصہ بیوی کی وفات کے بعد محمد یار کھر

نے مصطفیٰ کی والدہ سے شادی کی۔ وہ ساٹھ برس کے اور مصطفیٰ کی والدہ سولہ برس کی تھیں۔ مصطفیٰ کی والدہ کے سولہ بچے ہوئے۔ ان میں سے سات بیٹے اور ایک بیٹی زندہ ہے۔ (۲۰)

تنقیدی جائزہ:۔

کھر خاندان کا 1857ء سے پہلے کوئی سیاسی کردار نہیں تھا۔ ان کا اصل سیاسی کردار 1947ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔

گیلانی:۔

حضرت مخدوم شیخ موسیٰ پاک شہید طالب ثراہ:۔

آپ کا وصال 978ھ میں بمقام اوچ شریف ہوا اور آپ اپنے جد امجدؒ کے روضہ ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ حضرت شیخ سید نظام الدین عبدالقادر اور حضرت مخدوم شیخ سید ابوالحسن حافظ محمد جمال الدین موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ چھوٹے صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے علم و فضل اور روحانی تصرفات کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے شوال 985ھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ جب حضرت ملتان میں تشریف لائے تو بے شمار لوگ آپ کے کمالات دیکھ کر خود بخود مسلمان ہو گئے۔ ملتان کے ہندو مسلمان اس درگاہ پاک سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ ہر جمعرات کو زائرین کا بہت بڑا ہجوم ہو جاتا ہے دربار شریف پر نذر و نیاز بہت چڑھتی ہے مگر لنگر کا خرچ بھی حیرت انگیز ہے سینکڑوں آدمی روزانہ دربار سے کھاتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں صرف یہی دربار پاک ہے جس کی عزت و حرمت برقرار رکھنے کے لیے سنی مسلمان اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار رہتے ہیں اور اس خاندان پاک کے ہر فرد سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔ اس درگاہ سے بڑے بڑے والیان ریاست کو دلی عقیدت ہے۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہاولپور، ہز ہائینس مہاراجہ صاحب پٹیالہ اور متعدد گورنران پنجاب و دیگر افسران ذی وقار اپنے دوران قیام ملتان میں یہاں عقیدت سے حاضری دیتے رہتے تھے۔ غدر کے زمانہ میں میجر ہربرٹ ایڈورڈز کے خاص حکم سے اس خاندان کو پوری پوری امان دی گئی اور صرف اسی درگاہ پر حفاظت کے طور پر فوجی پہرہ لگایا گیا اور اس کے بعد سر جان لارنس نے خدمات جنگ کے عوض نقد انعام اور سند سلطانی سے سرفراز فرمایا۔ سر چارلس رو نے کافی چھان بین کے بعد اس خاندان کو بحیثیت شہریت، وجاہت نسل اور مقامی اثر کے مقدم ترین خاندان قرار دیا اور اس خاندان کی سلامت روی وفادارانہ طرز عمل کی بے حد تعریف و توصیف کی۔

حضرت مخدوم شیخ سید حامد گنج بخش ثانی و حضرت نواب سید موسیٰ پاک دینؒ

حضرت ممدوح کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مخدوم شیخ سید حامد گنج بخش ثانی علیہ الرحمتہ سجادہ نشین اوچ شریف ہوئے لیکن آپ نے گدی اپنے عم زاد بھائی شیخ سید عبدالقادرؒ ثانی کے

لڑکے کے حوالے کردی۔ان کی اولاد اب تک اوچ شریف میں سجادہ نشین ہے۔

حضرت پیر موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چار صاحبزادے تھے (۱) حضرت مخدوم شیخ سید حامد گنج بخش ثانی المعروف سید فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت شیخ سید جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ کا مزار دہلی میں ہے اور آپ کی اولاد آگرہ میں ہے)۔(۳) حضرت شیخ سید عیسےٰ رحمۃ اللہ علیہ (آپ کا روزہ حرم دروازہ کے مقابل ہے)۔(۴) حضرت نواب سید یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار کھلے گنبد والا حرم دروازہ اور پاک دروازہ کے درمیان واقع ہے) آپ شاہان دہلی کی جانب سے حاکم ملتان رہے۔آپ کی سخاوت مشہور تھی اور آج تک لوگ آپ کو ”سخی نواب“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔حضرت مخدوم شیخ سید حامد گنج بخش ثانی ملتان کی درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین قرار پائے۔آپ کی تمام عمر درس وتدریس وہدایت خلق میں گذری۔ آپ کے بھی چار صاحبزادے ہوئے (۱) حضرت مخدوم شیخ سید فتح علی المعروف نواب موسےٰ پاک دینؒ (۲) شیخ سید جان علیؒ (۳) شیخ سید یار علیؒ (۴) شیخ سید دوست علیؒ۔دوسرے اور تیسرے صاحبزادے عالم طفولیت ہی میں انتقال فرما گئے۔حضرت سید موسےٰ پاک دین علیہ الرحمۃ سجادہ نشین قرار پائے اور شاہجان بادشاہ کے عہد میں آپ صوبہ ملتان کے گورنر مقرر ہوئے۔آپ کی تقرری کے فرمان شاہی پر شعبان 1068 ھ کی تاریخ درج ہے۔آپ علم وفضل میں یکتائے روزگار ہونے کے علاوہ روحانی تصرف میں بھی اپنے بزرگان سلف کے ہم پلہ تھے۔شہنشاہ عالمگیر اورنگزیب اور میر جملہ ایسے زبردست لوگ آپ سے عقیدت دلی رکھتے تھے۔ حالانکہ ایک دفعہ شہزادہ دارالشکوہ کی حمایت میں آپ نے کھلم کھلا اورنگزیب کے خلاف جنگ کی تیاری بھی کی تھی اور اس کو اسی سلسلہ میں سخت سست بھی کہا تھا۔

حضرت مخدوم شیخ سید محمد غوث ثالث رحمۃ اللہ علیہ:۔

آپ سنی مسلمانوں کے مسلمہ پیر تھے۔شاہ شجاع درانی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ آپ کی بے حد قدرومنزلت کرتے تھے۔شاہ شجاع ہمیشہ آپ کی خدمت میں استمداد روحانی کی غرض سے عریضے بھیجا کرتا۔ بیش قرار جاگیر عطا کرنے کے علاوہ شاہ موصوف نے مبلغ ایک ہزار روپیہ نقدی بھی پیش کیا۔مہاراجہ رنجیت سنگھ نے موجودہ جاگیر کے علاوہ مبلغ دوسو پچاس روپیہ نقد نذر گذرانی اور ایک اسپ سیاہ آپ کی سواری کے لیے 7 بیساکھ 1889 بکرمی کو عطا کیا۔

جنگ ملتان کے زمانہ میں حضرت مخدوم صاحبؒ نے سرداران سرحد کودخل اندازی سے روکے رکھااور حکومت برطانیہ کی سیاسی وفوجی خدمات سرانجام دیں۔میجر ہربرٹ ایڈورڈز نے آپ کا دلی شکریہ ادا کیااور کئی قیمتی اسناد عطا کرنے کے علاوہ سابقہ جاگیرات جوسکھوں کے وقت سے آپ کے قبضہ میں تھیں جاری رکھیں۔ آپ برابر سرکار عالیہ کے وفادار رہے۔آپ کا انتقال 1853ء میں ہوا۔ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب نے کام کاج بند کردیا اور آپ کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے۔آپ کے تین فرزند تھے (۱) مخدوم شیخ حامد گنج بخش چہارم المعروف بہ پیر سید نور شاہؒ (۲) حضرت سید غوث بخشؒ (۳) حضرت سید محسن شاہؒ اول الذکر سجادہ نشین ہوئے۔حضرت مخدوم پیر سید نور شاہ صاحبؒ بھی اپنے آباواجداد کی طرح متقی وپرہیز گار تھےاور علم و فضل میں دستگاہ کامل رکھتے تھےہندو مسلمان اپنے آپ کوآپ کا حلقہ بگوش سمجھتے تھے۔آپ جب کبھی سوار ہوکر یا باہر تشریف لے جاتے تو عقیدت مندان خاص کا اژدہام کثیر اس قدر ہوتا کہ گھوڑے کے لیے قدم بڑھانا مشکل ہوجاتا۔اعلیٰ حضرت ہز ہائینس نواب صاحب بہاول پور ونواب صاحب ڈیرہ جات کوآپ سے خاص عقیدت تھی اور وہ وقتاًفوقتاً دربار عالیہ پرحاضر ہوکرآپ کے فیوض باطنی سے بہرہ اندوز ہوا کرتے تھے۔(۲۱)

تنقیدی جائزہ:۔

گیلانی خاندان نے ملتان اور اس کے نواح کے لوگوں کی روحانی اور سیاسی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔اس خاندان کے بزرگ عراق سے ہجرت کرکے ملتان آئے اور یہاں کی مٹی میں رچ بس گئے۔اس خاندان کے بزرگوں نے تبلیغ کی اور کافی تعداد میں لوگوں کو مشرف بااسلام کیا۔ان کے بزرگوں نے کفر وشرک کا خاتمہ کیا۔اسلامی اقتدار کا تحفظ کیااور مسلمانوں کی روحانی اور سیاسی طاقت کوتقویت بخشی۔تحریک پاکستان میں بھی اس خاندان کے بزرگوں نے اہم کردار ہے۔قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں اس خاندان نے انجمن اسلامیہ ملتان کے زیر انتظام خاصی تعداد میں تعلیمی یااداروں کے ذریعے علاقے کے لوگوں کی علمی آبیاری کی۔

قریشی خاندان:۔

ملتان کے مشہور ومعروف خاندان میں سے خاندان قریشی ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔حضور پر نور کی کرامات اور خرق عادت کے قصے بے شمار ہیں۔روایت ہے کہ جب آپ کے والد ماجد حضرت محمد غوث بہاؤالحق بعالم شیر خوارگی فوراً دودھ چھوڑ کر کلام اللہ کی سماعت میں متوجہ ہوئے۔عالم طفلی میں قرآن پاک کی تعلیم نہایت قلیل عرصہ میں آپ نے ختم کر لی اور سر برآوردہ قاریوں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔(۲۲)

جس وقت حضرت بہاؤالدین کا شہرہ اوران کا اثر واقتدار عین عروج پر تھا۔اسی وقت حضرت شمس تبریز ایک تیرہ سال عمر کے مرید لڑکے کو ساتھ لئے ہوئے ملتان پہنچے۔خواجہ شمس تبریز کے ملتان آنے کا قصہ یوں مروی ہے کہ آپ اپنی کرامت سے ایک چھوٹے مصلے پر بیٹھ کر دریائے سندھ عبور کر آئے۔اور مغرب کی جانب سے ملتان میں وارد ہوئے حضرت بہاؤالدینؒ نے ان کے آنے کی خبر سن کر ایک دودھ کا بھرا ہوا پیالہ ان کے پاس بھیجا جس سے یہ مراد تھی کہ ملتان میں پہلے ہی سے کافی فقیر موجود ہیں اب یہاں کسی اور فقیر کی گنجائش نہیں۔حضرت شمس تبریزؒ نے اس دودھ سے بھرے ہوئے پیالہ پر اپنی طرف سے ایک گلاب کا پھول رکھ کر اسے پھر واپس کر دیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کیلئے نہ صرف ملتان میں بخوبی گنجائش ہے بلکہ ان کی شہرت بھی ان تمام اولیاء اللہ سے جو ملتان میں رونق افروز ہو چکے ہیں بڑھ جائے گی۔حضرت بہاؤالدین کو اس بات سے بڑا طیش آیا اور انہوں نے حکم دیا کہ اس ضدی فقیر کو نہ تو کوئی روٹی دے اور نہ کسی اور قسم کی امداد کرے۔حضرت شمس تبریز کو کھانے کی کوئی پرواہ نہ تھی مگر ان کا نوعمر بیٹا فوراً بھوک سے بیتاب ہو چلا اور رو کر کھانے کا طالب ہوا۔اس وقت حضرت شمس تبریز کی باطنی توجہ سے جنگل کی بہت سی ہرنیاں آموجود ہوئیں اور خوشی سے اپنا دودھ دوھونے دیا

شاہ شمس تبریز نے ہرنیوں کی یہ عقیدت مندی دیکھ کر ان میں سے ایک ہرنی شرع شریف کے قاعدہ سے ذبح کی اور اس کا گوشت پکانے کے لئے نوعمر بالکے کو شہر میں بھیجا کہ آگ لے آئے مگر وہاں حضرت بہاؤالدینؒ کی حکم عدولی کون کرتا سب اہل شہر نے اس کمین فقیر کو آگ دینے سے انکار کر دیا۔اور ایک حلوائی نے یہاں تک بیبا کی اور گستاخی سے کام لیا کہ لڑکے کے منہ پر دودھ کا برتن کھینچ مارا اور وہ بے چارہ روتا ہوا اپنے پیر کے پاس آ گیا۔حضرت شمس تبریزؒ نے بالک کی حالت دیکھی تو نعرہ مار کر (سورج کی طرف دیکھا

اور) کہا ”اے شمس تو میرا اہتمام ہے۔ نزدیک آجا اور مجھے کھانا پکانے کے لئے تمازت دے کیوں کہ یہ منکرین آگ دینے سے انکار کرتے ہیں“ چنانچہ سورج نیچے آگیا اور اس کی تمازت سے گوشت پک گیا۔ مگر سورج پھر اپنی جگہ واپس نہیں گیا اور آج تک کہ وہ بقدر ایک نیزہ کی لمبائی کے بہ نسبت دنیا کے تمام دیگر حصوں کے ملتان سے زیادہ نزدیک ہے ۔ حضرت شمس تبریز کے ایسے ناخواندہ مہمان کو برہم کرنے کے باوجود حضرت بہاؤالدینؒ ایک سو سال تک زندہ رہے۔ اور 1270ء میں وفات پا کر بڑے تزک اور شان کے ساتھ دفن کئے گئے اور اب تک ہندوستان کے تمام حصص اور افغانستان تک کے مسلمان ان کی درگاہ کی زیارت کرنے آتے ہیں۔ (۲۳)

سکھوں کے عہد حکومت میں ملتان کی بہت سی درگاہوں کی بیش بہا جاگیریں جو ان درگاہوں کے اخراجات کے لیے ملی تھیں ضبط ہو گئیں۔ 1818ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ملتان کو فتح کر کے وہاں کی تمام زیارتوں کے لیے مجموعی طور 3500 کے نقد وظائف مقرر کر دیئے اور دیوان ساون مل نے یہ وظائف اور گھٹا کر 1600 روپیہ رہنے دیئے۔ سکھ دربار کے دور دورہ میں ان درگاہوں کے متعلق اراضی کا مالیہ نقد وظیفے اور نذرانہ کی منہائی کے بعد 2030 روپیہ ہوتے تھے 49-1848ء کے بلوہ کے تمام دوران میں شاہ محمود نے گورنمنٹ کی خیرخواہی ظاہر کی۔ اس میں کلام نہیں کہ مخدوم ممدوح کو سکھوں کے ساتھ محبت کرنے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ مخدوم نے اپنے اثر ورسوخ سے اور ان قبروں سے جو اس نے دیں انگریز حکومت کو بہت فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ الحاق پنجاب کے موقع پر ملتان کی زیارتوں کے وظائف بحال رکھے گئے۔ یعنی اچھا برتاؤ رکھنے کی شرط پر 700 روپیہ مالیت کی اراضی بطور علی الدوام جاگیر کے دی گئی اور 1300 روپیہ کا نقد وظیفہ مخدوم شاہ محمود کی حین حیات کے لئے عطا کیا گیا۔ نیز ضلع ساہی ناتھ کا جہاں مخدوم نے 1834ء میں میوہ دار درخت نصب کئے تھے ایک چوتھا حصہ بطور ذاتی عطیہ کے اس کے نام دواماً واگزار کیا گیا۔

حضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہ اور حضرت شیخ رکن عالم قدس سرہ کی درگاہوں کو ملتان کے لئے بہت سے محاصرہ میں کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ مگر 1848ء کا محاصرہ ان کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ چونکہ یہ دونوں قلعے کے اندر واقع تھیں اس لیے محاصرین کے گولیاں اور گولے ان پر گرتے تھے اور یہ تقریباً ویران اور منہدم ہو گئی تھیں۔ 1850ء میں پنجاب گورنمنٹ نے تجویز کی کہ ان دونوں درگاہوں کی از سر نو تعمیر کے لیے دس ہزار روپیہ دیا جائے مگر گورنمنٹ ہند نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ لیکن چونکہ مخدوم شاہ محمود خود مستعد اور

با اثر بزرگ تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے مریدوں سے مدد اور نقد روپیہ لے کر بہت لاگت اور خرچ سے پھر دونوں درگاہوں کو پہلے کی طرح شاندار بنادیا۔ (۱۹)

تنقیدی جائزہ:۔

قریشی خاندان کے جدامجد حضرت بہاؤالدین زکریا ملتان اپنے وقت کے جید عالم اور مبلغ اسلام تھے ۔ مالی لحاظ سے بہت خوشحال تھے۔ اپنی عملی اور مالی سرمائے سے اس خطہ کے لوگوں کی بحالی میں اہم کردار ادا کیا اور اسلام دشمن طاعوتی قوتوں کو ہر لحاظ سے شکست دی ۔ برصغیر پاک وہند میں پہلی اسلامی یونیورسٹی حضرت بہاؤالدینؒ کا شاندار کارنامہ ہے ان کے بعد آنے والی بزرگوں نے بھی اسلام پھیلانے میں اہم کردار کیا اس کے برعکس قیام پاکستان سے قبل قریشی خاندان کے اکثر بزرگ یونینسٹ پارٹی میں شامل تھے ۔ اور انگریز اقتدار میں شریک رہے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے اقتدار کے تسلسل برقرار رکھنے کے لئے قریشی خاندان کے سپوت حکمران پارٹی کا حصہ بنے رہے۔ ان کے مریدین کی خاصی تعداد صوبہ سندھ میں آباد ہے۔

مزاری خاندان:۔

مزاری قوم ایک بہت بڑی قوم ہے اس قوم کے لئے نام لفظ مزاری معنی شیر سے لیا گیا ہے۔ بالا چانی اس قوم کی ایک شاخ ہے۔اس قوم کی چار شاخیں ہیں۔ بالا چانی، رستمانی، سیدانی اور سرگانی۔اس وقت راجن پور کا جنوبی حصہ مرغائی سے کشمور تک مزاری قوم سے آباد ہے۔ بہت سے پہاری قطعات اور دریائے سندھ کے دونوں کناروں کی زرضیات اس علاقے کی حدود میں شامل ہیں۔مزاری قوم کا ایک بہت بڑا حصہ سندھ میں اوباڑو کے مقام پر بھی آباد ہے۔ بلوچ قبائل کے محقق غلام رسول کورائی کا کہنا ہے کہ بالا چانی مزاریوں سے الگ ہیں اور ایک شخص ہوت کو اپنا حورث اعلیٰ بتاتے ہیں۔ہوت کے دو پوتے اسحاق اور پنوں کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ جب بلوچ 16 ویں صدی میں پنجاب کے میدانی علاقوں میں آباد ہوئے تو اسحاق کشمور میں آ کر آباد ہوا اس وقت مزاری قوم کوہ پھمبر کے قریب پہاڑی علاقے میں آباد تھی صرف کشموران کی تجارتی منڈی تھی۔مزاری اسحاق کی بڑی تعریف کرتے تھے۔مزاری اپنے سردار بزن خان مزاری سے اسحاق کی خدمت کا بہت ذکر کرتے تھے۔ بزن نے اپنی سرداری کی دستار اسحاق کے سر باندھ دی اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کردی۔اسحاق کے دو بیٹے ہوئے ان میں سے ایک کا نام بالاچ تھا جس سے بالا چانی فرقہ منسوب ہوا دوسرے کا نام شادن۔اسحاق کے بعد اس کا بیٹا بالاچ سردار بنا۔

بگٹی قبیلہ سے مزاریوں نے بے شمار لڑائیاں لڑی ہیں ایک موقع پر مزاری مویشی چرا کر جا رہے تھے کہ بگٹیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر دیا۔اس واقعہ کی اطلاع جب حمل خان کو ہوئی تو اس نے چوروں کو فوراً مار دینے کا حکم صادر کیا اور جوا بھی بند کرا دیا۔

میر حمل خان کے زمانے میں مزاریوں اور دریشکوں میں بہت سی جنگیں ہوئیں میر حمل کے بعد اس کا بیٹا میر مٹھان خان اس کا جانشین ہوا اس زمانے میں بھی مزاریوں اور دریشکوں کے درمیان بہت سی لڑائیں ہوئیں۔ 1714ء میں مٹھا خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میر گل شیر خان جانشین ہوا ان دنوں برصغیر پر احمد شاہ ابدالی کے حملے زوروں پر تھے جس کے نتیجے میں دہلی کی بادشاہت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی نے پرتنڈ اور داجل کے علاقے نصیر خان بروہی کو دے دیئے۔ بروہی ان قبائل کو اپنے زیر لانا چاہتا تھا اس لئے اس نے مزاریوں کو بھی اطاعت کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور تمام مزاری میدان چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ بروہی نے مزاریوں کا پہاڑی تک پیچھا کیا اور ان کے

سردار میر گل شیر کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا میر شاہ علی اس کا جانشین مقرر ہوا جس نے اپنی فوج تیار کی اور کشمور پر حملہ آور ہوا اور کچھ مدت تک بروہوں کو وہاں سے نکال دیا۔

میر شاہ علی کا پوتا میر حمل خان سوئم مزاریوں کا سردار بنا اس نے بروہوں پر حملہ کیا اور ان کو پسپا کر دیا۔ 1791ء میں میر حمل خان سندھ کے ٹالپور امیر رستم کے ساتھ مل گیا اور اس کی اطاعت قبول کی مزاریوں کی تاریخ میں اطاعت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔

1801ء میں میر حمل خان فوت ہوا تو اس کی جگہ بیرام خان نے جانشینی حاصل کی اور دریشکوں کے ساتھ پھر لڑائی ہوئی جس پر زیادہ تر کامیابی مزاریوں کو ہوئی۔ 1819ء مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ڈیرہ غازی خان کا علاقہ انتظامی لحاظ سے بہاول پور میں شامل کر دیا۔ دیوان ساون مل اس علاقے کا گورنر تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ مزاری ریاست بہاول پور میں شامل ہونے سے گریز کر رہے ہیں تو اس نے روجھان پر حملہ کر دیا لیکن جلد ہی مزاریوں نے بدلہ چکا دیا اور کوٹ مٹھن پر جوابی حملہ کر دیا اور مٹھن کوٹ ان کے زیر قبضہ آ گیا۔ 1834ء میں لغاریوں کی مدد سے سکھوں اور مزاریوں کے درمیان صلح ہوئی جس کہ نتیجہ میں مزاریوں کے تمام علاقے واپس کر دیئے گئے (۲۴)

1837ء میں میر ام خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا دوست علی قبیلے کا سردار بنا اس نے سکھوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ اس دوران سارن مل مارا گیا اس نے لڑکے مول راج کو چونکہ حامیوں کی ضرورت تھی اس لئے اس نے دوست علی خان سے صلح کر لی (۲۵)

1849ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا وہ دوست علی خان سے امداد کے طالب ہوئے مگر دوست علی ان کے ہاتھ نہ آیا چنانچہ اس کو معزول کر کے اس کے چھوٹے بھائی امام بخش کو مزاری قبیلے کا سردار بنا دیا (۲۶)

امام بخش ہر سطح پر انگریز کا وفادار نکلا۔ جنگ آزادی کے بعد اسے انگریز کا اعزازی مجسٹریٹ کا اعزاز عطا کیا گیا۔ سردار امام بخش نے اس دور میں مری اور بگٹی اقوام کے معاملات کا تصفیہ کر دیا اپنے علاقہ میں جرائم کے خاتمے کے لئے سب کام کیا۔ سردار امام بخش کو اس کی وفاداری کے صلہ میں سر اور نواب کا خطاب دیا گیا۔ اس طرح 1884 میں اسے اے سی آئی ای اور 1889 میں سی آئی ای کے خطابات مرحمت کئے گئے۔ وہ پراونشل درباری تھا اور پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر بھی رہا تھا (۲۷)

سردار امام بخش خان نے 1903ء میں وفات پائی اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بہرام خان اس کا وارث بنا۔ 1904ء میں بہرام خان کو نواب کا خطاب ملا۔ اور تین سال بعد اسے اے سی آئی ای بنا دیا گیا۔ 1908ء میں پنجاب چیف ایسوسی ایشن کا صدر اور 1910ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا رکن منتخب ہوا۔ ایک سال بعد اسے کے بی ای کا خطاب ملا اسے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اسسٹنٹ کلیکٹر کے اختیارات بھی ملے۔ نواب بہرام خان نے 1923ء میں وفات پائی (۲۸)

نواب دوست محمد بہرام خان کی وفات کے بعد جانشین بنے تو 1932 ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی میر مراد بخش خان کو وراثت منتقل ہوئی ان کی وفات کے بعد ان کے تین بیٹے نواب بلخ شیر مزاری، شیر جان مزاری اور شیر باز خان مزاری کے حصہ میں آئی۔ چنانچہ حکومت نے ان کی تمام جاگیر کورٹ آف آرڈر میں لے لی اور سردار رحیم یار خان کو اس علاقے کا قائم مقام سربراہ بنا دیا گیا۔ (۲۹)

تنقیدی جائزہ:۔

مزاری قبیلہ بلوچ قوم سے تعلق رکھنے والا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے یہ قدیم روایات کا امین ہے۔ جنگجو اور غیور لوگ اس قبیلے کا ہراول دستہ ہیں۔ سکھوں کا دور حکومت ہو یا انگریزوں کا مزاری قبائل کے لوگ ان طاغوتی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ سرداروں نے انگریز سامراج کا بھی ساتھ دیا۔ اس وفاداری کے سلسلہ میں انہوں نے برطانوی اقتدار سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مختلف قبائلی سردار خطابات سے نوازے گئے۔ نیز انہیں جاگیریں بھی بخشی گئیں۔

خاکوانی خاندان:۔

خاکوانی خاندان کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ ہرات کے قریب ایک گاؤں خاکان نامی کے رہنے والے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو خوگانی بھی کہتے ہیں اور یہ لفظ درست ہے۔ سب سے پہلے اس قبیلہ کا جو شخص ہندوستان میں آیا وہ ملک شہپال تھا جو ہمایوں کے عہد میں اپنے بھائیوں سمیت یہاں آیا تھا۔ اس کی اولاد میں سے نواب علی محمد خان خاکوانی نے احمد شاہ ابدالی کے ماتحت 1767ء تک ملتان میں حکومت کی اور عہدہ صوبہ داری پر مقرر رہا۔ اسی نواب نے نالہ ولی محمد خان تعمیر کرایا تھا۔ اصل نام اس کا علی محمد خان ہے جبکہ غلطی سے ولی محمد مشہور ہے۔ ان کے نام کا کتبہ چوک بازار کی ایک مسجد پر ولی محمد خان نصب ہے جو ان کی تعمیر کردہ یادگار ہے۔ ظلم وستم کی شکایت ہونے پر موقوف کر دیا گیا لیکن اس نے اس حکم کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نواب شجاع خان کو قید کر لیا۔ جسے ملتان کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیجا گیا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں احمد شاہ ابدالی نے نواب علی محمد خان مذکورہ کو قتل کرا دیا۔ اب ملتان میں نواب علی محمد خان خاکوانی کی اولاد نہیں ہے۔

ملتان کے موجودہ خاکوانی خاندان کے مورث اعلیٰ خان خداداد خان مرحوم تھے۔ جو تقریباً تین سو سال پہلے غزنی سے ملتان میں تشریف لائے۔ ان کی چوتھی پشت میں حاجی علی محمد خان ذی اقتدار شخص تھے۔ جو نواب مظفر خان کے زمانے میں سکندر آباد کے ناظم تھے۔ حاجی صاحب موصوف کے بڑے صاحبزادے خان بہادر غلام مصطفیٰ خان صاحب پہلے تو دربار بہاول پور میں ملازم ہوئے لیکن بعد میں دیوان ساون مل کے کاردار مقرر ہو گئے۔ ان ایام میں کاردار ایک تحصیل کا وہ اعلیٰ ذمہ دار افسر ہوتا تھا جس کو پھانسی کے اختیارات بھی ہوتے تھے اور مالی محکمہ میں فینانشل کمشنری کے اختیارات تھے۔ جب دیوان مول راج نے ملتان میں علم بغاوت بلند کیا تو خان بہادر غلام مصطفیٰ خان خاکوانی نے نہ صرف خود سرکار انگلشیہ کو اپنی خدمات پیش کیں بلکہ ملتان کے دوسرے پٹھانوں کو بھی اس فتنہ عظیم کے سدباب کے لئے آمادہ کیا۔ چنانچہ میجر ایڈورڈز نے ایک ہزار سوار اور پیدل سپاہیوں کے ہمراہ آپ کو علاقہ جھنگ میں دشمنوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد ہنگامہ غدر میں قابل قدر امداد دینے کے علاوہ آپ نے ملتانی سواروں کا ایک سالم رسالہ بھرتی کر کے جنرل کورٹ لینڈ کی سپردگی میں علاقہ بھٹی اور گوگیرہ میں باغیوں کی سرکوبی میں قیمتی امداد کی جن خدمات کے صلہ میں آپ کو ایک ہزار روپیہ نقد معہ خلعت فاخرہ اور خان بہادر کا خطاب عطاء ہوا اور بعد میں 5000 روپیہ کی جاگیر اور خلعت

ریوالفورز بنادیں اورتلواریں بھی عطا ہوئیں۔

خوگانی یا خاکوانی خاندان اس ملک میں ہمایوں کے زمانے میں آیا۔خان بہادر احمد یار خان کے جد امجد خان بہادر حاجی غلام مصطفےٰ صاحب نے 1848ء کی لڑائی میں دیوان مولراج کے خلاف انگریزوں کی مدد کی۔کرنیل ایڈورڈز جو اس لڑائی میں اعلیٰ فوجی افسر تھے اور فتح کے بعد قسمت ملتان کے کمشنر مقرر ہوئے۔ حاجی غلام مصطفےٰ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''ملتان کے پٹھانوں میں آپ قابل ترین اور بے حد بارسوخ شخصیت کے مالک ہیں۔آپ متعدد پٹھانوں کو دیوان مولراج کی فوج سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جون 1848 سے جنگ کے ختم ہونے تک خان صاحب موصوف نے جنرل وِش کی افواج کے ساتھ شریک ہوکر قابل تعریف کارہائے نمایاں ادا کئے ہیں۔میری رائے ان کے متعلق اتنی اچھی تھی کہ میں نے 1000 سوار و پیادہ فوج ان کی کمان میں دے کر ان کو علاقہ جھنگ میں ملتان سے 60 کوس کے فاصلہ پر بھیجا۔ دوسرے افسروں کی طرح غلام مصطفےٰ خان صاحب نے اپنی خدمات کے سلسلہ میں کوئی تنخواہ وغیرہ سرکاری خزانہ سے وصول نہیں کی۔''(۳۰)

تنقیدی جائزہ :۔

1857ءتک کے تاریخی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاکوانی خاندان معاشی اعتبار سے مضبوط تھا۔ اس طرح ان کا برصغیر میں معاشی اور عملی زندگی میں عمل دخل تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے ناکامی کے بعد ہندوستان میں برطانیہ راج قائم ہوگیا جیسا کہ ہمارے آئندہ کے ابواب سے ظاہر ہے کہ خاکوانی خاندان کے بااثر افراد نے انگریز سے تعاون کیا اور اس Base پر مراعات حاصل کیں۔جس کی وجہ سے قیام پاکستان کے بعد ان کا معاشرتی اور سیاسی اثر رسوخ اور بھی بڑھ گیا ہمارا آئندہ کا مطالعہ ہماری اس بات کے لئے کافی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ان خاندانوں کے بزرگان نے اشاعت اسلام میں حصہ لیا۔اور یہاں کی ہندو اکثریت نے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ان کے بزرگان ولی تھے جس کی وجہ سے عوام میں مقبولیت بھی بڑھ گئی۔

دولتانہ خاندان:۔

دولتانہ جوئیہ راجپوت کی ایک شاخ ہیں۔جن کا شمار ہندوستان کی چھتیس شاہی راجپوت خاندانوں میں ہوتا ہے۔یہ کورو پانڈوؤں کی اولاد میں سے ہیں۔راجہ پورس جو کہ دریائے جہلم کے کنارے دور تک ایک وسیع وعریض حکومت کا مالک تھا۔اور جس کی جنگ یونانی شہنشاہ سکندر اعظم سے ہوئی تھی۔جوئیہ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔انہوں نے بھیرہ شہر آباد کیا جو ان کا مرکزی شہر تھا۔تاریخ بتاتی ہے۔کہ جوئیہ خاندان کی حکومت دریائے ستلج سے لے کر مارواڑ تک پھیلی ہوئی تھی مگر راجپوتوں اور راٹھوں نے جوئیوں کو اس خطے سے نکال کر باہر کیا۔تاہم ضلع فیروز پور اور شاہ پور میں ان کا اثر سوخ موجود رہا۔جوئیہ خاندان نے بھٹیانہ اور ناگور ریاستوں پر بھی اپنا سکہ چلایا۔بعد ازں وہ پاک پتن آئے اور حضرت بابا فرید گنج بخشؒ کی ہاتھوں پر مشرف با اسلام ہوئے انہوں نے اس علاقہ پر اپنی ریاست قائم کرلی۔جس میں فیروز پور تک کا علاقہ شامل تھا۔فیروز پور میں ہی اس قبیلے ولی صنت انسان حضرت سلطان محمود جوئیہ کا مراز بھی واقع ہے۔جنگ آزادی کا عظیم کمانڈر جنرل بخت خان اپنی حضرت سلطان جوئیہ کا بھتیجا تھا۔جوئیہ راجپوت خاندان تقریباً ایک سو سے زائد ذیلی گوتوں پر مشتمل ہے ان میں سے جو مشہور ہوئیں۔ان میں سے ایک گوت دولتانہ بھی ہے۔جو کہ ضلع وہاڑی میں آباد ہے۔اور جس کا شمار راجپوتوں کے باوقار قبیلوں میں ہوتا ہے۔(۳۱)

مشہور محقق اے آر شبلی کی تحقیق بھی اس بیان کی تائید کرتی ہے۔وہ اپنی کتاب "پاکستان کے دیہہ خدا" میں لکھتے ہیں۔دولتانوں کا مورث اعلیٰ بڈھن تھا۔جس نے اپنے نام پر بڈمین نام کا ایک گاؤں بھی آباد کیا۔دولتانہ ان قبائل میں سے ہے جو سکندر اعظم کے حملہ سے بہت پہلے دریائے ستلج کے کنارے آکر آباد ہوا۔بڈمین خاں کا وارث غلام محمد لڈن ہوا۔(۳۲)

غلام محمد لڈن نے اپنے نام کا ایک گاؤں آباد کیا تھا۔وہ ضلع ملتان کی تحصیل وہاڑی میں ایک جرائم پیشہ قبیلے کا سردار تھا جو رسہ گیری سے ستلج کے دونوں کناروں پر بہت خوف وہراس پھیلاتا تھا۔بالآخر انگریزوں نے اس قبیلے کو رام کرلیا اور ان کے سردار لڈن کو سولہ ہزار ایکڑ اراضی اس شرط پر بطور انعام عطا کیا آئندہ اس کے قبیلے کی طرف سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوگا۔(۳۳)

دولتانہ خاندان کا سیاسی پس منظر:۔

میاں ممتاز دولتانہ کے دادا غلام قادر دولتانہ نے سیاست کی طرف توجہ نہ دی۔ اور نہ ہی کسی سرکاری عہدے کی خواہش کی۔ کیونکہ وہ اپنے علاقے کے بہت بڑے جاگیردار تھے اور اتنی بڑی جاگیر کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔لیکن جلد ہی دولتانہ خاندان نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔انگریز حکومت کے وفادار ہونے کی وجہ سے ان کا شمار برصغیر کے ممتاز زمیندار گھرانوں میں ہوتا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکومت کا اعتبار مقامی افراد پر سے اٹھ گیا تھا (۳۴) اور ہندوستانیوں کے لیے یہ وقت انتہائی نازک تھا۔بڑے بڑے عہدوں پر فائز مسلمانوں کو ان کے عہدوں سے ہٹادیا گیا تھا۔جنگ آزادی میں ہندو مسلم برابر کے شریک تھے۔مگر سزا صرف مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔سیاسی لحاظ سے مسلمان انتہائی پسماندگی کا شکار تھے۔انہیں اپنی سیاسی حیثیت بحال کرنے میں نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ لگا۔ایسے میں بڑے بڑے مسلمان زمینداروں نے اپنی حیثیت منوانے کے لیے انگریز حکام کی وفاداری کا سہارا لیا (۳۵)۔ بالکل اسی طرح دولتانہ خاندان نے پہلے انگریزوں سے تعلقات استور کیے اور اس کے بعد سیاست میں قدم رنجہ فرمایا۔غلام قادر دولتانہ کے بیٹے نواب احمد یار دولتانہ نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی (۳۶)۔احمد یار دولتانہ بھی اپنے باپ کی طرح اکلوتے تھے۔مگر اکلوتا اور جاگیردار ہونے کے باوجود ان میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اپنے علاقے کی عوام سے ان کی محبت تھی۔ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے۔احمد یار دولتانہ کی پہلی شادی (۳۷) سر شہاب الدین (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۹ء) کی چھوٹی سالی سے ہوئی۔جس کا نام ولایت بیگم تھا۔چوہدری شہاب الدین کا ہم زلف ہونے کی وجہ سے سیاست کی طرف مزید دلچسپی پیدا ہوئی۔احمد یار دولتانہ کی شادی کو لاہور میں یادگار شادی کے طور پر جانا جاتا ہے (۳۸)

مبارک بیگم سے احمد یار دولتانہ کے اکلوتے بیٹے ممتاز محمد خان دولتانہ نے جنم لیا۔میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی عمر صرف ۶ برس تھی کہ مبارک بیگم کا انتقال ہو گیا۔اس کے بعد نواب احمد یار دولتانہ کی دوسری شادی پٹیالہ کے ایک متوسط خاندان میں ہوئی۔ان کی دوسری بیوی کا نام دار النسیم تھا۔

نواب احمد یار دولتانہ نے سیاست میں باقاعدہ قدم ۱۹۲۱ء میں رکھا (۳۹)۔ جب کہ پنجاب میں صوبائی کونسل کا آغاز ۱۸۹۷ء میں ہوا تھا (۴۰)۔۱۹۱۹ء میں انگریز سرکار نے ہندوستان کو مزید اختیار دینے کا بل پاس ہوا۔گورنر نے ممبروں کے محکمہ جات کی منتقلی کے لیے دو ایگزیکٹو کونسلر اور دو وزیر چنے۔وزیروں کے عہدوں کے

لیے میاں فضل حسین اور لالہ ہرکشن لال کو چنا گیا۔ پنجاب کونسل کے انتخابات ۱۹۲۳ء کے آخر میں ہوئے۔ ان انتخابات سے پہلے میاں فضل حسین نے مسلم بلاک کو باقاعدہ ایک پارٹی کی شکل دینے کے بارے میں سوچا۔ اس پارٹی کو فرقہ واریت سے دور رکھنے کے لیے ہندو جاٹوں کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اس طرح پنجاب میں یونینسٹ پارٹی وجود میں آئی۔ اس پارٹی کے قیادت خود میاں فضل حسین نے سنبھالی۔ اس طرح ۱۹۲۳ء میں جوئی کونسل ہوئی اس میں یونینسٹ پارٹی نے ہندو وزیر منوہر لال کو شامل کیا (۴۱)۔ اس کونسل میں بھی نواب احمد یار دولتانہ منتخب ہوئے۔ مرکزی اور صوبائی لیجسلیٹو کونسلوں کے سرکاری صدر کا عہدہ بھی ۱۹۱۹ء کی اصلاحات میں موجود تھا اور یہ عہدہ ایک خاص مدت کے لیے تھا ۱۹۲۵ء کے شروع میں سرکاری صدر کے عہدے کی مدت ختم ہو رہی تھی۔

اس عہدے پر ایک Casson نامی انگریز فائز تھا۔ گورنر میلکم ہیلی جو میاں فضل حسین کی کونسل میں حکمران کی حیثیت سے خائف تھے، انگریز عہدے دار کو دوبارہ منتخب کرانا چاہتے تھے۔ میاں فضل حسین نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمان امیدوار کا نام تجویز کیا اور مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ سرکاری ممبران غیر جانبدار رہیں اور ووٹنگ غیر سرکاری ممبران کریں۔ گورنر کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا، مقابلہ سر عبدالقادر (پ۔ ۱۸۷۴ء) اور سوراج پارٹی کے امیدوار ڈاکٹر گل مند نارنگ کے درمیان ہوا۔ بات یہاں ختم نہ ہوئی چند مہینوں کے بعد صورتحال مزید شدت اختیار کر گئی۔ جب گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے مسلمان ممبر سر حبیب اللہ تین ماہ کی رخصت پر چلے گئے۔ ان کی جگہ سر فضل حسین کو عارضی عہدے کی پیشکش کی گئی۔ انہوں نے اس شرط پر یہ عہدہ قبول کر لیا کہ وہ واپس آ کر اپنا وزارتی عہدہ سنبھال لیں گے (۴۲)۔ فضل حسین نے چوہدری شہاب الدین کو وزارت کے لیے نامزد کیا مگر گورنر میلکم ہیلی نے سر عبدالقادر کو ساتھ ملا لیا اور وزارت کی پیشکش کر دی۔ سر عبدالقادر نے اسے قبول کر لیا اور یونینسٹ پارٹی کے دونوں دھڑے دولتانہ، ٹوانہ دیکھتے رہ گئے۔ گورنر نے عبدالقادر کو امید دلائی تھی کہ سرکاری ووٹوں کی مدد سے اسے دوسری بار بھی صدارت کا موقع دیا جائے گا۔ (۴۳)

ادھر سر حبیب اللہ اپنی رخصت کی مدت گزار کر واپس آ گئے تو سر فضل حسین نے بھی واپس آ کر اپنی وزارت کا عہدہ سنبھال لیا۔ البتہ سر عبدالقادر گورنر اور وزیر کی اس باہمی کشمکش میں ضرور پس گئے۔ سر فضل حسین نے سر عبدالقادر پر واضح کر دیا تھا کہ آئندہ صدارتی انتخابات مین وہ ان سے کوئی امید نہ رکھیں (۴۴)۔ اس پر عبدالقادر نے آئندہ انتخابات میں حصہ ہی نہ لیا۔ ان صدارتی انتخابات (۱۹۲۶ء) میں یونینسٹ پارٹی کسی ایک امیدوار پر

متفق نہ ہو سکی۔ فضل حسین کی پنجاب میں غیر موجودگی یونینسٹ پارٹی میں دو دھڑے بن گئے۔ دولتانہ، شہاب الدین اور نون، ٹوانہ (۴۵)۔ یونینسٹ پارٹی کے تین امیدواروں نے کاغذات نامزدگی کی داخل کرائے۔ جن میں میاں محمد شاہنواز خان (۴۶)۔ چوہدری شہاب الدین اور ملک فیروز خان نون (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۰ء) (۴۷) شامل تھے۔ سر شاہنواز نے ہندوؤں کی ہمدردیاں وصول کیں اور تمام ہندوؤں نے اسے ووٹ دینے کا وعدہ کیا۔ سر فضل حسین نے پارٹی کے اندر ووٹنگ کی آزادی دی نواب احمد یار دولتانہ اور شہاب الدین نے تمام صورتحال جانچ کر یہ فیصلہ کیا کہ نون ٹوانہ گروپ کے ساتھ مفاہمت کر لی جائے۔ بات چیت میں طے پایا کہ اس بار صدارتی انتخاب میں نون ٹوانہ چوہدری شہاب الدین کے لیے ووٹ دلوائینگے اور اگلی بار دولتانہ اور شہاب الدین ملک فیروز خان نون کے لیے صدارتی انتخاب میں مدد دیں گے۔ اس سمجھوتہ سے شہاب الدین کو کافی مدد ملی اور وہ سر شاہنواز کے مقابلہ میں ٦ ووٹوں سے صدارت کا یہ انتخاب جیت گئے۔ ۱۹۳۰ء میں بھی پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا انتخاب جیتا اور اسی سال سر فضل حسین وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبر مقرر ہو کر دہلی چلے گئے۔ ان کے پنجاب سے رخصت ہوتے ہی یونینسٹ پارٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ اس دوران سر سکندر حیات نے یونینسٹ پارٹی کو سہارا دیا سر سکندر حیات کو پنجاب کونسل کا ریونیو ممبر بنا دیا گیا۔ سر سکندر حیات کی پالیسی سر فضل حسین کی پالیسی سے بہت مختلف تھی۔ سر فضل حسین سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر ہندوستانیوں کو ترجیح دیتے تھے۔ جبکہ سر سکندر انگریز سرکار کی زیادہ سے زیادہ حمایت کرتے۔

سر سکندر حیات کو نواب مظفر خان اور نواب احمد یار دولتانہ کی بہت زیادہ تائید حاصل تھی اور یہی وہ افراد تھے کہ جو چاہتے تھے کہ پنجاب کے اگلے وزیر اعظم سر سکندر حیات ہوں۔ مسٹر فضل حسین پنجاب کیان حالات سے بہت پریشان تھے مگر ابھی تک وہ دہلی میں تھے اس لیے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں سر فضل حسین جب گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل سے ریٹائر ہو کر واپس لاہور تشریف لائے تو ان کو شدت سے محسوس ہوا کہ حالات ان کے قابو میں نہیں رہے۔ لہٰذا انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا (۴۸)۔ انہوں نے ایک خط سکندر حیات کے نام لکھا کہ ''اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تو میں صرف پارٹی کی قیادت سے ہی نہیں بلکہ پبلک زندگی اور سیاسی کاموں سے کلیتاً دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔۔۔ آپ پارٹی کی تمام قیادت سنبھال لیجیے (۴۹)۔

سر سکندر حیات کو میاں فضل حسین کی سیاسی اہمیت کا اندازہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے لاہور آ کر میاں فضل حسین سے معذرت کی نواب احمد یار دولتانہ نے اس موقع پر بھی سکندر حیات سے تعاون کیا اور میاں فضل حسین کی منت

ساجت کر کے اس کشیدگی کو ختم کروایا۔اس وقت سر سکندر حیات خان ریزروبینک آف انڈیا کے ڈپٹی گورنر تھے۔ (۵۰) ۱۹۳۴ء میں سکندر حیات انگلستان گئے تھے اور اپنے ساتھ احمد یار دولتانہ کو بھی لے گئے تھے۔اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میاں فضل حسین نے پنجاب سے باہر یہ عہدہ سر سکندر حیات کے لیے پسند کر لیا تھا۔سر سکندر حیات خان اٹک کے کھٹڑ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔انگریز حکومت سے وفاداری ان کی گھٹی میں شامل تھی (۵۱)۔ جب اختلافات قدرے کم ہو گئے اور میاں فضل حسین ابھی تک سیاست سے ریٹائرمنٹ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ان کے دیرینہ سیاسی دوستوں نے جن میں خود سکندر اور ان کے حمائیتی احمد یار دولتانہ، شہاب الدین کے علاوہ فیروز خان نون اور میاں محمد شاہ نواز بھی شامل تھے۔ان سب نے فضل حسین سے درخواست کی کہ وہ ابھی ایسا نہ کریں اور یونینسٹ پارٹی کی سر پرستی بھی کریں۔احمد یار دولتانہ ایک طرف تو میاں فضل حسین کو دوبارہ سیاست میں لانے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف سکندر حیات کی سر توڑ حمایت کر رہے تھے مگر اندرونی طور پر، اگر چہ نونوں اور دولتانوں سے سکندر حیات کی رقابت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی (۵۲)۔پھر بھی فضل حسین سکندر نونوں اور دولتانوں کو ترجیح دیتا تھا۔ان خاندانوں کی طرح سکندر بھی خاندانی طور پر انگریزوں سے وفاداری کا دم بھرتا تھا۔

۱۹۳۶ء کے ابتدائی ایام میں سکندر کے ساتھیوں احمد یار دولتانہ اور میر مقبول محمود کی طرف سے ایک بیان جاری ہوا۔جس میں یہ عندیہ دیا گیا تھا کہ وہ عنقریب پنجاب میں ایک بین الاقوامیتی (crosscommunal) پارٹی کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔ان دنوں میاں فضل حسین شدید علیل ہو گے ء اور سازشی عناصر نے دوبارہ سر اٹھایا (۵۳)۔سر سکندر حیات کے رشتے کے بزرگ بھائی نواب مظفر خان فضل حسین کے ڈاکٹر کرنل ہار پر نیلسن سے خفیہ طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ فضل حسین کی زندگی کے کتنے دن باقی ہیں۔میاں فضل حسین نواب مظفر خاں کے اس رویئے سے نہایت دلبر داشتہ ہوئے خود میاں فضل حسین اعتراف کیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میں خودکشی کے بارے میں سوچنے لگا (۵۴) لیکن فضل حسین اللہ تعالی کے فضل وکرم سے صحت یاب ہو گئے سر سکندر حیات نے ایک بار پھر خط لکھ کر یقین دلایا کہ آپ جو بھی پارٹی بنائیں گے میں اس کی کابینہ میں شرکت کروں گا (۵۵)۔اس پر میاں فضل حسین نے سکون کا سانس لیا اس کے بعد میاں فضل حسین نے پارٹی کی اندرونی سازشوں کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی ملک فیروز خان نون کے لیے لندن میں وزیر ہند کی کونسل کی ممبر شپ کا بندوبست کرایا ۱۹۳۶ء ہی میں یونینسٹ پارٹی کی تنظیم نو کا اعلان کر دیا۔میاں احمد یار دولتانہ کو پارٹی کا سیکریٹری

جنرل بنا دیا اور سارے پتے اپنے ہاتھ میں کر لیے (۵۶) سکندر حیات کو یہ یقین دلا دیا کہ میرے بعد وزیر اعظم کا عہدہ تمہارے لیے یقینی ہے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں ہندوستانیوں کو عام انتخابات کا حق دیا گیا تھا۔ جس نے ہندوستان کی سیاسی فضا میں ہلچل پیدا کر دی تھی تمام سیاسی پارٹیاں اپنا ووٹ بنک بڑھانے کے لیے متحرک ہو گئیں، مسلمانوں کی واحد سیاسی پارٹی مسلم لیگ نے بھی ہندوستان کی بڑی سیاسی پارٹیوں سے گفت وشنید کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اکثریت میں تھی یوں تو اس میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے مگر ایک بھاری تعداد مسلمانوں سے متعلق تھی۔ اور پارٹی کے سربراہ سر فضل حسین تھے ایک طویل اختلاف کے بعد یونینسٹ پارٹی دوبارہ متحد شکل میں نظر آ رہی تھی۔ فروری اور مارچ ۱۹۳۶ء میں فضل حسین اور محمد علی جناح کی رسمی ملاقاتیں لاہور اور دہلی میں ہوئیں۔ مگر فضل حسین جناح کے سیاسی پروگرام سے متفق نہ تھے (۵۳)۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ بمبئی کیلئے جناح نے صدارت کے لیے فضل حسین کا نام تجویز کیا مگر فضل حسین نے انکار کر دیا۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں جناح لاہور آئے یہاں مشترک دوستوں نے ان کی فضل حسین سے ملاقات کا انتظام کرایا۔ جناح نے ایک بار پھر مسلم لیگ سے تعاون پر زور دیا مگر فضل حسین نے یونینسٹ پارٹی کے پلیٹ فارم سے لڑنے کو ترجیح دی اور دونوں فریق ایک دوسرے کو قائل نہ کر سکے۔ یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ تین ماہ بعد ۸ اگست ۱۹۳۶ء کو فضل حسین جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ مسلم لیگ کے بمبئی اجلاس میں احمد یار دولتانہ کو یونینسٹ پارٹی کی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔ تاکہ مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی میں مفاہمت ہو سکے۔

تنقیدی جائزہ:۔

اس خاندان کا سیاسی کردار قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ملتا ہے۔ اور تحریک پاکستان میں اس خاندان کا ایک بہترین کردار ہے۔

گردیزی خاندان:۔

گردیزی سید ایک زمانہ میں ضلع ملتان کے تمام سادات خاندانوں میں سب سے زیادہ متمول اور بارسوخ تھے۔اور تحصیل کبیروالہ کا تقریباً وہ کل حصہ ان کے قبضہ میں تھا۔جس میں سے اب لاہور کو آنے والی جرنیلی سڑک گزرتی ہے۔دریائے راوی کے بہاؤ کا موقع مل جانے سے ان کا علاقہ برباد ہو کر ویران ہو گیا اگرچہ اس وجہ سے خاندان کی مالی حثیت گھٹ گئی ہے۔تاہم ان کا رسوخ اور اقتدار بدستور اور خوب قائم ہے۔سادات گردیزی حضرت امام حسین علیہ اسلام کی اولاد ہونے اور مذہباً شیعہ ہونے کی وجہ سے حسینی کہلاتے ہیں ۔پہلے ان کی سکونت بغداد میں تھی گردیزی سادات کا مورث اعلیٰ سید محمد دیباج حضرت امام حسینؑ کے بڑے پوتے کا بیٹا تھا۔سید محمد دیباج کا لڑکا سید محمد علی اپنے اصلی وطن مدینہ منورہ سے نقل مکانی کر کے بغداد میں چلا آیا ۔اور سید محمد علی کے بڑے پوتے سید عبداللہ نے بغداد سے مقام گردیز متصل شہر غزنی میں نقل مکانی کی اور وہاں سکونت اختیار کر لی ۔بعدازاں سید عبداللہ کے بڑے پوتے شیخ المشائخ حضرت ابوالفضل جمال الدین محمد یوسف 1088ء میں گردیز سے ہجرت کر کے ملتان میں آرہے۔اور اپنے زیدواتقا اور کرامات کی وجہ سے وہ بہت جلد مشہور ہو گئے ۔اور بہت سی اراضیات ان کو نذرانہ میں پیش کی گئیں ۔1137ء میں ان کا وصال ہو گیا۔اور ان کی درگاہ ملتان میں بڑی عزت وحرمت رکھتی ہے۔ان کی نسبت مشہور ہے کہ آپ شیر پر سوار ہو کر سانپ کو بطور کوڑے کے استعمال کرتے تھے۔اوران کا دست مبارک گاہے بگاہے ان کے مزار کے باہر نکلا ہوا دکھائی دیا کرتا تھا۔محمد یوسف ثانی حضرت ابوالفضل جمال الدیم محمد یوسف سے آٹھویں پشت میں ہوئے یہ بغیر کسی اولا دزینہ کو اپنی یادگار چھوڑنے کے بعد فوت ہو گئے۔اوران کی لڑکی سید ابوالفتح نامی ایک شخص سے بیاہی گئی ۔جو حضرت امام حسین کے ایک اور پوتے حضرت زید شہید کی اولاد سے تھے اور اسی وجہ سے اس خاندان کو بعض وقت زیدی بھی کہتے ہیں۔سید ابوالفتح کا لڑکا محمد یوسف ثالث گردیزی بزرگ کی درگاہ کا وارث اور سجادہ نشین ہوا۔(۵۷)

اس خاندان کے اس مختلف مسلمان سلاطین دہلی کے کئی فرمان موجود ہیں اوران سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں اس خاندان کی کیس قدر تعظیم وتکریم ہوتی تھی ۔اوران کا کتنا جاہ وجلال تھا۔بیان کیا جاتا ہے کہ جب شہنشاہ اورنگزیب سید محمد یوسف رابع کے زمانے میں ملتان آیا تو اس نے سید موصوف کو ایک پیش بہا خلعت اور ہاتھی بطور نذرانہ دیا تھا۔(۵۸)

تنقیدی جائزہ:۔

شاہ گردیز ابوالفضل جمال الدین شاہ یوسف پانچویں پشت اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی نویں پشت میں ہونے کی بنا پر سادت اور کرامت سے ممتاز تھے۔

ملتان پہنچ کر آپ کی روحانی کشش نے ہر طبقہ کو اپنا گردیدہ بنالیا۔ آپ کی کرامتوں نے بے شمار کافروں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ آپ نے ویران ملتان کو از سر نو تعمیر کرا کر زمین و املاک کے وقف سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ شاہ یوسفؒ کی اولاد مریدنہ تھی۔ صرف ایک بیٹی تھی۔ شاہ گردیز خاندانے تیمور اور اس کے بعد بابری خاندان کے نامور بادشاہ شاہ جہاں کے دربار میں بہت اعزاز پایا اس خاندان کے عقدء افراد کے پاس شاہ جہاں کے فرمان موجود ہیں۔ اورنگ زیب نے اپنے عہد میں جانقاہ کے سجادہ نشین کو جاگیرداریں عطا کیں۔ گردیزی خاندان ملتان کے قدیم قریشی اور گیلانی خاندان سے کیں پیچھے رہا ھے۔ اس نے اپنا سیاسی کردار ختم نہیں کیا۔ اس خاندان کے آستانے آج بھی ہر سال محرم الحرام کے ماہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں تعزیہ، جلوس، اور مجالس کا انقعاد کرتے ہیں۔ اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ۔ لاکھوں کی تعداد میں اہل تشیع ایران اور عراق جا کر روزہ امام حسین کی زیارت کرتے ہیں۔ اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ۔ قیام پاکستان سے پہلے گردیزی خاندان انگریزوں سے بہت سی مراعات لیتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ان کے سپوت گورنمنٹ میں کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں ۔ ان کا ماضی اور مستقبل تابناک ہے۔

گردیزی خاندان عرصہ دراز سے ملتان کی سیاسی تاریخ میں مقبول رہا ہے قیام پاکستان سے پہلے اور بعد اس خاندان کے اہم افراد ملتان کی سیاسی تاریخ کا حصہ رہے ہیں ضلع کی سطح کی سیاست ہو یا ملکی سطح کی سیاست ہو اس خاندان نے پھر پورا کردار ادا کیا ہے گو گردیزی خاندان سیاسی لحاظ سے ملتان کے قدیم گیلانی اور پھر قریشی خاندان سے کہیں پیچھے رہا ہے لیکن اپنا سیاسی کسی کردار ختم نہیں کیا بلکہ اپنے اس کردار کو بڑھانے کی کوشش کرتا رہا اور اقتدار میں اپنا حصہ قائم رکھا قیام پاکستان کے بعد سید علی حسین گردیزی دولتانہ حکومت میں وزیر بھی رہے اس کے بعد ان کے بھائی ڈاکٹر سید علی رضا گردیزی نگران حکومت میں وزیر صحت رہے آج کل سید حسین جہانیاں گردیزی صوبائی حکومت میں شامل ہیں اس کے علاوہ سید ولایت حسین گردیزی بھی نگران پنجاب حکومت میں وزیر خوراک رہے اس کے برعکس گردیزی خاندان میں دنیاوی اقتدار کے برعکس

نظریاتی سیاست کرنے والوں کی کمی نہیں ان میں سرفہرست سید قسور گردیزی مرحوم کا نام آتا ہے صفوں نے ہمیشہ ترقی پسند سیاست کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور ایوبی آمریت یا بھٹو کا اقتدار ہو یا ضیاء الحق کا مارشل لاء ہو۔قسور گردیزی مرحوم نے ہر دور ہیں نظریات کی حفاظت کے لیے قید وبند مشقتیں برداشت کیں اس علاوہ سید صاحب علی شاہ گردیزی بھی نظریاتی علم لیگی رہنما تھے مجموعی طور دیکھا جائے تو گردیزی خاندان میں باشعور سیاسی شخصیات کی کمی نہیں بلکہ اس خاندان کی ہر دور میں سیاسی نشونما ہوتی رھی اور خاندان ہیں ضلعی سطح پر زیادہ سے زیادہ اور عکس سطح پر برائے نام سیاست کی۔

لغاری خاندان:۔

قوم لغاری میر چاکر کے ہمراہ ہندوستان آئے ان کی سرداری پندرہ یا سولہ پشتوں سے ایک ہی شاخ میں چلی آتی ہے (۵۷)۔ لغاری اپنے سردار میر رندو خان کے ساتھ دریائے اٹک کے کنارے جہاں کا غازی خان دائی اول حاکم تھا۔ واپس موضع چوٹی آ گئے۔ رندو خان کی قبراب تک چوٹی زیریں کے قریب موجود ہے۔ یہ بالکل مغلیہ طرز کی بنی ہوئی قبر ہے

اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں جب بلوچ خان تمندار تھا۔ لغاری قوم کا تالپور فرقہ اپنی اصلی قوم سے علیحدہ ہو کر شمالی سندھ میں چلا گیا اور ان کے سردار شہداد خان نے وہاں کے رئیس غلام شاہ کلہوڑہ کے پاس جا کر پناہ لی۔ تالپور نے 1772ء یں جب کلہوڑوں کو نکال دیا تو ان کا آخری حاکم عبدالنبی بھاگ کر ڈیرہ جات کی طرف چلا گیا اسطرح تالپور خان شمالی سندھ میں آباد ہو گیا (۵۸)

لغاری خاندان کی ایک شاخ برکھان کہلاتی ہے اور بلوچستان میں آباد ہے۔ جب ڈیرہ غازی خان پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو ایک لغاری سردار محمد خان بھاگ کر لغاری برکھان میں چلا گیا۔ جہاں ان کے ہاں جمال خان پیدا ہوا۔ لغاری جلد ہی سکھوں کے حلیف بن گئے اور ساون مل کر ساتھ ملا کر اپنے پرانے حریفوں گورچانیوں اور کھوسوں سے انتقام لینے میں کامیاب رہے۔ چٹا خان گورچانی کے بھتیجے نے لغاری خاندان سے مل کر اپنے چچا سے تمنداری چھین لی۔ رحیم خان لغاری کے ایک بیٹے کو گورچانیوں نے بہاولپور میں پہنچ کر قتل کر دیا۔ رحیم خان کو مزاریوں کی امداد سے بہاولپور پہنچا دیا۔ جہاں نواب بہاولپور نے صادق آباد کی ایک تحصیل رحیم آباد کے مقام پر ایک جاگیر دے دی (۵۹)

رحیم خان کے دو بیٹے غلام حیدر خان اور میر عالم خان جو وہیں بہاپور رہے۔ اور باپ کی جاگیر انہیں ملتی رہی 1848ء میں انگریز ایڈورڈس نے ڈیرہ غازی خان پر اپنا تسلط جما لیا تو جلال خان 80 آدمیوں کے ساتھ ان کے پاس آیا مگر چونکہ لغاری اور کھوسوں کے درمیان عداوت تھی اس لئے اس کی رفافت تکلیف دہ ثابت ہوئی گو اس وقت جمال خان تمندار تھا۔ (۶۰)

مگر قوم کے لوگ جلال خان کو زیادہ پسند کرتے تھے اور بلوچوں میں یہی زیارہ مشہور تھا۔ اس نے آبپاشی کے بارے میں بہت سے تجویز یں اختیار کیں۔ اور عوام کو مفید مشورے دیئے۔ اس نے دھنڈی 'مانکا اور نور نہروں کو وسیع کرنے اور بمقام چوٹی بالاتر کاریز بنانے کی تجویزیں کیں۔ اور بہت پیسہ خرچ کیا

۔کھیرانوں پر بھی اس نے اپنا خاص رعب رکھا اور انگریزی کے فائدے کے لیے سرحد پر مفید خدمات سرانجام دیں۔(٦١)

تنقیدی جائزہ:۔

لغاری خاندان بلوچوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے شروع میں سکھوں کی مخالفت کی اور بعد میں ان کے حلیف بن گئے لغاری خاندان کی سیاسی تاریخ مزاری خاندان سے زرہ مختلف ہے۔انگریز سامراج کے گما شتوں سے نبرآزما ہونے کی بجائے لغاری قبائل کے لوگ اپنے ہی گورچانی اور کھوسوں سے لڑتے رہے ۔سیاسی طور پر تجزیہ کیا جائے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ لغاری گورچانیوں اور کھوسوں کی آپس لڑائی سے مسلم امہ کے اتحاد کو اس زمانے میں نقصان پہنچا اور برطانوی سامراج کی (Devide & Rule) کی مکارانہ پالیسی کو تقویت ملی یوں برطانوی حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے گئے اور آنے والے وقتوں میں تاج برطانیہ سے ہمہ قسم فوائد حاصل کئے گئے۔

سید خاندان:۔

جھنگ کی سیاست پر شاہ جیونہؒ کے گدی نشینوں کے اثرات بڑے گہرے ہیں حضرت شاہ جیونہؒ کا اصل نام محبوب عالم تھا ان کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ وہ عرب سے بخارا سمرقند' عراق اور ایران سے ہوتے ہوئے اسلام کی تبلیغ کے لیے برصغیر آئے اور ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے قریب قیام پذیر ہوئے وہ بہت عالم فاضل اور فقیر منش انسان تھے۔ان کا ایک روایت ہے کہ انہوں نے دریائے چناب میں کھڑے ہوکر ایک کروڑ مرتبہ سورۃ مزمل پڑھی تھی جس کی وجہ سے انہیں کروڑیہ بھی کہا جانے لگا جس زمانے کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں ہندوستان پر غیاث الدین بلبن کی اور جھنگ اور اس کے نواح میں سمرو خاندان کی حکومت تھی۔ سمرو راجہ کے اکلوتے بیٹے کو ان کے دشمنوں نے خنجر سے اس طرح گھائل کیا تھا کہ اس کا سینہ چاک ہوگیا حکیموں اور طبیوں نے جواب دے دیا والدہ نے کسی سے شاہ جیونہ کا نام سنا کہ اللہ کے بزرگ ہیں جو دعا کرتے ہیں قبول ہوجاتی ہے انہیں عزت واحترام سے بلوایا گیا اور معجزہ یہ ہوا کہ انہوں نے وہ چاک سینہ' ہاتھ سے سی دیا اس حوالے سے انہیں ''شاہ جیونہ پائے سیونا'' بھی کہا جاتا ہے اس طرح ایک مرتبہ ان کے بیٹے پیر لاھن امام کھیل رہے تھے۔ کہ کفار نے حملہ کردیا۔پیر امام بچے تھے انہیں قریب ہی ایک مٹی کی دیوار نظر آئی اسی پر چڑھ گئے اور کہنے لگے ''چل مجھے لے کر بھاگ چل یہاں سے'' راستے میں ایک زہریلا سانپ نظر آیا تو آپ نے اسے ایک چابک کے طور پر استعمال کیا۔ یہ دیوار آج بھی شاہ جیونہ کے علاقے مین موجود ہے شاہ جیونہ کی ولایت کی وجہ سے ان کی اولاد مرجع عقیدت ہے۔

اس واقعہ کے پانچ سو سال بعد سید عابد حسین وزارتوں کی دیوار پر بیٹھ گئے۔ اس کے باوجود کہ وہ مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بھی نہ تھے' اقتدار کی یہ دیوار حرکت میں آ گئی اور 1958ء تک گھوڑے کی طرح دوڑتی پھرتی رہی اور سید عابد حسین صاحب اس گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر شاہ سواری کے کمالات دکھاتے رہے اور وزارتیں ان پر قربان ہوتی رہیں۔

یہاں کے زمیندار گھرانوں کی جاگیریں زیادہ تر سکھی عہد یا انگریز کی یادگاریں ہیں۔ سکھ دور میں جن دو سید خاندانوں کو سکھی دور میں خاصی بڑی زمینداریاں میسر آئیں' وہ رجوعہ اور شاہ جیونہ خاندان تھے۔ برطانیہ کے عہد میں 1856ء میں زمینوں کا پہلا بندوبست ہوا۔ اس وقت تک نہریں نکالی گئی تھیں اور بڑی حد تک بے آباد دیئے گئے۔ انگیریز نے یہ تقسیم قبیلہ وار کی تھی۔ جو قبیلہ عددی لحاظ سے زیادہ مضبوط اور انگریزوں کا

زیادہ وفادار ہوتا تھا' اس کے نام سے بے آباد زمینوں کے وسیع رقبے کردیئے جاتے۔ رجوعہ اور شاہ جیونہ خاندان اسی پالیسی کے تحت بڑے بڑے رقبوں کے مالک بن گئے۔ (۶۴)

تنقیدی جائزہ:۔

جھنگ کے سید خاندان نے لوگوں کی روحانی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ سید خاندان نے علاقے کے لوگوں کی روحانی طبیعت میں نہایت اہم کردار ادا کیا اس خاندان کے بزرگوں نے کافی تعداد میں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اس کے برعکس بعد میں آنے والے گدی نشینوں نے انگریز حکومت سے سیاسی تعاون کیا اور بہت سی ممکن حد تک مراعات حاصل کیں۔ جن میں زمین اور اعلیٰ پائے کے انتظامی مقالد شامل تھیں ان کا سلسلہ مریدین جاری اور ساری ہے۔ کثیر تعداد میں ان کے ووٹ بنک کا جواز بنتے ہیں آج بھی اس خاندان کے سپوت اقتدار کا حصہ ہیں۔

نون خاندان:۔

قوم نون زیادہ تر تحصیل شجاع آباد میں ہے بیان کیا جاتا ہے۔کہ یہ قوم اصل میں راجپوت ہے اس قوم کے مورث اعلیٰ راجہ راج ودھن حضرت مخدوم جہانیاں اوچوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔بعض کہتے ہیں کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ نانوں نامی تھا جس نے اسلام قبول کیا اور یہ خاندان اس کے نام پر مشہور ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ اس خاندان کے بزرگ پہلے تھانہ داہن (تھانہ بھون) علاقہ دہلی سے اس طرف آئے تھے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صوبہ یوپی میں ایک مشہور قصبہ ہے اور غالباً یہی مقام ہوگا جہاں سے یہ لوگ ہجرت کر کے اطراف ملان میں آباد ہوئے تھانہ داہن کے نام کا کوئی قصبہ اطراف دہلی میں نہیں سنا گیا یہ لوگ ملازم پیشہ تھے اور مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں اس خاندان کے بزرگوں نے کارہائے نمایاں کئے رانا کا خطاب بھی اس قوم کے کسی سردار کو اسی زمانہ میں عطاء ہوا چنانچہ اب تک اس قوم کے لوگ اپنے آپ کو رانا کہتے ہیں۔تاریخ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ تخمیناً چار،پانچ سو برس ہوئے اس خاندان کے چھ آدمی رانجھا،حنا،علی شیر،عمر،لانگا اور ویلن کسی ہنگامہ میں مفرور ہو کر یہاں آئے۔ایک قطعہ زمین ویران وغیرہ آباد پڑا تھا۔وہاں آ کر باجازت حاکم وقت آباد ہو گئے اور موقع کا نام بنگالہ دکھا۔پھر اسی رقبہ میں پانچ گاؤں اور آباد کئے جن کا نام نصیر پور،موہن پور،گجوہٹہ،وہوندوں اور بخت واہ کے احداث کی وجہ سے یہ علاقہ سرسبز اور شاداب ہو گیا اور اس خاندان نے دو گاوں اور بستی داداور ماڑی نون کے نام سے آباد کئے۔آج تک ان دیہات میں یہی قوم مالک وقابض چلی آتی ہے۔ان مواصغات کے علاوہ گجوہٹہ کا ایک حصہ علیحدہ ہو کر بستی مٹھو کے نام سے آباد ہوا۔گردیز پور،بستی داد،ہانونی،ٹوڈر پور،میں بھی قوم نون کی ملکیت موجود ہے۔رانا احمد یار خان مرحوم اس قوم میں نہایت معزز،ایماندار اور قابل اعتبار شخص تھے۔سرکار انگلیشہ میں ان کی بہت قدر و فزات تھی اور وہ علاقہ کے ذیلدار تھے۔بستی مٹھو کو رانا مٹھو نے اپنے نام سے آباد کیا تھا۔موجودہ خاندان میں رانا مٹھو اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے جو بستی مٹھو،نصیر پور اور بستی داداں کے تین لڑکے تھے۔رانا گاماں،رانا سوہانرا،رانا پیارا،رانا گاماں مرحوم کی صرف تین لڑکیاں تھیں اولاد نرینہ کوئی نہ تھی۔رانا سوہانرا کا ایک لڑکا رانا احمد یار تھا اور رانا پیارا کے تین لڑکے رانا یار محمد،رانا گل باز اور رانا پلپہ المعروف کریم بخش تھے۔یہ لوگ سرکار انگلیشہ کے ممد ومعاون تھے۔جب زیلداروں اور نمبرداروں کی تقرریاں عمل میں آئیں۔تو رانا احمد یار زیلدار مقرر ہوئے۔آج تک یہ عہدے اسی خاندان میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔(۶۳)

تنقیدی جائزہ:۔

1947ء سے پہلے اس خاندان کا کردار بہت کم ہے اصل کردار ان کا 1947ء کے بعد شروع ہوتا ہے جواب تک جاری وساری ہے انھوں نے اپنے علاقے شجاع آباد اور اس کے مضافات میں انھوں نے بہت نام کمایا۔

حوالہ جات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	پبلیشرز	تاریخ	صفحہ
۱۔سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جاذب پبلیشر	1995	485-86
۲۔ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر	"The Indian Musalmans"	کلکتہ،کامریڈ پبلیشرز		3
۳۔الطاف حسین حالی	حیات جاوید	لاہور اکیڈمی پنجاب	1957	145
۴۔رام گوپال	Indian Muslims	بمبئی ایشیا پبلشنگ ہاؤس		16
۵۔بحوالہ ہنٹر،				172
۶۔امین زبیری	سیاست ملیہ	آگرہ	1941	5
۷۔بحوالہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر				172
۸۔محمد سرور	An Autobiographical Sketch of Mohammad Ali			73
۹۔	A Short History of Pakistan	کراچی یونیورسٹی جلد چہارم	1967	147
۱۰۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	148
۱۱۔الطاف حسین قریشی	ہفت روزہ زندگی	تحریک پاکستان	1972	105
۱۲۔تہمینہ درانی	مینڈا سائیں	سنگ میل لاہور	1990	341-351
۱۳۔سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جاذب پبلیشر	1995	289-292
۱۴۔ذوالفقار ڈاکٹر غلام حسین	پنجاب تحقیق کی روشنی میں	لاہور	1991	129
۱۵۔لطیف سید محمد	تاریخ پنجاب (مترجم افتخار محمود)	لاہور	1996	59-60
۱۶۔اعظم محمد ڈاکٹر،	تحریک پاکستان میں پنجاب کا کردار	کراچی	1996	14
۱۷۔آسبرن، ڈبلیو۔جی	رنجیت سنگھ کا دربار (مترجم نواب ذوالفقار علی خان لاہور		1991	6
۱۸۔خان سید احمد	رسالہ اسباب بغاوت ہند	لاہور	1997	42
۱۹۔ایضاً	//	//	//	246
۲۰۔سر لیپل ہیچ گرفین، کرنل میسی	تذکرہ روسائے پنجاب	سنگ میل لاہور	1993	492-93-94
۲۱۔عقیل عباس جعفری	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز اشاعت اول کراچی	1993	280-279
۲۲۔شکیل بتانی	مزاری قوم کی مختصر تاریخ	ماہانہ عصائے کلیم کوٹ مٹھن	1993	45-47
۲۳۔اے آر شبلی	پاکستان کے دیہہ خدا	لاہور	1996	177-7
۲۴۔اجمل مزاری	سیاست کے فرعون کا تنقیدی مطالعہ	ہفت روزہ قومی اخبار نیوز میگزین کراچی	1993 مارچ	18
۲۵۔سر لیپل ہیچ گرفین کرنل میسی	0 تذکرہ روسائے پنجاب	سنگ میل لاہور	1993	555-57
۲۶۔جی ایل چوپڑہ	1 چیف اینڈ فیملیز آف دا پنجاب	لاہور	1995	416
۲۷۔ ایضاً	//	//	//	//
۲۸۔سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جاذب پبلیشر	1995	315-19
۲۹۔ظفر جھنڈیر اکبر رانا	تاریخ راجپوت	کراچی	1980	76-77
۳۰۔اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جاذب پبلشر	1995	482-83
۳۱۔زاہد چوہدری	مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء	ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور	1993	110-11
۳۲۔عقیل عباس جعفری	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز کراچی	1993	137-38

۳۳۔سید عباس حسین گردیزی تاریخ ملتان سید حریاحی گردیزی شاہ گردیز ملتان 1982 32-33

۳۴۔سر لیپل ایچ گرفین کرنل میسی تذکرہ روسائے پنجاب سنگ میل لاہور 1993 561

۳۵۔مہر، غلام رسول ۱۸۵۷ء لاہور سن ندارد 446

۳۶۔ملک، عبداللہ پاکستانی فوج کی ابتداء لاہور 1988 142

۳۷۔شبلی بحوالہ سابقہ 57

۳۸۔یہ شادی ۳۰ اپریل ۱۹۱۵ کو میونسپل کمشنر حاکم علی کی صاحبزادی سے لاہور میں سرانجام پائی۔(عزیز الحق قریشی، بحوالہ سابقہ)

۳۹۔عزیز الحق قریشی، بحوالہ سابقہ

۴۰۔ایضا

۴۱۔ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار لاہور 1996 69

۴۲۔Feldman The political System of pakistan آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1955 23-66

۴۳۔نور احمد، سید مارشل لاء سے مارشل لاء تک لاہور 1967 60

۴۴۔ایضاء ایضاً ایضاً ایضاً 71

۴۵۔ایضا ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

۴۶۔ Khurshid, op. cit., 204

۴۷۔میاں محمد شاہنواز لاہور کے ایک مشہور ایڈوکیٹ تھے اور بیگم آرا شاہنواز کے شوہر تھے۔بیگم جہاں آرا شاہنواز نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔(نور احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۷۱)

۴۸۔حامد علی خان، مولانا اردو جامع انسائیکلوپیڈیا لاہور 1987 1112

۴۹۔ادیب، ہمایوں پنجاب اور ممدوٹ لاہور 1987 61

۵۰۔ایضا ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

۵۱۔ایضاء ایضاً ایضاً ایضاً 60

۵۲۔ٹالبوٹ، آئین خضر حیات ٹوانہ (مترجم طاہر کامران) لاہور 1998 105

۵۳۔ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

۵۴۔ادیب، ہمایوں پنجاب اور ممدوٹ لاہور 1987 65-66

۵۵۔اعوان، ایم جے تحریک آزادی میں پنجاب کا کردار راولپنڈی 1993 105-106

۵۶۔ادیب، ہمایوں پنجاب اور ممدوٹ لاہور 1987 63

۵۷۔مشتاق احمد Government and politics in pakistan کراچی 1970 162

۵۸۔فضل حسین کا موقف تھا کہ میری جماعت یونینسٹ پارٹی غیر فرقہ وارانہ ہے اگر میں صرف مسلم بلاک کی طرف داری کروں یعنی اسمبلی کے اندر اپنے مسلم اراکین کو مسلم لیگ کا نمائندہ قرار دوں تو میری جماعت کے مقاصد کے خلاف بات ہوگی۔اسمبلی سے باہر میں جناح کے ساتھ ہوں۔(عزیز الحق قریشی، بحوالہ سابقہ)

۵۹۔چارلس ایلسن روسائے بااختیار و خاندان لاہور 1970 378-79

حصہ دوم (ترجمہ لالہ بھگوان داس)

۶۰۔اے آر شبلی پاکستان کے دیہہ خدا لاہور 1996 180

۶۱۔احمد سلیم دی تھنڈارز آف دی لغاری ڈرائب ہفت روزہ فرائیڈے ٹائمز لاہور 1993 13

۶۲۔چارلس ایلسن روسائے بااختیار و خاندان لاہور 1970 381-82

حصہ دوم (ترجمہ لابھگوان داس)

۶۳۔خالدہ یوسف سیاست نے کھی میرے گھر کی دلیز جمعہ میگزین روزنامہ جنگ لاہور نومبر 1993 02
پارٹیں کی (خصوصی امرو یوفیصل صالح حیات)

باب سوئم

تحریک پاکستان میں ملتان کے سیاسی قائدین کا حصہ

1857ء تا 1947ء

تعارف:۔

قیام پاکستان میں ملتان کے سیاسی قائدین کا کردار محقق نے قائدین کا لفظ ارادی طور پر استعمال کیا ہے قائدین کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص یا اشخاص جو قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہوں اپنے ملک میں رہتے ہوئے اس کی خدمت کا جذبہ مجزن ہو بروقت فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہوں جذبہ اپنے ملک کی خدمت ہو سیاسی قائدین کہلاتے ہیں۔مثلاً برصغیر کے قائداعظم محمد علی جناح،نواب لیاقت علی خان،سردار عبدالرب،سردار پٹیل، گاندھی،مولانا ابوالکلام آزاد،مولانا محمد علی جوہر،مولانا شوکت علی۔ملتان کے خواجہ عبدالرشید صدیقی،خواجہ غلام قادر صدیقی،غلام قادر خان ترین،سید صدرالدین شاہ گیلانی،شیخ محمد صدیق بابر بیرسٹر،قاضی مسعود احمد انصاری سید زین العابدین شاہ گیلانی،قاضی عبدالواحد،مولانا عبدالتواب یہ وہ قائدین ہیں جنھوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ملتان کے سیاسی خانوادے اس کے علاوہ ہیں۔جن کا ذکر اس باب میں کر دیا گیا ہے۔ملتان کے قائدین گو کہ سرمایہ دار نہیں تھے مگر ان میں جذبہ آزادی موجود تھا۔

پنجاب پر برطانوی قبضہ کے محرکات اور اثرات

۱۸۶۱ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے پہلا انڈین کونسلز ایکٹ منظور کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کی امداد کے لیے قانون ساز کونسلیں مقرر کی جائیں۔چنانچہ اسی سال کلکتہ میں گورنر جنرل اور مدارس اور بمبئی میں گورنروں کی کونسلوں کا تقرر ہو گیا بنگال کے صوبائی گورنر کے لیے ۱۸۶۲ء میں کونسل کے تشکیل ہوئی اور یو۔پی میں یہ مشاورتی قانون ساز ادارہ ۱۸۶۶ء مین بنا لیکن پنجاب کے سرحدی صوبے کو اس آئینی رعایت سے محروم رکھا گیا۔اس وجہ یہ تھی کہ اگرچہ برطانوی سامراج نے ایران اور افغانستان پر اپنی بالا دستی قائم کر کے ہندستان کی جانب روسی سامراج کی پیش قدمی کا سدباب کر دیا تھا لیکن یہ خطرہ ابھی پوری طرح ٹلا نہیں تھا۔ روسیوں کے لیے سنکیانگ کا راستہ ابھی تک کھلا تھا۔انگریزوں نے چین کے اس صوبے میں ۱۸۶۳ء ایک مقامی جاگیردار یعقوب بے کی وساطت سے ایک ''آزاد بفر سٹیٹ'' قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر حکومت چین نے روس

کی امداد سے اس کوشش کو ناکام بنادیا تھا۔مزید برآں جنگ آزادی یا ''غدر'' کے دوران باغی عوم اور مقام حکمرانوں نے روسی امداد کی توقع کی تھی۔لہٰذا پنجاب پر ایک آمر مطلق لیفٹیننٹ گورنر کی استبداری حکومت قائم رہی اور دہلی کاعلاقہ بھی اس صوبہ میں شامل کردیا گیا۔(۱)

پنجاب میں صوبائی حکومت کی انتظامیہ کسی قانون' ضابطے' اور قاعدے کی پابند نہیں تھی اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس سرحدی صوبہ میں بہرقسمت امن وامان قائم رکھا جائے اور کچھ اس طرح کا نظام اراضی رائج کیا جائے کہ کسانوں میں کوئی بے چینی نہ پھیلنے پائے دیہاتی علاقوں میں پٹوایوں' گرداوروں' نمبرداروں' ذیلداروں' سفید پوشوں' تھانیداروں اور تحصیل داروں وغیرہ پر مشتمل ایسے انتظامی ڈھانچے کی تعمیر کی جائے کہ کسانوں میں بدامنی کا امکان پیدا نہ ہونے پائے۔فوجی ڈپٹی کمشنروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ خود گھوڑے پر اپنے ضلع کے سارے علاقوں کا دورہ کرتے رہیں اور اس طرح امن وامان کی صورتحال پر گہری نظر رکھیں۔پنجاب کی یہ حکومت اس قدر استبداری تھی کہ سرسید احمد خان نے یہ فیصلہ کرکیا تھا۔کہ ریٹائر ہونے کے بعد اپنے آبائی شہر دہلی میں رہائش اختیار نہیں کریں گے۔انہوں نے اپنی سائنٹیفک سوسائٹی اور سکول کے لئے بھی علی گڑھ کا انتخاب محض اس لیے کیا تھا کہ یہ قصبہ پنجاب کی حکومت کے ماتحت نہیں تھا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں سرسید احمد خان ماضی وحال کی ایسی شخصی حکومتوں کی سخت مذمت کیا کرتے تھے۔جو کسی قانون وضابطہ کی پابند نہیں ہوتی تھیں' سرسید کی یہ باتیں صرف زبانی ہی نہ تھیں بلکہ غدر کے بعد انہوں نے اس بات کا عملی ثبوت بھی دیا تھا۔کہ جہاں انتظام ملک کا قانون پر نہیں بلکہ زیادہ تر حکام کی زبان پر ہو وہاں رہنا وہ ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔کیونکہ غدر کے بعد جبکہ قسمت دہلی صوبہ شمال مغربی (یو۔پی) سے نکال کر صوبہ پنجاب کے ساتھ ملحق کی گئی' انہوں نے دہلی کی سکونت فوراً ترک کردی اور اپنے تمام بڑے بڑے کاموں کا مرکز علی گڑھ کو قرار دیا۔ یہاں تک کہ ۱۸۶۶ء میں جبکہ سرڈونلڈ مکلوڈ صاحب (DONAL MACLEOD) لیفٹیننٹ گورنر صوبہ پنجاب نے دہلی میں دربار کیا جس میں سرسید کو بھی علی گڑھ سے بلایا گیا تھا تو سرسید سے پرائیویٹ ملاقات کے وقت صاحب ممدوح نے اس بات کی سخت شکایت کی کہ تم نے سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ میں جاکر قائم کی اور اپنے قدیم وطن دہلی کو اس کے فوائد سے محروم رکھا سرسید نے کہا کہ میں پنجاب گورنمنٹ کو جیسی کہ وہ اب ہے ایک ڈسپاٹک گورنمنٹ کو جیسی کہ وہ اب ہے ایک ڈسپاٹک گورنمنٹ کا

نمونہ سمجھتا ہوں اور اس لیے جبکہ قسمت دہلی پنجاب میں شامل ہوگئی میں دہلی میں رہنا پسند نہیں کرتا۔اس کے قریب قریب انہوں نے ۱۸۶۹ء میں لفز پیٹرک صاحب (DFIZPATRICK) سے جو دلی میں ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے اور آخر کو پنجاب لیفٹیننٹ گورنر ہوئے انگلستان جاتے ہوئے جہاز میں تقریر کی تھی جس کا ذکر انہوں نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن پنجاب کے انتظام کی بھلائی برائی کا ذکر آ گیا میں نے کہا ہاں ایک ڈسپاٹک گورنمنٹ ہے اور بلاشبہ سکھوں کی عملداری سے ہزار درجہ بہتر ہے لیکن شاید پنجاب کے لوگ اس سے خوش ہوں کیونکہ ان کو آگ (یعنی سکھوں کی عملداری) میں سے نکال کر دھوپ میں بٹھا دیا ہے مگر ہم لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غدر میں جہاں اور سزائیں اہل دہلی اور اس کے متعلق اضلاع کو دی گئیں منجملہ ان سزاؤں کے ایک یہ بھی سزا ہے کہ دہلی اور اس کے متعلق اضلاع میں پنجابی انتظام کیا گیا اور بے قانونی ملک بنا دیا گیا''۔اس کے بعد وہ سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ ''حقیقت میں اب وہ زمانہ نہیں رہا جس میں ڈسپاٹک گورنمنٹ کو لوگ پسند کرتے تھے اور نہ اب وہ بھلائیاں ہیں جو ہزاروں برائیوں کے ساتھ اگلے زمانے کی ڈسپاٹک گورنمنٹ میں ملی ہوئی تھیں اور جن سے ان برائیوں کا علاج ہوتا تھا۔چورگ زن کی جراح و مرہم نہ ہت۔اب اس کا ہونا کسی ڈسپاٹک گورنمنٹ میں ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بجائے کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کے ڈسپاٹک گورنمنٹ جیسی کہ قدیم سے تھی زیادہ تر مفید ہوگی وہ نہایت غلطی میں ہیں''۔(۲)

جب جنوری ۱۸۶۸ء میں لارڈ ڈربی (DERBY) کی جگہ بنجمن ڈسٹرائیلی (DENJAMIN DISRAELI) برطانیہ کا وزیر اعظم بنا تو پنجاب کی حکومت کی سخت گیری میں اور بھی اضافہ ہوگیا کیونکہ اس کی فارورڈ پالیسی کا تقاضا یہ تھا کہ ہندوستان کو روس کی دستبرد سے بچانے کے لیے نہ صرف برصغیر کے شمال مغربی سرحدی علاقوں میں باغیانہ سیاسی رجحانات کا سدباب کیا جائے بلکہ ان سرحدی علاقوں میں آگے بڑھ کر دفاعی مورچے بنائے جائیں۔اگرچہ اسی سال شمالی علاقے میں سید احمد بریلوی کے پیروکاروں کی تحریک جہاد ختم ہوگئی تھی کیونکہ انگریزوں نے اس تحریک کا قلع قمع کرنے کے لیے سولہ مرتبہ فوجی کاروائی کی تھی لیکن روسیوں نے سمرقند پر قبضہ کرلیا تھا اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۶۹ء میں انہوں نے ترکستان پر اپنی حکمرانی قائم کرلی تھی۔

۱۸۷۰ء میں انگریزوں نے بالآخر ہندوستان میں اپنی اینٹی مسلم پالیسی میں تبدیلی کی کیونکہ اس وقت تک کلکتہ اور مدارس اور بمبئی میں ہندوؤں کا ایک ایسا بورژوا طبقہ وجود میں آ گیا تھا جو نہ صرف زیادہ اعلیٰ ملازمتوں کا مطالبہ کرتا تھا بلکہ سیاسی حقوق کی بھی اپیلیں کرتا تھا۔ حکومت برطانیہ کی منظوری سے وائسرائے لارڈ میو (MAYO) کی جانب سے حکومت ہند کی پالیسی میں اس تبدیلی کا مقصد یہ تھا کہ شکست خوردہ اور پست حوصلہ مسلمانوں کی قدرے سرپرستی کی جائے تا کہ ہندوؤں کے روز افزوں عزائم کا سیاسی طور پر سدباب ہو سکے۔ تاہم پنجاب کی مسلم اکثریت اس نئی پالیسی کی افادیت سے محروم رہی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حکومت ہند اس صوبہ کے مسلمانوں کو کوئی خاص رعایت دے کر سکھوں کو ناراض کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ سکھوں نے صرف غدر کے زمانے میں انگریز کی موثر امداد کی تھی بلکہ اب بھی وہ ان کی مقامی فوج میں اہم عنصر کی حیثیت رکھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اس صوبہ میں مطلوبہ معاشرتی اور تعلیمی سہولتیں مہیا کر کے ایسی سیاسی بیداری کا سامان مہیا نہیں کرنا چاہتے تھے جو بالآخر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

روسیوں نے ۱۸۷۰ء میں وسطی ایشیاء میں اپنا اقتدار مستحکم کر کے سنکیانگ میں دخل اندازی شروع کر دی تھی۔ اس صوبہ میں چین کی مرکزی حکومت کا کبھی موثر کنٹرول نہیں رہا تھا اور اس کا اس سے رابطہ روس کے علاقے سے گذر کر ہوتا تھا۔ چونکہ اس صوبہ کی معیشت کا زیادہ تر انحصار روس کے ساتھ تجارت پر تھا اس لیے روسی فرمانرواؤں نے پہلے تو سنکیانگ میں تجارتی مراعات حاصل کیں اور پھر انہوں نے یہاں سیاسی مراعات کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں روس اور برطانیہ کے مفادات میں تصادم ہونا ناگزیز تھا۔ روس نے مشرقی وسطیٰ اور شمالی چین میں جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی اس سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اس کی نظریں خلیج فارس، بحیرہ عرب اور چینی ترکستان پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ بحیرہ عرب میں گرم پانی کی بندرگاہ کے لیے ترستا تھا۔ اسی زمانے میں یعنی پہلے ۱۸۶۵ء میں اور پھر ۱۸۷۰ء میں ریاست جموں کشمیر کے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے برطانیہ کے خلاف روسی زار کی امداد حاصل کرنے کے لیے اپنے وفود تاشقند بھیجے۔[۴] اگست ۱۸۷۳ء میں روس نے خیوا اور بخارا پر اپنا اقتدار اعلیٰ قائم کر لیا تھا اور جنوری ۱۸۷۴ء میں اس نے جبری بھرتی کا قانون نافذ کر دیا تھا۔ کیونکہ اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ ''یورپ کا مرد بیمار'' یعنی ترکوں کی سلطنت عثمانیہ اس کے بازوؤں پر دم توڑنے ہی والا ہے۔ اس کا یہ یقین

بے بنیاد نہیں تھا کیونکہ بیرونی قرضوں کے باعث ترکی کی معیشت بالکل تباہ ہو چکی تھی چنانچہ آٹھ دس ماہ بعد یعنی دسمبر ۱۸۷۶ء میں یہ سلطنت بالکل دیوالیہ ہو گئی تھی۔

۱۸۷۷ء میں پنجاب میں کچھ بورژوا سیاسی سرگرمی کا آغاز ہوا جب بنگال کے ایک لیڈر سریندر ناتھ بینرجی نے یہاں آ کر لاہور انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جبکہ روس بلقان کی جنگ میں مصروف ہو گیا تھا۔ یہ ایک بنگالی کی جانب سے پنجاب میں آخر اسی قسم کی کاروائی کرنے کا پس منظر یہ تھا کہ چونکہ پنجاب تعلیمی لحاظ سے بہت پسماندہ تھا اس لیے یہاں کی چھوٹی بڑی ملازمتوں میں بنگالیوں کو خاصی نمائندگی حاصل تھی اور وکالت کے پیشہ پر بھی بنگالیوں کی اجارہ داری تھی۔ لیکن یہ لاہور انڈین ایسوسی ایشن زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ ۱۸۸۵ء میں یہاں انڈین نیشنل کانگرس کی شاخ قائم ہوئی لیکن آٹھ دس سال تک اس کی حیثیت دانشوروں کے محض ایک تفریحی کلب سے زیادہ نہیں تھی۔ البتہ اس دوران دیانند سرسوتی کی زیر قیادت ۱۸۷۵ء میں ہندوؤں کی احیائی تحریک آریہ سماج شروع ہوئی تھی جس نے ۱۸۸۹ء تک خاصا فروغ حاصل کر لیا تھا۔

۱۸۹۲ء میں ایک اور انڈین کونسلز ایکٹ کے تحت گورنر جنرل اور گورنروں کی کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ ان کونسلوں کی مخصوص نشستوں کے لیے پبلک ایسوسی ایشنوں، میونسپل کمیٹیوں اور دوسرے پبلک اداروں کے ذریعے بالواسطہ انتخاب ہو گا۔ لیکن پنجاب میں اس وقت بھی کسی قسم کی آئینی اصلاحات کی ضرورت محسوس نہ کی گئی وجہ یہ تھی کہ روس ۱۸۹۱ء میں ہندوستان کی سرحد کے نزدیک پامیر کے علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ البتہ ۱۸۹۷ء میں پنجاب پر پہلی مرتبہ "مہربانی" کی گئی اور صوبائی گورنر کے لیے ۹ نامزد ارکان کی ایک کونسل مقرر کی گئی۔ اس نامزد کونسل کی حیثیت محض مشاورتی اور نمائشی تھی کیونکہ کوئی تعزیری قانون گورنر جنرل اور وزیر ہند کی پیشگی منظوری کے بغیر اس کے روبرو پیش نہیں کیا جا سکتا تھا اور جب یہ کونسل کوئی غیر تعزیری قانونی منظور کرتی تھی تو اس کا اس وقت تک نفاذ نہیں ہو سکتا تھا جب تک لیفٹیننٹ گورنر اور گورنر جنرل اس کی منظوری نہیں دے دیتے تھے۔ (۳)

ساہوکارہ نظام اور ہندو۔مسلم تضاد میں شدت:۔

جب اس کونسل نے ۱۹۰۰ء میں قانون انتقال اراضی منظور کیا تو شہری ہندو لیڈروں نے زبردست احتجاج کیا کیونکہ اس قانون کا مقصد چھوٹے کاشتکاروں کو ہندو ساہوکاروں کی دستبرد سے بچانا تھا۔اس قانون کے ذریعے غیر زراعت پیشہ افراد کو زرعی زمین خریدنے کی ممانعت کردی گئی تھی بالفاظ دیگر اب ساہوکار اپنے قرضے کی وصولی کے لیے کسی مقروض کاشتکار کی زمین حاصل نہیں کرسکتے تھے۔اس قانون کی بنیاد بنگال سول سروس کے ایک انگریز افسر تھوربرن (THORBURN) کی ایک طویل رپورٹ پر تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''پنجاب ایک زرعی صوبہ ہے۔یہ ایسے مالک کسانوں کی سرزمین ہے جن کی بھاری اکثریت ہر سال ساہوکاروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جارہی ہے۔ہم نے یہاں قانون اور انتظامیہ کا جو نظام قائم کیا ہے اس کی وجہ سے زمین کی ملکیت رفتہ رفتہ اپنے قدرتی مالکوں یعنی کاشت کاروں کے ہاتھوں سے نکل کر چالاک لیکن اثر و رسوخ سے تہی ہندو ساہوکاروں اور تاجروں کے پاس جارہی ہے۔اگر بروقت قانون اور انتظامیہ کے اس نظام کی اصلاح نہ کی گئی تو یہ امر ملک پر ہماری گرفت کے استحکام کو بالآخر خطرے میں ڈال دے گی۔یہ خطرہ پنجاب کے مغربی علاقوں میں وسطی اور مشرقی علاقوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگا کیونکہ مغربی پنجاب میں ساری دیہاتی آبادی طاقتور مسلمان قبیلوں پر مشتمل ہے۔لہٰذا مفادات کی بنا پر پیدا شدہ تضاد مذہبی تضاد کی صورت اختیار کرلے گا۔مشرقی یورپ میں یہودیوں سے جو نفرت کی جاتی ہے اور انہیں جو اذیت پہنچائی جاتی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ کامیاب اجنبی ہیں اور ایک پرانے عالمی مذہب کے علمبردار ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ معاشی میدان میں کامیاب ہیں۔مغربی پنجاب کے بنیوں کی بھی یہی حالت ہے ان کے خلاف نفرت کی وجہ صرف یہی نہیں کہ وہ ایک خدا کو ماننے والے کاشتکاروں کی زبوں حالی پر پھلتے ہیں بلکہ وہ مدافعت کار ہیں اور اگر وہ بت پرست نہیں ہیں تو ایک سے زیادہ خداؤں کو مانتے ہیں۔۔۔۔۔اورنگزیب کے عہد میں اس کی مذہبی تبلیغ اس قدر زوردار تھی کہ مشرقی پنجاب کے بہت سے ہندو مسلمان ہوگئے تھے لیکن ان کی یہ تبدیلی مذہب کبھی بھی مخلصانہ نہیں تھی آج بھی ان پر ہندوازم کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ وہ بقول شخصے دونوں مذاہب سے فوائد اٹھاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے لیے کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ان کا عقیدہ نسبتاً پختہ ہوگیا ہے پورے پنجاب کے بارے میں

عمومی طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ اگر لاہور کو مرکز تصور کیا جائے تو اس کے مشرقی علاقے کے مسلمان کا عقیدے میں زیادہ پختہ ہیں۔ تاہم ہمیں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان جتنا جاہل ہوگا اتنی ہی آسانی سے اس کی مذہبی عصبیت کے پوشیدہ جذبہ کو اکسایا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔۔ مزید برآں نہ صرف سارے پنجاب میں بلکہ سارے عالم اسلام میں گذشتہ چند سالوں میں احیائی تحریک زور پکڑ رہی ہے اس کی ابتداء شہروں کے تعلیم یافتہ طبقوں سے ہوئی تھی اور رفتہ رفتہ دیہاتی علاقوں میں بھی اس کا اثر بڑھ رہا ہے مسلمان میں بیداری کی اس تحریک کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کی ابتداء خامیوں کے شعور اور ان میں اصلاح کرنے کے عزم کی بنا پر نہیں ہوئی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی اکثریت اور متحدہ نصب العین کے پیش نظر متحد ہو کر مساوی رعایات حاصل کریں۔۔۔۔۔ دیہاتی علاقوں میں مسلمان کسانوں کی سالانہ آمدنی کا ۸۰ فیصد مقروض ہیں ہندو کسانوں کی سالانہ آمدنی کے ۲۰ فیصد حصہ سے ان کے قرضوں کی ادائیگی ہو جاتی ہے مسلمان بہت فضول خرچ ہیں لیکن ہندو ان کے بالکل برعکس ہیں۔ مسلمان تقریباً سارے ان پڑھ ہیں۔ ہندو کم و پیش سارے تعلیم یافتہ ہیں۔ ہندو عام طور ایسی کاروائیوں سے گریز کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی کاشتکاری ہوتا ہے جو ہندو زمین کے مالک ہیں اور اس پر کاشت کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی کاشتکاری کے ساتھ ساتھ ساہوکاری اور تجارت بھی کرتے ہیں ہندو قرضے کے عوض زمین حاصل کرتے ہیں اور مسلمان قرضہ لے کر زمین خریدتے ہیں۔۔۔ سابقہ حکومتوں کے ماتحت گاؤں کے بنیا کی حیثیت کاشتکار کے دوست اور ملازم کی ہوتی تھی اور وہ بڑی انکساری سے اس کے اچھے برے دونوں نے اس کا ساتھ دیتا تھا۔ اب چونکہ دونوں کے مفادات متصادم ہیں اس کیےان کا پرانا اتحاد ٹوٹ گیا ہے سابقہ ملازم اب جلدی سے آقا بننے کا متمنی ہے۔ اس میں یہودیوں اور یونانیوں کی سارے صفات پیدا ہوگئی ہیں اور اس زمین کا مالک بنے کا بھی حق حاصل ہے۔ سابقہ حکومتوں کے ماتحت قابل کاشت زمین کا انتقال عملاً غیر زراعت پیشہ لوگوں کے نام نہیں ہوسکتا تھا۔ قرضہ کی بطور حق وصولی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی ادائیگی محض اخلاقی ذمہ داری کے طور پر کی جاتی تھی۔۔۔۔۔ برطانوی راج کے قیام کے بعد ہمارے نافذ کردہ دیوانی قوانین کو بہت تقدس مل گیا ہے۔ ایک مقروض شخص اپنے قرض خواہ کے سامنے اپنے آخری پیشے تک ذمہ دار ہے ۔ قانون کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ سچی بات کے کہ پیسے کے معاملے میں ایک کسان بہت سادہ لوح ہوتا ہے

اسکے برعکس ایک ساہوکار بہت عیاش اور چلاک تاجر ہوتا ہے۔ جو ہر وقت اپنے فائدے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے مفادات کے اس تصادم کی وجہ سے سول افسروں پر بہت جلد یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ برطانوی ''انصاف'' نے ''عوام'' کو عملی طور پر مٹھی بھر ساہوکاروں اور دکانداروں کا غلام بنا دیا ہے سول افسروں کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ سیاسی بدامنی کے زمانے مین مالکوں اور مرتہنوں کا یہ نیا طبقہ اگر ہمارے لیے کمزوری کا باعث نہیں ہوگا تو یہ امن بحال کرنے کے لیے اپنا اثر ورح بھی استعمال نہیں کر سکے گا۔۔۔گزشتہ ۲۰ سال کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کسان کوتاہ اندیش اور بہت دیر تک مصائب برداشت کرنے والا جانور ہے۔ جب تک اسکے پاس زمین رہتی ہے اور اسے حقیقی افلاس کا احساس نہیں ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح دن گزارتا رہتا ہے۔اور اسے اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اس پر قرضے کا بوجھ بڑھ رہا ہے تا آنکہ موت اسے جنت میں پہنچا دیتی ہے پنجاب میں ہمارے راج کے پہلے عشرے میں اگرچہ کسانوں کے قرضوں میں خاصاً اضافہ ہوگیا تھا لیکن غیر زراعت پیشہ لوگوں کے نام زمین کا انتقال زیادہ نہیں ہوا تھا۔یہی وجہ تھی کہ ۵۸۔۱۸۵۷ء کے غدر میں پنجاب کے کسان ہمارے وفادار رہے تھے اور دیہاتی آبادی کا تناسب ۹۱فیصد ہے جس میں سے ۹۲فیصد مسلمان ہے۔۔۔مسلمان کا نظریہ ہوتا ہے کہ جب وہ ایک خدا کے وجود کے بارے میں اپنے عقیدے کا اعلان کر دیتا ہے تو اس کا فرض پورا ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا کام تو اس کی نگہبانی کرے اور جب اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے تو وہ اس کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہراتا ہے اور وہ اپنے سوا باقی ہر ایک سے غیر مطمئن ہوتا ہے۔(۴)

مسلمان کی تعلیمی پسماندگی اور انجمن حمایت اسلام:۔

۱۸۹۷ء کے ایکٹ کے تحت پنجاب میں نورکنی مشاورتی قانون ساز کونسل کی تشکیل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک اس صوبہ میں جدید تعلیم سے آراستہ افراد کی خاصی تعداد پیدا ہوگئی تھی اگرچہ ان میں ۹۰فیصد سے زیادہ غیر مسلم تھے برصغیر کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی طرح پنجاب کے مسلمان بھی جدید تعلیم سے متنفر تھے اور وہ نئے علم کو بدعت تصور کرتے تھے۔انہوں نے کلکتہ،مدارس، بمبئی اور الہ آباد کی پریذیڈنسیوں کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی سے کچھ نہیں سیکھا تھا ۱۸۶۹ء میں لاہور میں گورنمنٹ کالج قائم ہوا تو مسلمانوں نے اس ادارے میں اپنے بچوں کو بھیجنے سے حتی الامکان گریز کیا حالانکہ اس کے قیام کے لیے چندہ جمع کرنے والوں میں لاہور کا

مسلمان تحصیلدار خان بہادر برکت علی خان پیش پیش تھا پنجابی مسلمان کے جدید تعلیم میں دلچسپی نہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی بہت بھاری اکثرت زراعت پیشہ تھی اور انہیں اپنے اس پیشہ میں تعلیم کوئی ضروت محسوس نہیں ہو تی تھی جبکہ بڑے بڑے مسلمان جاگیر دار طبقاتی وجہ سے علم دشمن تھے وہ اپنے علاقہ میں کوئی سکول نہیں کھلنے دیتے تھے۔۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو پھر بھی مسلمانوں میں جدید اعلیٰ تعلیم کا کوئی خاص جذبہ پیدا نہ ہوا جبکہ صوبہ کی ۳۰ فیصد ہندو اقلیت اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔۹۵-۱۸۹۴ء میں گورنمنٹ کالج میں طالب علموں کی تعداد ۲۴۶ تھی جن میں بہت بھاری اکثریت ہندوؤں کی تھی حالانکہ ہندوؤں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے آریہ سماج کے زیر اہتمام ۱۸۸۹ء میں ایک ڈی۔اے۔او کالج بھی کھل چکا تھا جس میں مسلمان طالب علموں میں داخلہ تقریباً ممنوع تھا۔آریہ سماج کی احیائی سرگرمیوں سے لے کر ۱۸۹۱ء تک گائے ذبحہ کے تنازے نے پندرہ مرتبہ بڑے فرقہ وارانہ فسادات کی صورت اختیار کی تھی۔

آریہ سماجیوں کے برعکس سکھوں کا ایک وسیع المشرب عنصر سردار دیال سنگھ کی زیر قیادت پسماندہ مسلمانوں کے بارے میں رواداری کا مظاہرہ کرتا تھا چنانچہ جب سرسید احمد خان ۱۸۷۳ء میں خان بہادر برکت علی خان کی دعوت پر لاہور آئے تھے تو دیال سنگھ نے علی گڑھ کالج کے لیے فراخدلی سے چندہ دیا تھا اور بعد میں جب اس کی زیرنگرانی دیال سنگھ کالج اور دیال سنگھ لائبریری کا قیام عمل میں آیا تھا تو اس نے ان کے دروازے بھی مسلمان طالب علموں کے لیے بند نہیں کیے تھے۔دریں اثناء لاہور کے درمیان طبقہ کے بعض مسلمان معززین سرسید احمد خان کی علی گڑھ تحریک سے متاثر ہو کر ۱۸۸۴ء میں ایک انجمن حمایت اسلام قائم کر چکے تھے جس کا بنیادی مقصد پنجابی مسلمانوں میں جدید تعلیم کو فروغ دینا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں خان بہادر برکت علی خان کی زیرنگرانی جو انجمن اسلامیہ بنی تھی اس کا اولین مقصد بادشاہی مسجد کی دیکھ بھال کرنا تھا کیونکہ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں اس وسیع وعریض مسجد کو اصطبل اور بارودخانے کے طور پر استعمال کر کے اس کی حالت بہت خراب کردی تھی۔یہ انجمن اسلامیہ دراصل مسلمان امراء کی تنظیم تھی جو بعد میں علی گڑھ کالج کے لیے چندہ دینے کے علاوہ غریب مسلمان طلباء کو وظیفے بھی دیتی تھی اس کے برعکس ۱۸۸۴ء کی انجمن حمایت اسلام درمیانہ طبقہ کی جماعت تھی جس کا روح رواں ایک شخص خلیفہ حمید الدین تھا۔اس کے ارکان آریہ سماجیوں کی مسلم دشمن سرگرمیوں سے بہت پریشان رہتے تھے اور ان

کی خواہش وکوشش تھی کہ پنجاب کے مسلمان نوجوان جدید تعلیم حاصل کر کے مسلمانوں کے حقوق ومفادات کا تحفظ کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اس انجمن نے ۱۸۸۶ء میں کرائے کے ایک مکان میں مدرستہ المسلمین (مدرسہ حمیدیہ) کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۸۸ء میں یہ پرائمری مدرسہ مڈل سکول بن گیا۔ ۱۸۸۹ء میں اس مڈل سکول نے ہائی سکول کا درجہ حاصل کرلیا۔اور ۱۸۹۲ء میں اس نے اسلامیہ کالج کی حیثیت اختیار کرلی۔ یہ انجمن ایک عوامی تنظیم تھی(۵)

برصغیر کے تاریخی شہر ملتان میں انگریزوں کی آمد

سید عباس حسین گردیزی 1868:۔

سید عباس حسین گردیزی اپنی تحریر تاریخ ملتان میں یوں رقم طراز ہیں گورنر پنجاب کے بارے میں یوں لکھتے ہیں کہ ۱۸۷۰ء میں ایک جدید انتظام کی بنا پر افسران مالی اور حکام جوڈیشنل کو الگ الگ کیا گیا اور صیغہ جوڈیشنل کی تقویت کیلئے صدر عدالت کے نام سے ایک محکمہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کے لیے تین جج مقرر ہوئے۔ آپ کو عہدہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ریاست کے علاوہ اس عدالت عالیہ کا بھی جج اول (چیف جج) مقرر کیا گیا۔اس کام کو بھی آپ نے اس محنت اور خوبی سے کیا کہ آپ کی عدالت گستری تمام ریاست میں ضرب المثل ہوگئی اور سب اوقات محض آپ کا نام صعفا کے اقویا کے پنجہ غیظ وانتظام سے بچانے لگا۔

ہزہائینس کی جانب سے جب کبھی ضرورت ہوتی تھی آپ کے نام مراسلہ لکھا جاتا تھا۔جس میں حسب ذیل القاب ہوتا تھا۔شاہ صاحب مخلص باصفا سید مراد شاہ صاحب اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ سلمہ بعد از سلام خیریت انجام کمشوف ضمیر سعادت پذیر باد۔

آخری سطور یہ ہوتے تھے۔

ایں جانب کو متاثر رنج وراحت اپنے کا سمجھ کر ہمیشہ اخبار اخیار سے خورسند رکھیں زیادہ پہ نگارش ہو۔ دیگر دیسی اعلےٰ افسران (ناظم صاحبان ہر سہ نظامت) کے نام صرف رفت وعوالی مرتبت کے القاب سے پروانجات کی قسم کے خطوط لکھے جاتے تھے۔

۱۸۷۱ء میں کرنل منچن صاحب دو سال کی رخصت پر ولایت تشریف لے گئے اور ان کی بجائے کپتان (اب کرنل) گرے صاحب سی۔ایس۔آئی ریاست میں تشریف لائے۔آپ کی حیرت افزالیاقت نے ان کو بھی بہت جلد متاثر کر دیا اور انہوں نے بھی اپنی رپورٹوں میں آپ کی بہت تعریف کی اور اپنی مدت قیام میں آپ کی افزائش منصب و باہ کے لئے ہمیشہ با موقع سفارش فرماتے رہے صاحب ممدوح بہاولپور اینڈ منسٹریشن رپورٹ ۷۲۔۱۹۷۱ء کے فقرہ ۴۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

میں اس کلام پر ختم کرتا ہوں کہ جب سے میں نے چارج لیا کپان بکٹ صاحب کی مدد نہایت مفید ہوئی ہے اور سید مراد شاہ کی معاملات ریاست اور عام انتظامی امورات کی عجیب واقفیت اور تجربہ نے مجھے بہت غلطیوں سے بچایا وہ بڑی طاقت کا آدمی ہے۔ "He is a man of great power"

۱۸۷۲ء میں کرنل گرے صاحب نے ایک شاخ نالہ فورڈ واہ سے نکالنے کی تجویز کی اور اس کا نام آپ کے نام پر مراد واہ رکھا۔

اسی سال کے آخری دنوں میں ہزایکسیلینی لارڈ نارتھ بردک باتابہ وائسرائے وگورنر جنرل کشور ہند نے بمقام ملتان دربار منعقد فرمایا۔جس میں ہز ہائی نس نواب صادق محمد خان رابع مرحوم مغفور بھی شامل ہوئے اس دربار میں حضور وائسرائے نے آپ کو خلعت فاخرہ مرحمت فرمایا اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

مراد شاہ! میں آپ کو خلعت بسفارش لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بعوض اس امداد کے دیتا ہوں جو آپ نے پولیٹیکل ایمنٹ بہاول پور کو دی۔

۱۸۷۳ء کے شروع میں کرنل منچن صاحب واپس تشریف لائے۔اسی سال کے آخری مہینہ میں سرہنری ڈیوس لنیفٹ گورنر بہادر پنجاب رونق افروز بہاولپور ہوئے تو آپ کے دفتر کا ملاحظہ فرمایا اور حکمات تعریف سے حوصلہ افزائی کی نیز دربار میں جو ۳۰ دسمبر ۱۸۷۳ء کو منعقد فرمایا آپ کو ''مالائے مروارید'' اور خلعت مزید سے شرف تفاخر بخشاء

چیف سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب مورخہ اسی اثنا میں کرنل منچن صاحب نے آپ کی تنخواہ کی بابت خاص تحریک کی اس کے حوالے میں طامس۔تھارنٹن صاحب بہادر ہنری مورخہ ۲۸ جنوری ۱۸۷۲ء بدین مضمون موصول

ہوئی۔

حسب الاشاد میں پنجاب آپ کی چھٹی نمبر ۵۸ مورخہ ۲۹ ماہ گزشتہ کا تسلیم کرتا ہوں اور بجواب اس کے التماس کرتا ہوں کہ جناب مستطاب نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر نے ہنگام رونق افروزی ریاست بہاول پور جوطرف انصاف اور طرز نگرانی عدالتہائے متجانب سید مراد شاہ جج اول ملاحظہ کی اور سنی اس سے نواب ممدوح اس قدر خوش ہیں کہ نواب ممدوح بڑی خوشی سے منظور فرماتے ہیں سفارش کو جو آپ کی چھٹی میں درج ہے یعنی سید مراد شاہ۔

ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر شدہ کے حاصل کریں۔ چنانچہ ۱۷ فروری ۱۸۷۵ء سے آپ کو مبلغ ۱۰۰۰ ماہوار تنخواہ ملنی شروع ہوئی (ان دنوں تنخواہیں قلیل ہوئی تھیں دیوان ساون کلی دتئے ملتان کی تنخواہ اڑھائی صد روپیہ ماہوار تھی

اپنی زندگی کے آخری سالوں میں آپ کو ریاست کی تاریخ لکھنے کا خیال آیا اس کام کے لیے آپ کے پاس کافی وقت نہ تھا۔ مگر یہ مسلہ امر ہے کہ ہمیشہ وہی لوگ زیادہ کام کرتے ہیں جن کے پاس زیادہ کام رہتا ہے ایسے جلیل القدر لوگ وقت کو مزخرفات میں ضائع نہیں کرتے اور کام کرنے کی ان کو ایسی مشق ہوجاتی ہے اور اپنے وقت کو وہ اس خوبی سے مختلف کاروبار میں تقسیم کرتے ہیں کہ ہر روز معین وقت کے اندر جمع مشاغل سے سہولت کے ساتھ سبکدوش ہوجاتے ہیں۔ اور پھر اسباب صحت وتفریح از قسم مجالست احباب واشتعال خور وخواب میں بھی فرق نہیں آنے دیتے غرض باوجود عدم الفرحتی کے آپ نے پانچ ضخیم جلدوں میں ہندوستان کی تاریخ پر مبسوط کتاب لکھی اور اس کا نام تاریخ مراد رکھا اس خوبی سے تدوین کیں کہ ان سے بڑھ کر ریاست سے تاریخی پھر جمع نہ ہوسکے اور اس کتاب کا تھوڑا حصہ نہ تمام رہا نظر ثانی کی نوبت بھی نہ آئی تاہم ریاست کے متعلق یہ کتاب کا تھوڑا حصہ ناتمام رہا۔ نظر ثانی کی خیال آتا ہے۔ یہ کتاب مجھ سے طلب کی جاتی ہے روز جدید تالیف کا مصالحہ اسی بے مثال کتاب سے بیان ہے آپ کے بعد یہ کتاب میرے پاس بہت کم رہی ہے۔ چنانچہ اب بھی اسے مرے فاضل دوست ملک محمد دین صاحب نے جو بہاول پور گزٹ تالیف میں مصروف ہیں ریاست میں اپنے پاس رکھا ہوا ہے جنوری ۱۸۷۶ء میں شاہرہ عالم عالمیاں ہز رائل ہائینس پرنس آف ونایز ولی عہد سلطنت انگلستان وہندوستان کاروبار بمقام لاہور منعقد ہوتا تھا چونکہ آپ کے لیے بھی مر کاب ہیز ہائینس نوائے صاحب مرحوم ومغفور دیاں

حاضر ہونا لازمی تھا۔اس لیے دسمبر کے آخری ہفتہ میں آپ بحالت بیماری ملتان روانہ ہوئے ارادہ یہ تھا کہ چند روز وطن رہ کر معالجہ اور آرام کریں گے شرط لفاقہ وہیں سے لاہور روانہ ہوں گے لیکن خداوند کریم کو کچھ اور منظور تھا۔اور آپ نے خلاق عالم کے حقیقی دربار میں جبہ سائی کرنی تھی راستہ میں طبعیت بہت لاغر اور مضمحل ہوگئی اور مرض لاعلاج ہوگیا ملتان پہنچنے کے بعد چند یوم اور ۱۰ جنوری ۱۸۷۶ء کو آپ سرائے فانی سے عالم جاودانی ہوئے۔اور آپ کی قبر پر جو قطعہ تاریخ لکھا ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے

سید مراد شاہ چو در خلد آرمید گلزار مغفرت لسر تر مبشتی و مید

جب کرنل منچن صاحب دربار لاہور میں جانے کے لیے ملتان پہنچے تو آپ کی بے وقت وفات کا خیال معلوم کر کے بہت تاسف کیا اور بوقت واپسی از لاہور ۲۸ فروری ۱۸۷۶ء کو باتفاق کرنل مرسر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ملتان میرے مکان پر تشریف لائے اور اسم تعزیت ادا کی پانچ سو روپیہ کے پارجات رطور خلعت دستار بندی مرحمت کیے اور ایک اسپیچ میں جناب مرحوم کے حالات بیان کر کے دردناک الفاظ میں آپ کی قبل از وقت ناگہانی وفات پر دلی رنج کا اظہار فرمایا۔صاحب ڈپٹی کمشنر کو میری سفارش فرمائی اور عبدی خدمات جناب مرحوم ریاست کی طرف سے مبلغ چھ ہزار روپیہ نقد مرحمت فرمائے اور ایما بخشا میں نے اور پھر جمیع روساو عہدہ داروں ملتان اور ملازمین وارا کین ریاست نے جو اس تعزیت میں شامل تھے صاحبان ممدوح کا اس قدر افزائی کے لیے شکریہ ادا کیا اور یہ دو صاحبان تشریف لے گئے۔

میونسپل کمیٹی ملتان کا ممبر اور پھر وائیس پریزیڈنٹ مقرر رہونا:۔

۱۸۸۲ء میں میونسپل کمیٹی شہر ملتان کا ممبر مقرر رہوا اگلے سال پنجاب میں لوکل سیلف گورنمنٹ انٹروڈیوس ہوئی اور میں بھی اسکے پہلے انتخاب میں الیکٹڈ ممبر مقرر رہوا دو تین مرتبہ بذریعہ الیکشن ممبر ہوتا رہا پھر الیکٹڈ ممبران میں ایک چوتھائی نامی ٹینڈ ممبران اضافہ ہوئے میں بھی ٹینڈ ممبر مقرر رہوا قریباً بیس سال تک یہ خدمت ادا کی آخری دس سال جونیئر اور سینئر وائیس پریڈیڈنٹ بھی رہا پھر میونسپل کمیٹی میں کچھ اپنے اسباب جمع ہوئے میں نے استفاہ دے دیا اور علیحدگی اختیار کرلی۔

کمیٹی کا کام کون نہیں کر سکتا مگر مجھے اپنے زمانہ وائس پریزیڈنٹی کا جائزہ لیتے ہوئے صرف اس ایک امر کا خاص فخر نہ رہے کہ میں نے نہ تو ہندو مسلمانوں میں کبھی تفاوت کا خیال کیا اور نہ تالمعذور کسی فرد بشر کی مذہب ،قومیت یا کسی اور غیر متعلق وجہ پر حق تلفی ہونے دیا غرض خالق عالم کی پیاری مخلوق اور اپنے شاہنشاہ کی عزیز رعایا کے درمیان حیثیتوں فرقوں اور قوموں کے لحاظ سے کوئی تعریف نہیں کی اور خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر یہ ہے کہ میری ناچیز خدمت اور حکام اور عوام دونوں کے نزدیک مستحسن ٹھہری اور میں اپنی نیت کے درخت کو بارود دیکھنے سے بھی محروم رہا۔

جوڈیشنل اختیارات لا اعطاء:۔

اگست ۱۸۹۱ء میں حسب فرمائش مسٹر ایچ سی ککسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ملتان آنیریری مجسٹریٹ درجہ سوم مقرر ہو کر بینچ آنریری مجسٹریاں شہر ملتان شامل ہوا اور مجھے درجہ دوم کے اختیارات تفویض ہوئے اس کام میں بھی ہمیشہ عوام کی طمانیت اور حکام کی خوشنودی حاصل کی۔ چنانچہ صاحبان کمشنر و ڈپٹی کمشنر کے عطیا سنادا ورکا روبنش سرٹیفکیٹ کے علاوہ ایک مرتبہ اس خدمت کے متعلق ہزانر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا خاص شکریہ بھی حاصل کیا۔ترجمہ

چھٹی صاحب رجسٹرار چیف کورٹ پنجاب مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۴ء جو صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہادر ملتان کے نام پر موصول ہوئی حسب ذیل ہے

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ آپ سے درخواست کروں کہ ہزاہر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا شکریہ سید محسن بخش آیزیری مجسٹریٹ کو اس حسن خدمت کیلیے جو اسی سال ۱۹۰۲ء میں عمل میں آئی پہنچایا جائے۔

گولڈن جوبلی سرٹیفکیٹ:۔

۱۶ فروری ۱۸۸۷ء کو ہندوستان میں اعلیحضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند کا جشن جوبلی (سلطنت پنجاہ سالہ)منایا گیا کرنل جی۔بی ٹمپتسن ڈپٹی کمشنر ملتان نے اس مبارک تقریب پر دربار منعقد فرمایا اور شاہی سند جس کا ترجمہ ذیل میں مرقوم ہے مجھ کو مرحمت فرمائی۔

حسب فرمائش ہزا لکلیسی وائیسر ائے وگورنر جنرل کشور ہند یہ سٹیفکیٹ باہم اعلی حضرت وکٹوریا قیصر ہند خلاشہ ملکہا وسلطنتیا سید حسن بخش کو باعتراف اسکی وفاداری کے جو بجانب گورنمنٹ ہے مرحمت کیا جاتا ہے ۔۱۶فروری ۱۸۸۷(دستخط) سی۔یو۔ آئحسین لفٹنٹ گورنر پنجاب

ڈائمنڈ جوبلی سرٹیفکیٹ:۔

۹۷۔۱۸۹۶ءمیں ہندوستان میں سخت قحط پڑا پنجاب میں بھی اس نے خوفناک صورت اختیار کی ملتان میں صدارت جناب میسٹرئی۔ جے کنبڈی صاحب بہادر ڈویژنل جج ایک کمیٹی قائم ہوئی جس نے ایک معتدبہ رقم چندہ سے فراہم کی اوراس کو بڑی احتیاط کے ساتھ غربا کی امداد میں صرف کیا۔ مجھے بھی اس کمیٹی میں کام کرنے کی عزت دی گئی یہ کام ختم ہو چکا تو اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند خلد اللہ ملکہا وسلطانیا کی مبارک تقریب ڈایمنڈ جوبلی (سلطنت شعت سالہ) کے جلسے بڑی دھوم دھام سے ہوئے اور رعایا کی طرف سے اظہار خوشی میں پوری طرح دل کی حسرتیں نکالی گئیں میسٹر جے۔ جی۔ ایم۔ اپنی صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ملتان نے ۲۲ جون ۱۸۹۷ءکو دربار منعقد فرمایا اور مجھے دوسری مرتبہ شاہی سند کے مرحمت کرنے کی عزت بخشی سندوزکور کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حسب فرمان ہزا کیلنسی وائسرائے وگورنر جنرل کشور ہند با اجلاس کونسل یہ سرٹیفکیٹ باہم اعلی حضرت کوئن وکٹوریا قیصر ہند سید حسن بخش شا آنری مجسٹریٹ کو لبعوض اس مداد کے جواس نے بوقت تقسیم فمن ریلیف فنڈ فرحمت کیا جاتا ہے شملہ ۲۲ جون ۱۸۷۹ء دستخط ڈبلیو۔ میسکورتھ ینگ لفٹ گورنر پنجاب وغیرہ

خطاب خان بہادر کا اعزاز:۔

۲۴ مئی ۱۸۹۹ءکو اعلی حضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند کی سالگیرہ کا مبارک دن تھا اس یوم سعید کے متعلق خطابات کی فہرست ۳ جون ۱۸۹۹ءکو شائع ہوئی اور اس میں مجھے ''خان بہادر'' کے خطاب سے شرف تفاخر بخشا گیا سند خطاب کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

سید حسن بخش وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی ملتان پنجاب

فابدولت آپ ''خان بہادر'' کا خطاب بطور ذاتی اعزاز کے مرحمت فرماتے ہیں

شملہ　　　　(دستخط) کرزن آف کولسٹن

۳جون ۱۸۹۹ء　　　　وائسرائے وگورنر جنرل کشور ہند

مہران کلان

(گورنر جنرل کشور ہند با اجلاس کونسل)

ایران اور عراق عرب کا سفر:۔

۱۳اپریل ۱۹۰۰ءکو میں نے باعرض زیارت شہید مقدس وکربلائے معلےٰ۔ایران اور عراق عرب کا سفر اختیار کیا اس سفر میں قریباً دس ماہ صرف ہوئے بلوچستان'سیستان' قائن' فراسان۔عراق عجم۔کردستان' عراق عرب مشہور مقامات کی خوب سیر ہوئی یہ مسلمہ امر ہے کہ عالم مسافرت میں بحروبر اور خشک وتر کے ایسے ایسے عجیب وغریب مناظر دیکھے جاتے ہیں اور کارخانہ قدرت کے وہ وہ خیرت افزا کرشمے نظر سے گزرتے ہیں کہ جن کا لطف بھی فراموش نہیں ہوسکتا مگر افسوس ہے کہ اکثر بزرگوار دوران سفر کے حاصل شدہ کلمات حکمت وغیرہ اپنے کوزہ دل میں گل حکمت کر چھوڑتے ہیں اور ان پھولوں کی خوشبوں عدام کے مشام تک نہیں پہنچاتے اس صورت میں سفر کا لطف صرف ان کی اپنی ذات خاص تک محدود رہتا ہے عوام کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا نہ سفر کی کوئی یادگار قائم رہتی ہے میں نے اس بارہ میں ان اصحاب گرامی کا متابقت کی ہے جن کے مزاج میں بخل نہیں ہوتا اور جو جو کچھ خود ایک مرتبہ دیکھتے ہیں اسے الفاظ کے پیرائیہ میں اور دن کو ہمیشہ اور ہر وقت دکھاتے رہتے ہیں میں نے اپنے سفر کے حالات دو ضیمم جلدوں میں لکھے ہیں پہلی جلد میں جس کا نام ''سفر خراسان'' ہے اور جس کو خداوندکریم کے فضل ضیمم سے ختم کر چکا ہوں۔ملتان کی روانگی سے شہر مقدس کے قیام تک کے حالات ہیں دوسری جلد جس کا نام سفر عراق ہوگا ابھی نا تمام ہے اس میں شہر مقدس کی روانگی سے انشاء اللہ ملتان کے پہنچنے تک کے حالات ہوں گے اس میں میری محنت کا حال چھپنے پر معلوم ہوگا اتنا دعوٰہا اب بھی ہوسکتا ہے کہ ان اردو میں ایران اور عراق عرب کے حالات پر ایسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔

اس سے پہلے ۱۸۹۳ء میں بھی میں نے عراق عرب کا ایک سفر کیا تھا اس میں صرف تین ماہ صرف ہوئے تھے اس زمانہ میں بھی کتاب لکھنے کا ارادہ تھا کچھ حالات لکھے بھی تھے مگر ابھی تھوڑا ہی مکمل ہوا تھا کہ دوسرا سفر پیش

آیا چونکہ اس سفر میں بھی ائمنہ حاصل ہوا اور وہ تمام سرزمین اور جمیع مقامات جنہیں پہلے دیکھا تھا اب بھی دیکھے گیے اس لیے پہلی کتاب کے تمام کی ضرورت نہ رہی اور اس کتاب کی دوسری جلد کے آخری حصہ میں اس سفر کے بھی تمام مطالب و مضامین آ گئے۔

۲۲ جنوری ۱۹۰۰ء کو ایک دل خراش سانحہ پیش آیا اس تاریخ کی شام کو اعلیٰحضرت ملکہ معظمہؒ قبلہ نے انتقال فرمایا اسی دن صبح کو میں اپنا سفر ختم کر کے کراچی پہنچا میں نے بندگان ہز ایکسلینسی وائسرائے کے حضور میں بذریعہ ٹیلگرام افسوس کا اظہار کیا اور خواہش کیا اور خواہش کی کہ میری تعزیت قصر شاہی تک پہنچائی جائے اسکے جواب میں حضور ممدوح کے پرائیویٹ سیکرٹری کی جانب سے تار مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۰ء کلکتہ سے موصولی ہوا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے

مجھ سے نہ ایکسینی وائسرائے نے خواہش فرمائی ہے کہ میں صدق دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں اس ہمدردی اور تعزیت کے پیغام کے لئے جواب جو آپ نے انجہانی کوئین ایمپریس کی وفات حسرت آیات کے موقعہ پر جناب ممدوح کے حضور میں بھیجا ہے اور آپ کو یقین دلاؤں کہ وہ بارگاہ ارفع واعلیٰ تک پہنچایا جائے گا۔

کارونیشن سرٹیفکیٹ:۔

ہندوستان میں اعلیٰ حضرت ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند خلد اللہ ملکہ' وسلطنت کا دربار تاج پوشی یکم جنوری 1903ء کو اس شان وشوکت سے منعقد کیا گیا جو اس مہتمم بالشان موقع کے شایان شان تھا۔ بڑا دربار دہلی میں ہوا ہندوستان کے اور شہروں میں بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دربار کیئے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔

ملتان میں رعایا کی جانب سے خوشیاں منانے اور اقسام اقسام کے ساماں تفریح بہم پہنچانے کے لیے کمیٹی قائم کی گئی جس کے پریذیڈنٹ مولوی انعام علی صاحب ڈویژنل جج ملتان مقرر ہوئے اور وائس پریذیڈنٹ کی عزت مجھے دی گئی۔ اس کمیٹی نے ہر مذہب وملت کے مساجد ومعابد میں شاہنشاہ کے جاہ وجلال اور عمرہ واقبال کی دعا طلبی۔ اطعام مساکین' طلباء نے مدارس میں تقسیم شیرینی۔ میونسپل گارڈن بیرون شہر میں اقسام اقسام کے سامان تفریح کی بہم رسائی' روشنی آتشبازی وغیرہ امورات کی بابت وسیع پیمانہ پر ایک پروگرام تیار کیا اور تاریخ مقررہ پر اس کام کو اس خوبی سے انجام دیا کہ جسے اہل ملتان ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ اسی دن ایک بجے شام کے وقت سرکاری

طور پر جناب ڈبلیو۔ایل۔ویرنگ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ملتان نے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ دربار منعقد فرمایا اوراس میں مجھے تیسری مرتبہ شاہی سند (کارونیشن سرٹیفکیٹ) مرحمت فرمانے کی عزت بخشی اس سند کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حسب فرمان ہر ایکسیلینسی وائیسرائے و گورنر جنرل ہند با جلاس کونسل یہ سرٹیفکیٹ باہم اعلیٰ حضرت کنگ ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند خلد اللہ ملکہ وسلطنت خان بہادر سید حسین بخش گردیزی آنریری مجسٹریٹ ووائیس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کو علاقائی خدمات پسندیدہ بحیثیت آنریری مجسٹریٹ و بحیثیت وائیس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی مرحمت کیا جاتا ہے۔

لاہور (دستخط) سی۔ایم رواز

لیفٹنٹ گورنر پنجاب وغیرہ

ڈویژنل درباری سے پروونشل درباری ہونا:۔

میرے والد بزرگوار چونکہ ابتدا سے ہی عملداری سرکار ذوالاقتدار سے مدانعت کے اشتغال میں رہے۔ اس لئے ملتان میں درباریوں کی جب تجویز ہوئی تو ان میں میرے جدامجد مرحوم سید پھلو شاہ کو لیا گیا۔ جناب مرحوم کی بجائے پھر میری سفارش ہوئی۔ یکم جنوری 1877ء کے دن ملتان میں جو دربار اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ کے خطاب قیصر ہند اختیار فرمانے کے اعلان میں ہوا اس میں پہلے پہل میں نے ضلع ملتان کے درباری کی حیثیت میں نشست حاصل کی اور میں نے اس شاہی عظمت واقتدار کی اعلےٰ تقریب پر اپنے پہلی مرتبہ شامل ہونے کو اپنے آپ کو بہت ہی مبارک سمجھا۔ کئی سالوں کے بعد مجھے یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ میرا نام پراونشل درباریوں میں ہے۔ وائیریگل درباریوں میں نہیں۔ جن درباریوں کو اب ڈویژنل کیا جاتا ہے اس زمانہ میں ان کو پراونشل کہتے تھے اور جن کو اب پراونشل کہتے ہیں۔ ان کو اس زمانہ میں وائیریگل کہا جاتا تھا۔ کرنل میسی صاحب کی ''پنجاب چیفز'' کی اشاعت تک جو 1890ء کو ہوئی وہی بیلا عمل رہے۔ کتاب مذکور کی فہرست درباریان ملتان میں میرے خاندان کے پانچ نام درج ہیں جن میں سے چار کو وائیریگل اور ایک اور کو پراونشل درباری لکھا ہے۔ وہ ایک پراونشل درباری مجھے ہی سمجھے میرے خاندان سے ایک بزرگوار سید حیدر شاہ گردیزی پراونشل درباریوں میں لئے

گئے میں بھی اسی آفراد کی فہرست میں رہا۔ (ملاحظہ ہو گزیر آف دی ملتان ڈسٹرکٹ 1902ء)

مزرائل ہائینس کے کارونیشن دربار دہلی میں شامل ہوا۔ کپتان (اب میجر) ایجرٹن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ملتان نے اس زمانہ میں بھی پراونشل دربار کے لئے میری سفارش فرمائی۔ خدا کی شان 1905ء میں ادھر میرے پراونش (وائریگل) درباری ہونے کی منظوری آئی۔ ادھر شاہزادہ ہزرائل ہائینس پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لایا اور پراونشل درباری ہو کر سب سے پہلے مجھے حضرت ممدوح کے دربار میں بمقام لاہور بازیابی کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت ممدوح کا یہ دربار 28 نومبر 1905ء کی رات لارنس ہال میں منعقد اضلاع پنجاب کے پراونشل درباریوں کے سوا اس میں کسی کو بازیابی کا حق حاصل نہ تھا۔ اس وقت فی الحقیقت شاہی رعب برستا تھا۔ اور شہنشاہ کے لخت جگر کو ایک عزت و اقبال پر جلوہ وفا دیکھ کر قدرت خدا کے پرتو کی ایک مجسم صورت نظر آئی تھی۔ (٦)

ملتان میں جشن تاجپوشی:۔

شہنشاہ جارج ششم و ملکہ معظمہ کی رسم تاجپوشی کے سلسلے میں ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کی جانب سے جس وسیع پیمانے پر اہتمام کیا گیا تھا وہ ہر نکتہ نظر سے قابل تحسین تھا۔

6 مئی کی صبح کو ہر مذہب و ملت کے مذہبی اداروں میں اظہار عقیدت کے طور پر بڑے اہتمام کے ساتھ شہنشاہ معظم و ملکہ معظمہ کے بخت و اقبال و تاج دولت برطانیہ کے قیام و دوام کے لیے دعا مانگی گئی۔ اس کام کے لئے شہر کے سربراہ اور اصحاب کی علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں بنائی گئی تھیں۔ جنہوں نے بخیر و خوبی اس کام کو انجام دیا۔ اس کے بعد 9 بجے صبح ہندو مسلم غرباء کو عام دعوت طعام دی گئی۔ اس کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کی جانب سے محمد ابراہیم صاحب پرنسپل ایمرسن کالج ملتان کے سپرد تھا اس تقریب کی رسم افتتاح عالی جناب مسٹر سی سی کاربیٹ آئی ایس کمشنر بہادر ملتان ڈویژن نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور خود اپنے ہاتھوں سے کھانا تقسیم کیا کم از کم دس ہزار غرباء اس دعوت شاہی میں شریک ہوئے اس موقع پر مسٹر نصیر احمد صاحب ڈپٹی کمشنر ملتان۔ میاں محمد ابراہیم صاحب پروفیسران کالج۔ سید محمد رضا شاہ صاحب چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ۔ رانا محمد حسین صاحب۔ خان بہادر ملک محمد امیر خان صاحب بوسن جونیئر وائس چیرمین بورڈ، رائے صاحب چوہدری بھگوان سنگھ۔ رائے صاحب لالہ کرم نرائن

بگائی۔سید محمد اولادعلی گیلانی سیکرٹری بورڈ و دیگر معززین شہر موجود تھے۔ ہر ضلع کے مدارس کے چیدہ سکاؤٹ اس ریلی میں شامل ہوئے اورانھوں نے اپنے عمدہ کراتب کا مظاہرہ کیا ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتظام کے تحت میدان میلہ اتعہ نور بناہوا تھا تماشائیوں کی تعداد کا اندازہ تقریباً ۳۰،۰۰۰ تھا۔ریلی کی مختلف پارٹیوں نے اچھے اچھے کھیل پیش کیے جن میں سے اسلامیہ ہائی سکول ملتان، گورنمنٹ ہائی سکول ملتان، مسلم ہائی سکول، سوہبہ ضلع لائیلور وڈل مدارس ضلع ملتان کی ٹیمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔۱۲مئی ۱۹۳۷ء کی صبح کو میدان میلہ میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے مجوزہ پروگرام کے مطابق مختلف تفریحات وتقریب کا سلسلہ شروع ہو گیا صدر دروازہ کو نہایت شاندار طریقے سے سجایا گیا تھا اس کے دونوں جانب بلند نشستگاہیں بنائی گئی تھیں جن پر طوطی نواز ارنقارچی اپنے دلفریب نغموں سے داخل ہونے والے کی سمع نوازی کرتے تھے خوب صورت کشادہ سڑکوں پر سے جن کے دونوں کناروں پر خوشنما جنگلے لگائے گئے تھے گذرنے کے بعد عین میدان صلہ میں عجیب کیفیت نظر آئی تھی شامیانہ بھی خاص طرز سے سجایا گیا تھا اس کے قریب ہی چھ خوشنما ستونوں والا مینار روشنی خاص طور پر جشن کے لیے سجایا گیا تھا مینار کی دیوار پر طلائی نقرئی حروف میں رنگین حاشیہ کے درمیان مخدوم زادہ سید محمد رضا جیلانی چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کندہ تھا۔روشنی کا عکس ان حروف پر پڑ کران کی چمک دمک میں اضافہ کرتا تھا حاضرین میلہ کے لیے دور دور سے ماہران موسیقی طلب کیے گئے تھے جن میں سے بھائی خادم لاہور میا امیر خان کپورتھلوی، توکل ملتانی، شفیع چاچڑوی خاص طور قابل ذکر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ شدید گرمی کی وجہ سے ان کو اپنے فن کے اظہار کا موزوں موقع نہ مل سکا۔رائے بہادر کھلندہ رام دعوت کے مہتم تھے اور شامیانہ کی آرائش وزبائش مخدوم زادہ سید محمد رضا صاحب جیلانی نے بلقیس نفیس کی اور اس روز وہ دن بھر اس کے اہتمام میں مصروف رہے۔۱۲مئی کی تاریخ کی تقریب گو بظاہر معمولی معلوم ہوئی تھی لیکن یہ دن بھی نہایت شاندار گزرا علی الصباح ایمرسن کالج کی طرف سے طلباء کا مقابلہ تقریر تھا اس اجلاس کی صدارت بھی صاحب کمشنر بہادر نے فرمائی علم ادب سے دلچسپی رکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے لیکن سب سے زیادہ دلچسپ مشاہدہ شام کو ہوا جس میں شعراء تعداد کثیر شریک ہوئے عشق ہر صاحب لاہوری کی پنجابی نظم خاص طور پر مقبول ہوئی اوران کو طلائی تمغہ دیا گیا دیگر شعراء میں سے عشرت ملتانی، نسیم ملتانی، خلیق ملتانی، کی نظمیں قابل ذکر رہیں۔بہترین نظم پروفیسر تپش کی تھی مشاعرہ کے بعد صاحب کمشنر بہادر نے انعامات خود نفیس بموجودگی صاحب

ڈپٹی کمشنر بہادر تقسیم فرمائے اس کے بعدرات کا کھانا ہوا جس میں روساءمعززین وافسران ضلع شریک ہوئے کھانے کے بعدمیدان میلہ میں جہاں روشنی کاعمدہ نظام تھامنجانب ڈسٹرکٹ بورڈ خٹک ناچ شروع ہوااس کے بعدآتشبازی چلائی گئی ڈسٹرکٹ بورڈ کی جانب سے جس وسیع پیانے پراس جشن عظیم کااہتمام کیا گیا تھاوہ ہرلحاظ سے قابل ستائش وتعریف ہےان تمام کامیابیوں کاسہرامخدوم زادہ سیدمحمد رضاشاہ جیلانی ایم ۔ایل ۔اے چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈاوران کے لائق سیکرٹری سیدمحمد اولادعلی گیلانی ایم ۔اے کے سر پر ہے جن کی شب وروز کی ان تھک کوشش اس میلہ کونہایت شانداراورکامران بنانے میں پورے طور پر کامیاب ہوئی ہیں۔(۷)

مخدوم ریاض حسین قریشی:۔

آپ شیخ پیر شاہ قریشی کےفرزنداورمخدوم حسن بخش کےعم زاد تھے۱۸۶۵ءمیں پیداہوئے 1892ءمیں آپ آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔پانچ سال کے بعد کچھ عرصہ اسسٹنٹ پولٹیکل افسر کےطور پرٹوچی فیلڈفورس میں قیام کیااور خان بہادر کا خطاب پایا پہلی عالمگیر جنگ کے دوران آپ نے فوجی بھرتی دے کرسرکارانگلشیہ کا حق وفاداری ادا کیا آپ کوجلیل القدرخدمات کےعوض سی آئی ای کا خطاب ملااور ۱۹۲۶ءمیں آپ ''نواب'' بنا دیئے گئے آپ متواترکئی سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے پریذیڈنٹ رہے آپ کی پہلی بیوی کی اولادسے خانصاحب شیخ ولایت حسین ای ۔اے ۔سی اور شیخ بھاول شاہ آپ کی عین حیات میں انتقال کرگئےاور شیخ بھاول شاہ کی اولاد سے شیخ منظور حسین قریشی تحصیلدار بنے وہ ترقی کرکے مال افسر کےعہدہ پرپہنچ کرریٹائرڈ ہوئے دوسری بیوی سے شیخ عاشق حسین اور شیخ مقبول حسین ہوئےمقبول حسین فوج میں افسرتعلیات ہوئےمقبول حسین کی شادی ریاست پٹودی کے نواب کی ہمشیرہ سےاور عاشق حسین کی شادی وزیراعظم پنجاب سرسکندرحیات خان کی بھتیجی سے ہوئی مقبول حسین عین عالم جوانی میں باپ کے ساتھ ۱۹۳۵ءکےزلزلہ کوئٹہ میں انتقال کرگئے دونوں باپ بیٹے حضرت بہاؤالحق کےمزارمیں اپنےاجداد کی صف میں دفن کئے گئے۔

مخدوم مرید حسین قریشی:۔

آپ خان بہادر مخدوم حسن بخش کے فرزنداقبال انگریزی دور کی ممتاز ترین شخصیت تھے علاقہ سندھ میں بے پناہ اثرورسوخ کے مالک تھے جہاں سے ہرسال ہزاروں مرید آپ کے سلام ونیاز کے لیےملتان آئے

اوران کی دم بہاؤالحق کے نعروں سے فضاء ملتان گونج اُٹھی آپ نے مسلمانوں کی سیاسی کشمکش پر ایک کتاب لکھی تحریک سول نافرمانی کو ناکام بنانے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا وائسرائے کے دربار میں آپ کو صف اول میں نشست دی جاتی تھی مدتوں آپ آنریری مجسٹریٹ درجہ اول پانے میں ملتان ڈویژن کے افرادو روٴسا سے سبقت لے گئے بڑے صاحب علم وزکا اور فہم فراست تھے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۵ء تک سنٹرل اسمبلی کے ممبر رہے سنٹرل کواپریٹو بنک اور میونسپلٹی کے نائب صدر رہے ۱۹۶۰ء میں آپ نے وفات پائی۔

۱۸۷۵ء میں مخدوم شاہ محمود نے گورنمنٹ کی بڑی اچھی خدمت انجام دی یعنی یہ صاحب کمشنر بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر دیتا رہا جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے اور غلام مصطفیٰ خان کے رسالے کے لیے بیس آدمی اور گھوڑے اور کئی آدمی نئی پولیس کے واسطے مہیا کیے اس نے پولیس اور فوج میں اور آدمی بھی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہملٹن صاحب کے ہمراہ پچیس سواروں کے ساتھ تھے۔ (۸)

قریشی خاندان:۔

1857ء میں مخدوم شاہ محمود نے گورنمنٹ کی بڑی اچھی خدمت انجام دی یعنی یہ صاحب کمشنر بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر دیتا رہا جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے اور غلام مصطفیٰ خان کے رسالے کے لیے بیس آدمی اور گھوڑے اور کئی آدمی نئی پولیس کے واسطے مہیا کیے۔ اس نے پولیس اور فوج میں اور آدمی بھی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہملٹن صاحب کے ہمراہ پچیس سواروں کے ساتھ

کی آمدنی میں سے بھی کچھ میعدی اس کا حق مقرر ہوا نیز موضع سیرتھ واقع تحصیل میلسی کے مالیہ کا چوتھا حصہ بھی اس کے خاندان کے لیے بطور علی الدوام عطیہ کے معین ہو گیا دربار لاہور منعقدہ ۱۸۸۰ء کے موقع پر مخدوم بہاول بخش کو خدمات جنگ افغانستان کے صلہ میں ایک خلعت عطا ہوا جنگ مذکور میں اس نے باربرادری کے لیے اونٹ جمع کرنے میں امداد دی تھی اور بذات خود لڑائی میں شامل ہونے کی بھی درخواست کی تھی مگر اس شمولیت کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ مخدوم بہاول بخش کو ۱۸۸۷ء میں آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا اور یہ چند سال تک میونسپل کمیٹی کا ممبر رہا۔ یہ پراونشل درباری بھی تھا۔ مخدوم بہاول بخش نے ۱۸۹۶ء میں عالم بقا کا راستہ لیا۔ اس کا بیٹا مخدوم شیخ محمد شاہ اس کی وفات سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔

بہاؤل بخش کی جگہ اسکا بھائی مخدوم شیخ حسن بخش حضرت شیخ بہاؤالدین ورکن عالم قدس سرھما کی درگاہوں
کا سجادہ نشین اور خاندان کا بزرگ مقرر ہوا مخدوم شیخ حسن بخش ۱۸۶۶ء میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوا ۱۹۰۵ء
میں اسے خان بہادر کا خطاب عطا ہوا یہ پراونشل درباری تھا چونکہ اس نے اپنے آپ کو بہت سا مقروض کر لیا اس
نے اس کی جائیداد کچھ عرصہ کے لیے کورٹ آف وارڈز کے انتظام میں رہی مجسٹریٹ اور میونسپل کمیٹی نے ممبر کی
حیثیت سے اس نے بڑی خدمات کیں اس کا انتقال ۱۹۲۱ء میں ہوا اور اس کا بیٹا مرید حسین جو کئی سال ہوئے کیمل
کیڈر میں رسالدار تھا اس کا جانشین ہوا۔ وہ پراونشل درباری' اول درجہ کے اختیارات کا اعزازی مجسٹریٹ' اعزازی
ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر' دیوانی عدالتوں میں حاضری سے مستثنٰی اور معافی دار تھا اسے ذاتی اعزاز کے طور پر نواب
کا خطاب عطا ہوا تھا (۲) ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء کو مخدوم سید راجن بخش شاہ گیلانی کی وفات کے باعث باغیوں سے لڑ
نے گیا کچھ کیمپ کی خدمت بھی اپنے ذولی اور جو اسباب اگلے پڑاؤ پر بھیجا جا رہا تھا اس کی حفاظت کی جنگ کے اس
موقع پر مخدوم شاہ محمود کی موجودگی سے باغیوں پر بڑا اثر پڑا انہوں نے یہ دیکھ کر کہ خود ان کے مذہب کا ایک نہایت
مقتدر آدمی اور اس پیشول ان کی بغاوت کے خلاف ہے۔ اپنے دل ہار دیئے۔ ملتان میں کرنے والی مریدین کے
صاحب کمشنر بہادر کا ساتھ دیا اور اس پل کی حفاظت کے لیے کمشنر صاحب سے جا ملا جس پر گزر کر لوگ چھاؤنیوں کو
جاتے تھے مخدوم کے مریدوں میں سے کوئی بھی باغیوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا اور یوں اس کی کارگزاری اور
خیر سگالی مخدوم پاک پتن کی کاروائی اور خیر خواہی سے بڑھ رہی کیونکہ پاک پتن کے مخدوم کے پیرو بلوہ گوگیرہ کے مو
قع پر تمام بلوائیوں میں آگے آگے تھے ان خدمت کے صلہ میں مخدوم شاہ محمود کو ۳۰۰۰ روپیہ نقد انعام ملا زیارت
کے نقد وظیفہ کا تبادلہ ۱۷۸۰ء روپیہ کی ایک اراضی جاگیر کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ جاگیر ان 550 روپیہ مالیت کے
آٹھ چاہات کے علاوہ تھی جو مخدوم کو بطور علے الدوام عطیہ کے ملے تھے ۱۸۶۰ء میں وائسرائے ہند کی تشریف
آوری لاہور کے موقع پر مخدوم کی ذات خاص کے لیے ایک باغ ۱۵۰ روپیہ سالانہ آمدنی کا عطا ہوا جو ''بھنگی
والا باغ'' مشہور ہے مخدوم شاہ محمود کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا اور اسکی جگہ اس کا حلف الصدق مخدوم شیخ بہاول بخش
حضرات بہاؤالدین اور رکن عالم قدس اللہ سرہما کی درگاہوں کا سجادہ نشین ہوا مخدوم بہاول بخش کا نام اس کے
والد کی خاص نومواضعات کی جاگیر اور باغ بدستور جاری رکھا گیا اور نہر واقع تحصیل میلسی کی چرائی خالی ہونے والی

نشست پر سید شیر شاہ گیلانی کو شکست دے کر پنجاب اسمبلی کا رکن منتخب ہوا تھا۔مرید حسین قریشی کے اکلوتے بیٹے سجاد حسین قریشی ہیں وہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے وہ پکے یونیسٹ تھے مگر اگست ۱۹۴۷ء کے اوائل میں ہوا کا رخ دیکھ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء میں وہ ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔(۹)

مخدوم زادہ حاجی سید محمد رضا شاہ صاحب جیلانی:۔

آپ جیلانی خاندان کے بلند اقبال فرزند ہیں اور وہ یہ خاندان ہے جسے بفضل دینی ودنیاوی حاصل ہے امام انکل سیدنا علیؓ ،سیدنا حسنؓ علیہم السلام اس خانوادہ کے اجداد اور سیدنا غوث الاعظم مورث اعلیٰ ہیں بالخصوص ہمارے ممدوح حضرت مخدوم زادہ صاحب کو ملتان کے سب سے بڑے روحانی پیشوا وطریقت کے علم دار حضرت خان بہادر مخدوم سید محمد صدر الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین دربار پیر پیران ملتان کی اولا د ہونے کا شرف حاصل ہے غرضیکہ آپ کے اور آپ کے آباواجداد کے دم قدم ہی کی برکت ہے کہ ملتان دینا میں ایک نمایاں عزت وشرف کا مستحق سمجا جاتا ہے آج سے تقریباً ۳۸ سال قبل ۱۸۹۷ء میں جیلانی خاندان کا یہ گوہر شب چراغ عالم وجود میں آیا ۱۹۰۹ء میں جبکہ آپ کی عمر بارہ برس کے لگ بھگ تھی چیفس کالج لاہور میں داخل ہوئے جہاں آپ ۱۹۱۴ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے آپ تعلیمی،اخلاقی وجسمانی حالت کے لحاظ سے کالج بھر میں نمایاں خصوصیت رکھتے تھے اور اسی خصوصیت کی بدولت ''دیوار گولڈ میڈل''(جو نواب بہاولپور کی طرف سے پر اس طالبعلم کو دیا جاتا تھا جو کالج کی آخری جماعت میں ہر لحاظ سے اچھا ہو)بصورت خاص آپکو آٹھویں جماعت میں ملا۔

بسلسلہ تعلیم اس حرم کی یاداش میں کہ آپ مسجد میں جا کر طلباء کو ترکوں کی حمایت پر اکساتے ہیں کالج سے خارج کر دیئے گئے لیکن جب سر ایڈ وائر کو اسکا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو دوبارہ داخل کرا دیا لیکن اب آپ کا دل کالج سے اکتا چکا تھا اس لیے لوئر ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ دی۔

گورنر صاحب بہادر نے کمشنر ملتان کو ایما فرمایا۔کہ یا تو مخدوم زادہ صاحب تعلیم جاری رکھیں یا انسپکٹر پولیس تحصیلدار اے۔ٹی۔ایس لیفٹیٹ فوج میں سے کسی ملازمت کو قبول کریں مگر آپ نے دونوں باتوں سے انکار کر دیا آپ اڑھائی سال تک ریونیو کی ٹرینگ حاصل کرتے رہے ۱۹۲۱ء میں سکیم اصلاحات کا نفاذ ہوا تو آپ

پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے اور ملازمت کا خیال ترک کر دیا کچھ عرصہ کے بعد مسٹر ایبٹ کمشنر ملتان نے بغیر درخواست کے آپ کو آنریری مجسٹریٹ بنا دیا اور جب آپ کے استاد مسٹر بیدی ملتان کے ڈپٹی کمشنر مامور ہوئے تو انہوں نے بڑے مخدوم صاحب قبلہ کی خدمت میں استدعا کہ آپ بزرگ آدمی ہیں اس لئے اپنے عزیز کے حق میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری سے دست بردار ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مخدوم زادہ صاحب سرکاری ممبر مقرر ہو گئے بعد میں آپ انتخاب شدہ ممبر بنے اور جونیئر وائس پریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز ہو کر بورڈ کی خدمت کرنے گئے

۱۹۲۴ء میں آپ کو جذبہ زیارت سردار دو عالم وجج بہت اللہ کشاں کشاں حجاز لے گیا آپ کے ساتھ رہے قبلہ گاہ کے علاوہ متعلقین کی کافی جماعت تھی ۱۹۳۱ء میں آپ سینئر وائس چیرمین بنائے گئے مارچ ۱۹۳۴ء میں جب ملتان میونسپلٹی کا انتخاب ہوا تو آپ میونسپل کمشنر منتخب ہوئے اور ۲۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ مقرر ہوئے آپ گورنمنٹ کے بڑے خیر خواہ اور وفادار ہیں ہر موقعہ پر جب گورنمنٹ کو امداد کی ضرورت پڑتی ہے نہایت وفاداری سے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں کڑ وڑ پکا کی انجمن معین المسلیمین کے آپ سرپرست ہیں آپ کی زیر نگرانی ایک سکول اور ایک یتیم خانہ نہایت ہی کامیابی سے چل رہا ہے۔اس وقت ملتان میں جناب کا وجود اہایان ملتان ونواح ملتان کے لیے ازبس مفید ہے۔آپ میں قدرت نے مروت' انکسار' تواضع' انکساری اور کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے جب بھی آپکو کسی کی بیچارگی کی اطلاع ملے آپ فوراً مدد کو پہنچتے ہیں عرض آپ اپنے تمام کاروبار کو جس خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اور؟ آپ کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہیں ہماری دعا ہے کہ یہ مبارک خاندان اسی طرح پھیلتا پھولتا رہے۔(۱۰)

گیلانی خاندان:۔

۱۸۴۸ء میں جب میجر ایڈورڈ نے ملتان فتح کیا تو وہ اس درگاہ کے سجادہ نشینوں کی خیر خواہی سے متاثر ہو ااور اسے صرف اسی درگاہ کے لیے یہ سند دی کہ اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران مخدوم شیخ حامد گنج رابع المعروف پیر سید نور شاہ نے انگریزوں کی نمایاں خدمات انجام دیں چنانچہ انکی قوم فروشانہ خدمات کے عوض ۱۸۵۹ء میں سر جان لارنس نے انہیں ۲۰۰ روپے کی ایک خلعت اور ایک سند عطا کی حضرت پیر

سید نور شاہ کے بعد ان کے جانشین پیر سید ولایت شاہ ہوئے انگریزوں نے انہیں ۱۸۷۷ء میں ملتان کا اعزازی مجسٹریٹ مقرر کیا ۱۸۷۸ء میں ان کی وفات کے بعد ان کی جانشین مخدوم شیخ محمد غوث رابع نے سنبھالی جو مخدوم سید صدرالدین شاہ کے نام سے معروف ہوئے اس وقت ان کی عمر فقط دس برس تھی مخدوم سید صدرالدین شاہ گیلانی موجودہ گیلانی خاندان کے سربراہ اور خانقاہ حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین تھے دس برس کی عمر میں۔ ۱۸۷۸ء میں آپ نے اپنے والد ماجد کی جگہ سجادگی سنبھالی چونکہ ملتان کے گیلانی خاندان نے جنگ ملتان میں اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اسی لیے انگریز حکام آپ کی بڑی عزت کرتے تھے زہد وتقویٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں ہی بہت محبوب ومقبول تھے ہندو مسلمان سب آپ کا احترام کرتے تھے آپ سرکار انگریز کے وفادار تھے آپ چار سال تک ڈسٹرکٹ جیل ملتان کے آنریری وزیٹر رہے پہلی جنگ عظیم میں آپ نے سرکار انگریز کی بڑی مدد کی خان بہادر مخدوم سید صددالدین کے دو بھائیوں میں سے ایک شیر شاہ سرکاری ملازم ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ (۱۱)

مخدوم سید صدرالدین بارسوخ آدمیوں میں سے ایک تھا اور پنجاب اور سندھ اور افغانستان میں اسکے بے شمار مرید تھے اسکو ۱۹۱۱ء کے دربار تاجپوشی دہلی میں مدعو کیا گیا تھا اور ملک معظم اور ملکہ معظمہ کیساتھ ملاقات کا شرف بخشا گیا تھا ۱۹۱۶ء میں پیر موصوف کو ''خان بہادر'' کا خطاب اور ایک جاگیر عطا ہوئے اس کے بعد اسے ایک سہنری گھڑی عطا ہوئی اور ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۷ء کے مقامی فسادات کے متعلق اسکی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ۱۹۳۵ء میں اس نے ۵۱۱ روپیہ سلور جوبلی فنڈ میں دیا اور جوبلی مذکور کا تمغہ حاصل کیا پیر موصوف ہمیشہ سے گورنمنٹ کی امداد کرتا تھا ۱۹۲۴ء میں اس نے عراق، عرب، دمشق، فلسطین، مکہ اور مدینہ کے متبرک مقامات کی سیاحت کی جس کے دوران میں بادشاہ عبداللہ نے اسکی بڑی عزت وتکریم کی۔ (۱۲)

خان مخدوم سید صددالدین شاہ کے چار بیٹے تھے جن کے نام سید غلام یٰسین شاہ، سید غلام مصطفیٰ شاہ، سید محمد مختیار حسین شاہ اور سید محمد رضا شاہ تھے وہ تمام اعلیٰ سرکاری ملازمتوں پر فائز رہے رضا شاہ پنجاب لجسلیٹو کونسل کے رکن رہے ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات میں ملتان کے تقریباً تمام بڑے خاندانوں نے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا مگر گیلانی خاندان نے نہ صرف اس انتخاب میں بلکہ تحریک پاکستان کے ہر مرحلے پر مسلم لیگ کا

ساتھ دیا اس انتخاب میں محمد رضا شاہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر شجاع آباد سے امیدوار تھے اور یہ انتخاب وہ جیتنے میں کامیاب ہوئے۔ اس سے کچھ عرصہ قبل ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے انتخاب میں انہوں نے انگریز ڈپٹی کمشنر ای پی مون کو بھاری اکثریت سے شکست دی تھی سید غلام مصطفیٰ شاہ کے نو بیٹے تھے جن میں تین بیٹے یعنی ولایت حسین شاہ، سید علمدار حسین شاہ اور سید رحمت حسین شاہ سیاست کے میدان میں نمایاں ہوئے۔ سید ولایت حسین شاہ اور سید علمدار حسین شاہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے جب کہ سید علمدار حسین شاہ ۱۹۵۳ء میں صوبائی وزیر صحت کے منصب پر فائز ہوئے سید محمد رضا شاہ کے صاحبزادے سید حامد رضا گیلانی بھی سیاست کے میدان میں نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ وہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء دونوں انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کے دوستوں میں شامل تھے اور انہی کے کہنے پر حامد رضا گیلانی ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء دونوں مرتبہ پارلیمانی سیکرٹری بنائے گئے تھے۔ (۱۳)

سید راجن بخش شاہ گیلانی:۔

۱۸۷۸ء میں پیدا ہونے اور مسجد میں ابتدائی تعلیم پائی۔ باقی تعلیم و تربیت آپ نے اپنے پیر و مرشد سید میر جان شاہ افغانی سے حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں آپ نے پبلک زندگی میں قدم رکھا میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۳۳ء تک ہر بار بلا مقابلہ بلدیہ ملتان کے ممبر منتخب ہوتے رہے ۱۹۱۲ء میں وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی چنے گئے ۱۹۲۱ء میں بلدیہ کے سب سے پہلے غیر سرکاری پریذیڈنٹ بنے آپ آخری دم تک بڑی دیانت داری، جرات اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ہندو آپ کو ملتان کا ڈکٹیٹر کہتے تھے۔ آپ بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے ۱۹۱۶ء میں رائے بہادر ہرچند کے مقابلہ میں قسمت ہائے لاہور و ملتان سے لیجلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور آپ نے وہاں پہلی بار ریزولیوشن پیش کیا کہ کونسل کی زبان اردو ہونی چاہئے ۱۹۱۷ء میں جب ماٹیگو وزیر ہندوستان آئے تو آپ نے بھی ان کے سامنے سر فضل حسین کے ہمراہ اپنے مطالبے پیش کئے۔

۱۹۲۱ء میں جدید اصلاحات کے تحت آپ قسمت ملتان سے سنٹرل اسمبلی کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے اور تا زیست ۱۹۳۶ء تک اس کے ممبر رہے سنٹرل اسمبلی میں آپ قائد اعظم کی انڈی پنڈنٹ پارٹی سے منسلک رہے اسمبلی کے سب سے پرانے ممبر ہونے کی وجہ سے آپ فادر آف دی اسمبلی کہلاتے تھے۔

سید پیر صدرالدین شاہ گیلانی:۔

آپ موجود گیلانی خاندان کے سربراہ اور خانقاہ حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین تھے دس برس کی عمر میں ۱۸۷۸ء میں آپ نے اپنے والد ماجد کی جگہ سجادگی سنبھالی چونکہ ملتان کے گیلانی خاندان نے جنگ ملتان میں اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اسی لیے انگریز حکام آپ کی بڑی عزت کرتے تھے زہد وتقویٰ کی وجہ سے مسلمان سب آپ کا احترام کرتے تھے آپ سرکار انگریزی کے یار وفادار تھے انجمن روساے پنجاب کے رکن اور پراونشل درباری تھے ۱۴ سال تک ڈسٹرکٹ جیل ملتان کے آنریری وزیٹر رہے ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقعہ پر جارج پنجم نے آپ کو شرف ملاقات بخشا پہلی جنگ عظیم میں آپ نے سرکار انگریزی کی خدمت انجام دیں جس پر آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا گیا آپ کی خاندانی خدمات کی وجہ سے اعلیٰ انگریز حکام ازقسم گورنر، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دربار پیر صاحب پر پہنچ کر اظہار عقیدت کرتے تھے آپ کے ہزاروں مرید شمالی ہندوستان اور افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے وہ بھی آپ کی طرح وفادار سرکار رہے اہل ملتان کی زیادہ تر توقعات اسی دربار سے وابستہ رہتی تھیں اور آپ آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی دستگیری کرتے تھے آپ کے بھائی سید شیر شاہ سرکاری ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر بن گئے اور خان بہادر کا خطاب پایا۔

سید محمد رضا شاہ گیلانی:۔

آپ پیر صدرالدین شاہ گیلانی کے فرزند ارجمند تھے ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں چیفس کالج لاہور میں داخل ہو کر ۱۹۱۴ء تک وہاں تعلیم پائی آپ ابتداء سے ہی عوامی زندگی کے دلدادہ تھے اسی لیے آپ کالج کی مسجدوں میں جا کر طلباء کو ترکوں کی امداد پر اُبھارتے تھے جس کی بناء پر آپ کو کالج سے نکال دیا گیا سر ایڈورلڈ گورنر نے آپ کو دوبارہ کالج میں داخل کرایا مگر آپ نے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد کالج چھوڑ دیا گورنر کی ایما پر کمشنر ملتان نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح آپ سرکاری ملازمت قبول کرلیں مگر ان کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی آپ کو جو بھی اعلیٰ ملازمت پیش کی گئی آپ نے اسے مسترد کر دیا اور غلام بننے پر آزاد رہنے کو ترجیح دی ۱۹۲۱ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے آنریری مجسٹریٹ بنے ۱۹۲۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سرکاری ممبر

نامزد ہوئے اس کے بعد آپ نے سرکاری ممبری بھی ترک کر دی اور با قاعدہ انتخاب لڑ کر عوامی نمائیندہ کی حیثیت سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بنے اور جونیئر وائس پریذیڈنٹ عہدہ تک پہنچ گئے ۱۹۳۱ء میں آپ سینئر وائس پریذیڈنٹ بنے اور ۲۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ڈسٹرکٹ بورڈ کے پہلے غیر سرکاری چیر مین منتخب ہوئے پنجاب کے اضلاع میں یہ شرف صرف ملتان کو حاصل ہوا جہاں سب سے پہلے ڈسٹرکٹ بورڈ کا غیر سرکاری صدر منتخب ہوا۔ (۱۴)

گیلانی خاندان کا تنقیدی جائزہ:۔

گیلانی خاندان نے ملتان اور اس کے نواح کے لوگوں کی روحانی اور سیاسی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس خاندان کے بزرگ عراق سے ہجرت کر کے ملتان آئے اور یہاں کی مٹی میں رچ بس گئے۔اس خاندان کے بزرگوں نے تبلیغ کی اور کافی تعداد میں لوگوں کو شرف با اسلام کیا۔ان کے مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ان کے بزرگوں نے کفر و شرک کا خاتمہ کیا۔اسلامی اقتدار کا تحفظ کیا اور مسلمانوں کی روحانی اور سیاسی طاقت کو تقویت بخشی۔تحریک پاکستان میں بھی اس خاندان کے بزرگوں کا اہم کردار ہے۔قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں اس خاندان نے انجمن اسلامیہ ملتان کے زیر اہتمام خاصی تعداد میں تعلیمی اداروں کے ذریعے علاقے کے لوگوں کی علمی آبیاری کی۔

لغاری خاندان:۔

جلال خان ۱۸۷۵ء میں سر رابرٹ سنڈیمن کے ساتھ قلات گیا جہاں اسے وفادارنہ رویے کے صلے میں اس کو نوابی کا خطاب ملا اور مجسٹریٹی کے اختیارات پھر عطا کئے گئے یہ ۱۸۸۱ء میں حج کے واسطے مکہ گیا اور واپسی کے وقت اپنے وطن موضع چوٹی سے پہلے ڈیرہ غازی خان میں فوت ہو گیا۔ (۱۵)

نواب جلال خان کا جانشین نواب محمد خان ایک قابل اور ہر دلعزیز آدمی تھا محمد خان کو ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کے موقع پر نواب کا خطاب عطا ہوا۔اس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ بلوچستان کے ایک قطعہ اراضی کے مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے لیے مقدمہ بازی اور دعاوی پر صرف کیا یہ علاقہ بارکھان کہلاتا ہے محمد خان ۱۸۹۶ء میں فوت ہو گیا۔نواب محمد خان کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا جمال خان اسکا جانشین مقرر ہوا چونکہ جمال خان نابالغ تھا اس لیے جمال خان کا چچا زاد بھائی تگیا خان قائم مقام تمندار مقرر ہوا تگیا خان کی وفات کے

بعداس کا بھائی دین محمد خان تمندار مقرر کیا گیا مگران کے بھائی میر محمد خان کے درمیان جائیداد پر کشمکش شروع ہوگئی اور فیصلہ پنچائیت تک جا پہنچا چونکہ انگریز حکومت سے ۲۰۰۰۰ روپے قرضہ لیا تھا اس کی ادائیگی سردار دین محمد خان کو سونپی گئی۔(۱٦)

اسی دوران سردار جمال خان لغاری لاہور میں ایچی سن کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور تعلیم کے بعد انہیں مجسٹریٹ کے اختیارات عطا کئے گئے اور تمن کے معاملات چلانے کے لیے خصوصی تربیت دی گئی ۱۹۱٦ء میں سردار جمال خان نے لغاری قبیلہ کے سرداری سنبھالی مری اور کھترانوں کی قبائلی جنگ کے دوران انہوں نے ملتان بریگیڈ کے پولیٹیکل آفیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیں جس کے عوض انہیں ۱۹۱۹ء میں فرنٹیروار میڈل عطا ہوا اور اسی برس انہیں خان بہادر کا خطاب ملا اور چھ برس کے بعد انہیں نواب بنا دیا گیا وہ ۱۹۲۱ء میں پنجاب کی مجلس قانون ساز کے رکن بنے ۱۹۳٦ء میں سردار جمال کو ان کے ضلع کا اعزازی ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا ساتھ ہی ساتھ وہ صوبائی درباری اعزازی مجسٹریٹ اور سول جج کے فرائض بھی انجام دیتے رہے وہ اپنے ضلع کے پہلے تمن دار تھے جنھوں نے علاقے میں پرائمری تعلیم متعارف کروائی اور غریب اور حقدار طلباء کے لیے تیس وظیفے منظور کئے۔ (۱۷)

سردار جمال خان نے 1946,1937,1930 کے ہر انتخاب میں حصہ لیا۔

خاکوانی خاندان:۔

1857ء کے غدر کے شروع میں حاجی غلام مصطفےٰ خان صاحب مرحوم نے عالی جناب صاحب کمانڈر انچیف افواج ہند کے حکم سے ایک رسالہ مرتب کیا۔ جس میں زیادہ تر ان کے اپنے قبیلہ کے لوگ تھے اور جنرل کورٹ لینڈ کے ماتحت نہایت کامیابی کے ساتھ علاقہ بھٹی میں نمایاں خدمات سرانجام دیں پنجاب میں واپسی پر گوگیرہ اور وسطی بار کے جنگلی علاقہ کو باغیوں سے بالکل صاف کردیا۔ ان خدمات کے صلہ میں آپ کو مبلغ ایک ہزار روپیہ کی خلعت فاخرہ ایک تلوار اور دو پستول عطا ہوئے اس کے بعد 1857ء میں کمشنر صاحب نے آپ کو باغیوں کے تعاقب میں بھیجا تا کہ دیہات والوں کی امداد سے ان کی بیخ کنی کی جائے۔ آپ نے یہ کام بخوبی انجام دیا۔

خان بہادر محمد یار خان صاحب خاکوانی (مرحوم) 1861ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ضلع ملتان کے دوسرے

پراونشل درباری' آنریری مجسٹریٹ وشجاع آباد کے کئی موضع کے نمبردار تھے۔ آپ پرانی وضع کے مقتدر اور رئیس تھے۔غریبوں متحاجوں کی امداد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ کی ایک ہمشیرہ کی شادی آپ کے والد ماجد خان بہادر غلام قادر خان صاحب مرحوم نے حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی علیہ الرحمتہ سے اپنی حیات میں کی تھی۔ جس میں ایک مکان پر ایک لاکھ روپیہ عطا کیا اور دیگر زرعی جائیدار میں سے بھی پندرہ ہزار بیگھے زمین موضع قادر آباد تحصیل میلسی اور موضع قادر پور رواں قطب پور وغیرہ دیئے گئے۔ضرورت مند شرفاء کی خفیہ امداد دریا دلی سے کرتے تھے اور اکثر اوقات بلاتحاشہ روپیہ خرچ کردینے کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ لین دین کے معاملات میں کاروباری نکتہ نظر سے توجہ کم فرمایا کرتے تھے۔ ملازموں کی بے قاعدگیوں کا علم ہوجانے پر بھی آپ اپنی مخصوص کشادہ دلی سے درگذر فرماتے تھے۔ آپ کے چار بیٹے قابل ذکر ہیں۔

غلام محمد خان خاکوانی ' عطامحمد خان' مشتاق محمد خان' درمحمد خان' ممتاز خان' محمد خان خان بہادر نواب حاجی احمد یار خان صاحب خوگانی (رئیس اعظم)

خان بہادر صاحب موصوف 1863 میں پیدا ہوئے۔ آپ ڈویژنل درباری اور جاگیر دار ہونے کے علاوہ ضلع ملتان کے بہت بڑے زمیندار تھے اور اپنی صفات حسنہ کی وجہ سے مقبول وممتاز رئیس شمار کیے جاتے تھے اضلاع ملتان لائلپور ومظفر گڑھ میں آپ کی واحد ملکیت تقریبا 50,000 ہزار بیگھے کے قریب تھی۔ اس کے علاوہ جائیدار کی مالیت تقریبا3 لاکھ روپے تھی اور جاگیر بھی 1200 روپیہ سالانہ تھی۔خوگانی خاندان کے بزرگان کی آپ بہترین یادرگار تھے۔

خان بہادر نواب غلام مصطفےٰ خان صاحب کا انتقال 1869 میں ہوااوران کے بیٹے نواب غلام قادر خان صاحب بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر سرکار عدلیہ کے خاص خیر خواہوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کے زمانہ کی جاری کردہ نہر حاجی وہ کی تکمیل کرائی۔جس میں سے ان کو 1880 میں تقریباً 60 ہزار ایکڑ اراضی کے مالکانہ حقوق عطا ہوئے' جن کی شرائط کے متعلق 1886ء میں انہیں خان بہادر کا خطاب ملا۔اور دو پشت کے لئے بطور حرف خاص سرکاری مالیہ میں سے مبلغ 5000 روپیہ سالانہ انعام مقرر ہوا۔ خان غلام قادر خان صاحب 1888 میں چار صاحبزادے محمد یار خان' احمد یار خان' حافظ خدا بخش خان اور حافظ حامد یار خان چھوڑ کر

رحلت فرما گئے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تقسیم جائیدار کے متعلق کچھ تنازعہ ہوا جس کی وجہ سے نہر حاجی واہ سرکار نے واپس لے لی اور خان بہادر محمد یار خان صاحب مرحوم بزرگ خاندان قرار پائے تھے۔

خان بہادر نواب احمد یار خان صاحب خوگانی کو اپنے جد امجد اور والد کی جملہ صفات حسنہ ورثہ میں ملتی رہیں۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں آپ نے سرکار عالیہ کی مختلف طریقوں سے امداد کی۔ انتظام عامہ کی ہر مفید تحریک میں جب کبھی آپ سے مدد طلب کی گئی آپ نے ہمیشہ کشادہ دلی سے اس میں حصہ لیا۔ آپ کی دیانت' شرافت و نجابت اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ ماہ جنوری 1921 میں ہز ایکسی لنسی جناب گورنر صاحب بہادر احاطہ بمبئی نے آپ کو علاقہ بلوچستان کے مگسی بلوچ اور لاڑکانہ کے چانڈیہ خاندان کے مابین قدیمی مخالفت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک جرگہ کی رکنیت کے لئے خاص طور پر طلب کیا اس سلسلے میں مسٹر ایبٹ کمشنر ملتان نے اس بات پر بجا طور پر فخر کیا کہ ایسے اہم جرگہ کی رکنیت کے لئے قسمت ملتان کے ایک رئیس کا انتخاب ہوا ہے۔ اس جرگہ کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی بات سے ہوسکتا ہے کہ اس مخالفت کے سلسلہ میں کوئی 850 مقدمات ایسے تھے جو بغرض فیصلہ کے اس جرگہ کے سپرد ہوئے۔ آپ کو اسی طرح حکومت پنجاب وحکومت بمبئی نے ایک اور ضروری جرگہ کے لئے جو جعفر کے قتل کے سلسلہ میں منعقد ہونا قرار پایا تھا۔ آپ کو طلب کیا۔ آپ کی مساعی جمیلہ' خداداد قابلیت اور بے لوث جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین کی خواہشات کے مطابق جملہ امور کا تسلی بخش فیصلہ ہوگیا۔ اس پر آپ کو ہر طرف سے مبارکباد کے پیغام موصول ہوئے ان خدمات کے اعزاز میں آپ کو 1925ء میں خان بہادر کا خطاب ملا اور 1935 میں آپ کو نواب کا خطاب ملا۔

حافظ خدا بخش نہایت پاکیزہ اور نیک طبیعت کے بزرگ تھے۔ آپ نے قرآن حفظ کیا اور اپنے خاندان کا نام روشن کیا۔ غریبوں' بیواؤں کی مدد کرتے تھے اور ارکان اسلام کی پابندی کرتے تھے۔ دینی کاموں میں بیش از بیش حصہ لیا کرتے تھے۔ البتہ ملتان کی پارٹی بازی اور سیاسی جدوجہد سے ہمیشہ علیحدہ رہتے تھے۔ آپ ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے نامزد ممبر بھی تھے۔ جنگ عظیم میں نمایاں خدمات کے سلسلہ میں آپ کو کئی اسناد اور خلعت فاخرہ عطا ہوئے۔ (۱۸)

نواب احمد یار خان خاکوانی:۔

خوگانی جواب خاکوانی کہلاتے ہیں۔ سترہویں صدی عیسوی میں ملتان آئے۔ شہپال خوگانی نے لوہاری دروازہ کے قریب زمین حاصل کر کے موجودہ کڑی افغاناں کی بنیاد رکھی اور یہیں بمعہ اہل وعیال و بھائی بند آباد ہوئے۔ موجودہ خاکوانی خاندان کا مورث خداداد خان تھا۔ جو شہپال کے ساتھ ملتان آ کر آباد ہوا تھا۔ خداداد خان کی اولاد سے غلام مصطفےٰ خان ولد حاجی علی محمد خان انگریزی فوج میں سالار تھے اور آخری وقت تک اپنے فرائض منصبی دیانتداری سے انجام دیتے رہے۔ آپ کو سرکار کی طرف سے نقد انعام' سالانہ جاگیر اور ایک لاکھ ایکڑ راراضی دائی پٹہ پر دی گئی۔ جس میں سے 60 ہزار ایکڑ کے مالکانہ حقوق ان کے پسر خان بہادر غلام قادر خان کو ملے۔ خان بہادر غلام مصطفیٰ خان نے 1829ء میں وفات پائی۔ خان بہادر غلام قادر خان کے چار بیٹے محمد یار خان' احمد یار خان' خدا بخش خان اور حامد یار خان تھے۔

سرکار انگریز کی خدمات کے عوض احمد یار خان کو خان بہادر اور نواب کا خطاب ملا۔

نوابزدہ عبدالقادر خان بادوزئی:۔

آپ خاندان بادوزئی ملتان کے سردار اور شہر کے رؤساء اور پنجاب کے چیفس میں سے تھے۔ بی اے تک آپ کی تعلیم تھی اور آپ تین مرتبہ ملتان میونسپل کمیٹی کے سرکاری ممبر نامزد ہوئے۔ دو دفعہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔ 1913ء میں آپ نے فن زراعت پر متعدد کتابیں لکھیں۔ 1914ء میں آپ سٹی بینچ ملتان کے اعزازی مجسٹریٹ درجہ دوم مقرر ہوئے اور 24 برس تک یہ خدمات نہایت احسن طریق سے سرانجام دیں۔ آپ پراونشل درباری تھے۔ سرکار انگریز کے وفادار اور حقیقی خیر خواہ تھے۔ محرم کے بلوہ 1922ء میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ نواب عاشق محمد خان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ سیر وسیاحت کے شوقین تھے۔ 32-1931 کی تحریک سول نافرمانی کی مخالفت میں آپ نے اردو اور انگریزی میں متعدد رسالے شائع کیے۔ آپ کے پانچ ملازم بغیر لائسنس بندوق رکھنے کے مجاز تھے۔ آپ ساری عمر پارٹی بازی سے الگ تھلک رہے۔ آپ کے بعد اس خاندان میں کوئی نامور پیدا نہ ہوا۔ (۱۹)

دولتانہ خاندان:۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے تحریک پاکستان کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان کے والد نواب احمد یار خان دولتانہ خود پنجاب کے ایک بڑے سیاستدان کے طور پر جانے جاتے تھے۔اس لیے ان کو بھی نوعمری ہی میں سیاست سے دلچسپی ہوگئی تھی۔اگرچہ تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے سیاست سے دور رہے۔ممتاز دولتانہ نے اعلی تعلیم انگلستان سے حاصل کی تھی اور ان دنوں یورپ میں ایک عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی۔ایک طرف جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۳ء) جاری تھی اور دوسری طرف سوشل ازم کو مقبولیت حاصل ہورہی تھی۔ظاہر ہے اس کے اثرات وہاں پر آئے ہوئے بدیسی طلبہ پر بھی اثر انداز ہورہے تھے۔جب میاں ممتاز محمد کان دولتانہ واپس آئے تو اپنے ساتھ ترقی پسند خیالات کو بھی لائے ہندوستان واپس آئے تو ان کے والد جو علیل تھے انتقال کر گئے۔کچھ عرصہ ان کو سنبھلنے میں لگا۔پنجاب کے سیاستدانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ ۱۹۴۳ء مین پنجاب اسمبلی کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوگئے۔اس وقت مسلم سیاست برصغیر میں توانائی حاصل کرچکی تھی۔اورتحریک پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں لحظہ بہ لحظہ آگے بڑھ رہی تھی۔ممتاز دولتانہ مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔(۲۰) مسلم لیگ کے جوش وخروش سے ممتاز دولتانہ کو بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ قیام پاکستان ناگزیر ہے۔جب انہوں نے سیاست میں قدم رکھا تو پنجابی یونینسٹوں نے ان کو گھیر لیا۔مگر انہوں نے اپنے بزرگوں کی سیاست کو تیاگ دیا اور یونینسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی بجائے مسلم لیگ کے ہم قدم اور ہم آواز بن گئے (۲۱)۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نوجوان سیاستدانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔انہوں نے ممتاز دولتانہ کی صلاحیتوں کی بناء پر انہیں پنجاب مسلم لیگ کا سیکرٹری بنا دیا۔انہی دنوں نواب شاہنواز خاں ممدوٹ کا انتقال ہوگیا۔جو کہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے ان کے بعد یہ عہدہ ان کے بیٹے نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ کو تفویض کردیا گیا۔نواب افتخار حسین ممدوٹ اور ممتاز دولتانہ نے مل کر پنجاب مسلم لیگ کو مزید فعال (۲۲) بنایا اور اس کام میں ان کا ساتھ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے دیا (۲۳)۔جس کے قائدین میں حمید نظامی (۱۹۱۵ء۔۱۹۶۲ء) (۲۴) اور مولانا عبدالستار خاں نیازی جیسے (۱۹۱۵ء۔۲۰۰۱ء) (۲۵)۔افراد شامل ہیں (۲۶)۔حمید نظامی ایک

اسلام پسند صحافی تھے۔ جو کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آئے تھے۔ انہوں نے پنجاب میں مسلم طلباء کو متحد کیا۔ حمید نظامی نے مسلم لیگ اور تحریک آزادی کی ترجمانی کے لیے ہفت روزہ نوائے وقت نکالا۔ مسلم عوام میں اس ہفت روزہ نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے مشورہ پر اسے روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا حمید نظامی کے پاس اس قدر سرمایہ نہ تھا کہ روزنامہ نکالا جا سکتا۔ لہٰذا اشراکت کی بناء پر کمپنی بنائی گئی جس کے پانچ حصہ دار تھے۔ دولتانہ نے بطور حصہ دار اپنا نام پیش کیا مگر حمید نظامی نے بعض زاتی وجوہات کی بناء پر انکار کر دیا (۲۷)۔ حالانکہ دولتانہ کی اس پیش کش کے پیچھے ذاتی مفاد کے بجائے تحریک پاکستان کا جذبہ پنہاں تھا۔

۱۹۴۴ء میں تحریک پاکستان میں سیاست پنجاب کے محاذ پر دولتانہ اور ممدوٹ کے ساتھ سردار شوکت حیات خان (۱۹۱۵ء۔ ۱۹۹۸ء) بھی شریک ہو گئے جو کہ سر سکندر حیات خاں کے فرزند تھے۔ بعدازاں میاں افتخار الدین (۱۹۰۸ء۔۱۹۶۲ء) (۲۸) بھی آن ملے جو اس سے پہلے کانگریس کے ممبر تھے۔ اس طرح پنجاب میں تحریک پاکستان کو نیا خون ملا نومبر ۱۹۴۴ء میں ممتاز دولتانہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کا منشور تیار کیا ۔ جس میں شہری آزادیوں، انتخابات میں سرکاری مداخلت کا سدباب اور ترقی پسندانہ معاشی پالیسی کو اہمیت دی گئی۔ یہ منشور بے حد مقبول ہوا اس سے پنجاب کے عوام میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ مسلم لیگ جاگیردار طبقہ یا سرمایہ دار طبقہ کی جماعت نہیں۔ اور نہ ہی سامراجیت کے حامی افراد کی جماعت ہے بلکہ یہ غریب اور درمیانہ طبقہ کے مفادات وحقوق کی علمبردار ہے۔

بڑے بڑے قائدین جن میں نواب افتخار حسین ممدوٹ، ملک برکت علی، راجہ غضنفر علی، میاں امیر الدین، میاں بشیر احمد، بیگم جہاں آرا شاہنواز، بیگم سلمیٰ تصدق حسین جیسی شخصیات میں سے تحریک پاکستان کے ایک قائد کے طور پر اپنا نام بنایا۔ ۱۸ مارچ تا ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فاؤنڈیشن کا ایک جلسہ اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوا اس اجلاس کی صدارت ممتاز دولتانہ نے کی (۲۹)۔ اس موقع پر خطبہ استقبالیہ میں پنجاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ تعلیم، اقتصادیات اور فوجی ملازمتوں کے میدان میں پنجاب کے لوگ ہمارے ان بھائیوں سے آگے ہیں۔ جو دوسرے مقامات پر رہتے ہیں۔ جن کے حالات ہمارے مقابلے میں اچھے ہیں لہٰذا

قدرتی طور پر پنجاب کا مقدر ہے کہ وہ تحریک پاکستان میں پیش پیش رہے (۳۰) اور یہی امر پاکستان کے حق میں سب سے بڑی دلیل اوراس کے اصول کے لیے سب سے بڑا ہتھیار بھی ہے۔ان کے خطاب کا طریقہ اس طرح کا تھا کہ وہ سامعین کو قائل کر لیتے تھے۔اس موقع پر مزید فرمایا کہ سیاسی بیداری اور تنظیم کے لحاظ سے پنجاب پچھلی صف میں ہے اور اہل پنجاب گروہ بندیوں میں الجھے ہوئے ہیں (۳۱) اس کے بعد قائداعظمؒ نے اس جلسے سے خطاب کیا اوراس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ طلبہ میں غور وفکر کی صلاحیت بڑھ رہی ہے۔ (۳۲)

میاں ممتاز دولتانہ نے نہ صرف پنجاب میں تحریک پاکستان کو آگے بڑھایا بلکہ دوسرے صوبوں کے لیے بھی جہاں ممکن ہو سکا کام کیا بہار میں ۱۹۴۶ء میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ان فسادات میں مسلمانوں پر ظلم وتشدد کیا گیا اوران کا قتل عام ہوا (۳۳) یہ سلسلہ اس پر ختم نہ ہوا۔اور نوجوان مسلمان خواتین کو اغوا کیا گیا۔ان واقعات کی ایک رپورٹ دولتانہ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء کے تعاون سے تیار کی اوراس رپورٹ کی ایک نقل قائداعظمؒ کو بھی بھجوائی (۳۴)۔۱۹۴۵ء کے انتخابات کے دوران جب قائداعظم پنجاب آئے تو انہوں نے مسلم لیگ پنجاب کے امیدواروں سے کہا:

If you lose in Punjabi you lose Pakistan

۱۹۴۵ء کے آخر میں مرکزی اسمبلی اور ۱۹۴۶ء کے اوائل میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں ممتاز دولتانہ نے پنجاب مسلم لیگ کا منشور تیار کیا اور صوبائی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔ انہوں نے یہ انتخاب سیالکوٹ کی دیہی نشست سے لڑا۔ان کے مقابل یونینسٹ کے امیدوار خان بہادر نواب محمد دین تھے ۔ میاں ممتاز دولتانہ ۳۹۸۳ ووٹوں کے مقابلے میں ۸۳۶۱ ووٹوں سے کامیاب قرار پائے (۳۵) بحیثیت مجموعی پنجاب مسلم لیگ نے ۸۶ مسلم نشستوں میں سے ۷۳ نشستوں پر کامیابی حاصل کی (۳۶) پنجاب میں ۱۹۳۶ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔مگر اس بار پنجاب نے اس فیصلے پر مہر ثبت کر دی تھی کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ممتاز دولتانہ نے فتح کی خبر قائداعظم کو دی تو قائداعظم کے منہ سے بے اختیار نکلا Welcome to Pakistan۔ کانگریس کے ٹکٹ پر کوئی مسلمان امیدوار کامیاب نہ ہوا۔ کانگریس نے ۸ نشستوں پر مسلمان امیدوار کھڑے کیے تھے وزارت کا حق مسلم لیگ کا تھا کیونکہ

مسلم لیگ ہی اکثریتی جماعت تھی مگر انگریز نوازی اور کانگریس نے ایسا چکر چلایا کہ پنجاب میں کولیشن وزارت تشکیل پا گئی۔ جس کی ڈور کانگریس، اکالی اور یونینسٹ ارکان کے ہاتھوں میں تھی۔ اور اس کابینہ کے وزیر اعظم خضر حیات ٹوانہ تھے مسلمانان پنجاب کی اس صورت حال پر بے چینی ایک فطری امر تھا۔ (۳۷)

مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی میں بھی مسلم نشستوں پر ۱۰۰ فیصد کامیابی حاصل کی۔ مگر یہاں بھی پنجاب کا ڈرامہ دہرایا گیا۔ قائد اعظمؒ نے انگریزوں کی اس پالیسی کے خلاف مسلم لیگ ایکشن کمیٹی بنائی آل انڈیا مسلم لیگ مجلس عاملہ میں پنجاب کی نمائندگی ملک برکت علی اور ان کے بعد شیخ کرامت علی، میاں بشیر احمد اور نواب افتخار حسین ممدوٹ کرتے تھے۔ ممتاز دولتانہ مسلم لیگ کی کونسل کے ممبر تھے مگر قائد اعظمؒ ان کی ذہانت و فطانت کو پسند کرتے تھے چنانچہ جب انہوں نے مسلم لیگ ایکشن کمیٹی بنائی تو اس میں ممتاز دولتانہ کو شامل کیا گیا۔ یہ ممتاز دولتانہ کے لیے پہلا کل ہند سطح پر اعزاز تھا (۳۸)۔ یہاں سے ہی انہیں نواب زیادہ لیاقت علی خاں کا قرب حاصل ہوا۔ اس کے بعد کونسل کی ہدایت کے بعد مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے راست اقدام کا پروگرام ترتیب دیا۔ راست اقدام کا دن پورے ہندوستان میں منایا گیا۔ اس کے لیے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کا دن مقرر تھا یہ دن امن وامان سے گزرا اور پنجاب میں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہوا اس دن مسلم لیگ کے رہنماؤں نے جلسے سلوس منعقد کیے۔ مسلم نقطۂ نظر مزید واضح ہو کر سامنے آیا ہندوستانی مسلمان آزادی سے کم کچھ بھی لینے کو تیار نہیں (۳۹)۔

ممدوٹ وزارت اور ممدوٹ دولتانہ اختلافات:۔

قیام پاکستان کے اعلان کے وقت پنجاب میں گورنر راج نافذ تھا۔ خضر حیات ٹوانہ مستعفی ہو چکے تھے۔ پنجاب میں سکھ غیض وغضب کا نشان بنے ہوئے تھے۔ ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ گورنر وزارت کا حق اکثریتی جماعت کے حوالے کر دے۔ پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ گورنر جینکنز نے مسلم لیگ کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ اس سلسلے میں ۵ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں باہمی مشاورت کی گئی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہو گیا۔ ۱۵ اگست کو گورنر مغربی پاکستان نے وزارت بنائے کی منظوری دے دی (۴۰)۔ ۱۷ اگست کو نواب ممدوٹ نے اپنی کابینہ سمیت حلف اٹھالیا فیروز خان نون وزارت اعلی کے امیدوار تھے مگر قائد اعظمؒ کی خواہش پر انہوں نے اپنا نام واپس لے لیا۔ ممدوٹ کابینہ میں تین وزراء شامل تھے

ایک ماہ کے بعد میاں افتخار الدین کو مالیات کے وزیر کے طور پر کابینہ میں شامل کرلیا گیا (۴۱)۔ مگر میاں افتخار الدین کو وزارت سے اختلاف پیدا ہوگئے۔ صرف ۲ ماہ کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا (۴۲)۔ اور یہیں سے پنجاب کا سیاسی بحران شروع ہوا۔ نواب افتخار حسین بلاشبہ تحریک پاکستان کے ایک بڑے کارکن تھے لیکن ان کی شخصیت میں ایک طرح کا ٹھہراؤ تھا۔ جبکہ ان کے وزراء بھی ان کی قیادت سے مطمئن نہ تھے (۴۳)۔ یہاں سے ہی خرابی کا آغاز کرلیا گیا جب ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات نے بھی وزارت کی مخالفت کا آغاز کر دیا۔ نواب ممدوٹ اور دولتانہ میں قیام پاکستان سے قبل گہری دوستی تھی (۴۴) اور ان کے درمیان کوئی امر بھی قابل اختلاف نہ تھا۔ وزارت کی تشکیل کے بعد بھی جب دولتانہ پنجاب کے وزیر خزانہ بنے اس وقت بھی کوئی مخالفت نہ تھی۔ اس دوران تمام معاملات بخوبی انجام پار ہے تھے۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں پنجاب اسمبلی کا قیام پاکستان کے بعد پہلا اجلاس ہوا۔ وزیر اعلیٰ خاں افتخار حسین ممدوٹ نے اجلاس سے تقریر کرتے ہوئے قیام پاکستان کے دوران پیش آنے والے مسائل پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور درپیش مسائل سے نبٹنے کے لیے پرعزم رہنے پر زور دیا (۴۵)۔

۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو میاں ممتاز دولتانہ نے بطور وزیر خزانہ مغربی پنجاب کا پہلا بجٹ پیش کیا۔ اس بجٹ میں ۵ کروڑ چھیالیس لاکھ کا خسارہ ہوا تھا۔ مگر ممتاز دولتانہ نے اپنی تقریروں میں بجٹ کا بڑی خوبصورتی سے دفاع کیا۔ ممتاز دولتانہ نے بجٹ تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بجٹ اس لحاظ سے بھی غیر معمولی ہے کہ ہمارے لئے آزادی کے فوراً بعد اس طرح کے مسائل پیدا ہوئے جو شدت کے اعتبار سے دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور جن کے سامنے دنیا کی خوشحال اور مضبوط ترین مملکتیں بھی ڈگمگا جائیں (۴۶)۔

گردیزی خاندان:۔

1909ء میں محمد یوسف ثانی گردیزی کی درگاہ کا سجادہ نشین خاندان کی سب سے بڑی شاخ کا رکن مخدوم شیخ محمد راجو تھا اس کا قیام خاص شہر ملتان میں رہتا تھا مخدوم شیخ محمد راجو ڈویژنل درباری اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔ اور 30 سال تک متواتر ملتان میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر رہا 100 روپیہ سالانہ کی مالیت کی جاگیر اس کے نام تھی اور نہر چناب پر 7 مربعہ بھی ملے ہوئے تھے۔ اس خاندان کی ایک اور شاخ موضع کورائی بلوچ تحصیل کبیر

والا میں ہے اس شاخ کا سب سے ممتاز رکن سید مراد شاہ تھا۔ اس نے ریاست بہاولپور میں چیف جج کے عہدے تک عروج پایا 1848ء کے محاصرہ ملتان میں اس نے انگریزی فوج کی بڑی امداد کی تھی اس لیے یہ الحاق پنجاب کے بعد شور کوٹ اور جھنگ کا پیش کار مقرر کیا گیا 1850ء میں اس کو تحصیلداری ملی اور اس عہدے پر 14 سال کی خدمات کے بعد ترقی پا کر الٹرا اسٹنٹ کمشنر ہو گیا ایام غدر کی اچھی خدمات کے میلہ میں اسے ایک سند اور 200 روپیہ کا خلعت عطا ہوا 1865ء میں اسے ریاست بہاولپور کا نیٹو ایجنٹ مقرر کیا گیا اور بعد از اں پولیٹیکل ایجنٹ اور سپر نٹنڈنٹ کا نائب مقرر ہوا اس نے انہار مچن واہ اور فورڈ واہ کی تیاری میں بہت اچھی کا گزاری دکھائی جس کے صلہ میں صاحب پولیٹکل ایجنٹ بہادر کی سفارش پر اس کو 7000 روپیہ نقد انعام ہوا اور تنخواہ میں بھی ترقی کی گئی ۔ پھر جب کہ 1870ء میں ریاست چیف کورٹ قائم کیا گیا تو مراد شاہ یہاں کا چیف جج مقرر ہوا اور چیف ججی کے علاوہ ریاست کا اسٹنٹ سپر نٹنڈنٹ بھی رہا 1872ء میں لارڈ ناتھ بروک بالقابہ وائسرائے ہند نے ملتان میں ایک دربار کیا جس میں سید مراد شاہ کو 800 روپیہ کی خلعت عطا ہوا 1874ء میں مراد شاہ کے عہدہ ججی پر نہایت اعلیٰ درجہ کا کام کرے کے صلہ میں اس کی تنخواہ بڑھا کر 1000 روپیہ ماہوار کر دی گئی۔ جنوری 1876ء میں بحالت ملازمت اس کا انتقال ہو گیا۔

سید مراد شاہ مرحوم کا اکلوتا بیٹا خان بہادر سید حسن بخش اپنے باپ کی وفات کے وقت صرف 15 سال کا تھا اس کی نابالغی کے زمانہ میں اس کی جائیداد کا انتظام کورٹ آف وارڈ کے سپرد رہا اور عرصہ تک ملتان میونسپل کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ رہا یہ آنریری مجسٹریٹ اور پراونشل درباری بھی تھا اور 1899ء میں اسے خان بہادر کا خطاب عطا ہوا تھا خان بہادر حسن بخش نہایت تعلیم یافتہ تھا یہ 1911ء کے دہلی دربار میں مدعو کیا گیا تھا اور اسے تمغہ تاجپوشی عطا ہوا تھا اس نے جنگ عظیم کے دوران میں جنگی فوج کے لئے 4 ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے دیا۔ 800 روپیہ جنگ مذکور کے دوسرے فنڈوں بطور چندہ دیا اور 25 رنگروٹ مہیا کیے اس نے ایک تعلیمی ادارہ بنام باب العلوم قائم کیا جو ملتان کی شیش محل روڈ پر واقع ہے خان بہادر مرحوم نے اس لائلیسٹ ایسوسی ایشن کا پریذیڈنٹ ہونا منظور کیا جو 1930ء میں سول نافرمانی کی تحریک کے روکنے طور پر قائم کی گئی تھی خان بہادر مرحوم کی کوششوں سے ایسویشن کی 25 شاخیں ضلع کے مختلف مقامات پر قائم ہوئیں۔ خان بہادر حسن بخش نے سلور جوبلی فنڈ میں 500 روپیہ دیا

اور اسے سلور جوبلی میڈل اور ایک سند عطا ہوئے محمد عبدالجلیل شاہ اپنے دادا خان بہادر حسن بخش کی وفات پر جو 1938ء میں واقع ہوئی مرحوم کی جگہ پر پراونشل درباری بنایا گیا۔ خان بہادر موصوف کا دوسرا بیٹا محمد نواز شاہ پنشنر اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے جنگ عظیم کے دوران بھرتی کا اچھا کام کیا خان بہادر موصوف کا تیسرا بیٹا سید الطاف حسین شاہ تحصیلدار تھا جس کا بیٹا عباس حسین شاہ گریجویٹ اور پنجاب شیعہ کانفرنس کا پریذیڈیٹ تھا۔(۴۷)

سید حسین بخش گردیزی:۔

آپ 22 نومبر 1861ء کو ملتان میں پیدا ہوئے چار سال بعد آپ کے والد ماجد سید مراد شاہ گردیزی نے آپ کو بہاولپور بلا لیا جہاں دس سال گزرنے کے بعد جنوری 1876ء میں ملتان آ کر مقیم ہوئے ابدالی دوڈ کی وسیع ترین کوٹھی ''حسن کوشک'' آپ نے تعمیر کرائی 1882ء میں آپ میونسپل کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے قریباً 20 سال تک ممبر رہے آخری دس سالوں میں وائس پریذیڈیٹ رہے اگست 1891ء میں آپ آنریری مجسٹریٹ بنا دیئے گئے

آپ سرکار انگریزی کے مخلص وفاداروں میں سے تھے ملکہ معظمہ کی سالگرہ کے موقعہ پر 1899ء میں آپ کو خان کا خطاب ملا۔ اسی سال آپ نے بلوچستان ،سیستان، قائن، ایران، کردستان، عرب، عراق کا سفر کیا اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی اپنے سفر کے حالات و مشاہدات دو ضخیم جلدوں قلم بند کئے اس سفر نامہ کا نام ''حسین میسر'' رکھا 1905ء میں آپ ڈویژنل درباری سے پراونشل درباری بنا دیئے گئے 1930ء میں وفادارں سرکار انگلیشیہ کی انجمن ''لائیلسٹ ایسوسی ایشن ملتان'' قائم ہوئی جس کی صدارت آپ کو ملی آپ نے اپنے حالات زندگی ''اوراق پریشان'' کے نام سے شائع کئے اور ملتان کی مختصر تاریخ ''تذکرہ ملتان'' کے نام سے لکھی آپ کا صاحبزادہ سید محمد جلیل شاہ گردیزی بھی آنریری مجسٹریٹ رہا اور آپ کا پوتا سید عباس حسین گردیزی پی۔ سی۔ ایس ڈپٹی کمشنر کے عہدہ تک پہنچ کر ریٹائر ہوا

سید مراد شاہ گردیزی:۔

شہر ملتان میں سادات گریزی خاندان کے بانی حضرت جمال الدین ابوالفضل محمد یوسف شاہ گردیز ہیں سید مراد شاہ گردیزی اسی خاندان کے فرزند بلند اقبال تھے علوم مروجہ میں کامل دستگار حاصل کرنے کے بعد آپ ستانے بھی نہ پائے تھے کہ شہر ملتان میں انگریزوں کے حملہ کی وجہ سے بدامنی پھیل گئی اور آپ معہ اہل وعیال اپنے گاؤں کورائی بلوچ واقعہ موضع سردار پور چلے گئے جہاں سے لاہور کی سڑک گزرتی تھی 14 اگست 1848ء کو میجر جنرل وہیش اپنی فوج کی امداد کے لیے وہاں پہنچے اور آپ کو اس علاقے کے واقف کار اور معزز ہونے کی وجہ سے بلا کر ہمراہ لے لیا آپ دیوان مولراج کے خلاف ان کی ہر ممکن امداد کرتے رہے جب پنجاب ایسٹ انڈیا کمپنی کی قلمرو میں شامل ہوا تو آپ 7 جون 1849ء کو بطور پیش کار شورکوٹ ملازم سرکار ہو گئے یہاں سے ترقی کرتے کرتے 23 نومبر 1850ء کو تحصیل دار بن گئے اور تحصیلداری کرتے رہے جنگ آزادی 1857ء میں آپ نے اپنی وفاداری اور خیر خواہی سرکار کا بطور ملازم سرکار پورا پورا ثبوت دیا جس کے عوض آپ کو سندات وانعامات سے نوازا گیا اور 1864ء میں آپ کو ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا نواب بہاولپور بہاول خان رابع کی وفات کے بعد خود 10 سال صادق محمد خان بنے اور اس کا انتظام سرکار انگریزی نے سنبھالا تو آپ کو بہاولپور بھیج دیا گیا آپ تا وفات 1876 تک سرکاری خدمات سرانجام دیتے رہے۔ (۴۸)

سید خاندان:۔

تحریک پاکستان اس ہم گیر سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی استحصال کے خلاف آنے والے ناگزیر انقلاب کی آواز تھی۔ زمیندار سرکار کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔ شاہ جیونہ خاندان کے سربراہ سید مبارک حسین شاہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ 1946ء میں عام انتخابات سے پہلے جھنگ کے ڈپٹی کمشنر نے زمیندارہ لیگ بنائی تو انہوں نے سید صاحب کو یقین دلایا کہ اس میں انہیں اہمیت دی جا رہی ہے۔ جب ان کے مخالف گروپ کے سربراہ سید محمد حسین کو زمیندارہ لیگ کا صدر بنا دیا گیا تو سید مبارک حسین اپنے حریف کی اس حوصلہ افزائی اور عزت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ فوراً زمیندارہ لیگ کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ شاہ جیونہ جونیئر شاخ کے سربراہ کرنل عابد حسین جنھوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1937ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ

جھنگ کے رکن کی حیثیت سے کیا تھا، مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔شورکوٹ سے مسلم لیگ کو کوئی امیدوار نہ مل سکا تو نواب مظفر کو کیمبل پور سے بلوا کر الیکشن لڑایا گیا۔ چنیوٹ میں مسلم لیگ کی عوامی طاقت دیکھ کر سردار غلام عباس شاہ رجوعہ نے مقابلے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس طرح جھنگ کی مسلم لیگ شورکورٹ کے محمد عارف خان جھنگ کے سید مبارک شاہ آف شاہ جیونہ اور چنیوٹ کے غلام محمد شاہ آف رجوعہ کے اتحاد وثلاثہ کا نام پائی۔ اس کے علاوہ نوازش علی خان، مہر غلام حید بھروانہ، شیخ محمد سعید اور مولانا محمد ذاکر حسین جیسے درویشوں کی بھی جماعت تھی۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جیونہ خاندان کی قیادت کرنل عابد حسین کے گرد گھومتی رہی ہے۔ وہ 1954ء میں مرکزی کابینہ کے رکن نامزد کئے گئے۔ اکتوبر 1955ء میں مغربی پاکستان کی کابینہ میں شمولیت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ تک خوراک کا محکمہ بھی پاس رہا۔ وزیر مواصلات اور تعلیم کے وزیر بھی رہے۔ آپ سید مراتب علی کے داماد اور پاکستان کے سابق وزیر خزانہ کے بہنوئی تھے۔ جب آنکھ کھلی تو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر خان صاحب اور نواب مشاق گورمانی کی پیش کش ری پبلکن جب منظر عام پر آئی تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہ ملک کی سب سے بڑی جماعت بن گئی کرنل عابدان کے پروڈیوسروں میں شامل تھے۔ وہ اس سیاسی عجوبے کے جنرل سیکرٹری رہے ہیں۔ میاں ممتاز دولتانہ نے میجر (ریٹائرڈ) مبارک اور ان کے کزن کرنل عابد حسین کو کسی حد تک کھڈے لائن لگائے رکھا تھا۔ ان زیادتیوں نے کرنل عابد اور میجر مبارک علی کو ڈاکٹر خان صاحب کے قریب کر دیا گیا۔ محلاتی سازشوں کا دور جب بیت چکا تو ملک مارشل لاء کی گرفت میں آ گیا۔ سازشوں کے اس دور کی وجہ سے ملک معاشرتی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے زوال کی طرف جارہا تھا۔ اور مارشل لاء کی وجوہات کی تمام تر ذمہ داری سیاستدانوں پر ڈال کر انہیں 31 دسمبر 1966ء تک کوچہ سیاست سے بے دخل کیا گیا تو کرنل عابد حسین بھی نا اہلیت کے ٹربیونل کی گرفت میں آ گئے۔ انہوں نے اپنا مقدمہ پوری تیاری سے لڑا بدعنوانیوں اور بدانتظامیوں کے الزامات کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بالاخر الزامات کی چھان پھٹک کے بعد انہیں سیاسی اور عوامی زندگی سے 31 دسمبر 1966ء تک دور رہنے کا حکم دیا گیا۔ ایوب خان نے بنیادی جمورتیوں کے ذریعے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا تو رجوعہ سیال اور سید خاندان ایک بار پھر میدان میں آ گئے۔ کرنل عابد حسین ایبڈو کی وجہ سے الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ انہوں نے سید ذوالفقار علی بخاری کو شورکوٹ کی

نشست سے انتخاب لڑانے کا فیصلہ کیا ان کے مقابلے میں سید حسن شاہ تھے۔ جھنگ کی دوسری نشست سے سیالوں کے نمایاں قبیلے کے سربراہ غلام حیدر بھروانہ میدان میں اترے۔ ان کے مقابلہ میں سردارزادہ ظفر عباس تھے ان کا تعلق رجوعہ خاندان سے تھا جھنگ کے یہ جاگیردار قیادت کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے زوردار مقابلہ کررہے تھے اس کے علاوہ شورکوٹ سے خان محمد اسلم خان آزاد صوفی احمد خاں بلوچ رائے احمد نواز منگیر ایڈووکیٹ' خان لال بلوچ ' قاضی محمد صفدر بھی قسمت آزمائی کررہے تھے لیکن اصل مقابلہ دونشستون کے لیے سیالوں' رجوعوں اور شاہ جیونہ خاندانوں کے درمیان ہی تھا۔

ضلع جھنگ کی سیاست کا یہ المیہ ہے کہ یہاں سیاسی جماعتیں غیر موثر ہیں یہاں کے جاگیردار جس سیاسی جماعت میں جاتے ہیں' اس کا ستارہ عروج پر چلا جاتا ہے یہاں کا شاہ جیونہ گروپ کا سیاست میں کبھی بہت زیادہ عمل دخل جتھا 1970ء کے سیاسی حالات نے شاہ جیونہ خاندان کی سیاست کی کایا پلٹ دی۔ اس انتخاب نے برادریوں اور مقامی دھڑے بندیوں کو کسی حد تک ملیا میٹ کردیا البتہ مذہب کا رنگ زرا غالب رہا۔ ان پلٹنے والے برجوں میں کرنل عابد حسین بھی شامل تھے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرسکا۔ کرنل عابد حسین پر انتخابات کے چند ہفتوں بعد دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت جوا ان کی موت کے بعد انکی ہونہار بیٹی سیدہ عابدہ حسین بنے کا اعلان کیا تو سید خاندان میں کوئی نظیر نہیں ملتی تھی۔ ان کے تایا میجر مبارک نے شاہ جیونہ گروپ سے علیحدگی اختیار کی لی۔ اس طرح اس خاندان کی سیاسی راہیں جدا ہوگئیں۔ باپ کی موت کے بعد سیدہ عابدہ حسین سیاست کے میدان میں تو کود پڑی تھی لیکن انہوں نے اپنے لیے کوئی سیاسی فلسفہ سامنے نہ رکھا حزب اختلاف کے دشوار اور مشکل سفر پر گامزن رہنا ذرا مشکل تھا۔ پنجاب کے ایک سابق گورنر اور محمود علی قصوری کی وساطت سے پیپلز پارٹی سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا اور وہ خواتین کی نشست پر صوبائی اسمبلی کی رکن بھی منتخب ہو گئیں اس طرح انہوں نے اپنے سیاسی اثر وسوخ سے شاہ جیونہ گروپ کو پھر متحد کیا بعد ازاں انہوں نے سیاسی وفاداری تبدیل کرلی اور پیپلز پارٹی سے بغاوت کرکے قومی اتحاد میں شامل ہوگئیں اور قومی رہنماؤں کے ساتھ بھٹو کے خلاف زوردار جلسوں میں حصہ لیا۔ 1977ء کے انتخابات کا رنگ جھنگ میں ہونے والے سابقہ انتخابات سے مختلف تھا۔ کہ الیکشن سیاسی وابستگیوں کی بنیاد پر تو لڑے گئے البتہ مقامی دھرے بندیوں اور گروپنگ کو توڑا نہ جا

سکا غلام حیدر بھروانہ اور صاحب زادہ نذیر سلطان جو جمعیت علماء پاکستان کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے پارٹی سے بغاوت کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تمام تر وفاداریوں کا عہد پیپلز پارٹی سے باندھ کیا 1977ء کے انتخابات میں غلام حیدر بھروانہ نے مولانا رحمت اللہ کو شکست دی۔ مہر غلام حیدر نے پیر آف سیال کے ذریعے مولانا رحمت اللہ کو دستبردار کرانے کا منصوبہ بنایا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ سید ذوالفقار علی بخاری نے بھی پیپلز پارٹی میں انتخابات سے قبل ہی شمولیت اختیار کی تھی۔ ان کے والد میجر مبارک علی بہترین پارلیمنٹرین تھے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت جب دھاندلیوں کے الزامات کے تحت برطرف کی گئی تو ضیاء الحق نے ان سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے بلدیاتی سیاست کے ذریعے نئی قیادت کو ابھارنے کا منصوبہ بنایا اس وقت ضلع جھنگ کی قیادت سے عابدہ حسین کی مٹھی میں تھی۔ وہ 1979ء سے 1987ء تک ضلع کونسل جھنگ کر چیرمین رہیں۔ ان آٹھ سالوں کے دوران ضلع میں جس قدر ترقیاتی کام ہوئے اس نے اسے ضلع کی مقبول ترین شخصیت بنا دیا بلدیاتی سیاست کے ساتھ ساتھ وہ شاہ جیونہ گروپ کو بھی مضبوط کرتی رہیں ضلع میں ایسی شخصیتوں کو ابھارتی رہیں جو صوبائی اور قومی اسمبلی قیادت میں ان کے گروپ کے نمائندے ہوں 1985ء میں رجوعہ خاندان کے اہم فرد سردار زادہ محمد علی غیر جماعتی انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ مجلس شوریٰ کے رکن دوست محمد لالی نے ان سے شکست کھائی ان انتخابات میں عابدہ حسین نے غلام محمد گادھی کو شکست دی تھی ان کے خاندان کے پرانے ساتھی مہر عارف خان سیال اور ظفر اللہ خان بھروانہ کامیاب ہو گئے تھے۔ انتخابات میں نئی قیادت ابھر کر سامنے آئی غیر جماعتی اسمبلی نے جب سیاسی رنگ اختیا کیا تو آزاد پارلیمانی گروپ کے نام سے مسلم لیگ کے خلاف ایک مضبوط اپوزیشن وجود میں آئی سب سے پہلی شکست خواجہ صفدر کو سیدہ عابدہ حسین کے شوہر فخر امام نے سپیکر کے انتخابات میں دی اس کے بعد آزاد پارلیمانی گروپ ایسے لوگوں اور سیاسی مسافروں کو تنقید کا نشانہ بناتا رہا جو سیاسی وابستگیوں کا صلہ وصول کرنے کے لیے اقتدار کی غلام گردشوں میں گھومتا تھا اس گروپ نے ضیاء الحق اور محمد خان جونیجو کی پالیسیوں کی کھل کر مخالفت کی جس کی قیادت سیدہ عابدہ حسین اور اسکے شوہر سید فخر امام کے پاس تھی جو بلدیاتی سیاست کے ذریعے ابھر کر سامنے آئے تھے اور جنہوں نے گیلانی اور قریشیوں کی سو سالہ اجارہ داری کو توڑتے ہوئے ڈسٹرکٹ کونسل کی چیئر مینی بھی حاصل کر لی تھی گیلانیوں اور قریشیوں کی برسوں پرانی سیاسی دشمنی کو دوستی میں بدلنے کا سہرا بھی فخر امام کے سر ہے جن

کو اقتدار سے باہر رکھنے کے لیے قریشیوں اور گیلانیوں میں مفاہمت ہوئی تھی۔ (۴۹)

باب سوئم تنقیدی جائزہ :۔

برصغیر پاک وہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کا مقصد صرف اور صرف اس خطہ میں انگریز حکومت کی عمل داری قائم کرنا تھا نیز یہاں کے عوام کو سیاسی سماجی تہذیبی اور عملی لحاظ سے محکوم رکھ کر یہاں کے وسائل پر قبضہ کرنا تھا انہیں وسائل کو انگریز حاکم یہاں کے عوام پر بہت تھوڑا خرچ کر کے باقی ماندہ زائد حصہ برطانیہ منتقل کر دیتا گو حکومت برطانیہ نے یہاں کے عوام کو سہولیات بھی دیں لیکن اس کے بدلہ میں یہاں کے جتنے وسائل پر حکومت برطانیہ قابض ہوئی اسکے مقابلہ میں یہ سہولیات نہ کافی تھیں برصغیر پاک وہند پر برطانیہ اقتدار کا صرف اور صرف مقصد یہ تھا کہ یہاں کی دولت مثلاً معدنی اور غیر معدنی برطانیہ منتقل کئے جائیں اور اپنی عوام کو سکھی رکھا جائے نیز خصوصاً مسلمانوں میں فرقہ واریت کی لعنت بھی حکومت برطانیہ کا سیاہ ترین کارنامہ ہے۔ دینی لوگوں کو آپس میں لڑوا کر Devide and Rule کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر اپنا اقتدار مضبوط کیا جا سکے یہ صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ یہاں کے چند مخصوص اور مراعات یافتہ طبقہ کو ساتھ ملایا جائے جنوبی پنجاب کا علاقہ بھی حکومت برطانیہ کے زیر تسلط تھا یہاں بڑے خاندانوں مثلاً ملتان کے گردیزی خاندان اور قریشی خاندان نے تاج برطانیہ کا بھرپور ساتھ دیا مثلاً ملتان میں گردیزیوں نے جشن تاج پوشی پرنس آف غیر معمولی طور پر حصہ لیا ان خاندانوں کے بڑے بڑوں نے سرکاری اعزازی عہدے قبول کئے یوں اس مراعات یافتہ طبقہ نے تاج برطانیہ کو مضبوط کیا 1880ء میں گورنمنٹ برطانیہ نے دوسرے آخری عشرے میں ریلوے لائن بھی اس علاقے میں بچھائی گو اس کا فائدہ آج تک عوام اٹھا رہے ہیں لیکن اسکا زیادہ مقصد اس دور میں تاج برطانیہ کے پیش نظر دفاعی لحاظ سے مضبوط تھا کیونکہ ریل گاڑی کے ذریعے اس کی ترسیل مختلف شہروں کو جاتی تھی۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں جنگ عظیم اول بھی چکی تھی اور حکومت برطانیہ کا مقابلہ مرضی سے تھا یہاں مختلف فوجی چھاؤنیوں کو منتقل ہوتا تھا اور فوج میں بھرتی کیلئے افراد آسانی سے مل جاتے تھے۔ بھوک اور ننگ کی وجہ سے سردار اور جاگیر دار نظام کے تحت فوج کیلئے اپنا حصہ کے مخصوص افراد پیش کیا کرتے تھے۔ بہاول پور کے عباسی نوابوں نے انگریز کی خدمت کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ دونوں عالمی جنگوں میں اپنے فوجی دستے انگریزوں کے حوالے کیے۔ اس طرح انگریزوں نے

فوج میں بھی مخصوص خاندانوں کے لوگوں کو عہدوں سے نوازا۔

حوالہ جات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	پبلشرز	تاریخ	صفحہ
۱۔زاہد چوہدری	مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء	ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور 1993		17تا33
۲۔مظفر مرزا محمد،	عرش آزادی	لاہور	1993	22
۳۔عزیز الدین	پنجاب اور بیرونی حملہ آور	لاہور	1990	51
۴۔سلیم شیخ اسد	انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان	لاہور	1999	237
۵۔سعید احمد	حصول پاکستان	لاہور	1999	237
۶۔صفدر محمود	Founder of Pakistan	یونائیٹڈ پبلشرز لاہور	1968	9
۷۔سید عباس حسین گردیزی	تاریخ ملتان	سید حر یا حی گردیزی ملتان	1982	362 تا373
۸۔سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع مولتان	جاذب پبلشرز لاہور	1995	84تا90
۹۔منشی عبدالرحمٰن	تاریخ ملتان	عالمی ادارہ اشاعت اسلام ملتان	2000	253
۱۰۔عقیل عباس جعفری	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز کراچی	1993	280-281
۱۱۔۔سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	جاذب پبلشرز لاہور	1995	94تا97
۱۲۔عقیل عباس جعفری	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز کراچی	1993	345-344
۱۳۔سر لیپل ایچ گریفن کرنل میسی	تذکرہ روسائے پنجاب	سنگ میل پبلی کیشن لاہور	1993	529-528
۱۴۔عقیل عباس جعفری	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز کراچی	1993	345-344
۱۵۔انٹرویو جاوید ممتاز دولتانہ، مئولفہ 6 جولائی 2005ء				
۱۶۔انٹرویو عزیز الحق قریشی، مئولفہ 4 اکتوبر 2005ء				
۱۷۔عزیز الحق قریشی، بحوالہ سابقہ				
۱۸۔روزنامہ جنگ لاہور 2 جولائی 1995ء				
۱۹۔اردو انسائیکلوپیڈیا		فیروز سنز لاہور	1984	436
۲۰۔۔اردو انسائیکلوپیڈیا، بحوالہ سابقہ، ص ۶۷۰				
۲۱۔روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۶ جولائی ۱۹۹۵ء				
۲۲۔چوہدری، زاہد	پاکستان کی سیاسی تاریخ،	جلد پنجم، لاہور	1999	372
۲۳۔شیخ سلیم اسد، افتخار الدین میاں (انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان)،		لاہور	1999	99
۲۴۔زمن، مختار،	تحریک پاکستان میں طلباء کا کردار	کراچی	1985	106

۲۵۔ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	107
۲۶۔ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	110
۲۷۔ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	160
۲۸۔ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	ایضاً،	164
۲۹۔قریشی،عبدالواحد	تاریخی فیصلہ	کراچی	1976	93
۳۰۔ملک،بیدار	فیصلہ کن معرکہ	لاہور	1987	288
۳۱۔صفدرمحمود ڈاکٹر	مسلم لیگ کا دورحکومت	لاہور	1982	40-41
۳۲۔روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ جولائی ۱۹۹۵ء				
۳۳۔حسن ریاض،سید، پاکستان ناگزیر تھا		کراچی	1987	430
۳۴۔تاریخ ملتان	منشی عبدالرحمٰن خان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	2000	551-550
۳۵۔چارلس میسن	روسائے بااختیار خاندان	لاہور		381تا382
	(ترجمہ لال بگوان داس)			
۳۶۔سرلیپل ایچ گرفین کرنل میسی	تذکرہ روسائے پنجاب	لاہور	1993	565تا566
۳۷۔چیفس اینڈ فیملیز آف	جی ایل چوپڑہ	لاہور	س ن	421-420
نوٹ ان دی پنجاب انگریزی (جلد دوم)				
۳۸۔مرقع مولتان	سید اولاد علی گیلانی	جاذب پبلشرز لاہور	1995	322-316
۳۹۔تاریخ ملتان	منشی عبدالرحمٰن خان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	2002	554
۴۰۔الیکشنز ان پنجاب	کرپال سن یادیو	1920 - 1947	نئی دہلی	116,104,93,91,71,64,48
۴۱۔ ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	105تا112
۴۲۔منیر احمد منیر	سیاسی اتار چڑھاؤ (انٹرویو عبدالحمید دستی) لاہور		1985	171
۴۳۔انجم وکیل	سیاستدانوں کی قلابازیاں	لاہور	1994	234-235
۴۴۔Mushtaq Ahmad	Govt. & Politics in pakistan	Karachi	1959	40-41
۴۵۔سرلیپل ایچ گرفین کرنل میسی	تذکرہ روسائے پنجاب سنگ میل پبلی کیشن لاہور		1993	512-509
۴۶۔منشی عبدالرحمٰن خان	تاریخ ملتان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	دسمبر 2000	549-548
۴۷۔سلیم احمد	ممدوٹ سے وٹو تک	لاہور	1995	
۴۸۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز لاہور	1997ء	319-308

باب چہارم

قیام پاکستان کے بعد سیاسی خانوادوں کے کردار کا تنقیدی جائزہ

زیر تحقیق باب میں ملتان کے سیاسی خانوادوں کی اہم شخصیات کا قیام پاکستان 1947ء سے لے کر 1958ء تک کے کردار کا احاطہ کیا گیا ہے۔جن میں علمدار حسین گیلانی جو پنجاب کے وزیر صحت و بلدیات رہے، میاں ممتاز دولتانہ جو 1951ء میں وزیر اعلیٰ تھے، نواب صادق قریشی جو 1948ء ضلع کونسل ملتان کے رکن تھے اور بعد میں نائب صدر منتخب ہوئے، 1962ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ لغاری خاندان کے سردار محمد خان لغاری اور ان کے بھائی محمود خان لغاری عملی سیاست میں فعال رہے۔ فاروق احمد خان لغاری کے چچا عطا محمد خان لغاری پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ میر بلخ شیر مزاری 1950ء میں ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر چنے گئے۔ 1955ء میں وہ مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے۔ یہ تمام بزرگ شخصیات صدر ایوب کے مارشل لاء اور ایبڈو کی وجہ سے وہ اپنی کارکردگی نہیں دکھا سکے۔ ملتان کی خواتین کا کردار اس دور میں نا ہونے کے برابر ہے۔

زیر تحقیق باب میں دوسرا حصہ 1970ء سے لے کر 2000ء تک کا ہے اس دور میں جو مقتدر سیاسی شخصیات حکومت اور حکومت سے باہر رہی ہیں ان کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ان کے اچھے کام کے علاوہ ان کی سوانح حیات کو بھی موضوع کا حصہ بنایا گیا ہے۔

میں نے مختلف ابواب میں ان خاندانوں کی تاریخی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ظاہر ہے تاریخ کے حوالے سے ملتان کے علاقے پر مسلمانوں کی حکومتوں کے زمانے اور سکھوں کی حکومت کے دور میں اور خاص طور پر انگریزی دور حکومت میں ان خاندانوں کا کردار روز روشن کی طرح واضح ہے۔ان خاندانوں نے اپنی ذات اور مال کے بچاؤ کے سلسلے میں مختلف ادوار میں مختلف کردار ادا کیا۔اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔لکھا جا چکا ہے۔ میرا تنقیدی جائزہ ایک محدود مدت یعنی 2000-1970 تک محدود ہے۔ تحقیق میں محدودیت لازمی عنصر شمار ہوتا ہے۔ ورنہ پھیلاؤ کے ساتھ کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ پاکستان میں جمہوری اداروں کی بحالی یا بازیابی کی ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی ہے۔ 2000-1970 تک جمہوری اداروں کے قیام اور مذکورہ خاندانوں کا جمہوری کردار کا

جس شخص کو ایبڈو کے تحت تحقیقاتی ٹربیونل کی طرف سے نوٹس جاری کیا جاتا اس میں یہ پیش کش بھی کی جاتی کہ اگر وہ چاہے تو ۳۱ دسمبر ۱۹۶۶ء تک عملی سیاست سے الگ ہو جائے ایسی صورت میں اس کے خلاف کوئی تحقیقات بھی نہیں کی جائیں گی اور وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۶ء تک نا اہل قرار پائے گا یعنی وہ اس عرصہ میں کسی منتخب ادارے کا رکن یا اس کا امیدوار بننے کے قابل نہیں رہے گا۔ (سلیم احمد، سیاست دانوں کی جبری نا اہلیاں) جنرل ایوب خان نے سیاست دانوں پر قیامت ڈھا دی اور ایبڈو کا قانون زبردستی نافذ کر دیا اس قانون کے تحت پکڑ دھکڑ، قید، مقدمے اور جھوٹے سچے الزامات لگا کر سیاستدانوں کو سیاست سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۲ اور ۱۳

تنقیدی جائزہ میرا مقصد ہے۔ میں نے جن معروف خاندانوں کا حوالہ اور ان کے کردار پر کام کیا ہے ان میں بارہ ☆(12) خاندان جوصدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ (2) دوخاندان مہاجر ہیں جوہجرت کر کے ہندوستان سے پاکستان میں آئے۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) قریشی خاندان

(i) جناب شاہ محمود قریشی صاحب

(ii) جناب پیر ریاض احمد قریشی صاحب

(2) گیلانی خاندان

(i) جناب یوسف رضا گیلانی صاحب

(ii) جناب تنویر الحسن گیلانی صاحب

(3) گردیزی خاندان

(i) جناب حسین جہانیاں گردیزی صاحب

(4) خاکوانی خاندان

(i) جناب قاسم خان خاکونی صاحب

(ii) جناب اقبال خان خاکوانی صاحب

(5) بچہ خاندان

(i) جناب اسحاق بچہ صاحب

(6) دولتانہ خاندان

(i) محترمہ تہمینہ دولتانہ صاحبہ

(7) کھر خاندان

(i) جناب غلام مصطفٰے کھر صاحب

(8) لغاری خاندان

(i) جناب فاروق احمد خان لغاری صاحب

(9) مزاری خاندان

(i) جناب شوکت حسین مزاری صاحب

(10) سید خاندان

(i) جناب فخر امام صاحب

(11) مہاجر خاندان

(i) جناب الحاج سعید احمد قریشی صاحب

(ii) جناب نفیس انصاری صاحب

تحقیق کا طریقہ کار:۔

اس تحقیقی کام کے لئے آج کے جدید علم شماریات کے حوالے کے بغیر کسی نتیجہ پر پہنچنا غیر ممکن ہے۔اس لئے میں نے شماریات کے جدید ترین رجحانات کے تحت استفادہ کیا۔ یہ جاننے کے لئے ان خاندانوں کا جمہوری اداروں میں کردار کیا تھا اور یہ کہ عوام جو جمہوریت کی بنیاد ہیں انہوں نے ان کے بارے میں کیا کیا۔اس سلسلے میں میں نے دو سوال نامے ترتیب دیئے۔(1) سوالنامہ سیاسی شخصیت سے انٹرویو کا تھا۔ جو ریکارڈ کیا گیا۔ دوسرا سوال نامہ عوامی رائے کا شماریاتی جائزہ۔ جو سوالنامہ کی صورت میں حلقہ انتخاب سے بھرا گیا۔ دونوں سوال نامے ضمیمہ میں منسلک ہیں۔☆

ان خاندانوں کے جمہوری اداروں میں کردار کے لئے عوام الناس کی خاصی تعداد کے ساتھ میں نے بالمشافہ گفتگو کی اور ان کے نظریات کو دو طرح تحریر میں لایا جس کی تفصیل اس تحقیقی مقالہ میں شامل ہے۔شماریاتی جائزہ کے لئے اس طریقہ کو استعمال کیا گیا ہے۔

1. Method and Material
2. Inclusion Criteria-Randam
3. Chi-Square Test
4. Graphic Representative Using Multple Bar Chart
5. Statistical Soft Ware SPss 10

☆ دیکھئے ضمیمہ ۱۵۔۱۶

6. Quantative Analysys Version on Emprical Data

سیمپل 500-600 نفوس پر رکھا گیا جو ہر خاندان کے حلقہ انتخاب سے لیا گیا۔اس کم Sample کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے اس انٹرویو میں دلچسپی نہ لی۔ دیہات میں بھی لوگوں کی دلچسپی کم تھی۔ان لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقے میں غربت اور افلاس ہے۔شہری لوگوں نے اظہار کیا کہ ہم اپنے تمام کام خود دفاتر جا کر کرا لیتے ہیں۔ بہر حال 500-600 نفوس پر مشتمل لوگوں کا ہر حلقہ انتخاب سے یہ Sample مکمل کیا گیا۔ ہر حلقہ انتخاب سے چناؤ Randam کیا گیا۔ کسی خاص علاقہ یا ٹاؤن کو فوکس نہیں کیا گیا۔Chi Square Test کے لئے کل آٹھ سوالوں کو دو دو کے گروپ میں تقسیم کیا گیا اور کمپیوٹر کی مدد سے Multi-Bar چارٹ بنائے گئے۔

ہر خاندان کا شماریاتی جائزہ کچھ اس طرح سے رہا۔گراف کو درج ذیل Abrivastion میں لایا گیا ہے۔

A	Excellent	بہت اچھا کام۔مسائل میں دلچسپی
B	Good	عوام میں مقبولیت زیادہ مسلسل عوام سے رابطہ
C	Satisfactory	مناسب
D	Poor	عوام میں عدم مقبولیت۔عوام سے رابطہ نہ ہونا۔عوامی مسائل کم حل کروانا

دولتانہ خاندان:۔

قیام پاکستان کے بعد جب پنجاب میں نواب افتخار حسین ممدوٹ وزارت اعلیٰ پر فائز ہوئے تو میاں ممتاز محمد خان دولتانہ ان کی کابینہ میں وزیر خزانہ کے طور پر شامل ہوئے۔ وہ زمانہ بڑا پر آشوب تھا۔ پاکستان بھی ابھی وجود میں آیا تھا اور مہاجرین کے مسائل بڑے سنگین اور دلخراش تھے ادھر بھارت پاکستان کے وجود کو ختم کر دینا چاہتا تھا اس نازک دور میں ضرورت کامل اعتماد اور بے پناہ خلوص کی تھی عوام اور حکومت نے ایثار اور حب الوطنی کا ثبوت دیا بھی مگر پنجاب کی حکومت زیادہ دیر تک اپنے آپ کو متحد نہ رکھ سکی۔ دولتانہ حکومت میں دوسری پوزیشن پر قانع نہ تھے اور وہ جلد سے جلد صوبے کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ اقتدار کی جنگ چند مہینے کے اندر ہی اندر جاری رہی اور پھر یہ جنگ اخبارات کی سرخیوں تک آ پہنچی۔ دولتانہ مستعفی ہو گئے اور ان کے ساتھ سردار شوکت حیات بھی حکومت سے باہر آ گئے اس واقعے سے پنجاب کی سیاست میں دو خرابیاں پیدا ہوئیں۔

1- حکمران سیاسی جماعت میں گروہ بندی

2- پنجاب میں گورنر راج کا تسلط

یہ دونوں خرابیاں آگے چل کر پاکستان کی سیاسی زندگی میں زہر بن کر سرائیت کر گئیں۔ دولتانہ حکومت میں پہلی پوزیشن حاصل کرنا چاہتے تھے مگر اس مقصد کے لئے آگے بڑھنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے جناب سردار شوکت حیات کے ذریعے راستہ ہموار کیا اور انہیں اپنے سیاسی مقاصد کا اس خوبصورتی سے آلہ کار بنایا کہ سردار صاحب کو احساس تک نہ ہوا۔ اسی وقت سے سردار شوکت حیات بڑے خلوص سے فریب کھاتے چلے آ رہے تھے۔

دولتانہ کی سیاسی آرزوؤں نے پنجاب کو گورنر راج کے شکنجوں میں کس دیا اور یہیں سے وہ کھیل شروع ہوتا ہے جو بالآخر مارشل لاء کی خبر لایا۔ عوام کے سیاسی رہنما حکومت سے ہٹ گئے اور سیاسی مشینری فی الحقیقت سیکرٹریوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ حکومت میں جواب دہی کا احساس کم ہوتا رہا۔

51ء کے آغاز میں پنجاب کے اندر پہلے عام انتخابات ہوئے۔ جناح مسلم لیگ (نواب ممدوٹ) جماعت اسلامی اور اتحاد پاکستان پارٹی (میاں افتخار الدین) نے حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ جناب دولتانہ کے اپنے حلقے میں ان کے مقابل امیدوار کھڑا ہوا۔ نوائے وقت کے صفحات گواہ ہیں کہ وہ انتخابات دھونس، دھوکا،

دھاندلی کی علامت بن گئے تھے بڑے پیمانے پر بیلٹ بکس توڑے گئے جعلی ووٹ بھگتائے گئے اور جمہوریت کی تمام قدریں پامال ہوئیں۔ دولتانہ صاحب ان تمام حربوں کے ذریعے نہایت معمولی اکثریت سے اپنے حلقے سے کامیاب ہوئے۔ اس وقت عام اندازہ یہ تھا کہ انتخابات منصفانہ ہوتے تو دولتانہ کی کامیابی ناممکن تھی۔

دولتانہ صاحب نے انتخابات میں کامیابی اور پنجاب کی وزارت عظمی حاصل کرنے کے لیے جمہوریت کی نشو ونما روک دی بلکہ ایسے اقدامات کیے جن کی وجہ سے ملک بتدریج جمہوریت سے محروم ہوتا چلا گیا۔ پہلے انہوں نے نواب ممدوٹ کی جمہوری حکومت کو تلپٹ کیا اور بعد میں جمہوری روایات کا سر قلم کر ڈالا۔ انتخابات میں غیر جمہوری طریقوں کو رواج سب سے پہلے پنجاب میں ملا اور ان طریقوں نے پھر کبھی جمہوریت کو پنپنے نہ دیا جمہوریت کی عمارت تعمیر ہونے سے پہلے وہ بنیادیں ہلا دی گئی تھیں۔ جو تحریک پاکستان میں عوام کی بے پناہ جمہوری شعور سے اٹھائی گئی تھیں۔

پنجاب کی وزارت عظمی پر متمکن ہوئے دولتانہ صاحب کو مشکل سے دو سال ہوئے تھے کہ انہیں پاکستان کے وزیر اعظم بننے کی آرزو نے پاگل کر دیا۔ لیاقت علی خان راولپنڈی میں شہید کیے جا چکے تھے اور خواجہ ناظم الدین جو بڑے ہی سادہ مزاج اور سادہ دل تھے وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔ دولتانہ صاحب نے بھانپ لیا کہ خواجہ صاحب کو چت کرنا بہت زیادہ مشکل نہیں انہوں نے اپنی سابقہ روایات کے عین مطابق خواجہ ناظم الدین صاحب کے خلاف سازش تیار کی۔ دولتانہ صاحب کے منصوبے کے مطابق دیکھتے ہی دیکھتے احمدیوں کے خلاف تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ تحریک اپنی شدت اور قوت میں بلا تاخیر تھی اور پورے پنجاب میں ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مرکزی حکومت سخت پریشان ہو گئی۔ خواجہ ناظم الدین پنجاب بھر میں مطعون کیے جا رہے تھے دولتانہ صاحب جانتے تھے کہ خواجہ صاحب اپنی طبعی نرم دلی کی وجہ سے تحریک کے خلاف سخت اقدامات نہ کر سکیں گے اس کے علاوہ تحریک میں مذہب کا رنگ غالب تھا۔ اس لیے مرکزی حکومت کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پنجاب کے آگے جھک جائے۔ کشمکش جاری رہی اور عین اسوقت دولتانہ صاحب اپنی کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے' مرکزی حکومت حرکت میں آئی اور لاہور میں مارشل لا ءنافذ کر دیا گیا۔

لاہور کے مارشل لاء کے بعد ایوب خان کے سیاسی عزائم کروٹیں لینے لگے مارشل لاء کا پہلا تجربہ کامیاب رہا تھا ملک میں کوئی ایسی سیاسی جماعت نہ تھی جس نے جمہوری روایات کو زندہ اور مستحکم کرنے کے لیے قربانی دی ہو‘ البتہ مارشل لا کی فوجی عدالت نے مولانا عبدالستار خان نیازی اور سید ابوالاعلی مودودی کو سزائے موت کا حکم سنایا۔

یہ مارشل لاء مارچ 1953ء میں نافذ ہوا اور اس طرح وہ ناخوشگوار تجربہ جس نے اور بہت سے ناخوشگوار تجربوں کو جنم دیا‘ جناب دولتانہ کے ہاتھوں وجود میں آیا۔ دولتانہ صاحب پنجاب کی وزارت عظمی سے محروم کر دیئے گئے۔

دولتانہ صاحب نے جو سازش خواجہ صاحب کے خلاف کی وہ سازش اپنے نتائج کے اعتبار سے ملک کے سیاسی مستقبل کے لیے سخت تباہ کن ثابت ہوئی۔ ختم نبوت کی تحریک جسے عام مسلمان ایک مذہبی تحریک سمجھ رہے تھے اور جس کی پشت پر دولتانہ صاحب کے اغراض کام کر رہی تھیں اس نے ملک میں غیر آئینی اقدامات کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

پاکستان کی تاریخ کا سیاہ باب دولتانہ صاحب نے اپنی خاک شدہ آرزوں سے لکھا ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کی برطرفی پر کسی سیاسی جماعت کی طرف سے موثر احتجاج نہ ہوا۔ گورنر جنرل غلام محمد کے سیاسی عزائم میں اور دیوانگی پیدا ہو گئی۔ اکتوبر 54ء کو دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ ان تمام حادثات کا تعلق 1953ء کے غیر معمولی حالات سے تھا جن کی بڑی حد تک ذمے داری جناب دولتانہ پر آتی ہے۔

1957ء کے آخری مہینوں میں صدر پاکستان‘ سکندر مرزا اپنے آپ کو پاکستان کا بادشاہ بنانے کے لیے سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ وہ سہروردی کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ باخبر حلقوں کی روایت ہے کہ سہروردی کی برطرفی میں سکندر مرزا کو دولتانہ صاحب کی حمایت حاصل تھی۔

1962ء کے انتخابات جو اگرچہ بنیادی جمہوریتوں کی بنیاد پر منعقد ہوئے تھے مگر ملک کی تاریخ میں سب سے زیادہ جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات تھے۔ دولتانہ صاحب کے حلقے سے ان کا رشتے دار منتخب ہو سکا نہ ان کا سیاسی دست راست۔ اس سے عیاں تھا کہ دولتانہ صاحب عوام میں مقبول نہ تھے۔ نواب کالا باغ دولتانہ صاحب بے پناہ صلاحیتوں سے خائف تھے وہ صلاحیتیں جن کے ذریعے اندر ہی اندر سیاست کی بساط الٹی جا سکتی تھی۔

نواب کالا باغ کے ہوتے ہوئے دولتانہ کے لیے ایوب خان سے سیاسی تعلقات استوار کرنا ممکن نہ رہا' لیکن جلد ہی ایک نیا راستہ تلاش کرلیا گیا انہوں نے اپنی بیگم کے ذریعے ایوب خان کے لڑکوں سے صنعتی روابط قائم کر لیے۔ یہ وہ دور تھا جس میں سیاسی تعلقات صنعتی تعلقات کے گرد گھومتے تھے۔ چنانچہ ایوب خان سے سیاسی اختلافات ہونے کے باوجود دولتانہ صاحب کے شاہی خاندان سے خوشگوار تعلقات قائم رہے۔

1965ء کے انتخابات میں عوامی خواہشات' بنیادی جمہوریت کی آمریت کے ہاتھوں شکست کھا گئیں' لیکن دولتانہ صاحب کی دور رس نگاہوں نے آنے والے حالات کا اسی وقت اندازہ لگا لیا۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ آنے والے حالات میں اپوزیشن جماعتیں اہم کردار ادا کریں گی اور جب حکومت عوامی جدوجہد کے ہاتھوں پسپا ہوگئی اور باقی جماعتیں اہم کردار ادا کریں گی اور جب حکومت عوامی جدوجہد کے ہاتھوں پسپا ہوگئی اور باقی جماعتوں کے سربراہوں کو حکومت سے معاملہ کرنے کے مواقع میسر آجائے گے' چنانچہ اس احساس کے تحت انہوں نے کونسل مسلم لیگ کی قیادت کو ہاتھ میں لینے کا منصوبہ بنایا۔

دولتانہ صاحب ہر بڑے کام کا آغاز بڑی سادگی اور بڑے انکسار سے کرتے ہیں۔ 1966ء کے آخر میں ایبڈو کی قید سے آزاد ہونے والے تھے۔ رہا ہونے سے پہلے انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو خط لکھا کہ وہ کونسل مسلم لیگ دو آنے کا ممبر بننا چاہتے ہیں اور انہیں کسی عہدے کی خواہش نہیں ایبڈو اٹھنے سے ایک روز پہلے 30 دسمبر 1966ء کو بیان دیا کہ وہ کسی عہدے کے آرزومند نہیں۔ شوکت حیات سے ان کا معاہدہ بھی ہوا کہ وہ ان کے لیے کام کریں گے' مگر اندر ہی اندر شطرنج کے شہسوار بازی کھیلتے رہے اور دولتانہ صاحب کونسل مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔

1970ء کے عام انتخابات سے پہلے سندھ میں انہیں سیاسی اعتبار سے جی ایم سید سب سے زیادہ طاقت ور نظر آئے تو دولتانہ صاحب نے قائداعظم کے اصول اور جی ایم سید کی کشمکش سب کو بھلا دیا اور اپنے حلقہ اثر کی توسیع کے لیے جی ایم سید سے بغلگیر ہو گئے۔ اس انتخابی معاہدے نے دولتانہ صاحب کے سیاسی مستقبل کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور دولتانہ صاحب سب کو اپنے جال میں پھنساتے پھنساتے خود ایک بڑے سیاسی جال میں پھنس گئے۔ وہ پاکستان کے ہر حلقے سے قائدین کو اپنے ساتھ ملانے کی مہم پر نکلے ہوئے تھے۔ جن کی مدد سے

اقتدار کی مسند تک پہنچ سکیں۔ سرحد میں ان کی نظر عبدالولی خاں پر گئی، مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن صاحب ان کے جگری دوست پہلے سے موجود تھے۔ سندھ میں کھوڑو صاحب کو دام کر چکے تھے۔ ہارون خاندان سے ان کے پہلے ہی سیاسی روابط تھے۔ بہاول پور میں حسن محمود سے سیاسی گفتگو جاری تھی۔ پنجاب میں وہ کسی کو مدمقابل سمجھتے ہی نہ تھے اس سیاسی صورت حال سے عوام میں یہ تاثر پھیلتا جا رہا تھا کہ انتخابات میں دولتانہ سب سے زیادہ طاقت ور سیاسی شخصیت کی حیثیت سے ابھریں گے۔ (۱)

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے قومی اسمبلی کی جو نشست خالی کی تھی اس پر ضمنی انتخابات میں ان کے کزن اور میاں اللہ یار خان دولتانہ کے صاحبزادے میاں ریاض خان دولتانہ ایم این اے منتخب ہوئے میاں ریاض احمد خاں دولتانہ نے اس انتخاب میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کی تھی۔ 1977ء میں بھی انہوں نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور این اے 122 وہاڑی 2 سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

ضیاءالحق کے دور حکومت میں میاں ریاض احمد خان دولتانہ مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہو گئے۔ انہوں نے 1985ء کے انتخاب میں بھی حصہ لیا اور این اے 122 وہاڑی 2 سے قومی اسمبلی کا رکن بننے میں کامیاب ہو گئے۔ (۲) 1988ء کے عام انتخابات میں میاں ممتاز محمد خان کے اکلوتے صاحبزادے میاں جاوید ممتاز دولتانہ نے اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور پی پی 196 وہاڑی 5 سے صوبائی اسمبلی کا رکن بننے میں کامیاب ہوئے۔ اس سے پہلے وہ اسی حلقے سے 1988 میں بھی ایم پی اے منتخب ہوئے تھے۔ اس وقت انہوں نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا تھا۔ (۳) 1990 کے عام انتخابات میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اور پی ڈی اے کے امیدوار محمد ضرغام خان خاکوائی سے 562 ووٹوں سے شکست کھا گئے۔ اسی انتخاب میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے بھتیجے اور میاں ریاض احمد خاں دولتانہ کے صاحبزادے میاں محمد زاہد خان دولتانہ نے بھی این اے 130 وہاڑی 2 سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا مگر وہ آئی جے آئی کے اکبر علی بھٹی اور پی ڈی اے کے محمد احسن خان دونوں سے شکست کھائے۔ میاں زاہد دولتانہ اس سے قبل ڈسٹرکٹ کونسل وہاڑی کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔ (۴)

1993 کے عام انتخابات میں دولتانہ خاندان ایک مرتبہ پھر خبروں کا موضوع بنا۔ان انتخابات میں ایک جانب تو میاں ممتاز دولتانہ کے صاحبزادے جاوید ممتاز دولتانہ نے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں محمد ضرغام خان خاکوانی کو شکست دے کر اپنی کھوئی ہوئی نشست ایک مرتبہ پھر حاصل کر لی۔دوسری جانب میاں ریاض احمد دولتانہ کی صاحبزادی اور میاں زاہد خان دولتانہ کی ہمشیرہ تہمینہ عقیل دولتانہ عبدالحمید بھٹی اور دیگر امیدواروں کو شکست دے کر قومی اسمبلی کی رکن بن گئیں۔وہ واحد خاتون تھیں جو پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئی تھیں۔(۵)

پنجاب کے دولتانہ خاندان کی سیاسی رشتہ داریوں کا سلسلہ پورے پاکستان میں پھیلا ہوا ہے۔جنہیں سرگودھا کا قریشی خاندان، لاڑکانہ کا کھوڑو خاندان، جھنگ کا بھروانہ خاندان اور کمالیہ کا کھرل خاندان سرفہرست ہے۔میاں ممتاز دولتانہ کی بھتیجی بیگم نادرہ خاکوانی پیپلز پارٹی پنجاب کی خواتین ونگ کی سربراہ ہیں۔بیگم نادراہ خاکوانی کی صاحبزادی بیگم کی شادی کمالیہ کے کھرل خاندان میں ہوئی ہے۔سلیم کے شوہر حسنین تحریک جعفریہ کے اہم رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔میاں ممتاز دولتانہ کی اکلوتی صاحبزادی سندھ کے مصروف سیاستدان ایوب کھوڑو (مرحوم) کی بہو ہیں۔میاں ممتاز دولتانہ کی ایک بہن کی شادی رادھن سرگودھا کے سعید قریشی سے بیاہی ہیں اور عزیز الحق قریشی قومی اسمبلی کا انتخاب ان کے بھانجے ہیں اس طرح اختر عباس بھروانہ بھی جو 1993 میں پی پی 70 جھنگ اے صوبائی اسمبلی کا انتخاب ہارے ہیں میاں ممتاز دولتانہ کے بھانجے ہیں۔(۶)

احمد یار خان دولتانہ:۔

دولتانہ قبیلے کے فرزند جنہوں نے قیام پاکستان سے پہلے سیاست کے میدان میں شہرت حاصل کی۔آپ کا تعلق راجپوتوں کے ایک قبیلے جوئیہ سے ہے جو ضلع وہاڑی میں آباد ہے۔آپ غلام محمد لڈن کے پوتے اور میاں غلام قادر خان بیٹے تھے۔موضع لڈن میں 13 اپریل 1896ء کو پیدا ہوئے۔ایچی سن چیف کالج میں تعلیم پائی گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھے کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور آپ کو اپنے علاقے سے فرنگی فوج میں نوجوان کو بھرتی کرانے کے لیے واپس آنا پڑا۔1921 میں پنجاب اسمبلی کے بلا مقابلہ رکن منتخب ہوئے۔1926ء 1931 اور 1937 کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔اسمبلی میں یونینسٹ پارٹی کے چیف سیکرٹری اور اس

پارٹی کے بانی میاں سر فضل حسین کے معتمد خاص تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے بائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر 1931ء دہلی اور چوبیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ اپریل 1936 بمبئی میں شرکت کی۔ 1940ء میں آپ کی رحلت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی میاں اللہ یار خان دولتانہ ان کی نشست پر 1946 کے انتخابات تک کامیاب ہوتے رہے۔ آپ کے بیٹے میاں ممتاز خان دولتانہ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (۷)

ممتاز محمد خان دولتانہ:۔

ممتاز محمد خان دولتانہ 1916ء میں موضع لڈن ضلع وہاڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ احمد یار خان دولتانہ کے فرزند ہیں۔ 1933 میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے آنرز کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کیا بیرسٹری کے امتحان میں اول آئے دوران تعلیم ہندوستانی طلبہ کی یونین کے صدر رہے۔ 1943ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1944ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ انہوں نے اس حیثیت میں سر فضل حسین اور یونینسٹ پارٹی کو کمزور کرنے اور مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں کامیاب کوششیں کیں۔ 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سیالکوٹ کے دیہی حلقے سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قیام پاکسان کے فوراً بعد نواب ممدوٹ وزیر اعلیٰ پنجاب کی کابینہ میں بطور وزیر خزانہ شامل ہوئے۔ وہ زمانہ انتہائی پر آشوب تھا۔ پاکسان ابھی وجود میں ہی آیا تھا اور لاکھوں مہاجرین کی آمد خزانے پر بہت بڑا بوجھ تھی۔ ادھر بھارت پاکستان کے وجود ہی کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ ایسے حالات میں حکومت پنجاب کا متحد و مستحکم ہونا ضروری تھا لیکن میاں صاحب نواب ممدوٹ سے زیادہ ذہین اور بہتر منتظم ہونے کی وجہ سے پوزیشن پر قانع نہ تھے اور جلد سے جلد صوبے کی وزارت علیہ پر فائز ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ اقتدار کی جنگ چند مہینے اندر ہی اندر جاری رہی بالاخر دولتانہ مستعفی ہو گئے اور ان کے ساتھ سردار شوکت حیات بھی حکومت سے باہر آ گئے۔ 1951ء کے انتخابات میں کامیاب ہو کر پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے لیکن 1953ء میں تحریک ختم نبوت کے زمانے میں وزارت سے الگ ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد ڈاکٹر خان صاحب کوری پبلیکن پارٹی کے عہد میں دولتانہ صاحب وزیر دفاع مقرر ہوئے لیکن جلد ہی اس عہدے سے بھی الگ ہوئے۔ صدر ایوب

خان نے دوسرے لیڈروں کیطرح ان کو بھی ''ایبڈو'' کے تحت سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روک لیا۔ فروری1969 میں جب صدر ایوب نے گول میز کانفرنس منعقد کی تو شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کرانے میں میاں صاحب نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ بھٹو صاحب برسر اقتدار آئے تو ان کی ترغیب پر قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دیا اور انگلستان میں پاکستان کے سفیر بن گئے۔ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔ 1989ء میں حکومت پنجاب نے آپ کو''تحریک پاکستان گولڈ میڈل'' سے نوازا۔(۸)

محترمہ تہمینہ دولتانہ صاحبہ راقم کا انٹرویو05-27-25:۔

جمہوریت کے لیے سیاسی ہر عمل فعال کردار ادا کرتا ہے اور اس وقت لوکل باڈیز کے الیکشن جس کے درمیان آپ آئے ہیں اور مل بیٹھے ہیں اس کی بھی اپنی ایک activity ہے۔ اور ہر سیاسی عمل اگر اس کے اندر ریونگ نہ ہوتو وہ بڑا فعال کردار ادا کرتا ہے۔ نہیں جی وراثتی سیاست تو ملک کے استحکام کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ کئی دفعہ لوگ ایک سیٹ سے لڑے ہیں تو ایسا تو امریکہ میں بھی ہوتا ہے۔ بش صاحب کے والد بھی لڑے تھے اس کے بعد بش صاحب بھی لڑے۔ تو پھر یہ کوئی انہونی بات نہیں ہوتی اگر آپ ایک علاقے سے کام کرتے ہیں اور elect ہوتے ہیں اور اگر آپ کی اولاد سے بھی کوئی ایسا نکل آئے اور خدمت خلق کرنا چاہئیں تو آپ ان کو روک نہیں سکتے۔ تو خدمت وراثتی نہیں ہوتی۔ خدمت تو خدمت ہوتی ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ اگر سیاست میں دیکھا جائے تو سیاست سے بڑا Social work کوئی نہیں ہے اگر اس کو سوشل ورک کی طرح لیا جائے۔ اگر اس کو لیا جائے کہ جیسے کئی لوگ کرتے ہیں۔

as struggle for power or as struggle to get finances. So that "is not the aspect"

تو اس aspect کے مطابق ہمیں نہیں چلنا چاہیے۔

دیکھیں جی اگر آپ کی کسی شخص نے اچھی طرح خدمت کی ہو تو پھر وہ جو علاقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ feel کرتے ہیں کہ انہوں نے بہت اچھی طرح خدمت کی تو شاید ان کا بیٹا بھی اسی طرح کام کرے گا۔ تو پھر اس طرح وہ چیز چل پڑتی ہے اور یہ جو سیاست کیا ہوتا ہے لوگوں کے ساتھ تعلق۔ تو تعلق جلدی نہیں بنتا اس کے لیے

وقت لگتا ہے۔تعلق جب بنتے ہیں تو جب ان کو maintain کیا جائے تو وہ ٹوٹتے نہیں ہیں تو natrually یہ ایکplus pointہو جاتا ہےجن کی سیاسی affiliation دیر سے ہوتو naturallyان کے پاس ایک plus pointہوتا ہے کہ میرے والد کے یہ دوست ہیں۔میرے دادا کے یہ دوست ہیں۔میرے بیٹے کے دوست ہیں اور یہ میرے جاننے والے ہیں تو naturally یہ تعلق چلتا جاتا ہےاور یہ ایک طرح کی string ہے جو چلتی جاتی ہے۔

ہم سیاستدانوں نے مارشل لا نہیں آنے دیا اور نہ ہم مارشل لا لا سکتے ہیں۔مسئلہ صرف یہ ہے کہ یہ تو فوج کی ایک سازش ہے کہ وہ بندوق کے زور پر آتے ہیں اور آ کے قبضہ کر لیتے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ پہلے تو یہ ایک بہت بڑی فوج کی ضرورت تھی کیونکہ ہماری ہندوستان کے ساتھ دشمنی تھی مگر اب یہ دشمنی نہیں ہے اس میں لڑائی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ دونوں ہی nuclear power ہیں تو اب فوج کی ضرورت نہیں ہے۔اور آج کل جو لڑائی ہے وہ economics کی ہے تو economic power ہونے کے ناطے سے اور فوجی برتری میں وہ ہم سے سبقت حاصل کر چکے ہیں۔انہوں نے دس سال کا pact بھی کر لیا ہے امریکہ کے ساتھ۔تو اب ہماری لڑائی کا مسئلہ نہیں ہے۔تو انہوں نے خود کو useful کرنا ہے کہ وہ خود take over کریں اور حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لیں۔

جب پہلا مارشل لاء لگا تھا اس وقت ایوب خان کے خلاف میرے تایا میرے والدا کھٹے ہوئے اور میں تو اس وقت بچی تھی تو انہوں نے اس وقت محترمہ فاطمہ جناح کو Support کیا اور دھاندلی سے ایوب خان جیتے تھے۔تو اس وقت بھی جدوجہد کی اور 12 اکتوبر 1999 کے بعد میں تو day one سے ہی میاں نواز شریف کے ساتھ ہوں اور آج بھی میں میاں نواز شریف کے ساتھ ہوں۔تو مجھے اس کی بہت بڑی سزا ادا کرنا پڑی۔9 بار مجھے جیل کا دروازہ دکھایا مگر کوئی بات نہیں یہ زندگی کا حصہ ہے۔میں 9 بار اور بھی جانے کے لیے تیار ہوں مگر اس ملک کے لیے۔ایک سزا یہ بھی ادا کرنا پڑی کہ میرے گھر آ کر جنرل صاحب نے کہا میں ان کا نام نہیں لوں گی۔انہوں نے کہا کہ آپ جیسے لوگ ہمیں چاہیے جو کہ honest ہوں۔right up ہوں اور اگر آپ کلثوم بی بی کا ساتھ نہیں دیں گی تو آپ ہمارے ساتھ آئیں ہم آپ کو آپ کی سیٹیں ہیں وہ جتوا کر دیں گے پلس آپ جو منہ سے

مانگیں گی ہم آپ کووہ دیں گے ministry۔آ پ جوکہیں گی وہ آ پ کودیں گے۔میں نے کہا کہ نہ مجھے وہ چاہیے نہ سیٹیں۔اگر جیتوں یاہاروں تو یہ خدا کی قدرت ہے وہ کسی کودے یانہیں۔اوراگرآ پ کسی کودھاندلی سے جتوادیں تو کوئی بات نہیں میں اپنے موقف سے نہیں ہٹوں گی اوراللہ کے فضل سے I am on that اورانہوں نے وہاڑی کی جیتی ہوئی سیٹیں مجھے ہروائی مگراس کا مجھے کوئی فرق نہیں پڑا کیونہ میں اپنے موقف پر کھڑی ہوں۔سیٹیں تو پھر آ جائیں گی موقف تبدیل ہوتا تو تاریخ میں مجھ پر سیاہ دھبہ لگ جاتا۔

دیکھیں پہلے تو ہم سب کو اکھٹے ہوکر 1973 کے مطابق اپنا system چلانا چاہیے۔ اگر کوئی amendments ہونی ہے تو سب کومل بیٹھ کر دیکھنا چاہیے کہ amendments کہاں ہونی ہے یہ نہیں جس طرح ان لوگوں نے کیا ہے کہ راتوں رات 29amendments کرکے اورایک نئی کتابچہ بنا کر ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس طرح ملک کے قانون تبدیل نہیں ہوتے یا تبدیلی کی جاتی ہے۔ اسی طریقے سے یہ system چل رہا ہے۔انہیں تو یہ پتا ہے کہ

What it is to attack, how to retreat. They don't know how to dialogue. They don't ever known how to done dialogue. They don't know the law. They have not practice the law. In the very top position اورخودبھی جنرل صاحب اس وقت he is an illegal person sitting by force.

دیکھیں ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں استحکام ہواوراس استحکام کے لئے بہت ضروری ہے کہ اس ملک میں جمہوری عمل ہو کیونکہ لوگ ہی اکھٹے رہ سکتے ہیں۔لوگوں کو ہی ان کی باتیں ہی اکھٹا رکھ سکتی ہیں کوئی ڈنڈے کے زور پر اکٹھا نہیں رہ سکتا۔اوراس کے لئے بہت ضروری ہے کہ یہاں پر اچھے جمہوری عمل چلیں اور جو ملک کے اچھے لیڈر ہیں ان کوملک میں واپس آ نا چاہیے اورآ کر وہ باگ دوڑ سنبھال لیں۔اگر وہ اچھا deliver کریں گے تو وہ یہاں رہیں گے اگر وہ اچھا deliver نہیں کریں گے تو ان کو کوئی اور replace کردے گا اور مگر یہ ملک

progressive طریقے سے آگے چلے نہ۔ ہندوستان کو دیکھیں one of the biggest democracies in the world ان کے اندرون بہت خامیاں ہیں وہاں corruption بھی ہے۔ وہاں پر Law & order کی situation ہے۔ وہاں چونکہ جمہوری عمل ہے اور اس کی طاقت سے وہ اکھٹے ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے دوصوبوں میں لوگ بندوقیں اٹھا کر بیٹھے ہوئے ہیں فوج کے خلاف۔ کیا اس کو civil war نہیں کہتے؟

ہاں جی میں 1986 سے میں میاں نواز شریف کے ساتھ ہوں۔ اس سے پہلے میرے والد مسلم لیگ میں تھے اور میرے دادا نے بڑی contribution کی ہے۔ پاکستان بنانے کے لیے۔ انکل ممتاز اور میاں دولتانہ صاحب کی بڑی contributions ہیں اور ہم پیدائشی طور پر مسلم لیگی ہیں۔ آج تک مسلم لیگ میں میں ہوں اور انشاءاللہ سبز جھنڈے میں اللہ کرے کہ وہ وقت آئے کہ جب مجھے سپر دخاک کیا جائے۔

میں جب MNA بنی 1993ء میں تو اس وقت میں اپوزیشن میں تھی۔ بے نظیر صاحب کے اپوزیشن میں۔ جس میں ہمیں کوئی development fund نہیں ملا۔ ایک بہت چھوٹا period آیا سوا دو سال کا اور اس چھوٹے سے ٹائم میں وزیر بھی بنی اور حکومت میں بھی رہی تو پھر جب میں حکومت میں تھی تو میں نے یہاں بہت سی developments کیں۔ میں نے یہاں بجلیاں دیں۔ میں نے یہاں exchange بنوائیں' سڑکیں بنوائی میں نے یہاں crises centre بنوائے خواتین کے بہبود کے لیے میں نے یہاں خواتین کے nursing school بنوائے میں نے یہاں 111 ہوم سکول بنوائے۔ 4200 بچے گھروں میں پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اب recently ہسپتال بنائے۔ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے۔ جہاں غریبوں کا مفت علاج ہو رہا ہے اور جو لوگ pay کر سکتے ہیں وہ تھوڑا بہت pay کر رہے ہیں اور یہاں پر سوئی گیس کے لیے میں نے میاں صاحب سے پیسے لئے تھے مگر میری بدقسمتی اور میرے لوگوں کی بدقسمتی کہ جب سوئی گیس کی بات ہوئی تو اس وقت ہماری حکومت ٹوٹ گئی جو بھی فنڈ مجھے ملا تھا وہ واپس ہو گیا۔ ہم نے یہاں model Estate بنوائیں کہ یہاں کے لوگ کس طرح محنت کر کے اپنے اور اپنے علاقے کو بہتر بنا سکتے ہیں تو self کی بہتری کے لیے program launch کئے۔ میں نے یہاں M.A کی کلاسز لڑکیوں کے لئے شروع کیں۔ نرسنگ سکول

بھی شروع کیے۔ یہاں پر چھوٹے گھروں کی سکیم بنائی جس میں ایک عام آدمی کو اپنے سر پر چھت ملنی تھی جو کہ ہماری حکومت ٹوٹنے سے ختم ہوگئی۔ میں نے یہاں پر ایک industrial Estate بنائی تو یہاں پر حکومت ٹوٹ گئی اور وہ وہیں رہ گیا۔ So یہ مجبوریاں ہوتی ہیں کہ جب حکومت ٹوٹ جاتی ہے تو سب ختم ہو جاتا ہے مگر میں نے پھر بھی بہت سے telephone exchanges بنوائے اور majority of area میں اس وقت communication ہوسکتی ہے

جی میں نے قانوان بنوائے جس میں Against the discrimination of children۔ میں نے قانون بنوائے جس میں ہمارے جو لوگ تھے I mean جو disables ہیں ان کو 1% کی جگہ 2% جاب ملے۔ میں نے ایک قانون بنوایا جس میں میں national plan of action implement کروایا اور ہر Ministry میں خواتین کے لئے ایک کوٹہ رکھوایا So that ان کے فلاح و بہبود کے لیے کام ہو کیونکہ میں women development کی minister تھی اور social welfare اور special education کی Minister تھی۔

جی دینی اودارے تو یہاں already ہیں اور جو میں نے home school بنوائے ہیں وہاں پر اسلامیات بھی پڑھائی جارہی ہے اور 4200 بچے پڑھ رہے ہیں۔

And they are gething benefit out of it.

4.1 محترمہ تہمینہ دولتانہ صاحبہ:۔

تہمینہ دولتانہ کا حلقہ انتخاب ضلع وہاڑی کے دیہی اور شہری علاقوں پر مشتمل ہے۔ایک خاتون ہونے کے باوجود مجموعی طور پر ان کی کارکردگی بری نہیں۔ ان کے علاقے کے ووٹروں سے جورائے حاصل کی گئی اس کے مطابق 20% لوگ ان کی کارکردگی کو انتہائی اعلیٰ اور معیاری سمجھتے ہیں 18% لوگوں کی رائے کو"B" معیار میں رکھا گیا ہے جو اچھی کارکردگی کی علامت ہے جبکہ 15% لوگوں کی رائے میں محض تسلی بخش ہے۔اس طرح مجموعی طور پر 54% لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں وہ کامیاب رہی ہیں جبکہ 46% لوگ ان کی کارکردگی کو تسلیم نہیں کرتے اور انہیں شکوہ ہے کہ ان کا عوام سے رابطہ نہیں ہے اور ایک خاتون ہونے کی حیثیت سے مردوں سے ملنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ان کے حلقہ انتخاب میں 46%
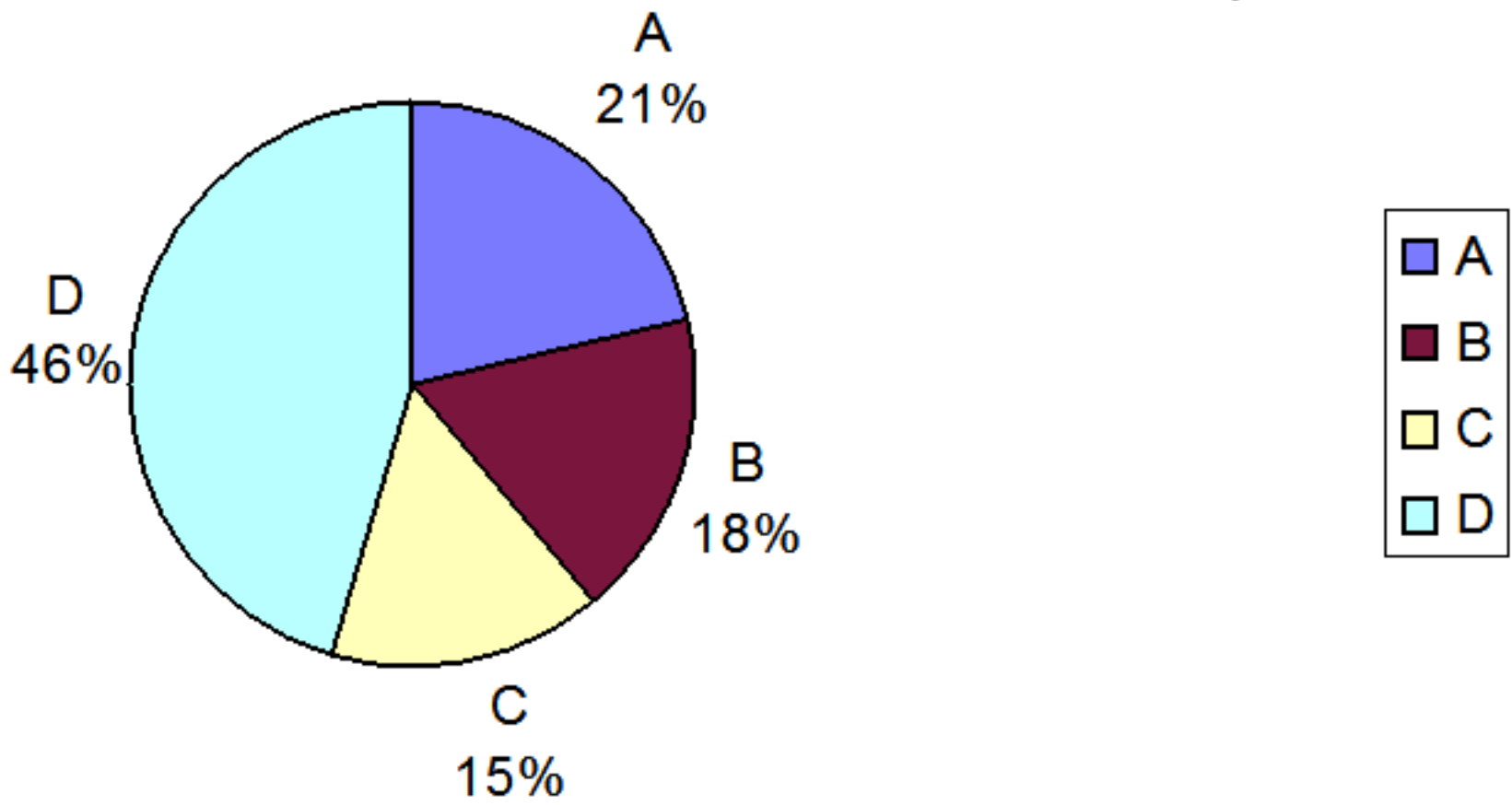
لوگوں کی ان کے خلاف رائے کی وجوہات یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک خاتون ہیں اور مرد عام طور پر ایک خاتون کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یا ان کا لوگوں سے ملنا اور ان کا لوگوں سے رابطہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کا خاصل وقت Opposition میں گذرا اور جس کی وجہ سے ان کے حلقہ میں ترقیاتی کام زیادہ نہیں ہوسکے۔ اگر انہوں نے عوامی رابطہ برقرار رکھا اور لوگوں کے مسائل میں دلچسپی لی اور اپنی کارکردگی کو بہتر بنایا تو آئندہ بھی وہ اس حلقہ انتخاب سے کامیابی حاصل کرسکتی ہیں۔

گردیزی خاندان:۔

قیام پاکستان کے بعد ملتان کے گردیزیوں میں سے جو افراد سیاست کے افق پر نمایاں ہوئے ان میں سب سے زیادہ شہرت محمد نواز شاہ گردیزی کے بیٹے علی حسین شاہ گردیزی نے حاصل کی۔وہ قیام پاکستان سے پہلے ہی مسلم لیگ کی تنظیم سے وابستہ تھے اور تحریک پاکستان کے دنوں میں قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کر چکے تھے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے کونسلر ضلعی آرگنائزر اور صوبائی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے تھے۔ 1951ء میں وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن بنے اور کچھ دنوں تک صوبائی وزیر بھی رہے ان کے پاس ترقیات کا قلمدان تھا 1956ء میں وہ مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ایوب خان کی حکومت نے انہیں ایبڈو کے تحت نا اہل قرار دیا چنانچہ وہ 31 دسمبر 1966ء تک کیسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکے۔

علی حسین شاہ گردیزی کے بعد ملتان سے گردیزی خاندان کا جوفرد سیاست میں سب سے نمایاں ہوا۔وہ سید عباس حسین گردیزی تھا۔سول سروس سے بطور ڈپٹی کمشنر ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے 1970ء اور 1977 دونوں انتخابات میں حصہ لیا تھا۔

1970 اور 1977 دونوں انتخابات میں گردیزی خاندان کے ایک اور فرد سید محمد رضی شاہ گردیزی بھی صوبائی اسمبلی کا انتخاب جیتنے میں کامیاب رہے۔دونوں انتخابات میں انہیں پیپلز پارٹی کی حمایت حاصل تھی یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سید رضی شاہ گردیزی پہلے پیپلز پارٹی کے شدید مخالف ہوا کرتے تھے اور وہ 1970 میں انتخابات سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے نواب صادق حسین قریشی کی ایما پر ذوالفقار علی بھٹو کے قافلے پر حملہ بھی کروایا تھا۔مگر جب کچھ ہی عرصہ بعد نواب صادق حسین قریشی پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے تو سید رضی شاہ گردیزی نے بھی پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔سید رضی شاہ گردیزی نے بھی 1985 کے انتخابات میں حصہ لیا وہ این اے 115 ملتان 5 سے قومی اسمبلی کی رکنیت کے امیدوار تھے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں سید حامد رضا شاہ گیلانی کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑی۔(۹)

ملتان ہی سے گردیزی خاندان کے ایک اور فرد جو مدت دراز سے عملی سیاست میں رہے سید قسور گردیزی ہیں۔انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک پاکستان کے دنوں میں پاکستان مسلم لیگ سے کیا۔تقسیم کے بعد وہ

مسلم لیگی رہنماؤں کی سیاست سے دلبر داشتہ ہو گئے اور انہوں نے نومبر 1950ء میں میاں افتخار الدین کے ہمراہ آزاد پاکستان پارٹی تشکیل دی۔ اس پارٹی کے منشور کا ایک اہم مطالبہ ملک سے جاگیرداری کا خاتمہ تھا۔ سید قسور گردیزی نے ستمبر 1956 میں پاکستان نیشنل پارٹی اور جولائی 1957 میں نیشنل عوامی پارٹی کے قیام میں اہم کردار ادا کیا اور آخرالذکر پارٹی کے وائس چیئر مین بھی منتخب ہوئے 1965ء کے صدارتی انتخابات میں انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا کھل کر ساتھ دیا جس کی وجہ سے انہیں ایوب خان کے دور میں قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بھٹو کے زمانے میں بھی وہ اپنے نظریات کی وجہ سے ہم پس دیوار زنداں ہی رہے۔ 1978ء میں انہوں نے غوث بخش بزنجو کے ساتھ مل کر پاکستان نیشنل پارتی (پی این پی) کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے 11 ستمبر 1993ء کو لاہور میں وفائی پائی آخری وقت تک وہ پی این پی سے ہی وابستہ تھے۔ قسور گردیزی مخدوم سجاد حسین قریشی کے برادر نسبتی تھے۔ (۱۰)

گردیزیوں کی ایک شاخ بہاولپور میں بھی آباد ہے اس شاخ کے مورث اعلیٰ سید واجد علی شاہ گردیزی نے رنجیت سنگھ کے عہد میں میلسی ضلع ملتان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ سید محمد نواز شاہ تھے۔ ان کی اولاد میں سے سید امام شاہ گردیزی نواب بہاول خان رابع کے عہد میں بہاولپور تشریف لائے اور مشیر فوج کے عہدے پر مامور ہوء۔ سید امام شاہ کے فرزند سید محمد نواز شاہ نے بھی مشیر فوج' چیف جج اور وزیر کی حیثیت سے ریاست اور ریاستی عوام کی خدمت کی۔ سید محمد نواز شاہ کے دو فرزند سید محمد علی شاہ اور سید غلام علی شاہ تھے۔ سید غلام علی شاہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کے دو بیٹے تھے جن کے نام سید محمد نواز شاہ گردیزی اور سید احمد نواز شاہ گردیزی تھے۔ (۱۱)

سید محمد نواز شاہ گردیزی مسلم لیگ میں شامل تھے وہ بہاولپور مسلم لیگ کے سیکرٹری مالیات بھی رہے۔ 1954ء میں ریاست بہاولپور کی کابینہ کے رکن بنے۔ وہ ایک مرتبہ صوبائی اسمبلی کے رکن بھی بنے۔ (۱۲)

محمد نواز شاہ گردیزی کے صاحبزادے تسنیم نواز گردیزی ہیں وہ 1985ء 1988 اور 1990 تینوں انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو چکے ہیں۔ ان کا تعلق اسلامی جمہوری اتحاد سے تھا وہ محمد خان جونیجو اور میاں محمد نواز شریف کی کابنیاؤں میں وزارت پر بھی فائز ہو چکے ہیں۔ 1993ء کے انتخابات میں تسنیم نواز

گردیزی نے ایک مرتبہ پھر این اے 143 سے انتخاب لڑا مگر اس مرتبہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے میاں ریاض حسین پیرزادہ سے تقریباً سولہ ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔تسنیم نواز گردیزی احمد نواز شاہ گردیزی کے داماد ہیں جب کہ ان کے بڑے بھائی سلیم نواز گردیزی مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے داماد اور پیر پگاڑا اور علمدار حسین گیلانی کے ہم زلف ہیں۔(۱۳)

محمد نواز شاہ گردیزی کے چھوٹے بھائی احمد نواز شاہ گردیزی نے اپنے برے بھائی کی بہ نسبت سیاست میں زیادہ نام کمایا وہ 1925ء میں پیدا ہوئے۔انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔قیام پاکستان کے بعد وہ صوبائی سیاست میں متحرک رہے اور صدر ایوب خان کے دور میں صوبائی وزارت تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ان کے صاحبزادے سید سلیمان احمد گردیزی 1988ء اور 1990 دونوں انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہو چکے ہیں۔تاہم 1993ء کے انتخابات میں وہ چوہدری صفدر حسین سے تقریباً 22 ہزار ووٹوں سے شکسٹ کھا گئے تھے۔(۱۴)

سید حسین جہانیاں گردیزی راقم کا انٹرویو 18-06-05:۔

یقینی طور پر بلدیاتی ادارے ہی ہیں جو جمہوریت کو آگے بڑھاتے ہیں۔جمہوری استحکام کے لیے خواہ وہ بلدیاتی سیاست ہو یا نیشنل یا صوبائی سیاست ہو یہ ضروری ہے اور ہمارا constitutions جو ہے اس کی شق 32 اس three tear گورنمنٹ کو define کرتا ہے جس میں وہ بلدیاتی اداروں‘ جمہوری اداروں اور قومی اداروں کو بیان کرتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ وراثتی سیاست سے آپ کیا مراد لیتے ہیں۔ پہلے تو آپ وراثتی سیاست کو define کریں۔سیاست یہ ہے کہ جو انسان Practically اپنا کردار ادا کرتا ہے۔دیکھیں اگر آپ پاکستان کی سیاست کا جائزہ لیں یا ان ترقی یافتہ ممالک میں سیاست کا جائزہ لیں۔جن کو کہ ہم کہتے ہیں کہ آج وہ جمہوریت میں بہت زیادہ مستحکم ہیں۔ایک حقیقت یہ ہے کہ جو خاندان سیاست میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں تو ان میں جب ان کی نئی نسل سیاست میں آتی ہے۔تو یقینی طور پر ان کو ماضی کے حوالے سے edge حاصل ہوتا ہے لیکن ہمیشہ سیاست میں وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنا فعال کردار ادا کرتے ہیں اور جو effectively کام کرتے ہیں۔ یہاں

ہم نے دیکھا ہے کہ بہت بڑے بڑے سیاستدانوں کے آگے جو generation ہے جو آگے فارغ ہوجاتی ہیں ان کا کردار نہیں رہتا۔ اور یہاں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان کی اگلی نسلیں بھی سیاست میں اہم کردار ادا کرتی ہیں میں نے پہلے بھی بات کی تھی ترقی یافتہ ممالک کی جو کہ جمہوری طور پر مستحکم ممالک ہیں تو آج آپ کے سامنے ہے آج America میں جن کو آپ Role model کہتے ہیں مگر میں نہیں کہتا مگر لوگ کہتے ہیں وہاں پر بھی آپ نے دیکھا ہے کہ باپ اور بیٹے کے درمیان صرف ایک شخص اور President آیا ہے۔ پھر سابقہ President کا بیٹا President بنا۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ Compare کریں تو آج بنگلہ دیش میں جو major politicians ہیں جو دو میں main streams کو lead کر رہے ہیں وہ بھی اسی طرح ایک سابقہ سیاستدان کی بیوہ ہے اور ایک سابقہ سیاستدان کی بیٹی ہے۔ اسی طرح اگر آپ مثال لیں ابھی جو انڈونیشیا میں اتری ہیں خاتون وہ بھی اسی سیاست کا حصہ ہے اور ملٹری گورنمنٹ کے against جو خاتون آئی ہیں وہ بھی وراثتی سیاست کا حصہ ہیں اور وہ opposition کی stream کی مین لیڈر رہیں۔

یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں بلکہ کتابوں کی جلدیں بھی لکھی جا سکتی ہیں۔ اس میں میں کسی ایک طبقے کو قصوروار نہیں ٹھہراتا اس میں سیاستدان کا بھی قصور ہے۔ جو State کے چاروں Pillars ہیں ان چاروں Pillars کا قصور ہے۔ جس کی وجہ سے یہ یہاں پر رہتے ہیں۔ چاہے Political aspects ہو Judiciary ہو عدلیہ، جمہوری ادارے، پریس سب شامل ہیں۔ ان سب کا قصور ہے اور مختصراً میں یہ کہوں گا کہ مارشل لاء کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی ہمارے ملک میں جس دن ایوب خان کو CNC defence ministry بنایا گیا تھا اور سیاستدانوں نے ہی فوج کے دروازے کھول دیئے۔

دیکھیں جہاں تک میرے خدانداں کا تعلق ہے تو اگر آپ اس کا جائزہ لیں تو یہ ہمیشہ جمہوری دور میں ہی برسر اقتدار رہے یا اسمبلیوں میں رہے اور آپ کو ایوب خان کے مارشل لاء سے تو پہلے پہلے ہمارا خاندان نظر آئے گا یا پھر 70 کے الیکشن کے بعد نظر آئیں گے یا پھر میں آیا تو یہ جمہوری Process الیکشن کا شروع ہوا تو میں آیا۔ تو ہمارے خاندان میں آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نہ تو مارشل لاء دور میں نہ کوئی ہمارے بزرگوں نے عہدے قبول کئے اور Abdo ہوئے۔ مارشل لاء کی وجہ سے علی حسین گردیزی Ebdo (Elective bodies

(disqualification order)ہوئے جن کی پاکستان مسلم لیگ کے ساتھ ایک لمبی struggle تھی اور ایک فعال رہنما تھے۔ اور اس کے بعد ایوب خان کے پورے دور میں ہمارے خاندان میں کوئی بھی برسر اقتدار نہیں آیا اور ضیاء کے دور میں کوئی بھی برسر اقتدار نہیں آیا۔

ہمارے بزرگوں نے پاکستان جو کہ اسلامی فلاحی مملکت کا ایک تصور لے کر بنا اس کے لیے جدوجہد کی۔ ہمارے ہی بزرگ ان چند سیاستدانوں میں سے ہیں جو تحریک پاکستان کے دوران جیل بھی گئے بہت کم لوگ اس وقت جیل گئے تھے وہ ان میں سے تھے اس کے بعد کہ جو حالات ہیں اس میں نفاذ اسلام کی definition ہے وہ مختلف ہے اور اس کے مختلف انداز سے ہر کسی کی سوچ ہے اور ہماری سوچ جس انداز میں ہے اس کے حساب سے یہ ایک اسلامی ملک ہے اسلامی معاشرہ ہے۔

کوئی بھی آئین ہو وہ liviing document ہوتا ہے اور وہ صرف اسی صورت میں living document رہتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں بھی آتی رہتی ہیں 1973 کا آئین کی خاصیت یہ ہے کہ ایک living document ہے یعنی یہ ہمارا متفقہ آئین ہے اور آج ہم اگر اسے divert کریں گے تو اس سے بہت سارا Pandora box کھلے گا اور شاید ایسے issue کھڑے ہو جائیں جس کو ہم حل بھی نہ کر سکیں لہٰذا 1973ء کا آئین ایک ہمیں بنیادی آئینی ڈھانچہ مہیا کرتا ہے اس کی ایک خاص اہمیت ہے ہمیں اس کو اسی طرح protect کرنا چاہیے جہاں تک اس کی تبدیلی کا تعلق ہے تو وہ کوئی بھی آئین ہو وہ اسی صورت میں living document رہے گا جب تک اس میں وقت کے ساتھ ساتھ changes ہوتی رہیں گی کچھ ایسی بھی ترامیم ہو جاتی ہیں جن سے کچھ لوگوں کو اتفاق ہو اور کچھ لوگوں کو اتفاق نہ ہو مثلاً میں مثال دوں گا کہ 14 ویں ترمیم جو ہوئی تھی جس میں Parliment arieans کو ایک شکنجے میں جکڑ دیا گیا تھا وہ ایک ترمیم ہوئی اور وقت کے ساتھ ختم بھی ہو گئی تو یہ اس قسم کا ایک Process ہے اور یہ آئین میں چلتا رہتا ہے اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئین تبدیل ہو گیا کیونکہ نہ ہی آئین کوئی آسمانی صحیفہ ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

پہلے تو میں وضاحت کر دوں کہ ملتان میرا حلقہ نہیں ہے اور جو میرا حلقہ ہے وہ ڈسٹرکٹ خانیوال میں ہے اور اپنے حلقہ انتخاب میں میں نے اداروں کی development میں بھرپور کردار ادا کیا ہے اور آج تو واضح طور

پر میں claim کرسکتا ہوں کہ education sector میں جتنا کام میں نے کیا ہے اتنا کام شاید ہی کسی politician نے اپنے حلقہ انتخاب میں کیا ہوگا اور اس کی مثال یہ ہے کہ میں نے وہاں پر Boys degree college کا قیام کروایا اور بہت سارے Girls College بنوائے اور ساتھ بہت سارے پرائمری، ہی مڈل اور ہائی سکولوں کا قیام کروایا۔ اس بات سے ہٹ کر اس وقت مجھ پر بنیادی تعلیم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کبیر والہ میں جو Institutions بنے ہیں مثلاً نیا تحصیل complex بنا وہاں پر کبیر والہ میں جو Institutions بنے ہیں مثلاً نیا تحصیل complex بنا' وہاں پر کبیر والہ چونکہ ایک زرعی علاقہ ہے وہاں ایک نئی سبزی منڈی کا قیام کروایا وہاں پر بہت نئی markets بنوائی اور بہت سے منصوبے ہیں جو کہ میں اب تک گن رہا ہوں جو ممکن نہیں ہیں مگر وہاں پر نیا judicial complex بن رہا ہے اس پر کام جاری ہے اس کے علاوہ نیا police complex شروع ہو جائے گا اس کے علاوہ جتنے بھی ادارے اس قسم کے ہیں کہ اگر ہم 25 20 سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو اب میں نے اس میں کافی کام کیا ہے۔

مجھے اگر آپ جانتے ہوتے تو شاید آپ مجھ پر یہ سوال نہ کرتے لیکن مجھے بڑا عجیب لگ رہا ہے کیونکہ ہم ہمیشہ مثبت سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور مثبت سیاست ہی کرتے ہیں۔ پاکستان کے استحکام کے لئے کہیں یا قوم کو ایک مضبوط قوم بنانے کے لیے بہت تو اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ پاکستان ایک federation چار اس کی اکائیاں ہیں اور ان چار اکائیوں میں بہت سی diversfications ہیں زبان' کلچر اور سب سے بڑھ کر economic disperity ہے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو ایک مضبوط اور متحد قوم بنانے کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ economic disperity کو ختم کیا جائے جو کہ اس کی اکائیوں میں ہے۔

4.2 جناب حسین جہانیاں گردیزی صاحب

حسین جہانیاں گردیزی کا حلقہ انتخاب زیادہ تر دیہی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اُن کے حلقہ میں کیے گئے سروے سے جو نتیجہ سامنے آیا اُس کے مطابق 30% لوگ ان کی کارکردگی کو بہت زیادہ سراہتے ہیں جبکہ 17% لوگ ان کی کارکردگی کو بہت اچھا سمجھتے ہیں۔ ان کو معیار "B" میں رکھا گیا ہے۔ جبکہ 16% لوگوں کی رائے ان کی مجموعی کارکردگی سے تسلی بخش ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر 63% لوگ ان کی کارکردگی کو بہت اچھا یا کم از کم قابل اطمینان ضرور سمجھتے ہیں جبکہ 37% لوگوں کی رائے ان کی کارکردگی سے تسلی بخش نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ ان کے علاقے کا حلقہ انتخاب وسیع
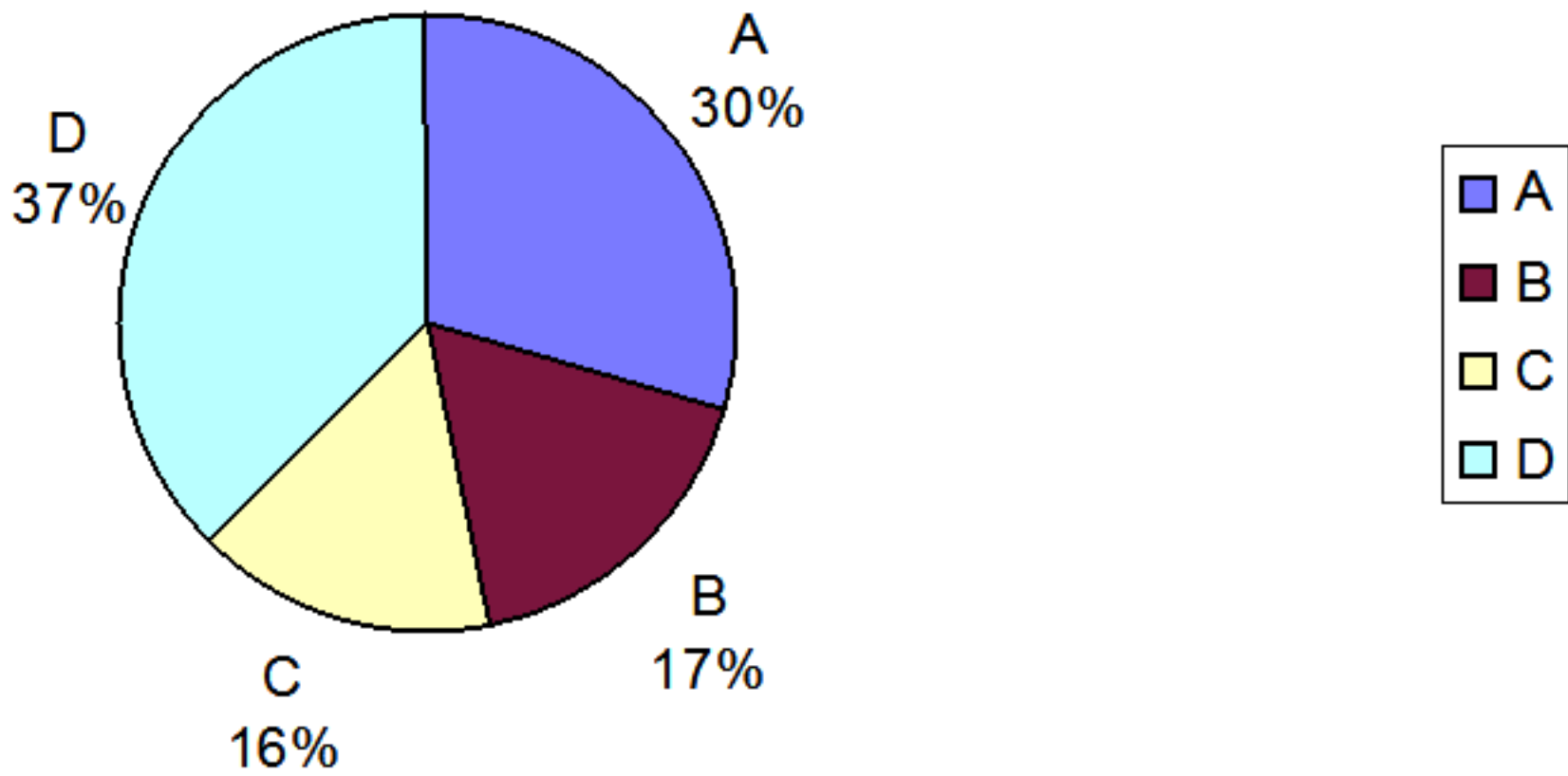
اور دور دراز دیہی علاقے پر مشتمل ہے۔ جس کی وجہ عوام سے رابطہ بڑا دشوار ہوتا ہے۔ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہ ہونے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا تعلق مذہبی بنیادوں پر ان کے مخالف ہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلقہ انتخاب مجموعی طور پر ان کے کنٹرول میں ہے اور وہ آئندہ انتخاب میں کامیاب ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خورشید عباس گردیزی راقم کا انٹرویو 18-06-05:۔

1752ء میں علی محمد خان سدوزئی جس کے نام سے مسجد ولی محمد ہے۔ وہ یہاں کا حاکم تھا احمد شاہ ابدالی کے دور میں گردیزی سب سے بڑے زمیندار تھے۔ جب علی محمد خان جو نالہ ولی محمد سے مشہور تھا۔ جب پتہ چلا کہ ہم شیعہ ہیں تمام زمینیں ضبط کر لیں اور شاہ گردیز خاندان بہاول پور چلا گیا بعد میں احمد شاہ ابدالی کو قتل کر دیا گیا دوبارہ ہمارا خاندان واپس آ گیا 1818ء میں رنجیت سنگھ کے بیٹے کھڑک سنگھ نے ملتان فتح کیا اور یہاں کے حاکم مظفر خان کو شکست دی۔ ہمارے مظفر خاندان سے اچھے تعلقات تھے مظفر خان بھی سدوزئی تھے۔ایک دفعہ شکست کھانے کے بعد مظفر خان دوبارہ حملہ آور ہوا اور گردیزیوں کی مدد سے ملتان پھر فتح ہوا۔ ہماری مخدوم فیملی بھی ہے ان کے گھر آج تک بھی دیوان خانہ کے نام سے مشہور ہے جو آج بھی بوہڑ گیٹ پر موجود ہیں۔ وہاں سے مظفر خان کی فوج ملتان داخل ہوئی اور ملتان فتح ہوا۔ یہ ہمارے سدوزئی خاندان کے تاریخی کارناموں اور کتب میں موجود ہے۔

یہ جمہوری زمانہ نہ تھا اس وقت کے حاکم کے ساتھ مخالفت یا دوستی سیاست سمجھی جاتی تھی 1848ء میں انگریز آئے اس وقت رنجیت سنگھ کا بیٹا دلیپ سنگھ جو سات یا آٹھ سال کا تھا اپنی ماں کی مدد سے اور فوج کی مدد سے شاہی قلعہ لاہور کی سازشوں سے لاہور کا حاکم بنا۔ اس نے انگریز سے تعلقات استوار کر لیے۔ دیوان مول راج رنجیت سنگھ کے زمانے سے ملتان کا حاکم چلا آ رہا تھا اس سے سالانہ خراج جو مول راج دیتا تھا انگریز دلیپ سنگھ کے نمائندے بن کر آئے تا کہ خراج وصول کر سکیں۔ دیوان مولراج سالانہ 20 لاکھ روپے خراج دیتا تھا۔ مول راج خود ہندو نواز تھا جب کہ اس کے والد ساون مل کے مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے جس کی وجہ سے دیوان مولراج کے خلاف مسلمان تھے۔ مولراج نے انگریزوں کو خراج دینے سے انکار کیا۔ EGNEW نامی انگریز یہاں قلعہ پر مارا گیا جس کی یادگار آج تک قلعہ کہنہ قاسم باغ پر موجود ہے۔ انگریز شکست کے بعد بھاگ گئے دوبارہ انگریز فوج اکھٹی کر کے براستہ تلمبہ ملتان پہنچے دوسرا انگریزی دستہ براستہ لیہ ملتان پہنچا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے انگریز کی حمایت کی چنانچہ انگریز 1848 میں ملتان پر قابض ہوئے۔ مسلمانوں کی جان مول راج سے چھوٹ گئی انگریزوں نے مراد شاہ صاحب گردیزی کو شورکوٹ کا منصف مقرر کیا۔ اس زمانے میں

شورکوٹ ملتان کی حدود میں آ تا تھا۔مراد شاہ گردیزی نے بڑا عمدہ کام کیا عدالتی لحاظ سے بڑا نام پایا۔انگریزوں نے بعد میں انہیں بہاول پور کا Native Agent مقرر کیا۔ بعد میں ترقی کرتے ہوئے چیف جج کے عہدہ تک پہنچے۔ بہاول پور میں مرادواہ نام کی ایک نہر ان کی ترقیاتی سکیموں کی یاد ہے۔گردیزی خاندان پرامن طور پر رہا۔ سید پہلوان شاہ گردیزی سب سے پہلے ملتان کے کوتوال مقرر ہوئے۔

1924 کے ملتان گزیٹر میں یا ملتان چیف کے نام سے جو کتاب لکھی گئی ہے اس میں درج ہے کہ ملتان کے سب سے بڑے زمیندار گردیزی تھے۔مراد شاہ صاحب کے پوتے سید عبدالجلیل گردیزی جنہوں نے ولائت سے تعلیم حاصل کی 1936ء میں الیکشن لڑا مگر ہار گئے۔ 1946ء کے الیکشن میں عبدالجلیل گردیزی Unionist پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا مدمقابل فخر امام صاحب کے چچا سید نور شاہ صاحب تھے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر لڑے تھے۔جلیل صاحب الیکشن ہار گئے سید علی حسین گردیزی جو ملتان مسلم لیگ کے روح رواں تھے 1950ء کے الیکشن میں ممبر بنے تھے۔ جو ممتاز دولتانہ کی کابینہ میں وزیر صنعت تجارت رہے۔صدر ایوب کے دور میں جب 1962 کا آئین بنا۔اس آئین کی رو سے بنیادی جمہوریتوں کا نظام شروع ہوا۔گردیزیوں نے بنیادی جمہوریت میں باقی خاندانوں سے زیادہ نشستیں حاصل کیں۔سید نذیر حسین گردیزی' سید اشفاق احمد گردیزی ضلع کونسل ملتان کے ممبران بنے۔سید قسور گردیزی جو سوشلسٹ تھے۔مولانا بھاشانی' ولی خان NAB کے سمیت صدر ایوب کے زمانے میں قید بھی گزاری۔سید بہادر علی گردیزی سہروردی کے بڑے چاہنے والے تھے۔اور سہروردی کے ذاتی دوست تھے عوامی لیگ کے ممبر بھی تھے بہادر علی کے مجیب الرحمٰن کے ساتھ بھی ذاتی تعلقات تھے بہادر علی گردیزی نے کہا تھا کہ مجیب الرحمٰن پاکستان کے خلاف نہیں؟

1970ء کے الیکشن میں سید عباس حسین گردیزی نے تحصیل کبیر والہ سے الیکشن لڑا PPP کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا MNA بنے۔سید عباس حسین گردیزی جو بطور DC ریٹائر ہوئے تھے جن کا خاص تجربہ تھا علم دوست تھے MNA بن گئے آپ مراد شاہ گردیزی کی اولاد میں سے تھے۔

1970ء کی الیکشن میں سید عباس حسین گردیزی نے ڈاکٹر خاور علی شاہ کو شکست دی تھی۔ 1977 کے الیکشن میں پھر MNA بن گئے۔

1979 کے بلدیاتی الیکشن میں سید حسین جہانیاں گردیزی، سید رضی گردیزی سید غلام حیدر گردیزی ضلع کونسل کے ممبر بنے فخر امام کو چیئر مین ضلع کونسل ملتان بنانے میں گردیزیوں کا بڑا کردار رہا ہے۔

مجلس شوریٰ میں احمد نواز گردیزی نامزد ہوئے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں گردیزیوں کا کوئی ممبر نہ بنا۔ ضیاء الحق کے دور میں سید عباس حسین گردیزی جو PPP سے منسلک تھے انہوں نے جیل کاٹی جبکہ رضی شاہ گریزی Home Arrest رہے۔ 1988ء کے الیکشن میں حسین جہانیاں گردیزی کبیر والہ سے الیکشن لڑے اور ہار گئے میجر محمد افضل گردیزی جو مسلم لیگی تھے انتخاب ہار گئے۔ 1993 میں حسین جہانیاں گردیزی کبیر والہ سے صوبائی الیکشن لڑے اور جیت گئے اور صوبائی وزیر بنے وزارت co-operations کا قلمدان سنبھالا (کواپوریٹور)

حسین جہانیاں گردیزی سوانح عمری:۔

حسین جہانیاں گردیزی 1956 میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی زراعت میں 1980 میں کی۔ فیصل آباد یونیورسٹی سے ڈگری (Hons) میں حاصل کی۔ آپ زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1983 میں ضلع کونسل خانیوال کے ممبر بنے اور ضلع کونسل خانیوال میں اپوزیشن لیڈر کا کردار ادا کیا۔ 2002ء میں پھر ا لیکشن لڑا اور صوبائی ممبر منتخب ہوئے۔ جنوری 2003ء سے صوبائی وزیر لٹریچر بنے آپ کے والد صاحب سید علی شاہ گردیزی ممبر صوبائی اسمبلی 55-1951 بنے اور وزارت صنعت وتجارت کا قلمدان سنبھالا۔ آپ کے چچازاد بھائی احسن گردیزی صوبائی اسمبلی پنجاب کے ممبر بالترتیب 88-1975 93-1990 رہے۔

سید خورشید عباس گردیزی چیئر مین یونین کونسل کبیر والہ

آپ نے 1932 میں کانونیٹ سکول ملتان سے میٹرک پاس کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے 1994BA میں کیا 1996 میں LLB پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پاس کی۔ وکالت کو پیشہ نہیں اپنایا۔ کالج کے زمانے میں ایمرسن کالج ملتان کا صدر بنا۔ 1947 میں ورلڈ جمہوری میں شامل ہوا تھا۔ یہ جمہوری کانفرنس پیرس میں منعقد ہوئی۔ پاکستان کے قیام کے وقت میں پیرس میں تھا۔ اور سب سے پہلے میں نے اپنی قمیض سے چاند تارا کاٹ کر اپنی پگڑی سبز جو ہماری یونیفارم کا حصہ تھی۔ دنیا میں سب سے پہلے جھنڈا پاکستان کا میں نے لہرایا تھا اور میں انڈین

بوائے سکاؤٹ پیرس گیا تھا۔ پنجاب اور سندھ سے بہت لڑے سکاؤٹ بن کر گئے تھے جون 1947 کے شروع میں Boys Scouts بمبئی روانہ ہوئے تھے۔بحری جہاز سے ہم انگلستان اور فرانس گئے اور میں نے دونوں شہروں کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جو جنگ عظیم دوم میں تباہ ہوئے تھے۔1979 میں چار سال کے لئے کبیر والہ تحصیل سے چیئر مین یونین کونسل بنا۔اور بہت سے ترقیاتی کام کروائے۔

گردیزی خاندان کا انتقادی جائزہ:۔

ملتان کا گردیزی خاندان ملتان کے عظیم روحانی اور جاگیردانہ خاندانوں میں سے ایک ہے اور شہر اور علاقے میں سب سے قدیم خاندان شمار ہوتا ہے۔اس خاندان کے بانی حضرت شاہ گردیز ہیں جو یہاں کے اولین مشائخ اور سادات اور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔آپ کا اسم مبارک مخدوم شیخ محمد یوسف کنیت ابوالفضل اور القاب جمال الدین اور شاہ گردیز ہیں۔آپ 450ھ/1058ء میں سلطان مسعود بن سلطان غزنوی کے عہد میں قصبہ گردیز میں جو غزنی کے قریب ہے پیدا ہوئے۔ جوانی ہی میں آپ سے کرامت اور خوارق عادت ظہور میں آ گئیں۔آپ ملتان تشریف لائے بادشاہ وقت نے ملتان کے علاقے کا پروانہ آپ کے نام کردیا۔آپ ہر سال ایک معینہ رقم بادشاہ کو دیا کرتے تھے۔آپ تقریباً49 سال تک ملتان میں خدا کی عبادت اور اطاعت اور عوام کی ہدایت وارشاد میں مشغول رہے۔آپ نے 531ھ/1136ء میں ملتان میں وفات پائی۔آپ کا مزار اندرون بوہڑ دروازہ ملتان میں مرجع عوام وخواص ہے۔ان کی وفات کے بعد مختلف خاندانوں کے سلاطین کے عہد میں ان کی طرف سے دی گئی جاگیروں کے مالک رہا۔خانقاہ مقدسہ کے لئے بھی یہ سلاطین مالی امداد فراہم کرتے رہے۔ خانقاہ کا سجادہ نشین مخدوم کہلاتا ہے۔آج کے زمانے میں مخدوم محمد راجو شاہ سجادہ نشین ہیں۔سلاطین وقت نے انہیں ملتان اور اس کے آس پاس جاگیریں عطا کیں جواب بھی قائم ودائم ہیں۔گردیزی خاندان کی زمینوں کا مالیہ بھی ہمیشہ معاف ہوتا رہا۔تا آنکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو خانقاہ گردیز میں آنے کی دعوت دی۔رنجیت سنگھ وہاں پہنچا لیکن مالی امداد کے باوجود اس نے مالیہ معاف نہ کیا۔مخدوم لاہور بھی گیا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔اسی بنا پر گردیزیوں نے مہاراجہ کی ملتان میں شکست کے بعد انگریزوں کی دل کھول کر حمایت کی۔ یہ وقت کا تقاضا اور سیاسی مصلحت تھی۔انگریزوں نے اپنے طریق کار کے مطابق ان کی خوب مدد کی۔ جنگ آزادی 1857ء میں اس خاندان کے

مخدوم محمد یوسف شاہ رابع نے دوسرے خاندانوں کی طرح انگریزوں کی دالے' دارے' قدمے سخنے خوب استقامت کی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں اس خاندان کو بڑا سیاسی رتبہ حاصل رہا۔ پاکستان بننے کے بعد دوسرے روحانی اور جاگیردارانہ نظام کے حامل خاندانوں کی طرح گردیزی خاندان بھی سیاسی میدان میں اپنے جوہر دکھاتا رہا۔اس کے کئی افراد اب تک پارلیمنٹ کے ممبر اور صوبائی حکومت میں وزیر رہے۔آج کل سید حسین جہانیاں شاہ گردیزی پنجاب حکومت کے وزیر ہیں سیاسی اور مالی مصلحتوں نے اس خاندان کو اس بات پر ثابت قدم رکھا کہ وہ اپنے دنیاوی وقار کے لئے وقت کی مصلحت کے تحت موجود حکومت کا ساتھ دیں۔پاکستان کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ ان کے روابط رہے اور اب بھی ہیں۔اور اصل مقصد اپنے خاندان کے مفادات کی حفاظت ہے اور یہ اپنے اس طریقہ کار کے ذریعے کامیاب رہے اور کامیاب نظر آتے رہے۔سیاسی مصلحتوں کے ہی تحت اس خاندان کے سماجی روابط دوسرے بڑے خاندانوں یعنی قریشیوں کے ساتھ صدیوں سے برقرار چلے آتے ہیں۔

سید خاندان:۔

قیام پاکستان کے بعد شاہ جیونہ خاندان کے جس فرد نے سیاست کے میدان میں سب سے زیادہ شہرت کمائی وہ کرنل (ریٹائرڈ) عابد حسین تھے۔کرنل عابد حسین سیاست کے میدان میں 1937ء میں آئے۔کرنل عابد حسین سید مراتب علی کے داماد تھے جو خود لاہور کے ایک معروف خانوادے فقیر خاندان کے داماد تھے۔کرنل عباد حسین کی سیاست کا آغاز 1937 میں جھنگ ڈسٹرکٹ بورڈ کی رکنیت سے ہوا۔ان کے بڑے بھائی میجر مبارک علی شاہ مرحوم کا شمار بھی پنجاب میں تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔وہ 1937ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔انہوں نے نواب ملک خضر حیات ٹوانہ سے بغاوت کی اور پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قیام کے لئے موثر کردار ادا کیا۔وہ 1946ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ضلع جھنگ سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے 1951ء میں صوبائی اسمبلی کا انتخاب بھی جیتا۔

کرنل عابد حسین 1945ء میں قومی سطح پر پھر ابھرے۔جب انہوں نے فوج چھوڑ کر ہندوستان کی مرکزی مجلس قانون ساز کا انتخاب لڑا اور کامیابی حاصل کی۔ 1951ء میں وہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے

اور 1954 ءمیں پاکستان کی مرکزی کابینہ تک جا پہنچے۔ 1955 میں انہوں نے صوبائی کابینہ میں شمولیت اختیار کرلی پھروہ ری پبلکن پارٹی کے جزل سیکرٹری بن گئے۔ 1957 ءمیں انہوں نے پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔تاہم 1958 ءمیں مارشل لاء کی آمد تک وہ بدستور صوبائی وزیر رہے۔البتہ ان کے قلم دان بدلتے رہے۔(۱۵)

کرنل عابد حسین 1962 ءاور 1965 کے انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے تھے کیونکہ ایوب خان نے انہیں ایبڈو کے تحت نااہل قرار دے دیا تھا۔کرنل عابد حسین نے ایبڈو کے خلاف مقدمہ بری تیاری کے ساتھ لڑا تھا مگراس کے باوجود وہ مقدمہ جیت نہ سکےاور سیاست سے بے دخل ہی رہے۔

کرنل عابد حسین کے بھتیجے سید ذوالفقار علی بخاری نے 1962 میں قومی اسمبلی کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور 1965 میں انہوں نے بطور آزاد امیدوار حصہ لیا۔بعد میں وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے۔ 1970 ءمیں کرنل عابد حسین نے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا مگر جمعیت علمائے پاکستان کے امیدوار میر غلام حیدر بھروانہ کے مقابلے میں ناکام ہوگئے۔اس شکست کا ان کے دل پر بڑا اثر پڑا۔اور وہ چند ماہ کے بعد 3 اپریل 1971 کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔(۱۶)

کرنل عابد حسین کی وفات کے بعد ان کی وراثت ان کی اکلوتی بیٹی سیدہ عابدہ حسین نے سنبھالی۔انہوں نے لاہور سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سوئٹزرلینڈ اور اٹلی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔وطن واپسی پر 1969 ءمیں وہ اپنے خالہ زاد بھائی فخر امام کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔(۱۷)

فروری 1972 ءمیں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر خواتین کی مخصوص نشستوں پر پنجاب اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں یوں ان کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔جھنگ ایک ایسا ضلع تھا جہاں 1970 ءکے الیکشن میں پیپلز پارٹی کو صرف ایک سیٹ ملی تھی قومی اسمبلی کی تینوں سیٹیں جے۔یو۔آئی کو اور چار آزاد امیدواروں کو ملی تھی۔ عابدہ حسین کے انتخاب کے بعد چاروں آزاد ارکان بھی پیپلز پارٹی میں آگئے۔عابدہ حسین نے دسمبر 1976 تک پورے پانچ سال اس علاقے میں واقعی پیپلز پارٹی کے ورکر کی حیثیت سے لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کی۔

عابدہ حسین نے ایک پاکستانی اخبار نویس کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا مارچ 77 ءکے الیکشن کے لئے میں نے براہ راست الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو میری درخواست رد کردی گئی۔حالانکہ میں اپنے ضلع میں نہ صرف پیپلز

پارٹی کی آرگنائزر تھی بلکہ سب سے سرکردہ ممبر تھی۔۔۔میں نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے منشور میں تو عورت کی آزادی کی سب سے زیادہ بات کی گئی ہے پھر مجھے کیوں الیکشن میں حصہ لینے سے روکا جارہا ہے؟ لیکن میری بات قبول نہ کی گئی لہٰذا میں نے فروری 1977ء میں پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔

سیاسی طاقت میں اضافے کے لیے سیدہ عابدہ حسین کو پی این اے میں جانا پڑا۔مئی 1977ء میں این ڈی پی میں شمولیت اختیار کرنے کے فوراً بعد وہ پی این اے (پاکستان نیشنل الائنس) کے پلیٹ فارم پر آ گئیں۔انہیں جولائی 1977 میں این ڈی پی کی ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کردیا گیا پھر اگست 77 کے الیکشن کے لئے پیپلز پارٹی نے انہیں ٹکٹ دیا۔

عابدہ حسین دو سال تک نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی سے وابستہ رہیں۔مئی 1979 تک جب اس جماعت کے دو دھڑے ہو گئے تو عابدہ حسین نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلی۔

1979ء کے بلدیاتی انتخابات میں سیدہ عابدہ حسین اور سید فخر امام دونوں نے حصہ لیا۔فخر امام منتخب ہوکر ضلع کونسل ملتان کے چیئر مین بنے تھے اور عابدہ حسین کامیاب ہوکر ضلع جھنگ کی چیئر مین بن گئیں۔ یہ پہلی مثال تھی کہ کوئی خاتون ضلع کونسل کی چیئر مین ہو۔ 83 کے بلدیاتی انتخابات میں وہ جیت گئیں مگران کے شوہر ہار گئے۔ فروری 1985 کے الیکشن میں قومی اسمبلی کی نشستوں پر دونوں میاں بیوی ایک بار پھر کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ عابدہ حسین نے ان انتخابات میں 80 ہزار ووٹ لئے جو پورے پاکستان میں تیسرے نمبر پر سب سے زیادہ ووٹ تھے۔ 1985ء کے انتخابات میں 14 خواتین نے حصہ لیا۔جن میں عابدہ حسین واحد امیدوار تھیں جو کامیاب ہوئی تھیں۔

نومبر 1988ء کے عام انتخابات میں سیدہ عابدہ حسین نے جھنگ کی دونوں نشستوں پر بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔1988ء کے انتخابات میں ایک کمزور سی اکثریت کے بل پر بے نظیر بھٹو وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنے میں کامیاب ہوگئیں۔سیدہ عابدہ حسین نے بے نظیر کو اعتماد کا ووٹ دیا دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتی بھی رہیں۔پھر بے نظیر بھٹو کے اندر حکمرانی نے ان کا اور عابدہ کا راستہ الگ کردیا۔ بے نظیر حکومت کی معطلی کے بعد صدر صاحب جو نگران حکومت تشکیل دی جس کے سربراہ جناب غلام مصطفیٰ جتوئی تھے۔انہوں نے

عابدہ حسین کو وزارت اطلاعات ونشریات کا قلم دان سپرد کیا۔

اکتوبر 1990ء کے عام انتخابات میں سیدہ عابدہ حسین نے بھرپور حصہ لیا وہ وزارت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ انتخابی مہم میں بھی مردانہ وار شریک ہوگئیں اس دفعہ ان کے مدمقابل ان کے بھتیجے فیصل صالح حیات تھے جو شاہ جیونہ کے ممکنہ گدی نشین بھی ہیں۔ چنانچہ یہ معرکہ بھتیجے نے اپنی سیاسی اثرات سے زیادہ اپنے روحانی اثرات کی وجہ سے جیت لیا۔مگر فخر امام نے اس دفعہ محمد اقبال ہراج کو ہرا کر یہ مقابلہ جیت لیا۔

18 اپریل 1993ء کو جب غلام اسحٰق خان نے نواز شریف کابینہ کو برخواست کیا تو سیدہ عابدہ حسین نے اس اقدام سے پہلے ہی نواز شریف سے یکجہتی کے طور پر اپنی سفارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

1993ء کے عام انتخابات میں سیدہ عابدہ حسین کو اس بنیاد پر انتخاب کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا کہ ان کی سفارت سے استعفیٰ کو دو سال سے کم عرصہ گزرا ہے۔اس بار ان کی والدہ بیگم کشور عابد حسین نے مخدوم فیصل صالح حیات سے شکست کھائی۔

سیدہ عابدہ حسین اور سید فخر امام کا ننھیال سید مراتب علی کا مشہور صنعتکار گھرانہ ہے۔اس رشتہ کے اعتبار سے سیدہ عابدہ حسین اور سید فخر امام کے ماموں سید امجد علی شاہ ری پبلکن دور حکومت میں مرکزی وزیر خزانہ اور بعد میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل معذوب رہے ہیں۔ جبکہ دوسرے سید باقر علی جناب معین قریشی کی نگران کابینہ میں وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔سیدہ عابدہ حسین کے کزن سید ذوالفقار علی بخاری کے چھوٹے بھائی سید افتخار علی بخاری سینٹر اور مخدوم سجاد حسین قریشی کے داماد ہیں۔

سیدہ عابدہ حسین کی سوانح حیات:۔

سیدہ عابدہ حسین 1946ء میں شاہ جیونہ جھنگ میں پیدا ہوئیں ان کے والد کرنل عابد حسین پنجاب کے سابق وزیر اور بااثر سیاسی شخصیت تھے۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں عابدہ حسین ے ابتدائی تعلیم لاہور کے کانونٹ سکول میں پائی۔مزید تعلیم سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں حاصل کی۔ 2001ء میں BA کے امتحان پاس کیا۔ان کے والدہ سر مراتب علی ہیں۔حصول تعلیم کے بعد اپنے علاقے کی سماجی وسیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ عابدہ نے ویلفیئر سوسائٹی جھنگ میں قائم کی جس میں خواتین کی بہبود کے لئے خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔شہر میں

عابدہ میموریل ہسپتال کی بنیاد ڈالی۔ 1969 میں اپنے خالہ زاد سید فخر امام کے ساتھ شادی ہوئی۔

1970ء کے عام انتخابات میں PP کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں مارچ 1977 میں PP سے علیحدگی اختیار کر کے نیشنل ڈیموکریٹ پارٹی میں شامل ہوئیں۔ مگر 1979 میں بھی اس جماعت سے الگ ہوگئیں۔ 1979 کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور ڈسٹرکٹ کونسل کی صدر منتخب ہوئیں 1980 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں پاکستان وفد کے رکن کی حیثیت سے شرکت کی۔ 1983 میں دوسری دفعہ ضلع کونسل جھنگ کی صدر منتخب ہوئیں۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں قومی اسمبلی میں پہنچیں تو ایک آزاد پارلیمانی گروپ تشکیل دیا (آئی پی جی) جو محمد خان جونیجو سے اختلاف رکھتا تھا۔

نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخاب میں اپنے مضبوط حریف کو شکست دے کر قومی اسمبلی کی رکن بنیں۔ وہ مضبوط حریف حق نواز جھنگوی تھا۔ بے نظیر بھٹو کو اعتماد دینے کے بعد آپ حزب اختلاف کی سیٹ پر بیٹھی۔ اگست 1990 کے انتخابات میں عابدہ حسین اپنے بھتیجے فیصل صالح حیات سے ہار گئیں۔ تاہم محمد نواز شریف کے پہلے عہد میں انہیں امریکہ میں پاکستان کا سفیر بنایا گیا 18 اپریل کو صدر غلام اسحاق خان نے نواز شریف کی حکومت برطرف کی تو ان کے اس اقدام سے پہلے ہی سفارت سے استعفیٰ دے دیا۔ فروری 1997 کے انتخابات میں ایک مرتبہ پھر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔ وزیر بہبود آبادی کی وزارت آپ کو ملی۔ 2000ء کے الیکشن میں ہار گئیں۔ جھنگ میں اعلیٰ کونسل کے گھوڑوں کی افزائش کے لئے ایک فارم قائم کیا ہوا ہے۔ آپ پاکستان لائیو سٹاک بریڈرز ایسوسی ایشن کی سربراہ بھی ہیں۔

راقم کا انٹرویو:۔

ضلع جھنگ کی سیاست کا یہ المیہ ہے کہ یہاں سیاسی جماعتیں غیر موثر ہیں یہاں کے جاگیردار جس سیاسی جماعت میں جاتے ہیں اس کا ستارہ عروج پر چلا جاتا ہے۔ یہاں کا شاہ جیونہ گروپ کا کبھی بہت زیادہ عمل دخل تھا۔ 1970 کے سیاسی حالات نے شاہ جیونہ خاندان کی سیاست پلٹ دی ان میں کرنل عابد حسین قابل ذکر ہیں۔ شاہ جیونہ گروپ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکا۔ کرنل عابد حسین کی وفات کے بعد ان کی بیٹی نے جانشین بننے کا اعلان کیا سید زادی کے سیاست میں آنے کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی ان کے تایا میجر

مبارک نے شاہ جیونہ گروپ سے علیحدگی اختیار کرلی اس طرح اس خاندان کی سیاسی راہیں جدا ہوگئیں چنانچہ بیگم عابدہ حسین نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز PP سے شروع کیا اور خواتین کی نشست پر 1970ء صوبائی اسمبلی کی رکن منتخب ہوگئیں۔فروری 1972 میں MPA کا حلف اٹھایا۔اور پانچ سال تک اپنے علاقے کے لئے بہت کام کیا۔ مارچ 1977 کے الیکشن کے لئے میں نے براہ راست الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو میری درخواست بھٹو صاحب نے رد کردی اور کہا کہ آپ صرف خواتین کی نشست پر انتخاب لڑیں میں نے کہا کہ PP کا منشور میں عورت کی آزادی کی بات کی جاتی ہے مجھے عام الیکشن پر لڑنے سے کیوں روکا جارہا ہے۔لہٰذا میں نے PP سے استعفیٰ دے دیا۔ میں نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے کاغذات داخل کرائے ڈائریکٹر ایف ایس ایف کے خفیہ احکامات کے سبب میرے کاغذات مسترد کردیئے گئے۔ چنانچہ مئی 1977 میں این ڈی پی شمولیت اختیار کرلی اور میں پی این کے پلیٹ فارم پر آگئی جب اگست 1977 میں الیکشن کا اعلان ہوا تو مجھے پی این اے کے ٹکٹ دے دیا PP کی حکومت جب دھاندلیوں کے الزامات کے تحت برطرف کی گئی تو ضیاء الحق نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی اور بلدیاتی سیاست کے ذریعے نئی قیادت کو ابھارنے کا منصوبہ بنایا۔اس وقت جھنگ کی قیادت صرف بیگم عابدہ کے پاس تھی۔آپ نے 1979۔1987 تک ضلع کونسل جھنگ کی دوبارہ چیئرپرسن بنیں۔1985 کے غیر جماعتی انتخاب میں ایم این اے کامیاب ہوئیں 1988ء کے الیکشن میں ہار گئیں۔ 1990 میں Caretaker وفاقی وزیر بنیں۔1991 میں سفیر بن کر امریکہ چلی گئیں 1993 کے سیاسی بحران میں سیدہ عابدہ حسین نے امریکہ کی سفارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔1996 میں پھر Caretaker کے وفاقی وزیر بنیں ۔1997-1999ء تک وفاقی وزیر رہیں۔2002 کا الیکشن ہار گئیں۔(۱۸)

سید مجاہد علی شاہ کی سوانح عمری:۔

سید مجاہد علی شاہ سید صدر الدین شاہ کے صاحبزادے ہیں۔آپ 6 اکتوبر 1959 کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔آپ نے گورنمنٹ کالج ولایت حسین ملتان سے 1979 میں گریجویٹ کیا۔ایک زراعت دان ہوئے آپ نے 1992,93 اور 1998,99 تک چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ 2002 کے عام انتخابات میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔آپ کے والد نے 1977ء میں

صوبائی اسمبلی پنجاب کی حیثیت سے کام کیا۔آپ کے چچا فخر الدین شاہ 88-198 تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔آپ کے کزن سید جاوید علی شاہ 90-1988 تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے اور 93-1990 ' 96-1993 اور 99-1997 تک قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے کام کیا۔

سیدہ صغریٰ امام:۔

سیدہ صغریٰ امام سید فخر امام کی صاحبزادی ہیں آپ 14 نومبر 1972 کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔آپ نے امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن 1994 میں کیا۔گریجویشن کے بعد آپ نے یوایس بیسڈ فارن پلیسی تھینک ٹینک' دا کونسل آن فارن ریلیشن نیویارک اور UNDP کے Consultant کی حیثیت سے کام کیا اور 2002 کے عام انتخابات میں پنجاب صوبائی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔آپ 24 نومبر 2003 کو سوشل ویلفیئر کی وزیر منتخب ہوئیں اور 18 جون 2004 کو آپ نے استعفیٰ دیا۔آپ کا تعلق ایک مشہور سیاسی گھرانے سے ہے۔آپ کی والدہ سیدہ عابدہ حسین 77-1972 تک پنجاب اسمبلی کی رکن رہیں اور 88-1985 '90-1988 '93-1990 '99-1997 تک قومی اسمبلی کی رکن رہیں اور فیڈرل منسٹر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔آپ کے والد 88-1985 '93-1990 '99-1997 تک قومی اسمبلی کے رکن رہے اور انہوں نے 86-1985 تک سپیکر قومی اسمبلی کی حیثیت سے کام کیا۔

سید فخر امام سوانح عمری:۔

سید فخر امام 18 دسمبر 1942ء کو پیدا ہوئے۔1948,49 میں convent سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔آپ نے میری مونیسٹوری سے میٹرک لیا۔51-1950 میں ایچی سن کالج لاہور سے اولیول کا امتحان پاس کیا۔آپ نے 1955ء میں Steeet court School England سے اے لیول کیا۔کلفٹن کالج برسٹل سے 61-1957 میں گریجویشن کی بعد میں 66-1962 تک Calfornia University America سے ماسٹرز کیا۔1968 میں آپ نے سول سروس میں شمولیت اختیار کر لی۔70-1969 میں آپ نے فنڈ سروسز اکیڈمی میں کورس پاس کیا۔74-1970 تک داؤد ہرکولیس کیمیکل فرٹیلائزر کارپوریشن میں سروس کی۔بعد میں آپ نے 1979 میں سیاست کے میدان میں با قاعدہ قدم رکھا اور ضلع کونسل ملتان میں

بحثییت چیئرمین کام کیا۔1980-83 تک آپ نے چیئرمین ضلع کونسل کی ڈیوٹی سرانجام دی۔ 1981 میں آپ فیڈرل منسٹر بنے۔1983 میں آپ ضلع کونسل کا انتخاب ہار گئے۔1985 میں آپ MNA بنے اور مارچ1985میں ہی سپیکر قومی اسمبلی بنے۔جبکہ مئی 1986میں سپیکر کے خلاف No confidenceہوا۔

آپ نے 1988 کا الیکشن برائے MNA لڑا۔مگر آپ ہار گئے 1990ءمیں آپ نے ایم این اے کا الیکشن لڑا اور جیت گئے۔ 1990-91 تک آپ وفاقی وزیر تعلیم' قانون اور پارلیمانی امور رہے۔1991-93 میں آپ صرف وفاقی وزیر برائے تعلیم رہ گئے۔1993 کا الیکشن آپ ہار گئے اور 1999 میں آپ ممبر قومی اسمبلی رہے۔2002 کے عام انتخابات آپ نے الیکشن برائے ایم این اے لڑا مگر آپ ہار گئے۔

سید فخر امام صاحب راقم کا انٹرویو 04-09-09:۔

دیکھیں جی اچھے یا برے یہ تو قوم نے judge کرنا ہے بہر حال جمہوریت کے فروغ کے لئے میں سمجھتا ہوں اور قومی اسمبلی کو بطور ایک Soverign ادارہ بنانے کے لیے بحثییت سپیکر میں چند فرائض سرانجام دیئے۔ پہلا فریضہ یہ تھا کہ وہ جو اسمبلی تھی اس کے بار میں بہت شک وشبہات تھے جب Criminal motion move کیا گیا کہ elected Assembly پھر معرض وجود میں آچکی ہے اور اسکے ساتھ مارشل لاء بھی چل رہا ہے تو آپ کیا ruling دیں گے' مارشل لاء کے مطابق تو میں نے پھر بہت ایک پرانی House of Britai, ruling کا جو elected legislature ہے اس کا حوالہ دیتے ہوئے ایک ruling دی تھی کہ 1648 میں جب یہ ٹکراؤ ہوا تھا ایک soverign legislature کا ایک فرد تو اس میں elected soverign legislature کا جو اپنا ایک مقام ہے اور اس کی ایک اپنی حیثیت ہے وہ بغیر عوامی تائید کے اس کا نہیں بنتا۔اس لئے میں نے ruling میں کہا تھا کہ مارشل لاء غیر قانونی غیر آئینی ہے اور کیونکہ اس legislature میں مارشل لاء کے لیے جو فنڈز رکھے گئے ہیں اس کے اوپر وہ ووٹنگ نہیں کیا تو میں نے ان کا Previlage motion up hold کیا تھا اور کہا تھا کہ پاکستان کے مارشل لاء غیر قانونی اور غیر آئینی ہے دوسرے جو ایک Prevlege motion move کیا گیا تھا اس میں یہ کہا گیا تھا کہ ضیاء الحق صاحب نے کراچی میں کچھ صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بہت سے تنقیدی الفاظ استعمال کئے تھے جس میں انہوں نے یہ

دائر کیا تھا کہ منتخب اراکین اپنے فرائض صحیح طور پر سرانجام نہیں دے رہے تو اس motion کو بھی میں نے uphold کیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ یہ اس قسم کے observation جو ہیں وہ contempt of the house ہیں اور وہ پھر میں نے admit کیا۔اس کے review میں اس وقت کے جو وزیر قانون تھے اقبال احمد خان صاحب انہوں نے پھر دوسرے دن 32 صفحات کا reviw پیش کیا کہ جی یہ ہے تو میں نے کہا کہ جو بنیادی نقطہ تھا آیا کہ انہوں نے اس قسم کی تنقید کی اس کی آپ نے وضاحت اس 32 صفحوں میں نہیں کی۔اس لئے میں اس motion کو بھی دوبارہ uphold رکھتا ہوں۔تیسرا مسئلہ یہ بنا تھا کہ ایک reference move ہوا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ آئین کے تحت وزیراعظم جونیجو صاحب نے ایک سیاسی پارٹی معرض وجود میں لائی جب اس وقت قانونی طور پر یہ نہیں ہوسکتا تھا۔اور پھر وہ refrence کی میں نے باقاعدہ Hearing کی اور دنوں طرف اٹارنی جنرل بھی پیش ہوئے تھے اور انہوں نے بھی وہاں اپنی قانونی بحث کی تھی اور دونوں طرف سے بحث سن کر میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ refrence جو ہے اور صرف اس میں speaker کا ایک یہی تھا کہ The speaker shall refer یعنی کہ اس کے اوپر The refrence to the chief election اور سپیکر نے تو صرف یہ دیکھنا تھا کہ یہ serion بنتا ہے پاس فیصلہ تو chief election نے کرنا تھا اور صرف اپنے آئینی اور قانونی فرائض سرانجام دیتے ہوئے اس کے فوراًبعد جونیجو صاحب نے جن کو کہا جاتا ہے کہ بڑے جمہوری تھے انہوں نے میرے خلاف non confident دوسرے دن move کرلیا تھا اور پھر اسی قانون کو انہوں نے بذریعہ اسمبلی پاس کروایا تھا جس کی پلاننگ ہورہی تھی یعنی جو فیصلہ میں نے کیا تھا اس کو جونیجو صاحب نے۔جن کو ہم بہت اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں انہوں نے ایک جمہوریت کے لئے یہی کیا اور پھر چند دنوں بعد ان کے ساتھ جو ہوا وہ قوم کے سامنے ہے۔

دیکھیں جی وراثت کی جہاں تک بات ہے تو وراثت جائیداد کی بھی ہوتی ہے صنعت کی بھی وراثت ہوتی ہے سیاست میں بھی لوگ وراثت بناتے ہیں آج ایک سب سے pwerful جو ملک ہے وہ امریکہ ہے اس کا جو صدر ہے اس کا باپ بھی صدر تھا۔بہت سی ایسی چیزیں آپ کو مختلف جگہوں پر نظر آتی ہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عوام نے فیصلہ کرنا ہے کہ اگر آپ لوگوں کو روکیں نہیں امیدوار بننے سے۔ایک ہی کھلا یعنی open

competionہونا چاہیے پھرعوام یہ فیصلہ کرتی ہےاورعوام بار بار جب فیصلہ کرتی ہےاور ہمارے ملک میں تو بار بار فیصلے ہی نہیں ہوتے تو کبھی peaceful transfer over of powerایک بار نہیں ہوسکتا۔ یہاں ہمیں بذریعہ militaryیا بذریعہ صدر کروٹیں لگتی رہی ان کو گھر بھیج دیا جاتا ان منتخب ارا کین کواور پھر ایک نئے سرے سے startلیا جاتا ہےاور ہم یہاں عجیب وغریب کیفیت میں مبتلا ہیں اور آج بھی ہیں کیونکہ آج بھی جو powerہے وہ totallyصدر کے پاس ہےاور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ جو legislatureہےاس کے تینوں ذرائع آزما چکے ہیں کہ وہ باہر سے induceہور ہے ہیں تمام تر chages۔

تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وراثت ہو یا کوئی اور ذریعہ ہواس میں جو بھی سامنے آئے بذریعہ ووٹ اوراس کی Ballet کی سائنٹیاں پھر جب وہ اپنا tenorپیش کرے تو پھر وہ دوبارہ ان کو پیش ہونا چاہیےاور ہم نے دیکھا کہ عوام دنیا بھر میں جو فیصلے کرتی ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

دیکھیں اس ملک میں 4مرتبہ مارشل لاء آیا ہے۔ 7اکتوبر 1958ایوب کا مارشل لاءتھااوراس سے بہت نقصان ہوا کیونکہ پاکستان fedration کی جو تاریخ ہے اس میں سب سے پہلے پاکستان کے حق میں ووٹ بنگال نے دیا۔ دوسرا پھر سندھ' تیسرا سرحد ہے۔ پنجاب نے 1946 میں آخر مسلم لیگ کی تائید کی اور جب بار بار ہوتا رہا اور 1958 سے پہلے بھی ایوب صاحب وزیر دفاع بن چکے تھے۔ 1953-54 میں سکندر مرزا جو ایک Indian Political Service کے افسر تھے وہ بھی صدر بن چکے تھے چوہدری محمد علی جو finance serviceکے آدمی تھے Prime Ministerبن چکے تھے۔ غلام محمد Audit accout service کے آدمی تھے۔ گورنر جنرل بن چکے تھے۔تو پاکستان میں یہ عجیب وغریب کیفیت پیدا ہوئی جس میں صرف سیاستدان ہی نہیں آخر کار اس ملک کو سربراہی اور سیاسی قیادت کو محمد علی جناح صاحب نے فراہم کی تھی جو بمبئی کے رہائشی تھے تو اس خطے میں رہے بھی نہیں تھے جس کو پھر ہم نے پاکستان کا نام دیا اورانہوں نے ایک آواز بلند کی جو Majority Muslim areaہیں ان کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنا فیصلہ کریں قوم اور ملک کے لئے۔ اب مارشل لاء جس طریقے سے آیا میں سمجھتا ہوں اس نے بڑا نقصان دیا ہمیں پھر یہ ہوا کہ جو بنگالی تھا اس نے کہا کہ یہ فوج جو ہے اس میں چونکہ ان کے لوگ بھی نہیں تھےاور آپ نے دیکھا کہ پھر جو حالات پیدا ہوئے اور صرف اس

وقت نہیں 1954 میں جب پہلی دفعہ اس وقت کا تھا مشرقی بنگال اس میں جب ووٹ پڑا تو مسلم لیگ کو 17 ووٹ ملے صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں جگتو پارٹی کو 254 ووٹ ملے۔ پھر وہی 1970Result میں آتا ہے۔ 16 سال کے بعد جب عوامی کو 164 ووٹ ملے۔ نورالامین صاحب اور دو لوگ اور تھے جو عوامی لیگ میں تھے تو سیاست کا ایک اپنا Dynamic ہوتا ہے اور وہ بالکل مختلف ہوتا ہے اور جب ہم non political dynamic کو جب introduce کرواتے ہیں بذریعہ مارشل لاء یا بذریعہ administrative جیسے محمد علی جناح صاحب تھے یا غلام محمد صاحب تھے تو پھر اس میں ایک عوامی تائید کو بہت بڑا دھچکہ لگتا ہے اس کی legitinacy کوئی نہیں ہوتی۔ دوسری بات govt legintimate political کی اور کوئی چیز substitute نہیں کرسکتی اور یہ کہہ دینا کہ economic progress ہوگی فلاں چیز ہوگی تو وہ آپ نے دیکھا کہ وہ چیزیں پھر بالکل evaporate کر جاتی ہیں۔ وہی مسلم لیگ جو کہ ایوب صاحب نے بڑے محنت سے بڑے اچھے طریقے سے کھڑی کی تھی اور 80,000 democrate کے ساتھ ایک ڈھانچہ کھڑا کیا تو جس دن وہ گیا وہ ڈھانچہ نظر نہیں آیا۔ کیونکہ اس کا کوئی legitimate moral high group نہیں تھا اس کے ساتھ ذہنی طور پر وہ دلوں پر راج نہیں کرتے وہ ایک ایک مصنوعی قسم کا مسئلہ ہوتا ہے جس کے تحت کام عارضی طور پر چلتا ہے اور مارشل لاء قطعاً ان چیزوں پر کام نہیں کرتا۔ بار بار کیوں آتا ہے اس پر بڑی لمبی بحث ہے اور کیسے آتا ہے۔ تو 4 مرتبہ تو آچکا ہے پھر second intervation یحییٰ خان نے کی۔ تیسری ضیاءالحق نے اور چوتھی مشرف صاحب نے کی یہ تو Provisional constitutional order (PCO) کے تحت آئے۔ Infact ان کا بھی وہی طریقہ کار تھا۔

گذارش ہے کہ اس کے خلاف منصوبہ بندی کرنا تو عوام کا ایک ردعمل ہوتا ہے ہمارے ملک میں ہمیشہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جو بھی change آتی ہے وہ اس کے welcome کرتے ہیں کیونکہ وہ اتنے تنگ ہوتے ہیں اس وقت جو حکومت وقت ہوتی ہے اس سے۔

میں جو اپنا کردار ادا کیا ہے وہ بطور سپیکر کیا ہے جب میرے پاس ایک موقع تھا اب وہ تاریخ کا حصہ ہے اور کسی کو دکھائیں جس کو ایسا موقع ملا ہو اور اس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہو یہ تو اب عوام کے سامنے ہے۔

اس وقت مسئلہ قربانی کا نہیں ہے اس وقت مسئلہ اداروں کو مضبوط بنانے کا ہے اس وقت تو میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت پسندی کی جو قوتیں ہیں ان کا ساتھ دیں پاکستان میں جو بیانات آتے ہیں تو ہم ایک ہی بات کر رہے ہیں کہ پارلیمینٹ کو اس کا حق ملنا چاہیے پارلیمینٹ کو soverign super legislature organ of stateہونا چاہیے یہ نہیں کہ پارلیمینٹ ہر وقت دبی رہے اور اس وقت پارلیمنٹ میں جو لوگ بیٹھے ہیں انہی نے یہ فیصلے کرنے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جو بنیادی چیز ہے وہ ہمیں بطور ایک قوم ایک ملک کام کرنا ہے کبھی ہمیں یہ چیز نہیں بھولنی چاہیے کہ Pakistan is a federal from of govt. and we are not ulitaryاور ہم یہ ہمیشہ یہ چیز بھول جاتے ہیں form of govt. Provincial atonomyایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس میں national finance comission کی بات ہے Distribution of waters کا مسئلہ ہے یہ دو آج کل بہت ہی sensitiveاور important issuesہیں اور بہتر یہ ہوگا کہ جو اس میں constitutional bodiesبنی ہوئی ہیں ان کے ہی ذریعے فیصلہ کیے جاتے ہیں۔ بجائے کہ excutive extra اتنی powerful ہو جائے۔ صدر اتنے زیادہ powerful ہو جائیں کہ یہ اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔

جی ہاں جب میں سپیکر تھا تو آٹھویں ترمیم اس وقت پیش کی گئی تھی اور بطور سپیکر میں نے قومی اسمبلی کے ممبران کو 47 دن اس بات پر بحث کروائی تھی۔ پاکستان کی تاریخ میں آئین پر اتنی لمبی بحث کبھی نہں ہوئی۔ اب آپ نے دیکھا کہ جب 17 ویں ترمیم آئی تو یہ 2 گھنٹے میں نکال دی گئی یعنی پارلیمنٹ ہوتی کیا ہے یہ پارلیمنٹ ایک فورم ہے۔

for debate and discussion and discuss اس کے بعد پارلیمنٹ کے یہی اختیارات ہیں قانون سازی، آئین سازی بذریعہ بحث۔ اگر آپ بحث کو ہی restruct کر دیں گے اور اگر آپ میں اتنی وسعت نہیں ہے آپ میں اتنی tolerance نہیں ہے آپ کے اندر لوگوں کو سننے زیادہ ذہن نہیں رکھتے اور کیونکہ جمہوریت تو ایک perfect system نہیں ہے مگر کسی بھی دوسرے system سے بہتر ہے۔ جب تک آپ کسی اور system کو involve نہیں کرتے۔ پچھلے 4 سو سال سے تو یہ بات سامنے آ رہی

ہے۔اس میں یہی ہوتا ہے کہ اگر آپ ایک نقطہ نظر لے کر چلیں تو بہت ہی ایڈکٹیڈ ہے اور پھر ووٹ تو بذریعہ اکثریت ہی چلتا ہے چاہے وہ قانون ہو چاہے وہ motion ہو۔اس کو جب آپ پیش کرتے ہیں مطلب کسی بل کو تو بذریعہ اکثریت کام کرتے ہیں اب جو دوسری رائے رکھنے والا ہے اس کو جب آپ موقع ہی نہیں دیں گے تو پھر آپ وہاں غیر جمہوری کلچر کو فروغ دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی بات ہے کہ اس 8th ترمیم کے ذریعے اتنی بحث ہوئی تھی کہ عام آدمی تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ 582b میں اس کا ذکر کیا ہے۔243 میں کیا ہے پھر نیشنل سیکورٹی کونسل کا ایک ادارہ چلا تھا اس کو پارلیمنٹ نے رد کر دیا تھا سپیکر کے طور پر میں نے یہ ووٹ نہیں کرتا تھا میرا یہ تھا کہ Balance کرکے دونوں آراء کو سامنے لایا جائے اور صرف اس میں چند لوگ تھے جو oppose کر رہے تھے اور اس ساری بات کو national security council والوں نے نکلوایا تھا۔ treasure والوں نے نہیں کیونکہ ٹریجری والے تو ہر چیز yes کرتے تھے۔ جہاں جونیجو صاحب اڑے جو opposition کے لوگ تھے انہوں نے بذریعہ بحث پھر اس چیز کو کیا۔پھر ضیاءالحق صاحب کے ساتھ بھی۔

negociation vitility ہوتی رہی ہے تو طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جب parliment میں لوگ جمہوری اقدار کے لیے جمہوری فروغ کے لئے کوشاں رہتے ہیں تو پھر کوئی نہ کوئی راستہ perfect way نہیں ہوتا مگر اس میں کوئی لچک ضرور آتی ہے۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ 8th ترمیم کے اندر جو بحث ہوئی تھی وہ شاید پاکستان کی تاریخ میں ایک ریکارڈ ہے۔

آٹھویں ترمیم کا قصہ بہت بڑا تھا اس میں کچھ چیزیں ایسی تھیں جن سے میں agree نہیں کرتا تھا جو 8th ترمیم میں through کرتی تھیں اور اس وقت میں اس پر کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اکثریت کی جو رائے تھی وہ ویسے ہی چلی۔

جمہوری استحکام وہیں آتا ہے جو آپ کی leadership کا powerful critical mass جس کو کہتے ہیں جس میں آپکی political elite ہے جس میں آپ کے influential لوگ ہیں۔پاکستان میں تو دوسرے لوگ بھی powerful ہو جاتے ہیں generals آپ کے civil servants ہیں آپ کے undertrileats ہیں۔ intelligence ہے آپ کا media ہے ان کا بڑا رول ہوتا ہے سیاستدان

کو جو نارمل ہیں ان کو تو ویسے بھی بہت برا بھلا کہا جاتا ہے اور ویسے بھی بہت سے سیاستدان ہیں جنہوں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں corruption بھی ہوئی اور اب تو یہ ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ اس حکومت نے اس ملک کے کئی لوگوں کو جیل میں رکھا ہوا ہے اور وہ وزیر بھی بنے ہوئے ہیں تو آپ ان رول ماڈلز کو سامنے لے کر آئے مگر لوگوں کو ریکارڈ پتہ ہے کوئی چھپی بات نہیں ہے کہ کس نے کیا کیا ہے کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو لوگوں کو پتہ نہ ہو۔ لوگوں کو پتہ ہے کہ آج سے 10 سال پہلے ان کے اثاثے کیا ہیں اور اب کیا ہیں ان سیاستدانوں کے حلقے کے لوگوں کو سب معلوم ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان چیزوں کو مدنظر رکھ کر قوم اور ملک کی عوام اپنے اپنے حلقوں میں تھوڑی سی یہ تفریق کرے کہ ان کی خدمت اور قومی خدمت کے لئے کونسے لوگ ہیں جو جذبے سے کام کرتے ہیں جو وہاں قربانیاں بھی دیتے ہیں کیونکہ جب وہ اپنے ذاتی مفاد نہیں اٹھاتے تو پھر وہ اپنے قومی مفاد کے لیے فیصلے کرتے ہیں اب مجھے کہا تھا کہ اگر میں نہ فیصلہ کرتا۔ میں سمجھتا تھا کہ نفسیاتی طور پر میرے اوپر یہ فریضہ بنتا ہے کہ میں قوم کے لئے آئین اور قانون کو اہمیت دوں یہ فرق ہوتا ہے اور ذاتی مفاد میں اگر لوگوں کی list بنانی شروع کردوں تو ہوگی نہیں جمہوریت کے لئے چند افراد کو قومی سطح پر آ کر لوگوں کے لئے بہت serice کرنا پڑتی ہے اس کو آپ قربانی کہہ سکتے ہیں وہ یہ سوچیں کہ ہم نے قوم کو آگے لے کر جانا ہے کیونکہ آپ international erena میں complete کررہے ہیں اب آیا اگلے دن transpiracy intervation کہہ رہی ہے کہ پاکستان دنیا میں most courupt nation میں 15 نمبر پر کھری ہے اور ہم کس کے ساتھ کھڑے ہیں عراق اور امریکہ کے ساتھ تو یہ کیا ہے کہ ہمارے لیے ایک دھبہ ہے اور جب تک یہاں کے powerful لوگ اس چیز کو تسلیم نہیں کریں تو کیسے ترقی ہوگی اور پھر ایک ملک میں دو چیزیں important ہیں ایک order of peace اب آپ دیکھیں کہ یہاں کیا ہوا ملتان میں دھماکہ ہوا پھر سیالکوٹ میں ہوا پچھلے سال کوئٹہ میں دو مرتبہ اور کراچی میں اور لاہور میں روزمرہ ہورہا ہے جب آپ ان کو پکڑتے نہیں ہیں تو پھر یہاں ہلچل ہی مچتی رہتی ہے۔ دوسرے نمبر پر عدل اور انصاف independence of judicially کا بہت بڑا رول ہے اور justice between man and man and betwen man and state یہ چیزیں جب تک فروغ نہیں پکڑتی۔ جمہوری انداز فکر، جمہوری سوچ، جمہوری فلسفہ، جمہوریت صحیح معنوں میں انجام نہیں ہو پاتی۔

یہ بڑا اہم سوال ہے 73 کا آئین کو تائید چاروں صوبوں کی تھی سوائے تین یا چار لوگوں کے جو اس وقت کی اسمبلی میں تھے انہوں نے اس کی تائید نہیں کی تھی۔ بیشتر نے کی تھی بھاری اکثریت تھی اور تمام تر جو political parties تھیں ان میں سے صرف چند individual نے نہیں کیا اور آئین جو بنانا ہوتا ہے یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے 56 کے آئین پر تو کبھی election نہیں ہوا تھا۔ 62 کا آئین جو تھا وہ Ayub کا one man آئین تھا۔ اس کی تو ویسے ہی کوئی اہمیت نہیں تھی 73 یہ ایک legitimately آئین تھا یہ اس وقت معرض وجود میں آیا اور لوگوں نے اس کے منتخب اراکین کو اس وقت پاکستان کے چاروں صوبوں کے اراکین میں سے تھے انہوں نے تسلیم کیا اب اس میں ترامیم تو بہت ہو چکی ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا جو Basic structure ہے وہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام حکومت Pakistan is a Parlimenty sytem of govet Basic fundamental federal from of Got. Independence of judiciary rights of citizens یہ اس کے خدوخال کے Basic issues ہیں اور ہمیں ان کو protect کرنا چاہیے اب آپ دیکھیں کہ آج Parlimantry form of govt یہ نہیں ہے کیونکہ اس کا ٹریل بہت زیادہ presidential بن گیا ہے اور federation۔ میں نے پہلے بھی بات کی کہ provincial atonomy خاص کر National finance award اور پانی کی تقسیم کے مسلئے یہ سب ہمیں fair طریقے سے deal کرنے چاہیے اور اس کے political solution کے لیے چاروں صوبوں سے رائے منظور کروائیں اور پھر Balance maintain کریں اور juidicary independence بھی بہت important ہے اور fundamental right بھی important ہیں اس لئے 73 کے آئین کی ایک بنیادی اہمیت ہے۔

جی میں جب عملی politics میں آیا تو ابتدائی مراحل میں تھوڑے عرصے کے لیے تحریک استقلال کے ساتھ پھر politics independence زیادہ کی۔

1979ء سے 1993-94 تک بطور independence آئی جی آئی 1979 '1985 میں chairman Independence بھی رہا۔ 83 میں بھی '85ء میں تھی independent۔ پھر IGI

میں بطور independent جب میں وزیر تھا تب بھی independent 1993,94 میں مسلم لیگ کے ساتھ اور اب میں اپنے آپ کو independent سمجھتا ہوں۔

ملتان ضلع میں 83-1980 تک ہم نے 300 میل پختہ سڑک بنوائی تھی جو کہ rural area میں تھی جب کہ اس سے پہلے 100 سال میں تھی۔ جب کہ اس سے پہلے 190 میل بنی تھی۔ 300 میل کا یہ ریکارڈ تھا اور وہ ایسی سڑکیں بنی تھیں جو 20 سال نہیں ہلی۔ کیونکہ ان کے اوپر بڑی سخت monitoring ہوئی اور بڑے ٹھیکیدار جو صحیح نہیں تھے ہم نے ان کو نکال دیا تھا اور افسران ایسے لے کر آئے تھے کہ ہم نے کہا تھا اس کو ایک model علاقہ بنانا ہے جب کہ بیشتر اضلاع میں مشکل سے 100 میل بنی تھی۔ اس کے بعد ملتان میں ہم نے rural network کھڑا کیا جس میں ہمارا emphasis rural education کی طرف تھا ہم نے جگہ جگہ سکول بنائے بچوں اور بچیوں کے لیے۔ اور بہت سے سکول ہم نے پرائمری سے مڈل ُمڈل سے ہائی تک upgrade کئے تھے کیونکہ ہمارا base تو rural area میں تھا پھر ہم نے تین ایسے ادارے بنائے ملتان شہر کے لئے ایک Multan Public School for boys جو میں نے کھڑا کیا تھا۔ کمشنر اور ہم نے سارے لوگوں کو اکٹھا کیا تھا چاروں ملتان ڈویژن کے جو ضلع تھے اور Commit کرویا کہ 190 ایکڑ زمین ہر ایک کوشش یہ تھی کہ Scholorship کے ذریعے جو بچے یہاں تعلیم حاصل کریں وہی چیز پھر میں نے 1997 میں repeat کی۔ حالانکہ میں ملتان سے نہیں تھا لیکن پھر بھی لڑکیوں کے لیے Multan Pblic School 38 ایکٹر پر بنوایا۔ میں نے کہا کہ یہاں پر Centre of excellence کراچی اور لاہور کے مقابلے میں کم ہے ایک بہاولپور میں اچھا سکول ہے تو کیوں نہ ملتان میں ہو۔ Multan Stadium میں نے بنوایا تھا Hameed Maqsood والوں سے بنوایا۔ پھر آ کر اب میں نے انہی لوگوں سے complete کرویا تھا جب پیسے ختم ہو گئے تھے اور میں Multan کی Politics سے دور ہو گیا تھا مگر ہم نے اس زمانے میں اس کا ڈھانچہ کھڑا کر دیا تھا اور اس کی completion اب ہوئی ہے اور آپ نے دیکھا ہے کہ ملتان کی ایک test status بن چکا ہے بلکہ 1981 میں بھی میں نے ایک test status کرویا تھا ایک زمانے میں Pakistan Cricket Board کا سیکرٹری تھا۔ اس وقت میری دو تین خواہشات تھیں کہ ملتان میں بہت

وسیع سڑکیں ہوں ایسی ہوں کہ جو criss cross کرتی جائیں اور اس وقت کے DG کو میں نے یہی کہا تھا کہ بجائے آپ یہاں پر فضول الاٹمنٹس کرتے جائیں یہاں پر بڑی اور کھلی سڑکیں بنائیں جب آپ بڑے اور تاریخی شہروں میں جاتے ہیں کیونکہ ملتان تو بہت پرانا ہے یہاں پر آپ عام آدمی کے لیے ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ اس کے لیے آسانی ہوں یہاں پر آپ دیکھیں کہ LMQ ROAD کے علاوہ کوئی road صحیح نہیں ہے پھر میں یہ چاہتا تھا کہ یہاں پر صحیح معنوں میں national level کی ایک library ہو تو وہ پھر جب ہم نے کیا تو بدقسمتی سے میں ایک ووٹ سے الیکشن سے باہر ہوا۔ تو یہ تین چار منصوبے تھے ذہن میں جو مکمل نہیں کر پائے۔

4.3 جناب سید فخر امام صاحب:۔

جناب سید فخر امام صاحب کا حلقہ انتخاب کبیر والہ' خانیوال کا دیہی اور شہری علاقوں پر مشتمل ہے۔ آپ اپنے گاؤں قتال پور کی برگزیدہ شخصیت ہیں اور آپ کا خاندان کافی عرصے سے سیاسی آماجگاہ رہا ہے۔ آپ کے بزرگوں نے اپنے علاقے کی بہترین خدمت کی ہے۔ آپ امریکہ سے فارغ تحصیل ہیں۔ آپ کے بھائی فیصل امام بھی امریکہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ آپ کی زوجہ بیگم عابدہ حسین ملک کی بڑی سیاستدان ہیں اور اپنے علاقے کی خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔ شماریاتی جائزہ کے مطابق سید فخر امام صاحب کو 24% لوگوں نے ان کے علاقے میں کارکردگی کو نہایت اعلیٰ قرار دیا ہے اور "A" معیار میں رکھا ہے۔ 20% لوگوں نے آپ کو "B" معیار دیا ہے۔ جبکہ 20% لوگوں نے آپ کی کارکردگی تسلی بخش "C" معیار دیا ہے۔ مجموعی طور پر آپ کے اچھے کاموں کی کارکردگی 64% ہے۔ 36% لوگوں نے
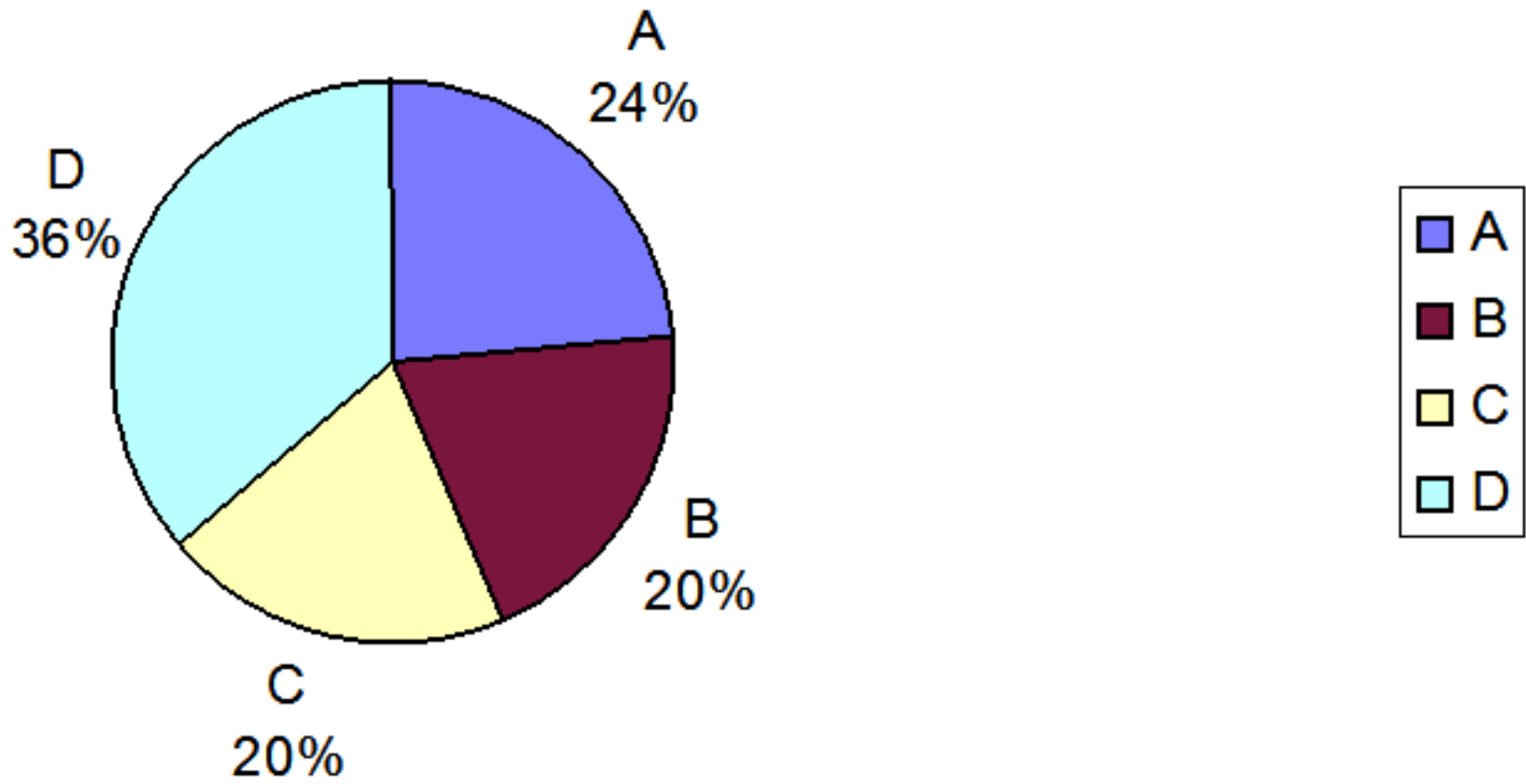
کارکردگی غیر تسلی بخش دی ہے اور آپ کو گراف میں "D" معیار دیا ہے۔ جس کی وجہ آپ کا Opposition میں رہنا سمجھا گیا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بحیثیت Opposition حکمران جماعت نے ترقیاتی کاموں کے لئے فنڈز نہ جاری کئے ہوں یا ترقیاتی کاموں سے رُکاوٹ وغیرہ۔ اس کے علاوہ سیاسی پارٹیوں کی مداخلت بھی شامل ہے۔ اپنے حلقہ کے لوگوں سے رابطہ کا نہ ہونا بھی غیر تسلی بخش صورت حال پیدا کرتا ہو وغیرہ۔ سیاسی

قلابازیاں: مسلم لیگ سے پیپلز پارٹی Condusion: مجموعی طور پر آپ کا کام بہت اچھا رہا ہے۔ آپ وفاقی وزیر بھی رہے۔ آپ اسپیکر قومی اسمبلی بھی رہے آپ نے ہمیشہ عوام کے مفاد کی اہمیت دی ہے۔ اسپیکر قومی اسمبلی سے استعفیٰ بھی آپ کا بہتر کردار ہے۔ آپ نے حق کو فوقیت دی۔ آپ کا جذبہ قابل ستائش اور لائق تحسین ہے لیکن عوام کے مفاد میں نہ تھا۔

لغاری خاندان:۔

سردار محمد خان لغاری کے تیسرے بھائی محمود بھی عملی سیاست میں ہے سردار محمد خان لغاری کی ہمشیرہ عفیفہ ممدوٹ قیام پاکستان کے بعد پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ اور پنجاب اسمبلی کے پہلے وزیر اعلیٰ اور پنجاب اسمبلی کے پہلے قائد حزب اختلاف نواب افتخار حسین ممدوٹ مرحوم کی بھاوج اور مجلس کارکنان تحریک پاکستان کے صدر نواب ذوالفقار علی ممدوٹ کی اہلیہ ہیں اس 1988 میں انھوں نے اپنے بھتیجے سردار فاروق خان لغاری کا مقابلہ کیا مگر کامیاب نہ ہوسکیں بعدازاں وہ خواتین کی مخصوص نشتوں پر پنجاب اسمبلی کی رکن منتخب ہوگیں

سردار محمد خان لغاری کی وفات ان کے اکلوتے صاحبزادے فاروق لغاری قبیلے کے سردار بنے وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں 1964ء میں انھوں نے سول سروس جوائن کی مگر والد کی وفات کے بعد 1973ء میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے اسی برس وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی جانب سے سینٹ کے رکن منتخب ہوئے 1977ء میں وہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کچھ عرصہ وفاقی وزیر بھی رہے مارشل اور کے دوران جب پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین بیرون ملک چلے گئے تو وہ ان کی جگہ پارٹی کے سیکرٹری بنے اور مارشل لاء کے دوران کئی مرتبہ گرفتار ہوئے

فاروق لغاری نے 1988ء صوبائی اور قومی دونوں نشتوں پر انتخاب لڑا تھا اور دونوں ہی ہر کامیاب ہوئے وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بننے کے خواہاں تھے اس لیے انھوں نے قومی اسمبلی کی نشست سے دستبردار ہو کر صوبائی اسمبلی کی نشست برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تھا مگر جب وہ میاں نواز شریف کے مقابلے میں وزارت اعلیٰ کے عہدے کے لیے کامیاب نہ ہو کر ایک مرتبہ پھر قومی اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں حصہ لیا اور اس مرتبہ بھی کامیاب رہے بعدازاں وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں پانی اور قوت کے وزیر بنائے گئے

1990ء کے انتخاب میں فاروق لغاری نے فقط قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئے 1993ء میں جب غلام اسحٰق خان نے نواز شریف حکومت کو برطرف کیا تو سردار فاروق لغاری بلخ شیر مزاری کی نگران کابینہ میں وزیر خزانہ واقتصادی امور کے عہدے پر فائز کئے گئے تھے ان پالیسیوں کی عالمی بنک اور آئی ایم ایف نے بھی حمایت کی اور یہ بیرونی اقتصادی منڈیوں میں پاکستان کی ساتھ بحال کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی تھی 3 199ء کے عام انتخاب میں انھوں نے ایک مرتبہ ہی قومی اور صوبائی دونوں اسمبلیوں کا انتخاب لڑا اور دونوں نشتوں پر کامیاب ہوئے انتخابات کے بعد سردار فاروق لغاری نے قومی اسمبلی کی رکنیت برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا اور محترمہ بے نظیر بھٹو کابینہ میں وزارت خارجہ پر فائز ہوئے 1993ء میں جب فاروق لغاری کا نام صدارتی اانتخابات میں آیا تو ان کے تمام حریف راستے سے ہٹ گئے اور فاروق لغاری پاکستان کے نویں صدر منتخب ہوئے ان کے صدر منتخب ہونے کے بعد ایک معروف جریدے کے مدیر نے لکھا کہ

''مجھے جناب فاروق لغاری کی پیپلز پارٹی میں موجودگی ہمیشہ بے جوڑ محسوس ہوئی اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی تھی کہ ایسا پابند صوم وصلوٰۃ، تہجد گزار جدید وقدیم کے متوازن مطالعہ اور صاف ستھری زندگی کی شہرت رکھنے والے یہ شخص پیپلز پارٹی کے سیاسی اور معاشرتی کلچر میں کہاں پھنس گئے مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اسے آج ہی کے لیے وہاں محفوظ رکھا اور پرواں چڑھایا تھا..............بے شک اللہ تعالیٰ شر میں سے خیر برآمد کرنے پر پوری طرح قادر ہے''

فاروق لغاری کے چچا سردار عطا محمد خان لغاری پنجاب اسمبلی اور مجلس شوریٰ کے رکن رہ چکے ہیں مگر 1985ء میں وہ اپنے بھتیجے سردار مقصود احمد لغاری اور قومی اسمبلی کے انتخاب میں فاروق لغاری سے شکست کھا گئے تھے

ان کے صاحبزادے سردار جعفر خان لغاری 1985ء اور 1985ء،1993ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن بنے میں کامیاب رہے تاہم 1990ء کے انتخابات میں وہ سردار نصر اللہ خان دریشک سے شکست کھا گئے 1985ء کا انتخاب انھوں نے آزادحثیت سے لڑا اور ان کو پیپلز پارٹی کی حمایت حاصل رہی۔

سردار محمد خان لغاری اور سردار عطا محمد لغاری کے تیسرے بھائی سردار محمود خان لغاری تھے ان کے دو صاحبزادگان اس وقت عملی سیاست میں ہیں بڑے صاحبزادے سردار مقصود احمد لغاری 1985ء میں بیک وقت قومی وصوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے 1988ء جب صدر ضیاء الحق نے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں تو وہ پنجاب کی نگران کابینہ میں شامل ہوگئے انھوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے انتخاب لڑا اور پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے کچھ عرصے بعد پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے 1990ء کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے سردار محمود خان لغاری کے چھوٹے صاحبزادے سردار منصور احمد لغاری نے 1990ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئے 1993ء کے عام انتخابات میں پی پی 203 ڈیرہ غازی خان 5 سے سردار رفیق احمد لغاری کامیاب ہوئے ان کا تعلق بھی لغاری خاندان سے ہے

فاروق احمد خان لغاری راقم کا انٹرویو شماریاتی تحقیقی جائزہ

پاکستان کے نویں صدر مملکت سردار محمد خان لغاری کے اکلوتے فرزند 2 مئی 1940ء کو وزیرستان کے علاقے ٹانک میں پیدا ہوئے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی 1964ء میں مقابلہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے پاکستان میں سول سروس میں شریک ہوئے ترقی کر کے جائنٹ سکیرٹری کے عہدہ تک پہنچے وزیر اعظم ذوالفقار بھٹو کی تحریک پر سرکاری ملازمت ترک کر کے 1973ء میں PP میں شامل ہوئے اسی سال سینٹ کے سکن منتخب ہوئے 1977ء میں PP کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کچھ عرصہ وفاقی وزیر بھی رہے مارشل لا کے دور میں جب ڈاکٹر غلام حسین بیرون ملک چلے گئے تو وہ ان کی جگہ PP کے جنرل سکیرٹری بنے مارشل لاء کے دور میں کئی مرتبہ گرفتار ہوئے

1988ء قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو کر بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں بجلی و پانی کے وزیر مقرر ہوئے 1990ء میں بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے 1993ء میں جب غلام اسحاق خان کے نواز شریف کی حکومت برطرف کی تو فاروق لغاری میر ولغ شیر مرزاری کی نگران حکومت میں وزیر خزانہ مامور ہوئے 14 نومبر 1993ء کو صدر مملکت کے انتخاب میں اپنے مد مقابل امیدوار جناب وسیم سجاد کو شکست سے کر صدر پاکستان منتخب ہوئے آپ

نویں صدر تھے☆ نومبر 1996ء اسکواپنوں نے اپنی ہی پارٹی کی وزیراعظم بے نظیر بھٹواوران کے شوہر آصف علی زرداری کی بدعنوان حکومت برطرف کر کے ملک معراج خالد کی نگران وزارت کے تحت 90 دن کے اندر اندر نئے انتخاب کرائے جن کے نتیجے میں فروری 1997ء میں میاں نوازشریف کے دوسری بار مسلم لیگ اور حلیف جماعتوں کے تعاون سے حکومت بنائی وزیراعظم سے سپریم کورٹ کے ججوں کی تقرری کے مسئلے پر اختلاف شروع ہوا جس نے بعدازاں انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ وفاقی کابینہ کے اجلاس میں صدر کے مواخذے کا فیصلہ کیا گیا سپریم کورٹ کے جج باہمی اختلافات حل نہ ہو سکے جبکہ فاروق لغاری جسٹس سجاد علی شاہ کو اس کی قانونی لحاظ سے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس خیال کرتے تھے اور اس اصول کی استواری میں 2 دسمبر 1997ء کو صدارت کے منصب سے مستعفی ہو کر علیحدگی اختیار کر لی ان کی جگہ یکم جنوری 1998ء میں جناب محمد رفیق تارڑ نے پاکستان کے دسویں صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ (۱۹)

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۸

4.5 جناب فاروق احمد خان لغاری صاحب:۔

جناب فاروق احمد خان لغاری کا حلقہ انتخاب ضلع ڈیرہ غازیخان کے دیہی اور شہری علاقوں پر مشتمل ہے ان کا آبائی گاؤں چوٹی زیریں ہے۔ جہاں سے وہ ہر مرتبہ ایم این اے کی سیٹ پر کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ ان کے حلقہ انتخاب میں 32% لوگوں نے ان کی کارکردگی کو بے حد پسند کیا ہے گراف میں اس پسندیدگی کو "A" معیار میں رکھا گیا ہے۔ جبکہ 21% لوگوں نے ان کو "B" معیار دیا ہے 20% لوگوں کی رائے کے مطابق ان کی کارکردگی تسلی بخش ہے اس لئے انہیں "C" معیار میں رکھا گیا ہے۔ 27% لوگوں کی رائے میں ان کی کارکردگی غیر تسلی بخش ہے۔ مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوا کہ فاروق لغاری صاحب اپنے علاقے میں اچھے کاموں کی وجہ سے لوگوں کی رائے میں مقبول ہوئے ہیں۔ گراف کے مطابق آپ کل کارکردگی میں سے 73% کارکردگی قابل ستائش ہے۔ جسکی وجہ علاقے میں ترقیاتی کام، لوگوں کو روزگار دلوانا، چوٹی زیریں میں ائیر پورٹ کی تعمیر، پکی سڑکیں اور انڈسٹری کو اپنے علاقے میں لگوانا شامل ہیں۔ بحیثیت وفاقی وزیر صدر مملکت پاکستان آپ کا شمار بہترین لیڈروں میں شامل ہوتا ہے۔ صدر مملکت کا کردار روز و روشن کی طرح عیاں ہے۔
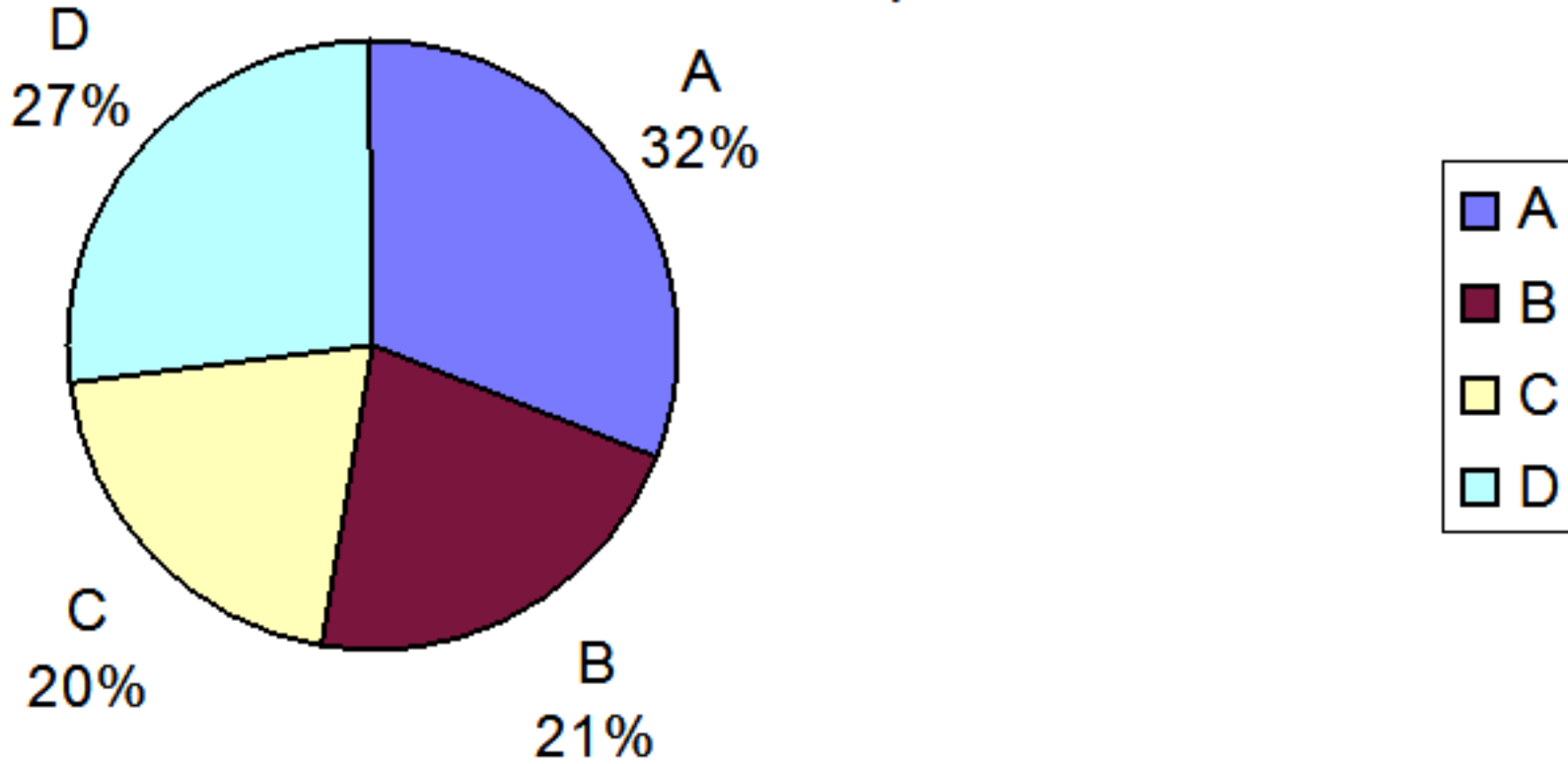
آپ کے بیٹے اویس لغاری آج کل بحیثیت وفاقی وزیر ٹیلی کمیونی کیشن، مواصلات اپنے علاقے کی ترقی کی طرف بہت زیادہ توجہ دے رہے ہیں 27% لوگوں کی رائے کے مطابق آپ کے علاقے کے لوگوں نے "D" معیار میں رکھا ہے۔ جس کی وجہ دور دراز علاقوں میں ترقیاتی کاموں کی طرف کم توجہ دینا، یا ان علاقوں میں تسلسل سے دورہ نہ

کرنا وغیرہ شامل ہے۔ اس علاقے میں دوسرے سیاسی لوگوں کی موجودگی بھی غیر تسلی بخش کی وجہ بن سکتی ہے۔ فاروق احمد لغاری صاحب کا مستقبل روشن ہے۔ ان کا عوام سے رابطہ قابل تحسین ہے۔ امید ہے آئندہ آنے والے وقتوں میں وہ اس سے بڑھ کر اپنے علاقے کی خدمت کریں گے اور انتخاب میں کامیابیاں حاصل کریں گے۔

جمال خان لغاری کی سوانح عمری:۔

جمال خان لغاری تمن داری تھے والد کی وفات کے بعد 1896ء میں قائم مقام تمن دار بنے ایچی سن کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی آپ کو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے مجسٹریٹ کے اختیارات دیئے گئے پہلی جنگ کے دوران اپنوں نے حکومت کی دس ہزار روپے نقد اور 80 افراد کا عطیہ پیش کیا 1915ء میں ہزاروں اور قصبے انہوں کی باہمی اختلافات ختم کرانے میں اہم کردار ادا کیا برطانوی حکومت نے ان کی اس خدمت کے صلے میں انہیں ایک سند خلعت سے دار کیا 1916ء میں سرداری ملی مری اور کیتھرانی قبائل کی باہمی جنگ کے دوران میں انھوں نے ملتان بریگیڈ کے پولیٹیکل افسر کے طور پر خدمات انجام دیں جن کے صلے میں انہیں 19191ء میں فرنیٹر وار میڈل عطا ہوا اس سال انہیں خان بہادر کا خطاب دیا 1925ء میں نواب بنا دیئے گئے

مزاری قبیلے کے تمن دار سردار بہرام خان مزاری کی وفات کے بعد سردار جمال خان لغاری کی چیف جرگہ کے ساتھ ساتھ بلوچستان اور پنجاب کے بین الصوبائی چیف جرگہ کا صدر بنا دیا گیا

1936ء میں آپ کو اعزازی کمشنر مقرر کیا گیا اس کے ساتھ وہ صوبائی کی درباری اعزازی مجسٹریٹ اور سول جج کے فرائض انجام دیتے رہے آپ پہلے سردار تھے جنھوں نے علاقے میں پرائمری تعلیم متعارف کروائی اور غریب اور حقدار طلبہ کے لیے تیں وظیفے منظور کیے سردار جمال خان پہلی مرتبہ 1921ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قیام پاکستان تک ہر تمام انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور اسمبلی کے رکن بنتے رہے 12 اگست 1965ء میں روم میں وفات پائی

سردار محمد خان لغاری کی سوانح عمری:۔

سیاست دان ۔سردار نے سینٹ پال ہائی سکول وار چیلینگ سے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی ۔تحریک پاکستان کے دوران جیل بھی جانا پڑا اپنے والد جمال خان لغاری کی زندگی میں ہی 1951ء میں پہلی مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے میاں ممتاز دولتانہ کی کابینہ میں تعمیرات عائد‘ بجلی‘ اور سڑکوں کے وزیر بنے منیر وز خان کی کابینہ میں خزانے اور سردار عبدالمجید دستی کابینہ میں خزانے‘ آپ کاری محصولات‘ نوآبادی‘ اور آبیاشی کے وزیر رہے 1955 اور 1958ء ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیر مین بھی رہے 1965ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ڈیرہ غازی خان کی سیٹ سے صوبائی اسمبلی کے رکن کی حثیت سے منتخب ہوئے

صدر ایوب خان کے عہد میں ان پر ایٹر و کے تحت مقدمہ چلا اور دسمبر 1965ء تک سیاست میں حصہ لینے پر پابندی عائد کردی گئی 1970ء کے انتخاب میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ستمبر 1971ء میں وفات پائی ان کی خالی نشست پر ان کے بھائی عطا محمد خان لغاری کامیاب ہوئے جو بعد از اں جنرل ضیاالحق کی مجلس شوریٰ میں شامل ہوئے ان کے ایک اور بھائی محمود خان لغاری پہلے ہی سے عملی سیاست میں تھے انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خضر حیات وزارت کے خلاف اجتماعی تحریک میں شرکت کرنے کے باعث چند ماہ کی جیل بھی کاٹی ان کی ایک ہمشیرہ عفیفہ مدوٹ نواب افتخار بھاوج جو ضیاالحق کی کابینہ میں وزیر مملکت کے عہدے پر فائز رہیں

سردار محمد خان لغاری:۔

سردار محمد خان لغاری‘ سردار مقصود احمد خان لغاری کے بیٹے 4 جون 1977ء کو لاہور میں پیدا ہوئے آپ نے لاہور سکول آف اکنامکس سے بی ایس فنانس کی ڈگری 2001ء میں حاصل کی آپ 2002ء کے عام انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے آپ کے دادا سردار محمود خان لغاری 77-1972 تک پنجاب اسمبلی اور 1965 میں قومی اسمبلی کے رکن رہے اور آپ کے والد .96-93,93-90,90-1988,977ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے اور صوبائی وزیر کی حثیت سے 96-93,89-1988ء تک کام کیا اور قومی اسمبلی کے رکن اور فیڈرل منسٹر 88-1985ء کے رکن کی حیثیت سے کام کیا آپ کے چچا سردار منصور لغاری پنجاب اور

نیشنل اسمبلی کے رکن رہے اور 1997ء میں ایک سینیٹر کی حیثیت سے کام کیا

محمد محسن خان لغاری:۔

محمد محسن خان لغاری' کرنل سردار رفیق احمد خان کے لغاری کے بیٹے ہیں آپ 9 جون 1963 کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ایچی سن کالج لاہور سے حاصل کرنے کے بعد امریکہ کی اوکلاما یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور آپ نے فنانشل مارکیٹ کی ڈگری سیکیورٹیز انسٹیوٹ آف آسٹریلیا سے حاصل کی اور پنجاب یونیو رسٹی سے آپ نے ایم اے اکنامکس کی ڈگری حاصل کی آپ نے الیکشن میں آنے سے پہلے فنانشل انفارمیشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی کمپنیوں میں کام کیا آپ نے پہلی بار 2003ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور سردار فاروق احمد خان لغاری کو شکست دے کر ایم این اے صوبائی اسمبلی پنجاب کی حثیت سے حلف اٹھایا آپ کا مشہور سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والد 96-1993 اور 99-1997ء تک صوبائی اسمبلی پنجاب کے رکن رہے آپ کے چچا سردار فاروق احمد خان لغاری 96-1993ء تک پاکستان کے صدر رہے اور سٹینگ ایم این اے رہے آپکے ایک اور چچا محمد جعفر خان لغاری 199-1997 قومی اسمبلی کے رکن اور سٹینڈ نگ MNA رہے آپکے کزن اویس احمد خان لغاری سٹینگ ایم این اے اور فیڈرل منسٹر ہیں آپ کی آنٹی مینا احسن لغاری بھی ایم این اے ہیں آپ کے کزنز' محمد یوسف خان لغاری (PP-246) اور سردار محمد خان لغاری (PP-234) بھی پنجاب اسمبلی کے رکن ہیں

سردار محمد یوسف خان لغاری :۔

سردار محمد یوسف خان لغاری' ڈاکٹر جمیل احمد خان لغاری کے بیٹے ہیں 20 اگست 1964ء کو لاہور میں پیدا ہوئے آپ نے انگلینڈ کی یونیورسٹی آف بکنگھم سے سائنس میں گریجویٹ کیا ایک زمیندار ہوتے ہوئے بھی آپ 2002ء کے عام انتخابات میں صوبائی اسمبلی پنجاب کے رکن منتخب ہوئے آپ کا تعلق مشہور سیاسی خاندان سے ہے سردار فاروق احمد خان لغاری آپ کے چچا ہیں آپ کے دادا سردار عطا محمد خان لغاری ہیں آپ کے پردادا نواب سر جمال خان لغاری نے ڈیرہ غازی کی پنجاب اور انڈین لیجسلیٹو اسمبلیوں میں نمائندگی کی آپ کے چچا سردار جعفر خان لغاری اور آپ کی آنٹی مینا احسن لغاری بھی سٹینگ ایم این اے ز ہیں آپ کے کزن محسن لغاری اور

محمد خان لغاری بھی پنجاب اسمبلی کے رکن ہیں۔(۲۰)

ڈیرہ غازی خان کے لغاری خاندان کا انتقادی جائزہ:۔

لغاری خاندان کا تعلق ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قبائل سے ہے۔ان کا علاقہ ڈیرہ غازی شہر سے قریب چوٹی بالا چوٹی زیریں اور فورٹ منرو سے متعلق ہے۔اور اب بھی یہ قبائلی علاقہ لغاری سرداروں کے زیر تفویز ہے۔ انگریزوں کی آمد پر دوسرے سرداروں کی طرح لغاری سرداروں نے بھی ان کی مدد کی جس کے بدلے میں انہیں امداد ملتی رہی انگریزوں کے عہد میں اس خاندان کے سردار (تمن دار) 1896ء میں جمال خان لغاری بنے۔وہ صاحب علم شخص تھے انگریزوں کی طرف سے انہیں مجسٹریٹ کے اختیارات حاصل تھے۔انہیں 1919ء میں وار میڈل عطا ہوا۔پھر خان بہادر اور 1925ء میں نواب بنا دیا گیا۔1936ء میں وہ اعزازی کمشنر بنا دیئے گئے۔ انہوں نے اپنے علاقے میں پرائمری سکول کھلوائے ان کا بیٹا سردار محمد خان بھی صاحب علم شخص تھا۔وہ پاکستان تحریک میں جیل بھی گیا وہ ممتاز دولتانہ کی وزارت میں وزیر اور پھر فیروز خان کی وزارت میں مرکزی وزیر بنے۔ ان کے ایک بھائی عطا محمد خان لغاری انگریزوں کے زمانے میں ڈپٹی کمشنر اور پاکستان بننے کے بعد وہ ملتان کے کمشنر بنے۔اسی خاندان کے سردار محمد خان، محمد محسن خان اور سردار محمد یوسف خان لغاری معروف شخص رہے۔اسی خاندان کے ایک نامور فرزند سردار فاروق احمد خان سول سروس پاکستان میں شامل رہے اور پھر 1974ء میں پیپلز پارٹی میں شامل ہو کر سیاست میں آ گئے۔اور 1993 میں پاکستان کے صدر بن گئے۔یہ لغاری خاندان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہوا۔فاروق احمد خان لغاری نے اپنے صدارتی عہد میں علاقے میں ایئر پورٹ بنوائے۔ فورٹ منرو جانے والی خطرناک سڑک کو از سر نو پختہ کرایا اور علاقے کی ترقی میں حصہ لیا۔اب بھی وہ موجودہ حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں لیکن قبائلی نظام اپنی قدیم رسموں کے ساتھ اسی طرح قائم ہے۔اور وقت کی مصلحت کے تحت ان کے سیاسی نظریات بدلتے رہتے ہیں۔اب سردار فاروق احمد خان کا پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

مانیکا خاندان

میاں عطا محمد خان مانیکا 1994-1991:۔

محمد عطا محمد خان مانیکا میاں محمد خدایار خان مانیکا کے بیٹے ہیں۔آپ 10 اکتوبر 1945ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ آپ گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ایک زراعت دان ہوتے ہوئے 83-1980 تک آپ چیئرمین مارکیٹ کمیٹی پاکپتن رہےاور 91-1991 تک آپ چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل پاکپتن رہے۔ 96-1993 تک آپ نے پنجاب اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے کام کیااور وزیر تعلیم کی حیثیت سے کام کیا۔ 90-1989 تک آپ نیشنل اسمبلی کے رکن رہے۔آپ 2002 کے عام انتخابات میں صوبائی اسمبلی پنجاب کے رکن منتخب ہوئے۔آپ کا تعلق ایک مشہور سیاسی گھرانے سے ہے۔آپ کے بہت سے رشتہ دار اور آپ کے والد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن رہے ہیں۔(۲۱)

خاکوانی خاندان:۔

نواب عبدالقادر کان خاکوانی خاکوانی خاندان کے تعلیم یافتہ اور معزز رکن تھے انگریز کے خیر خواہ تھے ان خدمات کے اعزاز میں آپ کو 1925 میں خان بہادر کا خطاب ملا اور 1935ء اور میں آپ خان بہادر نواب کا طبعی احمد یار خان خوگانی کے چار لائق فرزند ہیں سب سے بڑے صاحبزادے خان فیض محمد خان صاحب تیرہ چودہ سال گذشتہ سے آنریری مجسٹریٹ ہیں۔آپ کو اسناد بھی مل چکی ہیں۔ دوسرے صاحبزادے دوست محمد خان صاحب خوگانی ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے ممبر ہیں۔تیسرے صاحبزادے خان عطا محمد خان صاحب بھی اپنے والد وبزرگوار کو زمینداری کے کام میں مدد دیتے ہیں۔چوتھے صاحبزادے خان در محمد خان صاحب ایک عرصہ تک ملتان کے میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔آپ نے پبلک کاموں میں نمایاں حصہ لیا ہے۔خان فیض محمد خان کے صاحبزادے محمد حیات خان صاحب حال ہی میں کسٹمر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر مامور ہوئے ہیں۔آپ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔(۲۲)

اقبال خان خاکوانی انٹرویو (Record) راقم کا انٹرویو 30-06-04:۔

1991ء میں بلدیاتی سیاست شروع کی صرف سوا سال کا پیریڈ تھا۔ اپوزیشن میں رہا۔ 1991ء کے بلدیاتی الیکشن غلام قاسم خاکوانی ہار گیا۔ ڈوگر میئر تھا۔ ان کی کرپشن کو بے نقاب کیا اور ڈوگر برادران کو سزا ہوئی اور جن پر مقدمات آج تک چل رہے ہیں۔ بہر حال میرا کردار فعال تھا۔ ملتان کے عوام جانتے ہیں میں اس سلسلے میں مطمئن ہوں۔

میں بحیثیت مسلمان سمجھتا ہوں کہ میری سیاست، سوشل لائف سب دین سے شروع ہوئی ہے۔ اسلام اس چیز کا مخالف ہے میں بھی وراثتی سیاست کو پسند نہیں کرتا۔ برصغیر میں ابھی تک سیاسی پارٹیاں مضبوط نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ ہی وراثتی سیاست ہے سیاست کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ معاشی تفکرات نہ ہوں، پیسے کا کام ہے، اپنے وسائل جھوک دیں۔ پوری زندگی Devote کرنا ہے۔ یہاں شخصیات مضبوط ہیں لیکن جماعتیں مضبوط نہیں 1970ء میں پیپلز پارٹی کو بھی شخصی بنیاد پر ووٹ ملے پھر 1990ء میں میاں نواز شریف کی پارٹی کو بھی ووٹ ملے لیکن پھر بھی شخصیات مضبوط ہیں اور پارٹیاں کمزور۔

بار بار مارشل لاء ہم نے تو نہیں آنے دیا۔ 1988ء میں ضیاء الحق طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہوئے۔ ون مین شو تھا۔ بہت بڑا اخلاء پیدا ہوا۔ جنرل اسلم بیگ چاہتے تو مارشل لاء لگاتے لیکن انہوں نے نہیں لگایا۔ کچھ جرنیل اقتدار کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ وہ لگاتے ہیں پھر کچھ حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو مارشل لاء لگتا ہے۔ جنرل جہانگیر کرامت نے بھی مارشل لاء نہیں لگایا انہیں اقتدار کی خواہش نہیں تھی۔ لیکن کچھ جرنیل کہتے ہیں کہ سیاست دان ناکام ہوئے تو ہم آ گئے۔

India میں سیاست دان ناکام ہوئے تو فوج وہاں کبھی نہیں آئی۔ لیکن ہمارے ہاں کوئی آرمی چیف Ambititious ہے تو وہ مارشل لاء لاتا ہے ہم مارشل لاء نہیں لگواتے۔

نفاذ اسلام کے لیے یہ ہے کہ میں MNA نہیں رہا۔ MNA بنوں گا تو پھر میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے کوئی اسلام کے بارے میں کوئی قانون سازی کی ہے لیکن خواہشات کی حد تک میں چاہتا ہوں کہ عملی طور پر کوئی کام ہو۔ سیاسی استحکام کے بارے میں یہ کہ 1973ء کا آئین ملک کے لیے بہتر تھا۔ بھٹو صاحب کو ہم اختلافات کے

باوجوداسکاCredit دیتے ہیں۔ یہ آئین سیاسی استحکام کا ضامن ہے۔ 1973ء کے آئین کو اصل نافذ کریں تو اس کی پہلی مشق ہے کہ آئین توڑنے والاموت کا مستحق ہے اگر یہ آئین صحیح طور پر نافذ ہوتو مارشل لاءنہ آئے۔اس آئین میں سب اداروں کا بشمول فوج 'عدلیہ کا کردار موجود ہے۔

دوسری پارٹیوں سے تعلقات کے بارے میں یہ ہے کہ میں مسلم لیگ (ن) میں ہوں۔میرے دوسری پارٹیوں جو جمہوری مزاج کی حامل ہوں سے اچھے تعلقات ہیں بس میرا کردار 1993ء میں پنجاب اسمبلی میں بطور اپوزیشن فعال تھا۔پھر 1997ء میں میں وزیر بنااور عوام کی خدمت کی 1999ء میں فوجی حکومت آ گئی۔ ہر لحاظ سے مجھ پر دباؤ ڈالا گیا لیکن میں دباؤ کے باوجود اپوزیشن میں ہوں۔میرا کوئی جنرل پرویز صاحب سے ذاتی اختلاف نہیں لیکن اصولی اختلاف ہے۔

ملتان کی ترقی کے لیے بطور وزیر فلاحی امور (20 کروڑ) 'حلقہ کی سڑکیں سیوریج کا مسئلہ حل کیا' کرکٹ سٹیڈیم کی بنیاد ڈلوائی Underpass بنوایا گیا۔خزانہ خالی تھا۔معیشت ٹھیک نہیں تھی ایک سال معیشت مضبوط کی پھر India نے ایٹمی دھماکہ کیا پھر پاکستان نے بھی دھماکہ کیا ہمارا دنیا میں معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔

ہمیں اور موقع اور مزید وقت ملتا تو مزید کام کرتے۔ ہمارے دور میں ملازمتوں پر Ban تھا اس لیے ہم نے کوئی ملازمت نہیں دلوائی۔

سوانح عمری محمد اقبال خان خاکوانی:۔

14 سال کی عمر میں مدرسہ قاسم العلوم سے حفظ قرآن کیا۔مفتی محمود استادوں میں سے تھے آپ کے کلاس فیلومولانا فضل الرحمٰن تھے۔

شمس آباد ہائی سکول سے 8th اور میٹرک پائلٹ سیکنڈری سکول سے میٹرک پاس کیا۔مہر گل استادوں میں سے تھے۔

2002ءمیں بہاءالدین زکریا یونیورسٹی سے BA پاس کیا۔

2002ء کے الیکشن میں ممبر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر ناکام رہے۔

4.5 جناب اقبال خاکوانی صاحب:۔

جناب اقبال خاکوانی کا حلقہ انتخاب بیرون شہر ملتان کا علاقہ ہے جس میں نواں شہر' ڈیرہ اڈا' تغلق روڈ' 9 نمبر چونگی' 8 نمبر چونگی' گلگشت کا کچھ علاقہ اس میں شامل ہے۔ بحیثیت صوبائی ممبر صوبائی اسمبلی آپ نے اس علاقے کی بڑی خدمت کی ہے۔ آپ چونکہ مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اور کافی عرصہ سے آپ کے بزرگ اس علاقے میں رہائش پذیر ہیں اور کئی مرتبہ ایم این اے۔ ایم پی اے بنے ہیں۔ اس کے علاوہ میونسپل کمیٹی میں بطور میئر آپ کے چچا جناب قاسم خان خاکوانی نے ملتان شہر کی بڑی خدمت کی ہے۔ آپ کے چچا جناب قاسم خان خاکوانی نے ملتان شہر کی بڑی خدمت کی ہے۔ آپ کے چچا قاسم خان خاکوانی صدر ایوب کے دور حکومت میں ایم این اے بھی رہے۔ شماریاتی جائزہ کے مطابق آپ کی کارکردگی کو 24% "A" معیار میں رکھا ہے۔ جس کی وجہ آپ نے بطور صوبائی وزیر محکمہ صحت ملتان میں بہت سے ہسپتالوں کا
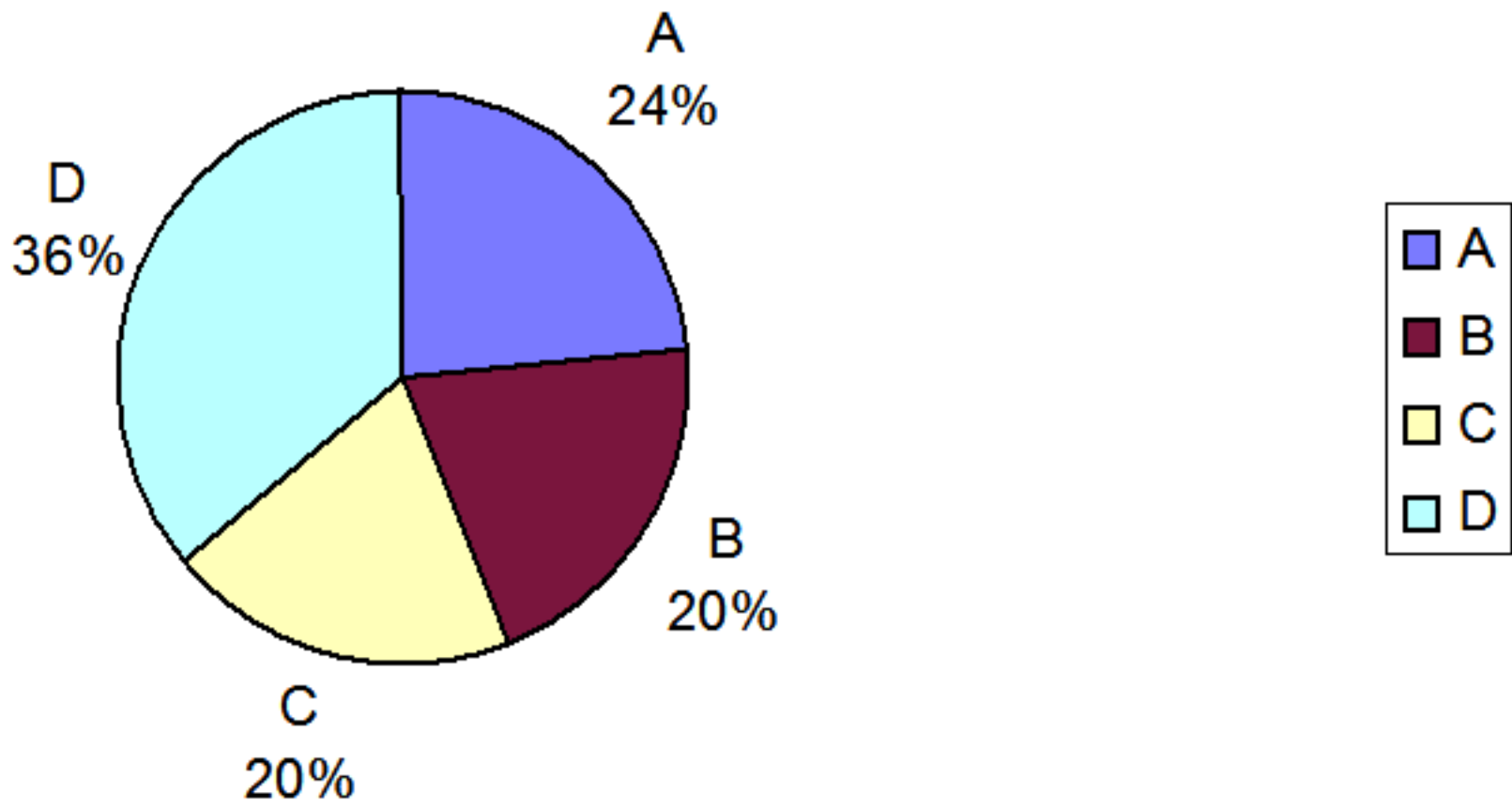
اجرا کروایا اور ہیڈ برج کچہری روڈ آپ کے ترقیاتی کام کا شناخصانہ ہے۔ جائزے کے مطابق 20% لوگوں نے آپ کے ترقیاتی کام کو اچھا کہا ہے۔ آپ کو "B" معیار میں رکھا گیا ہے۔ 20% نے آپ کے کام کو تسلی بخش قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر آپ کی کارکردگی 64% ہے۔ جو کہ خوش آئند ہے جبکہ 36% لوگوں نے آپ کے ترقیاتی کام کو غیر تسلی بخش قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کو حکمت پنجاب میں کم مدت کے لئے وزارت ملی

ہے۔بعد میں حکومت نے آپ کے فنڈز دوبارہ جاری نہیں کیے۔لہٰذا ترقیاتی کاموں میں فرق پڑا۔آپ کے حلقہ کے لوگوں نے یہ بھی شکایت کی کہ منتخب ہونے کے بعد آپ ان علاقوں میں دوبارہ نہیں گئے اور نہ ہی ان ووٹرز کی خیریت دریافت کی، سیاسی طور پر آپ کے کردار پر لوگوں کی رائے مختلف ہے۔آنے والے الیکشن کے دنوں میں وہ بہت مستعد نظر آتے ہیں۔ایک نئے جذبے اور امنگوں کے ساتھ ایک دفعہ پھر عوام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔

آپ آج کل وزیر اعلیٰ پنجاب کے مشیر ہیں اور عوام کے مسائل حل کروانے میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔

غلام قاسم خان خاکوانی راقم کا انٹرویو 10-07-2004:۔

ون یونٹ کا الیکشن لڑا MNA بن گیا۔ East Pak کا بھی پنجاب کا بھی کئی سال رہا۔ جو میری ڈیوٹی تھی ملتان کی ترقی کے لیے میں جب میئر تھا ملتان کی ترقی کے لیے صدر ایوب کے ساتھ مل کر کام کیا۔

میرا مقصد تھا جو میری ڈیوٹی تھی وہ یہ ہے کہ میں نے پہلے جب میں میئر تھا تو میں نے میئر شپ کے لیے کام کیا۔پھر میں نے صدر ایوب کے وقت میں (میئر بننے کے بعد MNA بنا) تو گورنمنٹ کے ساتھ کام کیا۔میں نے ملتان کے لیے خاص طور پر کام کیا۔دنیا میں جو میرے ذمے کام تھا وہ میں نے پورے کیے۔میرے کام کے مسئلے میں پورا ملتان مجھے یاد رکھتا ہے۔ مارشل لاء کے دور میں نہیں تھا بعد میں مارشل لاء لگتی رہی۔ یہ تو قانون کی بات ہے۔آرمی کی بات ہے میں کیا دخل دے سکتا تھا۔البتہ میں اسی طرح رہا جس طرح قوم نے مجھے چنا تھا اور میں نے قوم کی خدمت کی۔

جی نہیں میں مسلم لیگ ہی میں رہا۔ پارٹی میں نے گورنمنٹ کی نہیں چنی۔اور ون یونٹ کا بھی میں ممبر مسلم لیگ کا بنا۔اور میں ابھی تک مسلم لیگ میں ہوں۔یہ یونٹ تھا صدر ایوب کا بھی اور تمام گورنمنٹ کا۔وہ بھی میں نے کروائی تھی۔

حالات بدل گئے ہیں اور ہمیں اس لائق سمجھا جائے گا تو ہم بھی خدمت کریں گے اب چونکہ ہماری باری ختم ہوگئی ہے اور ہم اس دور میں نہیں رہے حکومتیں اور ہوگئی ہیں اب میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔

بات یہ ہے کہ یہاں پر اس ملک کے اندر انتقامی سیاست کا دباؤ زیادہ ہے جو بھی پارٹی برسر اقتدار آتی ہے وہ مخالفین کو اتنا انتقامی نشانہ بنائے ہیں ان کو اس قدر گرا دیا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ اٹھ نہ سکیں۔

بحیثیت MNA تین چار دفعہ الیکشن لڑ چکا ہوں فرائض تن دہی سے انجام دیتے ہیں بطور ضلع ناظم ایجوکیشن کے فروغ کے لیے بہت کام کیا۔ استاد کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے کام کیا۔

بطور MNA میں نے اسمبلی میں ممبران Development fund دینے کی مخالفت کی کیونکہ اس سے کرپشن بڑھتی ہے بڑے Projects مکمل نہیں ہو سکتے۔

ملک میں سیاسی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ MNA's تعلیم یافتہ ہوں اور ان کی تربیت کی جانی چاہیے تاکہ Parliment مضبوط ہو۔ پارلیمنٹ مضبوط ہو تو ملک میں سیاسی استحکام ہوگا۔

خاکوانی خاندان کے روح رواں نواب خان بہادر احمد یار خان صاحب خاکوانی مرحوم 1861ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ضلع ملتان کے دوسرے پراونشل درباری تھے آنریری مجسٹریٹ نالہ حاجی واہ کے علاقے کے ذیلدار اور تحصیل شجاع آباد و میلسی کے کئی مقامات کے نمبردار تھے۔ آپ ضرورت مند شرفاء کی خفیہ امداد کیا کرتے تھے آپ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے خاندان کے مریدوں میں سے تھے آپ کے بیٹوں میں فیض محمد خان' جہان دیدہ شخص تھے۔ پڑھے لکھے تھے فیض محمد خان صاحب کے ایک بیٹے غلام قاسم خان خاکوانی ہیں جو آج کل کے دور میں ملتان کی سیاست میں چھائے ہوئے ہیں۔ صدر ایوب کے دور حکومت میں دوبارہ 1962ء اور 1965 کی مغربی پاکستان اسمبلی میں صوبائی کے ممبر رہے۔ غلام قاسم خان خاکوانی نے ملتان یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے۔ 1965ء کی اسمبلی میں بل پیش کیا جو بالآخر 1975ء ملتان یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود تھے۔

غلام قاسم خان خاکوانی 1979ء کے ملتان کے بلدیاتی انتخاب میں بطور میئر ملتان فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ 1983 کے بلدیاتی انتخابات میں ایک دفعہ پھر آپ میئر ملتان تھے اور ملتان کی ترقی کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

1970ء کے الیکشن میں غلام قاسم خان خاکوانی کے بھتیجے محمد احسن خان خاکوانی کو ممتاز دولتانہ صاحب کے مقابلے میں بطور ممبر قومی اسمبلی کھڑا کیا۔ محمد احسن خان خاکوانی جو M.A. LLB ہیں نے Join PPP کر لی۔ نواب محمد احسن خان خاکوانی ذوالفقار علی بھٹو کے دوستوں میں شمار ہونے لگے۔ یہ دوستی تھوڑا عرصہ قائم رہی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خاکوانی خاندان کے بزرگوں غلام قاسم خاکوانی 'علی محمد خان خاکوانی' حامد رضا گیلانی جو اس

وقت مسلم لیگ قیوم گروپ میں شامل تھے انہوں نے محمد احسن خان سے PPP چھوڑنے کا مشورہ دیا اور اس طرح 1970 کے الیکشن میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے وہاڑی کی سیٹ پر ممتاز دولتانہ سے مسلم لیگ کی طرف سے علی محمد خان' پاکستان PP سے تاج لنگاہ سے مقابلہ ہوا۔ جس میں ممتاز دولتانہ جیت گئے۔ 1970 ء میں ہی ممتاز دولتانہ سفیر بن کر امریکہ چلے گئے۔

ملتان سے غلام قاسم خان خاکوانی 1970 ء کے الیکشن میں مسلم لیگ قیوم گروپ کی صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر ملک مختیار احمد اعوان کے مدمقابل کھڑے ہوئے لیکن صوبائی اسمبلی کی مشیر کی اس سیٹ پر ہار گئے۔

خانیوال اور تلمبہ کی صوبائی سیٹ پر نواب علی محمد خان خاکوانی کا مقابلہ PPP کے M-K خاکوانی سے مقابلہ ہوا۔ M-K خاکوانی صوبائی سیٹ جیت گئے جو بھٹو دور میں پنجاب اسمبلی کے وزیر بنے۔

1977 ء کے الیکشن میں خاکوانی خاندان نے الیکشن میں حصہ نہیں لیا؟ بعد میں 1979 ء میں احسن خان خاکوانی دوبارہ PPP میں شامل ہو گئے☆ 1985 ء کے Non Party الیکشن میں ملتان ضلع کی طرف سے مسلم لیگ قیوم گروپ میں حامد رضا گیلانی' محمد آفتاب ڈاہا' صدیق خان کانجو دلاور بھی غلام قاسم خاکوانی کی صورت میں ایک گروپ تشکیل دیا گیا جو اپنے اپنے علاقے میں لڑے۔ ملتان شہر سے غلام قاسم خاکوانی کا مقابلہ بابو فیروز دین انصاری' جماعت اسلامی کے شیخ عبدالحمید سے ہوا۔ 900 ووٹوں سے Local مہاجر Base پر غلام قاسم سے یہ الیکشن ہار گئے۔

1985 ء میں وہاڑی کی سیٹ پر احسن خاکوانی جو Join PPP کر چکے تھے الیکشن میں حصہ نہ لیا۔ دولتانہ نے کہا کہ ہمارے ساتھ مل جائیں جبکہ ریاض دولتانہ قومی اسمبلی کی ٹکٹ پر الیکشن لڑے اس طرح یہ Packt بالآخر ریاض دولتانہ MNA اور مرجام خان MPA بنے۔

1988 ء میں احسن خان خاکوانی نے وہاڑی کی سیٹ پر PPP کی طرف سے قومی اسمبلی کا الیکشن اکبر بھٹی کے مقابلے میں لڑا جس میں اکبر بھٹی الیکشن جیت گیا۔۔

صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر ضرغام خان ایم پی اے بنا۔

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۸

1990ء کے الیکشن میں ایک دفعہ پھر احسن خاکوانی کا مقابلہ اکبر بھٹی سے ہوا احسن خان ہار گئے۔ اس طرح ضرغام خاکوانی صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے۔ ملتان سے غلام قاسم خاکوانی الیکشن نہ لڑ سکے۔ جس کی وجہ ان کی بیماری تھی 1990ء کے الیکشن میں حامد سعید کاظمی شہر کی سیٹ سے MNA بن گئے کیونکہ مسلم لیگ کی طرف سے کوئی Candidate کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔۔

1993ء میں محمد اقبال خان نے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے محمد اقبال خان صوبائی الیکشن جیت گئے اور بے نظیر اور منظور وٹو کی صوبائی اسمبلی میں Opposition کے طور پر بیٹھے رہے۔

1997ء کے الیکشن میں دوبارہ محمد اقبال خان MPA بنے۔ بحثیت صوبائی وزیر صحت و خوراک۔ اکتوبر 1999ء تک اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ (حکومت ختم ہونے تک) 2002ء کے الیکشن میں غلام اسحاق خاکوانی وہاڑی کی سیٹ تہمینہ دولتانہ کو ہرا کر جیت گئے۔

ملتان کے خاکوانی خاندان کا انتقادی تجزیہ:۔

تحقیق کے مطابق ملک شہپال پہلا شخص تھا جو ھرات اور قندھار کے درمیانی علاقے سے اپنی قوم کے ساتھ ترک وطن کر کے ملتان آیا اور اس نے شہر سے باہر اپنے قبیلے کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ ان کی رہائش کے علاقے کا نام کڑی کلاں افغانان مشہور ہو گیا جواب بھی موجود ہے۔ دوسری کڑی سدوزئی اور اقوام خدکہ افغاں کی ہے جو بعد میں آئے۔

سدوزئی دیر تک افغانوں کی حکومت کے زمانے میں یہاں کے حاکم رہے۔ شاہان مغلیہ اور افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے افغان خاندانوں کو جاگیریں عطا کیں۔

جب انگریزوں نے ملتان پر حملہ کیا تو اس کی فوج کا ایک بڑا افسر غلام سرور خان ولد معز الدین خان ولد برخوردار خان قوم خاکوانی بھی تھا۔

ملتان فتح کرنے کے بعد انگریزوں نے خاندان خاکوانی کو بڑی جاگیروں اور انعامات سے نوازا۔ ایک خاکوانی سردار محمد حیات خان کو انہوں نے (Colonial scheme) کے تحت وہاڑی میں 60,000 ہزار ایکڑ اراضی دی جواب بھی اس خاندان کے پاس ہے۔

ملتان سے بہاولپور جاتے ہوئے راستے میں بھی خاکوانی حضرات کو بہت سی زمینیں ملیں۔انگریزوں کے زمانے میں خاکوانی خاندان کے سربراہ نواب خان بہادر احمد یار خان تھے۔ن کے بعد ان کی اولاد صاحب اختیار ہوئی۔غلا قاسم خان خاکوانی جو اسمبلی کے دوبارہ ممبر اور ملتان میونسپل کمیٹی کے صدر رہے ان کے پوتے ہیں۔

اس خاندان کے افراد ہمیشہ سیاسی اقتدار کے حامل رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔محمد اقبال خان خاکوانی جو اب پنجاب حکومت کے مشیر ہیں نواز شریف کی حکومت میں وزیر رہ چکے ہیں۔دوسرے سربرآوردہ سیاسی خاندانوں کی طرح اس خاندان کے بڑے اپنی سیاسی اور مفاداتی مجبوریوں کے تحت اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے رہتے ہیں صاحب اقتدار ہونا ان کے وقار کا مسئلہ ہوتا ہے۔یہ خاندان جاگیرداری کے نظام سے منسلک چلا آتا ہے۔

کانجوں خاندان:۔

جندوڈہ خان کی وفات کے بعد ان کے دولڑکے غلام رسول خان، پیر بخش خان موجود تھے۔پیر بخش خان ذیلدار مقرر ہوئے۔آپ متواضع، خلیق اور مرنج مرنجاں بزرگ ہیں۔خیر خواہ سرکار اور رعایا پرور ہیں۔ ہر ایک شخص کی فریاد سن کر اس کی ہر ممکن طریقہ سے امداد اور دادرسی کرتے ہیں۔ ہر محکمہ کے اہلکاران کو سرکاری کام میں خندہ پیشانی سے امداد دیتے ہیں۔آپ کی ہر دلعزیزی اور رسوخ کا یہ عالم ہے کہ ہندو مسلم آپ سے خوش ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متواتر پندرہ سال سے بلا مقابلہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہو رہے ہیں۔سندات امداد سرکار بے شمار ہیں۔ آپ مشاورتی کمیٹی محکمہ انہار کے ممبر بھی ہیں۔موضع علی پور و چک 113 کے نمبردار بھی ہیں۔آپ کی عمر اس وقت 55 سال ہے۔

جنگ عظیم کے موقع پر کافی تعداد میں جوان بھرتی کرائے۔اور چندہ بھی دیا۔سلور جوبلی 1935 کے موقع پر بھی فراخ دلی سے چندہ دینے کے علاوہ وہ تمام تقریبات میں عملی حصہ لیا۔پبلک کاموں میں بھی کافی دلچسپی لیتے ہیں اور دریا دلی سے چندہ دیتے ہیں۔آپ کا ایک صاحبزادہ احمد یار خان ہونہار نوجوان ہے جو زمیندار کام کی دیکھ بھال کرتا ہے آپ کی ملکیت مواضعات علی پور، چوکی متے خان محمد سعی مانجھا کوٹلہ حامد پور چک 13 جٹ برانچ تحصیل لودھراں کوٹلہ مراد علی وغیرہ میں تقریباً چار ہزار بیگھ ہے۔مالیہ تقریباً 4 ہزار روپیہ سالانہ ادا کرتے ہیں۔آپ کے بڑے بھائی غلام رسول خان زمیندار کام کی نگہداشت رکھتے تھے۔مگر وہ بعمر 50 سال وفات پا گئے۔ان کا ایک لڑکا

خادم حسین ہے جو خلیق ملنسار اور ہونہار نوجوان ہے۔موضع حامد پور کے سربراہ نمبردار بھی ہے۔خدمات سرکار کے عوض چند سندات اور انعام حاصل کر چکا ہے۔

محمد امین خان کانجوں:۔

آپ 1919ءمیں علی پور کانجوں تحصیل لودھراں میں پیدا ہوئے۔آپ آٹھ سال کے بچے تھے کہ آپ کے والد ماجد خان نور محمد خان کانجوں مرحوم کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ معہ اپنے تین بھائیوں کے یتیم ہو گئے۔ آپ کی والدہ نے اپنے حقیقی ماموں خان بخش ذیلدار کی رہنمائی میں بچوں کی جائیدار کا انتظام کیا اور تعلیم دلانا شروع کیا۔محمد امین خان نے میٹرک کے درجہ تک تعلیم حاصل کی اور تعلیم کو خیر باد کہا۔ نبی بخش خان تا حال زیر تعلیم رہے۔باقی دو چھوٹے بھائیوں میں سے محمد کبیر خان نے درجہ ورینکلر مڈل تک تعلیم پائی اور محمد مظفر خان جن کو گھر میں بہت لاڈ پیار سے رکھا گیا۔تعلیم سے بالکل کورا ہے۔جو اس کے لئے اور اس کے لئے بہت ہی قابل افسوس ہے۔

یہ خاندان سادگی' کفایت شعاری میں اپنی مثال آپ ہے۔یہ بھی وجہ ہے کہ جائیداد میں بفضل ایزدی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔خان محمد امین خان کے جد بزرگوار خان بخش نبی بخش خان مرحوم صرف ڈیڑھ ہزار بیگھ رقبہ کے مالک تھے۔خان نور محمد خان مرحوم نے تین ہزار بیگھ کی جائیداد پیدا کی اور اس طرح اپنی اولاد کے لئے کل ساڑھے چار ہزار بیگھ رقبہ چھوڑ گئے۔اب اس رقبہ میں روز بروز مزید اضافہ ہو رہا ہے اندازہ ہے کہ اس وقت کم از کم خان محمد امین خان اور اس کے بھائیوں کے پاس ساڑھے پانچ ہزار بیگھ اراضی ہے۔

عام طور پر زمینداران زمیندری تعلقات کی بنیاد پر دنیوی مخصوص اور جھگڑوں میں پھنس جاتے ہیں۔جس کا لازمی نتیجہ دھڑابندی اور مقدمہ بازی ہوتا ہے۔اس سے جائیداد کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور جائیداد اور بڑھنے کی بجائے گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ خاندان بفضل ایزدی آج تک کبھی اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ چنانچہ خاص محمد امین کے والد بزرگوار خان نور محمد خان نے ہمیشہ اپنا گزارہ کیا اور جھگڑوں سے بچنے کے لئے کبھی نمبرداری' سفید پوشی یا ذیلداری ماس کرنے کی کوشش نہ کی۔یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود تین ساڑھے تین ہزار روپیہ معاملہ سالانہ ادا کرنے کے کوئی نمبرداری وغیرہ ان کے نام نہیں۔اس خاندان کا رجحان طبع زیادہ تر مذہب کی

طرف مائل ہے۔ چنانچہ خان نور محمد خان صاحب مرحوم نے اپنی حیات تک ایک عالم دین اشاعت دین کے لیےعلی پور کانجوں میں مقرر رہے۔لیکن افسوس ہے کہ آج کل یہ سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

خاندان محمد امین خان ایک ہونہار نوجوان ہے شجاعت سخاوت اور معاملہ فہمی کی صفات آپ میں کوٹ کوٹ کربھری ہوئی ہے اور یہ بجاطور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ مستقبل قریب ہیں آپ ایک ہونہار بھی ہر دلعزیز زمیندار ثابت ہوں گے اور اپنی خاندانی روایات کوتازہ کریں گے۔

آپ ابھی نوعمر ہیں لیکن واقفیت کا سلسلہ کافی ہے اور بڑے بڑے زمینداران آپ کے پاس آتے جاتے ہیں اور کاروبار سرانجام کرنے میں امداد لیتے ہیں۔ اپنے والد ماجد کی طرح آپ کوڈیرہ داری کا بہت شوق ہے۔ چنانچہ ہر وقت غریب مسافروں اور مہمانوں کا جھمگھا لگا رہتا ہے۔ذات باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال اس نوجوان ہمت وجواں سال نوبقراں کوصراط مستقیم پر قائم رکھےاور اپنے والدمحترم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنے برادران عزیز کے لیے موجب رحمت ثابت ہو۔ آپ کے برادر عزیز نبی بخش خان کو آزادی اور آزادروی اور شریعت کی بناپرعوام وخواص صوفی نبی بخش کہتے ہیں۔خدا کرے کہ کانجوں خاندان کا یہ روشن ستارہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔آمین

خاندان کانجوں موضع چورواہ تحصیل لودھراں ملتان:۔

یہ خاندان راجہ ودھن راجپوت کی اولاد سے ہےاس خاندان کے مورث اعلیٰ کانجی نامی راجپوت کثیراولاد شخص تھا۔اس اولاد میں سے ایک موضع چورواہ کے علاقے میں سکونت اختیار کرلی۔اس علاقہ میں کانجوں قوم کے آباد ہونے سے پہلے یہاں چوراور ڈاکو آباد تھے۔ کانجو قوم نے ان کو مار پیٹ کر بھگایا۔لیکن اس علاقے کانام بدستور چورواہ رہا۔ یہ لوگ شاہان دہلی کے دور حکومت میں زمیندار تھے۔اس طرح نواب مظفر خان اور سکھوں کے عہد میں بھی اپنوں نے اپنی حیثیت اور وجاہت بدستور قائم رکھی۔سرکار انگریزی کی علمداری میں اس خاندان کا بزرگ راز حیدر نمبر دار مقرر ہوا۔انہوں نے سرکار انگریزوں کی وفادارانہ خدمت کی اس صلہ میں متعدد سندات حاصل کی جوانقلاب زمانہ کی وجہ سے گم ہوچکی ہیں۔

راناحیدر کی وفات کے بعدان کا بیٹارانا غلام محمد نمبر دار مقرر ہوا۔اس نے سرکار کی خیر خواہی کی اور اس کی

رعایا بھی اس کے حسن سلوک سے خوش اور مطمئن تھی۔اس کے بعد اس کا لڑکا رانا خدا بخش 1921 میں سید محمد شاہ مرحوم کی جگہ کہروڑ کا ذیلدر مقرر ہوا۔لیکن 1928 میں استعفےٰ دے دیا۔حسن خدمات کے صلہ میں ان کو سندات اور پروانہ جات خوشنودی مزاج حکام بالا دست سے حاصل کئے۔رانا خدا بخش کے انتقال کے بعد رانا در محمد 1931ء میں موضع چوروا ہ کے نمبر دار مقرر ہوئے۔نیک سیرت انسان تھے رقبہ ملکیت کی مجموعی تعداد 4 ہزار بیگھ ہے۔اور آپ کی ملکیت مواضعات برہان پور' دھکنہ گھاڑو'چوروا ہ ضلع ملتان کا لڑا ریاست بہاولپور میں ہے تقریباً ایک ہزار روپیہ سالانہ بطور مال گزاری سرکار ادا کرتے ہیں۔

اس خاندان کے بزرگوں میں ایک شخص عبداللہ نامی تھے۔وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہمراہ شہید ہوئے ان کا مزار موضع برہان پور تحصیل میں ہے۔(۲۳)

الحاج سعید احمد قریشی راقم کا انٹرویو 18/03/05:۔

آپ کے پہلے سوال کا جواب کچھ اس طرح سے ہے کہ بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ سیاست میں داخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔اس کی مثال ایک پودے کی سی ہے جو آہستہ آہستہ تناور درخت بن جاتا ہے۔اس کی آبیاری ہوتی ہے اور پھر ایک سیاست دان نکھر کر معاشرہ کے سامنے آتا ہے۔اسے اپنے مستقبل کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتا ہے۔سیاست میں آنا پھر ایک کا کھیل نہیں اس میں صرف وہی ممبر کامیاب ہوتا ہے جو اپنے علاقہ کی خدمات ایک جذبے کے تحت کرتا ہے۔وہ اپنے ملک اور بیرونی دنیا کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے۔اپنے آپ کو عوام کے سامنے ایک بہتر انسان کے طور پر پیش کرتا ہے۔اس لئے میں کہوں گا کہ بلدیاتی سیاست یا قومی سیاست جمہوری استحکام کے لئے فعال کردار ادا کرتی ہے۔

جیسے کہ میں نے پہلے کہا کہ سیاست کرنا پھر ہر آدمی کا کھیل نہیں اس لئے جو آدمی سیاست میں قدم رکھتا ہے اس کو background مثال ہوتا ہے۔وراثتی سیاست میں آج تک وہی knowledge کے لحاظ سے Intelligent ہوتے ہیں جنہوں نے ملک کی خدمت کی ہوتی ہے۔ہمارے سامنے مثالیں موجود ہیں کہ دادا کے بعد اس کا بیٹا سیاست دان نہیں بنا۔جبکہ پوتا اپنی قابلیت کے بل بوتے پر ایک کامیاب سیاست دان بنا مثلاً میں مثال دوں گا۔چوہدری محمد علی وزیر اعظم پاکستان۔

لہٰذا میرے نزدیک وراثتی سیاست کا آج کل دور ختم ہوتا جا رہا ہے لوگ اب پڑھے لکھے سیاست دان کی قدر کرتے ہیں۔ وراثتی سیاست صرف وہیں کامیاب ہے جنہوں نے کچھ کر کے دکھایا ان کے بزرگوں نے علاقے کے عوام کی خدمت کی ہوتی ہے وگرنہ وراثتی سیاست کو آج کل قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

ہمارے بزرگوں نے جمہوریت کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے پاکستان کے قیام کے وقت جو اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ کوئی لوگ مشرقی پنجاب سے جنوبی پنجاب آتے وقت سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ اپنا جان مال اور ہر چیز لٹادی تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان کے قیام اور جمہوریت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا جو ایک مثال ہے۔

بار بار مارشل لاء ہم نے نہیں آنے دیا۔ بلکہ یہ وان بڑے سیاست دانوں کا کردار ہے جنہوں نے فوج کو مجبور کیا کیونکہ صدر ایوب کے دور سے پہلے ہمارے ملک کا یہ حال تھا کہ رات کو وزارتیں بنتی تھیں اور صبح وزارتیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس میں جاگیرداروں اور وڈیروں کا بھی کردار ہے۔ جو اپنی سیاست چمکانے کے لیے ہر چیز داؤ پر لگا دیا کرتے تھے۔ میں نے ابھی صرف صوبائی حکومت تک کام کیا ہے۔ میں بحیثیت صوبائی وزیر برائے اوقاف اور عشر کا قلمدان سنبھالا تھا اور اس وقت میں یعنی 1985 میں غیر جماعتی انتخابات کے ذریعے MPA ملتان میں بنا تھا۔ میرا حلقہ اندرون شہر تھا۔ میں نے اپنی وزارت کے دوران اپنے علاقے کی بہت خدمت کی تھی جو آپ کے سامنے ہے۔

ملک میں نفاذ اسلام کے بارے میں یہ کہوں گا کہ یہ ملک صرف اور صرف اسلام کے لئے بنا تھا۔ اس ملک میں نفاذ اسلام کو ابتداء ہی سے نافذ ہونا چاہیے۔ ہماری بدقسمتی یہ نظام ابھی تک مکمل طور پر نافذ نہیں ہو سکا جس کا ہمیں دکھ ہے، میرا یقین ہے کہ اگر ملک میں نفاذ اسلام مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو ہم اپنی قوم کے آگے سرخ رو ہو سکتے ہیں۔ ملک کے استحکام کے لئے میری تجویز ہے کہ چونکہ یہاں Feudal System موجود ہے چار اکائیاں ہیں ان تمام صوبوں کو مل جل کر اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

لسانی، گروہی سیاست، کلاشنکوف کلچر کا خاتمہ ضروری ہے۔ ملک میں امن و امان کی فضا پیدا ہونی چاہیے۔

1973 کے آئین میں یہ کہوں گا چونکہ یہ مسئلہ قومی اسمبلی کا ہے اور ابھی تک قومی اسمبلی کا ممبر نہیں بنا اس

لئے اس پر کوئی رائے زنی نہیں کروں گا۔ میں نے کوئی پارٹی تبدیل نہیں کی ہے۔ میں شروع سے مسلم لیگ ہوں اور میں مسلم لیگی رہوں گا میں نے صرف مسلم لیگ کے ایک گروپ کو چھوڑ کر دوسرے گروپ میں بعض ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر شمولیت اختیار کی ہے۔ مسلم لیگ قائداعظم کی جماعت ہے اور میں قائداعظم کو اپنا رہبر سمجھتا ہوں۔

میں نے کبھی ہارس ٹریڈنگ میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ پارٹیوں کے درمیان ہمارے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ ملک کے مسائل کے حل کے لئے دیگر پارٹیوں کے تعاون سے بحث مباحثہ میں حصہ لیتے ہیں۔ الیکشن کے دوران ہمارا رابطہ دیگر پارٹیوں سے رہتا ہے۔

میں نے اپنے علاقے کی ترقی کے لئے بہت کام کیا ہے۔ اندرون شہر سیوریج سسٹم کو نئے سرے سے تعمیر کروایا۔ گلیوں اور محلوں میں صفائی کا انتظام، بجلی پانی اور گیس کی فراہمی کے لئے بہت کچھ کیا۔ فنڈز کا بہترین استعمال کیا گیا۔ میں نے گرلز کالج برائے خواتین چونگی نمبر 14 تعمیر کروایا۔ میری یہ تجویز یہ بھی تھی کہ اس کالج کو حسین آگاہی مثالی درسگاہ سکول میں Shift کیا جائے تا کہ اندرون شہر کی بچیاں پیدل چل کر اپنے کالج پہنچ سکیں جو تا حال شفٹ نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ اپنی وزارت کے دوران اپنے زکوۃ کے خصوصی فنڈز سے پنجاب کے بہت سے مدرسوں کو فنڈز فراہم کیے۔ غریب اور نادار لوگوں کے لئے زکوۃ کی صحیح تقسیم کا بندوبست کرایا۔ یہ میرا کام مثالی ہے جو حکومت پنجاب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ میں نے بہت سے علاقے کے بچوں کو نوکریاں دلوائیں۔ بالخصوص سکول Teachers+ Prefessors بھرتی کروائے۔ سکولوں اور کالجز میں فرنیچر کی فراہمی کے لئے فنڈز مہیا کیے۔ میں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ہمارے ملک میں لٹریچر بڑھا دیا جائے۔ جب ہمارا معاشرہ پڑھا لکھا ہوگا تو ہمارا ملک ترقی کرے گا۔ میں نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کو تعلیم کے لئے مفید مشورے بھی دیئے جو انہوں نے Impliment بھی کروائے۔

4.6 جناب الحاج سعید احمد قریشی صاحب:۔

جناب سعید احمد قریشی کا حلقہ انتخاب ملتان شہر کے اندرونی علاقوں پر مشتمل ہے۔اس اندرون شہر میں بہت علاقے ہیں جن میں حسین آ گاہی' دہلی گیٹ' حرم گیٹ' پاک گیٹ' بوہڑ گیٹ' ممتاز آباد' خونی برج کے گنجان آباد حصے ہیں جس میں مختلف زبان بولنے والے مثلاً سرائیکی' پنجابی' مہاجرین کا مرکب شامل ہیں اندرون علاقوں مثلاً گڑ منڈی' ہنو کا چھجا' کبوتر منڈی' چوک بازار' کالے منڈی میں یہ تمام زبان بولنے والے کافی عرصہ سے رہائش پذیر ہیں۔ان علاقوں کے مسائل گھمبیر ہیں۔ان علاقوں سے کسی ایم پی اے کا کامیاب ہونا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔سعید احمد قریشی اسی علاقے کے رہائشی ہیں اپنے دور اقتدار میں بحیثیت صوبائی وزیر برائے زکوۃ وعشر منتخب ہونا باعث اعزاز ہے۔آپ نے اپنے دور میں ان علاقوں کی بڑی خدمت کی ہے۔آپ کے اس حلقہ کے شماریاتی جائزہ کے مطابق 33% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو بے حد سراہا ہے۔اس لئے آپ کو "A" معیار میں جگہ دی گئی ہے۔ یعنی آپ کی اس حلقہ میں بہت اچھا کردار کا مالک بنادیا
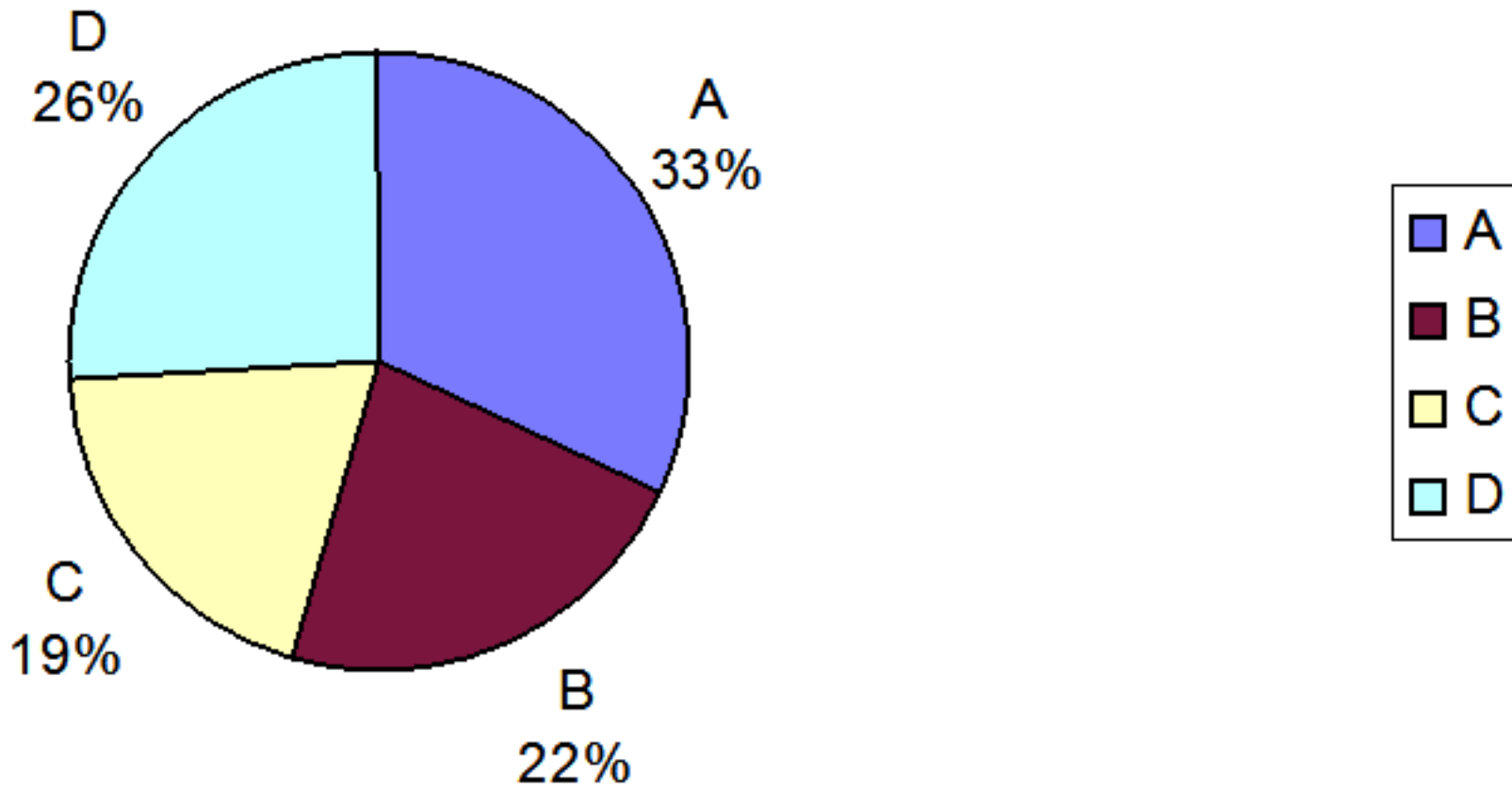
گیا ہے۔جس کی وجہ آپ نے اس علاقے کے لوگوں کی بہت خدمت کی ہے۔22% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو اچھا کہا ہے۔19% لوگوں نے آپ کی خدمت کو تسلی بخش قرار دیا ہے۔مجموعی طور پر آپ کی اپنے علاقے میں کارکردگی 74% ہے۔جو خوش آئند ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے حلقہ میں بہت سے

تعمیراتی کام کروائے ہیں۔بجلی، پانی، سیوریج، سوئی گیس کی فراہمی کا سہرا آپ کو جاتا ہے۔اندرون شہر کے مسائل حل کرنے میں آپ نے بہت دلچسپی لی ہے۔حلقہ کے بہت سے نوجوانوں کو بہت سے محکموں میں نوکریاں دلوائی ہیں۔ان محکموں میں محکمہ تعلیم، محکمہ ہیلتھ، میونسپل کمیٹی، ضلع کونسل شامل ہیں۔ 26% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو غیر تسلی بخش قرار دیا ہے۔جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ دیگر سیاسی پارٹیوں کے لوگ جن کے علاقے میں تعمیراتی کام کم ہوئے ہوں یا سرائیکی، مہاجر تفریق وغیرہ۔آپ بحیثیت صوبائی ممبر اپوزیشن بھی رہے ہیں۔جس کی وجہ سے ان کو فنڈز فراہم نہیں کیئے گئے۔آج کل آپ سیاست میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں اور آنے والے انتخابات میں ان کی دوبارہ جیت کے مواقع کافی زیادہ روشن ہیں۔

نفیس احمد انصاری راقم کا انٹرویو 10/06/05:۔

میرے نزدیک جمہوری سیاست اور بلدیاتی سیاست دونوں فعل ادا کرتی ہیں ملک میں جمہوری استحکام کے لیے کیونکہ بلدیاتی سیاست ایک نرسری ہے جس سے لوگ اپنی سیاست کی ابتداء کرتے ہیں اور اس کے بعد قومی دائرے میں آتے ہیں جو لوگ بلدیاتی سیاست سے قومی سیاست میں پہنچے ہیں ان کا کردار بھی اچھا رہا ہے اور انہوں نے ملک اور قوم کی عوام کی بہت خدمت کی ہے۔

میرے لئے وراثتی سیاست کا کوئی تصور نہیں ہے خلق خدمت کرتو مخدوم شد جو خدمت کرے اسے آگے آنا چاہیے اور اس میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ وراثتی سیاست کا ہی ہو۔میرے اپنے والد مرحوم بابو فیروز دین انصاری ایم این اے بھی رہے ہیں۔سینیٹر بھی رہے ہیں بلدیا کے صدر بھی رہے ہیں لیکن ان کا اپنا ایک کردار بھی تھا۔میں اپنی طاقت سے اپنے لوگوں کی خدمت کرکے آگے آیا ہوں اور میری سیاست کو وراثتی سیاست نہیں کہا جاسکتا۔یہ کوئی سرکاری نظام نہیں ہے کہ جو آدمی آئے اس کا بیٹا ہی وراثت سنبھالے۔

میرے بزرگوں نے جمہوریت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔انہوں نے جیلوں کی صعبتیں بھی برداشت کیں اور اس کے بعد انہیں مجبور بھی کیا جاتا رہا ہے کہ وہ اقتدار پارٹی میں شامل ہوں لیکن انہوں نے ہمیشہ اپوزیشن کا ساتھ دیا۔میں نے بھی جمہوریت کی خاطر بہت سی قید و بند کی تکالیف برداشت کیں ہیں لیکن میں پھر بھی ہمیشہ اپوزیشن میں رہا ہوں اب بھی میں اپوزیشن کا رکن ہوں اور عوام کے سامنے اور اسمبلی میں عوامی مسائل اجاگر

کرر ہا ہوں۔ مارشل لاء کا آنا صرف جرنلز چاہتے ہیں وہ ایک مہم کے طور پر آتے ہیں جب وہ بھوکے مرنے لگتے ہیں تو وہ آتے ہیں میدان میں اور جیبیں بھرتے ہیں۔ میرے نزدیک بار بار مارشل لاء کا آنا خطرناک ہے انڈیا میں اس بارے میں 14 الیکشن جمہوری طور پر ہو چکے ہیں اور وہاں الیکشن پر ہر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا۔ ہمارے ہاں جرنلز جو ہیں وہ آ کر دس دس سال تک رہتے ہیں۔ اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔

جی ہاں میں نے ہمیشہ جمہوریت کے لیے قربانیاں دی ہیں اور ہمیشہ مارشل لاء کی مخالفت کی ہے۔ میں ڈپٹی میئر تھا اس وقت بھی مارشل لاء کا دور تھا جنرل ضیاء الحق کا اور ہم نے قرار داد میں اپنی کارپوریشن سے منظور کروا کر اوپر بھیجی گئیں جس کی وجہ سے 85ء کے الیکشن ہوئے اب بھی ہم مارشل لاء کے خلاف ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کسی بھی طور پر کوئی بھی جمہوریت پسند آدمی مارشل لاء کی حمایت نہیں کر سکتا۔

نفاذ اسلام کے لیے ہمارا ملک ایک اسلامی ملک ہے اور ہم ایک سچے مسلمان ہیں۔ اس سلسلے میں جو بھی اسلام کی بقاء کے لیے قدم اٹھے ہم اس کی حمایت کریں گے۔ میری تجویز یہ ہے کہ تمام سیاستدان ایک ہی نقاطی اجنڈے پر متفق ہو جائیں کہ مارشل لاء کبھی نہ آنے دیا جائے اور جمہوریت کے استحکام کے لیے جو بھی لوگ مارشل لاء کی حمایت کریں ان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔ پھر راستہ رک سکتا ہے مارشل لاء کا لیکن Otherwise جرنلز جو ہیں وہ ہمیشہ آتے رہیں گے۔

کیوں نہیں 1973ء کا آئین جو ہے وہ بڑی مشکل سے اس وقت پاس ہوا تھا اور قومی اسمبلی اس وقت کیا تھا اور اس میں مشترکہ آئین ہے۔ اور اس میں جتنی بھی تبدیلیاں ہوئی ہیں جتنی بھی خطرناک تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کو delete کر دینا چاہیے اور اس کی اصل صورتحال میں بحال ہونا چاہیے تاکہ پاکستان ایک جمہوری اور اسلامی جمہوریہ کے صحیح راستے پر گامزن ہو سکے۔

پارٹیاں تبدیل کرنا مجبوری ہوتی ہے اور اس سلسلے میں وہ بعض تحفظات ہوتے ہیں جن کے تحت ہمیں دوسری پارٹیوں میں جانا پڑتا ہے لیکن لوٹا ازم کے تحت نہیں پارٹیاں ہم نے اس وقت تبدیل کی ہیں جب پارٹیاں اقتدار میں آئی ہیں کہ ہم نے آپ کا ٹکٹ نہیں لینا۔ پارٹی ایک وفاداری کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کے دستور کو تسلیم کیا لیکن جب آپ کو پتہ لگ جائے کہ پارٹی صحیح رخ پر نہیں ہے تو پارٹی تبدیل کرنا کسی Worker کے لیے

خاص طور پر پاکستان جیسے ملک کے لیے کوئی بڑا Problem نہیں ہے۔ انہیں چاہیے کہ جس پارٹی میں رہے اور جس کی وہ حمایت کرے اس کے ساتھ ثابت قدم رہے لوٹا نہ بنے جس طرح میں نے مسلم لیگ کی طرف سے الیکشن لڑا ہے میری وفاداری اس سے ہے۔ اگر میں پارٹی بدلوں تو میرے لیے ضروری ہے کہ اس ممبر شپ سے استعفیٰ دے کرنیا Maintain کروں۔

پارٹیاں کے درمیان میرے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے ہیں اور اختلاف صرف وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں پارٹی کی قیادت میں کوئی ایسا مسئلہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو عوام کے مسائل سے ہٹ کر ہو۔ جس میں اقتدار میں آنے کے لیے ایک ایسی سیڑھی کا انتخاب جو جرنلوں کی طرف سے ہو۔ یا پارٹی میں ایسے لوگ شامل ہو جائیں جو اقتدار کی خاطر شامل ہوں۔ ہم جمہوری Cause کے لیے لڑے ہیں اور ایک Worker کی حیثیت میں جہاں اختلاف پیدا ہوئے ہیں ہم نے اپنی قیادت کو اختلافات واضح طور پر نوٹ کروائے ہیں۔

نہیں Horse Trading میں حصہ نہیں لیا۔ اللہ کے فضل سے 1979ء میں میں نے میئر کا الیکشن لڑا تھا اور کوئی ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا تھا گو میں ایک ووٹ سے رہا گیا تھا لیکن ہم نے Horse Trading کی ہمیشہ مخالفت کی ہے جب تک اس ملک میں Horse Trading رہے گی اس ملک میں جمہوری استحکام نہیں آ سکتا۔ میں نے جو پہلے گذارش کی تھی کہ انڈیا میں 14 الیکشن ہوئے ہیں اور 14 الیکشن میں نہ تو Horse Trading کا تصور ہے اور نہ وہاں الزامات لگتے ہیں کہ یہاں کسی طور پر دھاندلی ہوئی ہے۔

ملتان میں جہاں بھی ہمیشہ ہمیں ایک سیاسی ورکر کی حیثیت سے' بحیثیت ایک ڈپٹی میئر کی حیثیت سے' بحیثیت مجلس شوریٰ کی حیثیت سے بحیثیت صوبائی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے اور جتنی بھی میرے پوسٹیں رہی ہیں اپوزیشن کا میں لیڈر بھی رہا ہوں ہم نے ملتان کے Cause لیے بہت کام کیا ہے اور اس سلسلے میں جتنی بھی ترقی نظر آ رہی ہے اس میں بھی ہمارا حصہ ہے وہ ہائیکورٹ کا قیام ہو۔ ہماری زکریا یونیورسٹی کا بنا ہوا اسٹیڈیم کا ہوا اور یہ جو دو پل بنے ہیں Bridge by Pass یا Overhead اور اس کے علاوہ اور بھی کئی ہیں ملتان پبلک سکول بنا تھا اور اس کے علاوہ چورا ہے جو بنے ہیں۔ چوک بنے ہوئے ہیں اس میں ہم نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور ہمارے یہ مطالبات تسلیم بھی ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ملتان کی ترقی کے لیے بہت کچھ کریں گے۔

انشاءاللہ تعالیٰ ہمارا جنوبی پنجاب پر ہماری نظر ہے۔ہمیں محروم کیا جار ہا ہے۔اپر پنجاب بہت کچھ لے جار ہا ہے جو میں نے بحیثیت اپوزیشن ممبر کی حیثیت سے دیکھا ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ ہم Demand کریں گے کہ یہاں ترقی کے نئے ضلعے کھلنے چاہییں اور جس حساب سے اور جو بھی فنڈز ہمیں ملیں گے یا ملتے ہیں اس سے دگنی تگنی تعداد میں ہمیں فنڈز ملنے چاہئیں تا کہ یہ ہمارے ملک کا یہ حصہ جنوبی پنجاب ہے جو کہ نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی طور پر بھی محروم ہے۔اس سلسلے میں ہمیں Textile Industry پر توجہ دینی چاہیے اس کے علاوہ میرے ذہن میں اور بھی بڑے منصوبے ہیں اور پھر انشاءاللہ تعالیٰ ملتان کے لئے اور بھی بہت کام کریں گے۔

4.7 جناب نفیس احمد انصاری صاحب:۔

جناب نفیس احمد انصاری صاحب کا حلقہ انتخاب بیرون شہر دہلی گیٹ' انصار کالونی' 14 نمبر چونگی' منظور آباد' اور نگ زیب روڈ پر مشتمل ہے۔ یہ گنجان آباد علاقہ آبادی کے اعتبار سے بہت سے مسائل کا شکار رہا ہے۔ جناب نفیس احمد صاحب کے والد محترم جناب بابو فیروز دین انصاری ضیاء الحق دور میں مجلس شوری کے ممبر بھی رہے ہیں۔ 1985ء کے انتخابات میں بطور ایم این اے منتخب ہوئے۔ اسی طرح آپ نفیس انصاری صاحب جو بہت پائے کے وکیل ہیں۔ کئی مرتبہ ایم پی اے منتخب ہوئے ہیں۔ 2000ء کے الیکشن میں ایم پی اے بنے ہیں اور اپوزیشن میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے علاقے کے لوگ چونکہ آپ کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کا حلقہ انتخاب انصار برادری ہے۔ آپ کے بارے میں شماریاتی جائزہ کے مطابق 30% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو بہت اچھا کہا ہے۔ جس کی وجہ ترقیاتی کاموں میں آپ کی دلچسپی ہے۔ 21% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو اچھا کہا ہے اور 17% لوگوں نے آپ کے کام کو تسلی بخش قرار دیا ہے۔ مجموعی صورت حال کے مطابق آپ کی کارکردگی 68% پر ہے۔ جو خوش آئندہ ہے۔ آپ نے علاقے کے لوگوں کی اچھی خدمت کی۔ اپنے گنجان آباد علاقے میں آپ نے سکول' ہسپتال' سوئی گیس کی فراہمی' نکاسی آب کا منصوبہ آپ کی مرہون منت
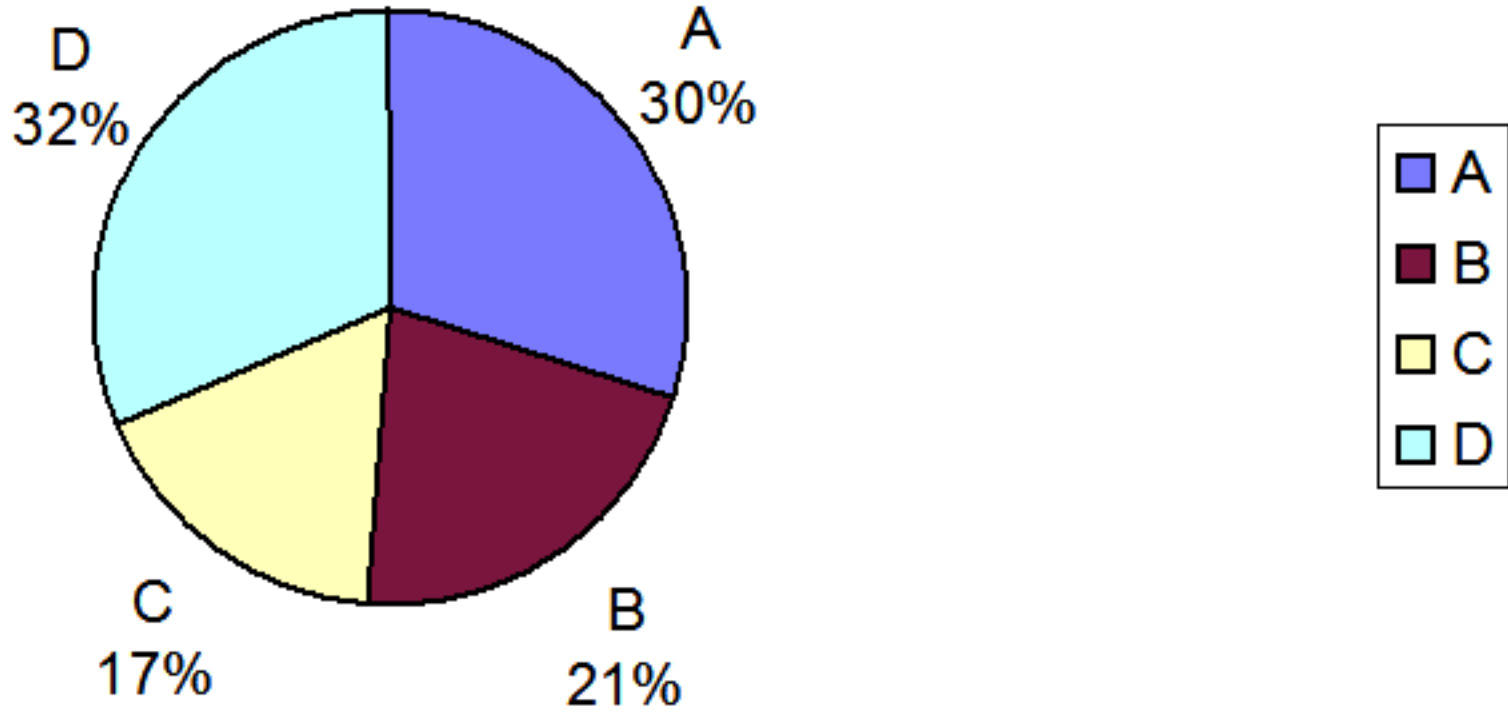
ہے۔ یہ علاقہ چونکہ گنجان آباد ہے۔ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت گھریلو دستکاریوں کے طور پر خود کپڑا بنتے ہیں اور اپنا روزگار کماتے ہیں۔ ان علاقوں کو سڑکوں کی دیکھ بھال بھی آپ کے دور اقتدار میں اچھی رہی ہے۔ بہت سے

نوجوانوں کو روزگار بھی دلوایا ہے۔شماریاتی جائزہ کے مطابق 32% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو غیر تسلی بخش قرار دیا ہے۔جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کے گنجان آباد علاقے میں سرائیکی اور پنجابی کا مسئلہ بھی رہتا ہے۔اس کے علاوہ دیگر پارٹیوں کے لوگ بھی آپ سے مطمئن نہیں ہیں۔عام شکایت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے علاقے کا دورہ صرف الیکشن کے دنوں میں کرتے ہیں۔بہر حال آپ دوبارہ الیکشن کی تیاریوں میں ہیں 2007ء کے الیکشن میں ان کا ایجنڈا بہت ہی قابل ستائش ہے۔ایک نیا عزم آپ کے سامنے ہے۔

بابونفیس احمد انصاری کی سوانح عمری:۔

بابو فیروز الدین انصاری کے صاحبزادے' بابونفیس احمد انصاری 17 دسمبر 1948ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔آپ نے 1975ء میں ایم اے اردو کی ڈگری حاصل کی اور ایل ایل بی کی ڈگری آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1970ء میں حاصل کی۔ 77-1972 تک آپ نے یونیورسٹی لاء کالج ملتان میں بحیثیت استاد کے کام کیا۔آپ ایک قابل وکیل تھے۔آپ نے 83-1979ء تک بحیثیت ڈپٹی میئر میونسپل کارپوریشن ملتان کے کام کیا۔ 82-1981 تک آپ نے بحیثیت ممبر صوبائی کونسل پنجاب کام کیا۔ 85-1982 تک آپ مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔ 94-1988 تک بحیثیت اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کے کام کیا اور 1998 میں آپ کونسل میونسپل کارپوریشن ملتان رہے۔اور 1998 میں آپ کونسلر میونسپل کارپوریشن ملتان رہے۔آپ نے بحیثیت پرنسپل علامہ اقبال لاء کالج ملتان کے لئے کام کیا۔آپ 2002 کے عام الیکشن میں پنجاب صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔آپ کے والد 58-1954 تک چیئر مین میونسپل کمیٹی ملتان رہے۔ 1977ء میں سینٹر اور 88-1985 تک قومی اسمبلی کے ممبر رہے۔

بابو فیروز دین انصاری سوانح عمری:۔

بابو فیروز دین انصاری ولد حاجی نواب دین 1914ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ MAO کالج امرتسر سے ایف اے کیا اور پھر انسپکٹر کوآپریٹر سوسائیٹر (Co-operative-Socities) بنے۔ 1947ء میں پارٹیشن کے وقت سینکڑوں سکھوں کو جہنم واصل کر کے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور ملتان میں سکونت اختیار کی اس کے ساتھ اپنی برادری کو بھی ملتان میں آباد کیا۔آپ انچارج آبادکاری مہاجرین بنے۔بہت سی کالونیاں آباد

کرائیں۔ 1949 میں جمعیت انصار پاکستان کی بنیاد رکھی اور سیکرٹری جنرل انصار برادری بنے۔ 1950 ء میں آل پاکستان پارچہ باف کانفرنس منعقد کرائی۔ 1951 میں MLA کا الیکشن لڑا لیکن سہروری نے بائیکاٹ کرا دیا۔ اسی سال ڈھاکہ میں پارچہ باف کانفرنس منعقد کروائی۔ 1955 ء میں میونسپل کمشنر بنے اور پھر اسی سال پہلے سربراہ میونسپل کمیٹی ملتان بنے۔ 1955 میں میونسپل کمشنر بنے اور پھر اسی سال پہلے سربراہ میونسپل کمیٹی ملتان بن۔ 1956 ء میں چیف ایگزیکٹو آفیسر بنے۔ آپ 1958 ء مارشل لاء تک صدر میونسپل کمیٹی ملتان رہے۔ 1962 میں چیئر مین میونسپل کمیٹی (یونین کونسل) بنے۔

1965 میں مادر ملت فاطمہ جناح کے الیکشن میں مکمل حمایت کی۔ 1968 میں پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی اور ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ مل کر اس پارٹی کو تنظیم کیا پہلے چیئر مین پیپلز پارٹی ملتان بنے۔ 1970 میں بھٹو سے اختلافات کی بناپر PP سے علیحدہ ہوئے اور ان کے مقابلہ میں MNA کا الیکشن لڑا اور پچاس ہزار ووٹ حاصل کئے۔ 1970 ء تا 1975 تحریک استقلال کے سینئر نائب صدر ملتان بنے۔ درجنوں مقدمات میں گرفتار ہوئے۔ تحریک استقلال کو پاکستان بھر میں مضبوط کیا۔

1975 ء میں ہی ذوالفقار علی بھٹو کے اسرار پر دوبارہ پیپلز پارٹی میں شامل ہوء۔

1977 ء میں MNA کا لیکشن لڑا۔ 1977 میں سینٹر بنے (Senator)

1985 ء میں MNA بن گئے اور برادری کی بہت سی خدمات سرانجام دیں اور اپنے سوابیدی فنڈز میں سے ملتان کے بہت سے منصوبے مکمل کرائے

1988 ء میں دوبارہ MNA کا الیکشن لڑا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ انصاری برادری ملتان/پاکستان کے بے تاج بادشاہ تھے۔ اقبال کے کلام پر بھرپور دسترس رکھتے تھے۔ نہایت ایماندار سیاست دان تھے۔ دنیا کے بہت سے ممالک کے دورے کئے۔ یہ دورے بحیثیت ممبر سینٹر اور قومی اسمبلی کئے تھے۔ آپ 11 دسمبر 2003 ء کو دار فانی سے کوچ کر گئے۔

بُچہ خاندان

خدا بخش بُچہ:۔

ماہر زراعت 1906ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ملتان کے جٹ خاندان سے تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے حصول تعلیم کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز سرکاری ملازمت سے کیا صوبائی سول سروس میں 35 سال کا عرصہ گذرا اور بطور سیکرٹری زراعت حکومت پاکستان ریٹائرڈ ہوئے۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے اگلے ہی روز آپ نے مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم و آبپاشی کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ گورنر محمد موسیٰ نے اپنی کابینہ میں زراعت' خوراک و امداد باہمی کا محکمہ دیا۔ اس دوران قائد ایوان بھی رہے۔ ایوب خان کا دور گذرا یحییٰ خان کے مارشل لا کے بعد بھٹو صاحب اقتدار میں آئے تو انہوں نے ملک صاحب کو مشیر زراعت مقرر کیا اور ان کے ماہرانہ مشوروں سے استفادہ کیا۔ 1976 میں ستر سال کی عمر میں ملک صاحب عملی سیاست سے ریٹائر ہو گئے اور اپنی پوری توجہ زراعت خوراک و باہمی کا محکمہ دیا۔ اس دوران قائد ایوان بھی رہے۔ ایوب خان کا دور گذرا اور یحییٰ خان کے مارشل لا کے بعد بھٹو صاحب اقتدار میں آئے تو انہوں نے ملک صاحب کو مشیر زراعت مقرر کیا اور ان کے ماہرانہ مشوروں سے استفادہ کیا۔ 1976 میں ملک صاحب ستر سال کی عمر میں عملی سیاست سے ریٹائرڈ ہو گئے اور پوری توجہ زراعت پر مرکوز کر دی۔(۲۴)

ملک اسحاق بچہ راقم کا انٹرویو 8/07/04:۔

میرے نزدیک جمہوری استحکام کے لیے بلدیاتی اور قومی سیاست دونوں فعال کردار ادا کرتی ہیں۔ جمہوریت میں بلدیاتی سیاست کا بنیادی کردار ہے اور یہ ایک نرسری ہے جمہوریت کے پنپنے کی۔ ہمارے ملک میں قومی سیاستدان بلدیاتی سیاست سے قومی سیاست کے دھارے میں شامل ہوئے۔ مثلاً یوسف رضا گیلانی بھی بلدیاتی سیاست کی پیداوار ہیں۔ پہلے ممبر ضلع کونسل پھر چیئر مین پھر سپیکر بنے۔ فخر امام صاحب بھی بلدیاتی سیاست سے قومی سیاست میں شامل ہوئے۔

میں جمہوری استحکام کے لیے جمہوریت کی استقامت کو ضروری سمجھتا ہوں اگر وراثتی سیاست جمہوریت کے استحکام کے لیے ضروری ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بڑے بڑے سیاسی چمپئن اور ان کی اولاد نے سیاست میں

حصہ لیا اور جمہوریت کے لیے فعال کردار ادا کیا۔

چنانچہ جمہوری استحکام کے لیے وراثت کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں وراثتی سیاست سے جمہوریت مضبوط ہو تو بھی ٹھیک ہے نہ ہو تو پھر وراثتی سیاست غلط ہے۔لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے بزرگوں نے جمہوریت کے لیے قیام پاکستان کے وقت کام کیا۔میرے تایا ملک خدا بخش بچہ اسمبلی میں قائد اعوان رہے اور زراعت میں انقلاب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ہم نے جمہوریت کے ساتھ ساتھ زراعت کی ترقی کے لے بھی بڑا کام کیا۔

بار بار مارشل لاء کیوں آنے دیا بڑا مشکل سوال ہے۔ مارشل لاء آنے نہیں دیا گیا یہ خود آجاتے ہیں (سکندر مرزا خود آئے' ایوب خان خود آئے' یحییٰ' ضیاءالحق اور پھر جنرل مشرف)۔

ایوب خان آئے۔بنیادی جمہوریتوں کا نظام آیا۔من مانی کی جمہوریت تھی جنرل ضیاء کا دور بھی تاریخ کا حصہ ہے۔بھٹو صاحب کے تمام معاملات اپوزیشن سے طے ہو چکے تھے اعلان ہونے والا تھا کہ ضیاءالحق مارشل لاء لے آئے۔

وزیر اعظم ہاؤس میں ایک فوجی دستہ بھیج دیں تو مارشل لاء آجاتا ہے۔موجودہ دور بھی اس کی توسیع ہے نواز شریف نے اپنے ایک قریبی عزیز کو جو کہ Non Professional تھا COAS لگایا۔ جو کہ جنرل پرویز مشرف کو ناگوار گذرا اور پھر فوج آ گئی۔ مارشل لاء دور میں جمہوریت کے لیے قربانی یہ ہے کہ میرے سگے تایا ملک خدا بخش بچہ کو جنرل ضیاءالحق کے دور میں سلاسل کیا گیا پھر میرے تایا زاد بھائی کو 5 سال جیل میں رکھا گیا اور کوڑے بھی لگائے گئے۔ملک میں سیاسی استحکام کے بارے میں یہ ہے کہ 57 سال میں ہم جمہوریت کی منزل نہیں پا سکے۔وجہ یہ ہے قائداعظم بھی وفات پا گئے پہلے وزیر اعظم کو گولی مار دی گئی پھر Non elected لوگ مثلاً محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔انہیں امریکہ سے لایا گیا پھر ایوب خان کا مارشل لاء آ گیا اسی طرح جمہوریت کا خانہ خراب کیا گیا۔

ہم لوگ اپنی مرضی کے مطابق جمہوریت لانا چاہتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ہمیں چاہیے کہ یہاں Fair and free الیکشنز ہوں تو حقیقی جمہوریت آئے گی۔ورنہ نہیں۔کچھ طبع آزما لوگوں نے جمہوریت پروان نہیں

چڑھنے دی۔ 73ء کا آئین بھٹو صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے جو کہ جمہوری اقدار کا آئینہ دار ہے۔ یہی آئین ہی جمہوری اداروں کے استحکام کا آئینہ دار ہے۔ میں 73ء سے PPP میں ہوں اور تیسری دفعہ MPA بنا ہوں۔ میں نے کوئی پارٹی نہیں بدلی۔ شروع سے ہی ایک ہی پارٹی میں ہوں۔ پارٹی بدلنے کی بجائے میں گھر بیٹھنا پسند کروں گا۔

ملتان کی ترقی کے حوالہ سے یہ ہے کہ میرا علاقہ دیہاتی حلقہ تھا میں نے اپنے علاقے میں بجلی پہنچائی سکول بنوائے۔ دیہاتی علاقوں میں سوئی گیس پہنچائی۔ جبکہ نیو ملتان اور شاہ رکن عالم کالونی میں بھی گیس نہیں پہنچی۔

ملتان میں حج پروازیں، زرعی کالج کا قیام ہمارے کارنامے ہیں نفاذ اسلام پہلے پہل اپنے آپ پر پھر محلّہ اور گاؤں میں ہو۔ ہماری کوشش ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے ہماری خواہش ہے کہ پورے ملک میں اسلام کا نفاذ ہو۔

4.8 جناب اسحاق بچہ صاحب:۔

اسحاق بچہ کا حلقہ انتخاب شہری اور دیہی علاقوں پر مشتمل ہے۔اُن کے حلقہ انتخاب میں کئے گئے سروے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 30% لوگ ان کو"A"معیار میں رکھتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُن کا عوام سے مسلسل رابطہ ہے۔اُن کے مسائل، علاقے کے ترقیاتی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اور یہ لوگ اُن کی کارکردگی کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔اُن کے حلقہ انتخاب کے 22% لوگوں نے"B معیار" دیا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ ان سے مطمئن ہیں۔جبکہ 20% لوگوں کی رائے "C معیار" میں رکھی گئی ہے۔ جو تسلی بخش صورت حال کو ظاہر کرتا ہے۔جبک
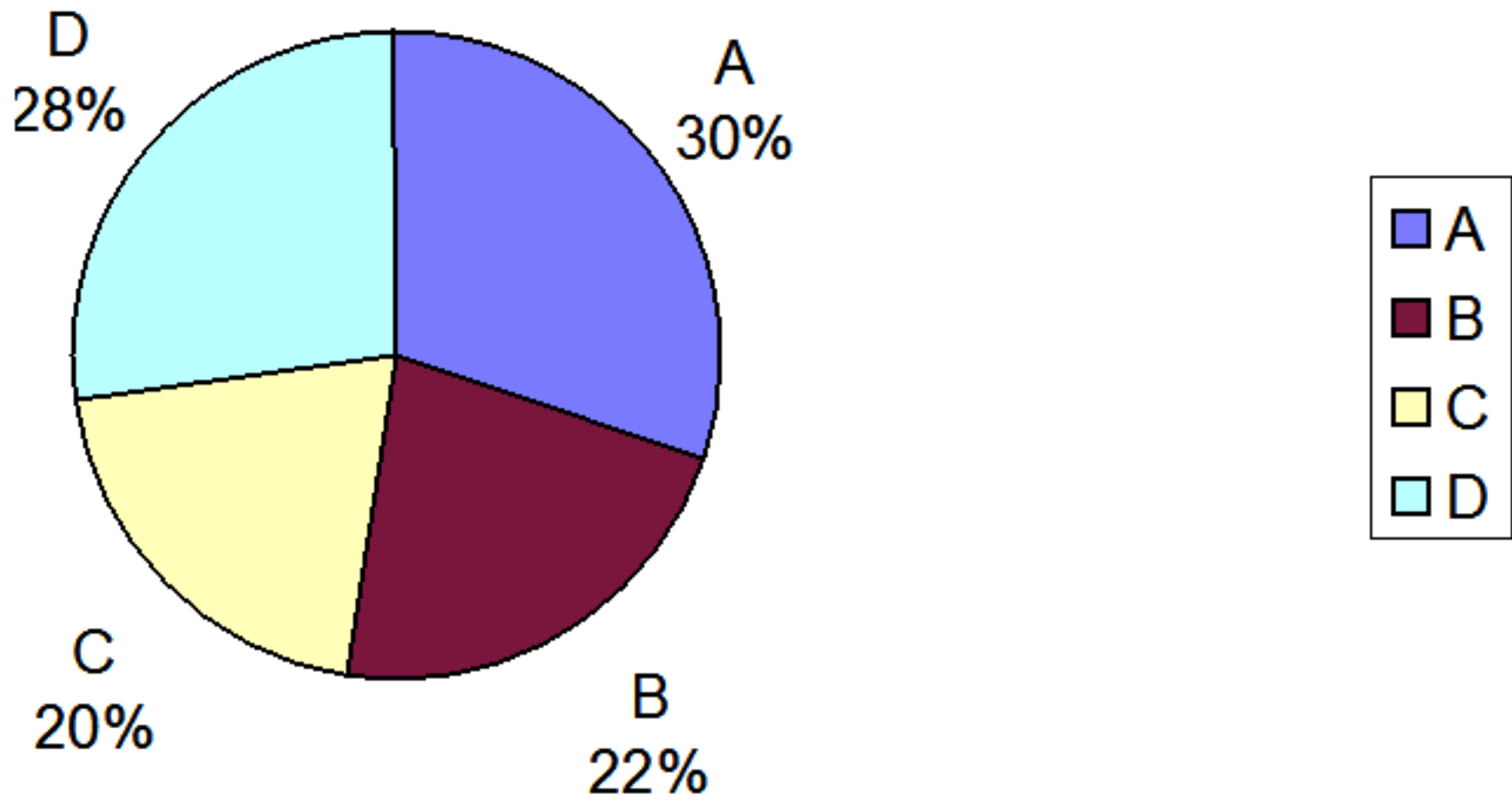
ہ 28% لوگ ان کی کارکردگی سے قطعاً مطمئن نہیں ہیں۔وہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ عوامی مسائل میں دلچسپی نہیں لیتے اور ترقیاتی کام صرف اپنے علاقے کی برادری کا کام کرتے ہیں۔اس طرح مجموعی طور پر 72% لوگ ان کی کارکردگی کو بہت اچھا یا کم از کم قابل اطمینان ضرور سمجھتے ہیں۔یہ ان کی مقبولیت کی دلیل ہے جبکہ 28% لوگ ان کے سخت مخالفین میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مخالف پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں یا ذاتی طور پر ان کے مسائل حل نہ کرسکتے ہوں یا دور دراز علاقوں میں ان کا عوام سے رابطہ نہ ہوسکا ہو۔بہر حال مجموعی طور پر

اسحاق بچہ صاحب کی کارکردگی بہتر ہے۔

نون خاندان:۔

جنگ عظیم میں اس خاندان کے افراد نے بہت امداد کی اور مالی وجانی خدمات سے دریغ نہ کیا۔اس سلسلہ میں رانا محمد حسن صاحب بیرسٹر کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔جس کی نظیر ضلع ہذا میں نہیں ملتی۔آپ ایام جنگ میں ولایت میں مقیم تھے اور آئی سی ایس کے امتحان کی تیاری کررہے تھے آپ سب کچھ چھوڑ کر بھرتی ہوگئے اور تین سال تک متواتر بلاتنخواہ فوج میں کام کرتے رہے۔جن کے ایما سے وہ فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔

رانا احمد یار صاحب ذیلدار کی وفات کے بعد رانا پلیہ صاحب مرحوم فرائض ذیلداری مکمل دیانت وامانت سرانجام دیتے رہے۔ان کی خدمات کا مفصل ذکران کی کتاب ذیلداری میں درج ہے۔رانا پلیہ کی وفات کے بعد ان کے فرزند رانا محمد حسین صاحب ایام جنگ میں ذیلدار مقرر ہوئے۔رانا محمد حسین صاحب رئیس شجاع آباد وائس چیئرمین ڈسرکٹ بورڈ ملتان ایما جنگ میں رانا صاحب موصوف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے سرکار میں امداد دی۔قرضہ جنگ' چندہ اور اونٹوں کے مہیا کرنے میں آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔آپ نے اپنے خاندان کے باقی معزز افراد رانا فتح محمد' رانا محمد علی اور اپنے بھائی رانا بشیر احمد المعروف بہاول بخش کی امداد سے تحریک کانگرس کے سدباب میں پوری پوری کوشش کی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک یہ تحریک تحصیل شجاع آباد میں کامیاب نہ ہوسکی۔آپ طبقہ زمینداران شجاع آباد میں عزت ووقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور زراعت کاری کے ہر شعبہ میں آپ کو مہارت نامہ حاصل ہے۔رانا محمد حسین اپنے والد ماجد رانا پلیہ مرحوم ومغفور کی طرح نہایت سادہ مزاج اور مدبر واقع ہوئے ہیں۔آپ سادگی پسند' حق پرست اور بے حد خلیق ہیں۔آپ کے خاندان میں 17 نمبرداریاں ہیں جن میں سے دو نمبرداریوں کے آپ خود مالک ہیں۔آپ کم وبیش 25 مواصفات میں حصہ دار ہیں۔

آپ نے تقریباً پندرہ سال تک ذیلداری کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔اس وقت آپ کے ام زاد بھائی رانا محمد علی صاحب ذلدار ہیں۔عرصہ بیس سال سے آپ متواتر ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہورہے ہیں اور اب وائس چیئرمین ہیں۔اس کے علاوہ آپ مقامی پنچایت کے سرپنج اور سیشن کورٹ ملتان کے

اسیر بھی ہیں۔

ایام جنگ میں آپ نے مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور قرضہ دیا تھا اور اس کے علاوہ کئی انگروٹ بھی مہیا کئے تھے۔ پبلک کاموں میں آپ سینکڑوں روپیہ چندہ دے چکے ہیں آپ کے تعلقات ہر مذہب وملت کے افراد کے ساتھ دوستانہ ہیں۔ آپ کی عمر تقریباً پچاس سال ہے اور جائیداد کا رقبہ تقریبا 9 ہزار بیگھ ہے اور ساتھ ہزار روپیہ سالانہ کے قریب مالگذاری سرکار ادا کرتے ہیں آپ کے دو بھائی رانا شفیع احمد سفید پوش اور رانا بشیر احمد اس ملکیت میں آپ کے ساتھ مشترک مالک ہیں۔ آپ کی جائیداد زرعی ضلع ملتان کے علاوہ ضلع مظفر گڑھ میں بھی ہے۔ (۲۵)

نون خاندان کے بیشتر افراد دہلی کے رہنے والے تھے۔ دہلی بار بار اجڑنے کی وجہ سے ترک سکونت کیا اور شورکوٹ آ کر آباد ہو گئے۔ مغلوں کے ساتھ گہرے روابط تھے اس لئے انہیں شجاع آباد آباد کیا گیا۔ یہ جنگجو قوم تھی۔ مرقع مولتان کے مصنف اپنی تصنیف کے صفحہ نمبر 473 پر لکھتے ہیں کہ۔۔۔نون خاندان اصل میں راجپوت تھے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ راجہ راج وردھن حضرت مخدوم جہانیاں اوچ شریف والی سرکار کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس خاندان کے لوگ مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے میں بے مثل و بے مثال تھے۔ لہٰذا ان کے ایک بزرگ اور سردار کو"رانا" کا خطاب عطا ہوا۔ پہلے پہل یہ خاندان موضع بنگالہ میں آباد ہوا اور وہاں پر پانچ گاؤں آباد کیے۔ جن کے نام نصیر پور' موہن پور' گجوہٹہ' ست برجی اور ہلال وجہ ہیں۔ نواب مظفر خان کے عہد میں نر بخت واہ کے نہری پانی سے یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا بعد ازاں اسی خاندان نے دو گاؤں بستی داد اور ماڑی نون بھی آباد کیے۔ گجوہٹہ کے علاقے میں بستی رانا مٹھو نے نام سے آباد کیا۔ رنا مٹھو اس زمانے میں اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ رانا گامارانا سوہانرا اور رانا پیارا۔ رانا گاماں کی تین لڑکیاں تھیں۔ رانا سوہانرا کا ایک لڑکا رانا احمد یار تھا۔ رانا پیارا کے تین لڑکے رانا یار محمد' رانا گل بہار اور رانا پلیہ المعروف کریم بخش تھے۔ حکومت برطانیہ کے ساتھ اس خاندان کے اعلیٰ روابط ہو گئے تھے۔ جب ذیلداری اور نمبرداری کی تقرریاں عمل میں آئیں تو رانا احمد یار (رانا تاج کے پردادا) ذیلدار مقرر ہوئے۔ جنگ عظیم میں اس خاندان نے انگریزوں کی بہت امداد کی۔ ان خدمات کے صلے میں رانا محمد حسن رانا گل بہار کو بیرسٹری کی تعلیم میں

معاونت ملی۔ رانا محمد حسن بیرسٹر بارایٹ لاء کی خدمات حکومت برطانیہ کے روزنامچوں میں سنہری حروف سے لکھی ہوئی ہیں۔ یہ ضلع ملتان کے پہلے بارایٹ لاء تھے۔ ایام جنگ میں رانا محمد حسن ولایت میں آئی۔ سی ایس کے امتحان کی تیاری کرر ہے تھے۔ انہوں نے تعلیم چھوڑ کر (انگلش فوج میں تین سال تک بلاتنخواہ کام کیا۔ ان کے بڑے بھائی رانا محمد علی مالی امداد بھیجتے رہے) (۲۶)

رانا محمد حسین رئیس شجاعباد (وائس چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ) سوانح عمری:۔

جنگ عظیم میں نون خاندان نے انگریز حکومت کی بہت مالی جانی امداد دی۔ رانا محمد حسین نے بڑی محنت و جانفشانی سے کارسرکار میں امداد دی۔ بھرتی ‘قرضہ‘جنگ‘ چندہ اور اونٹوں کے مہیا کرنے میں انہوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہی نہیں انہوں نے تحریک کانگریس کو نا کام بنانے میں پوری کوشش کی۔ انہوں نے انتہائی تدبر کے ساتھ انگریز سرکار سے اپنے روابط استوار کیے اور ہندوؤں کی چالاکیوں‘ مکاریوں اور چالوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کی تحریک شجاع آباد میں کامیاب نہ ہوسکی۔ رانا صاحب زراعت کاری کے ہر شعبہ میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ رانا موصوف سادگی پسند حق پرست اور بے حد خلیق تھے رانا خاندان کو انگریز سرکار نے اس وقت سترہ نمبرداریاں عطا کیں۔ جن میں سے دو نمبرداریوں کے مالک رانا محمد حسین تھے۔ وہ پچیس مواصفات میں حصہ دار تھے۔ انہوں نے پندرہ سال تک ذیلداری کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے نبھائے۔ ایام جنگ میں انہوں نے نقد قرضہ کے علاوہ کئی رنگروٹ مہیا کیے وہ ہر مذہب اور ملت کے افراد کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ انکو جائیداد نو ہزار بیگھ پر مشتمل تھی۔ اور وہ اس وقت سات ہزار روپیہ سالانہ مال گزاری کے طور پر ادا کرتے تھے۔ بعد میں وہ رئیس شجاع آباد مقرر ہوئے اور ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے وائس چیئرمین بھی رہے۔ آپ کے دو بھائی رانا شفیع احمد سفید پوش اور بشیر احمد ان کی ملکیت کے ساتھ مشترک مالک ہیں۔ رانا محمد حسین کے فرزند رانا غوث بخش تھے جو کہ رنا محمد اسلم کے سسر تھے۔

رانا تاج احمد نون ممبر قومی اسمبلی کی سوانح عمری:۔

رانا تاج احمد نون 1925ء میں شجاع آباد کے موضع بستی مٹھو میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ ابتداء ہی سے زمیندار اور سیاسی اثر و رسوخ کے لحاظ سے بے حد مصروف ہے۔ ان کے والد محترم سلطان احمد نون مذہبی

شخصیت تھے۔لہٰذا رانا تاج احمد نون نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔اس کے بعد میٹرک کیا اور ایف۔اے کرنے کے بعد بی۔اے میں داخلہ لے کر تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا۔شروع میں زمیندارہ سنبھالا اور سیاست میں بھی دلچسپی لینی شروع کی آپ کے خاندانی اعزاز و مقام کے بل بوتے پر 1950ء میں صدر مارکیٹ کمیٹی منتخب کرلیا گیا۔ یہ عہدہ آپ کے پاس 1960 تک رہا۔1959 میں بنیادی جمہوریت کے انتخابات ہوئے رانا صاحب بی۔ڈی ممبر بنے اور ممبر قومی اسمبلی کا الیکشن دیوان غلام عباس بخاری کے مقابلے میں لڑا۔اس زمانے میں بی۔ڈی ممبر قومی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب کرتے تھے۔شجاع آباد کا حلقہ ممتاز آباد دنیو ملتان صدرے مخدوم رشید' دنیاپور' لودھراں' شجاع آباد جلالپور کے تھانہ حدود پر قائم تھا اور رانا صاحب صرف ایک ووٹ کی کمی سے ممبر منتخب نہ ہوسکے۔1964 کے انتخابات میں رانا تاج احمد نون مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی مسلم لیگ کے سپورٹر تھے۔رانا تاج احمد نون دوبارہ بی۔ڈی ممبر منتخب ہوئے اور قانون ساز اسمبلی کے ممبر کے لیے دوبارہ الیکشن لڑا مگر بدقسمتی سے اس بار بھی ایک ووٹ کی کمی رہی1969 میں پاکستان پیپلز پارٹی کو عروج نصیب ہو۔ملتان سے گیلانی خاندان پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کی۔سید حامد رضا گیلانی کا ارداہ تھا کہ وہ شجاع آباد سے ایم این اے کا الیکشن لڑے۔چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو شجاع آباد کی طرف نگاہ دوڑائی تو انہوں نے تاج احمد نون کی مقبولیت کا اندازہ ہوا۔ لہٰذا غلام مصطفےٰ کھر کے ذریعے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت کے لیے رانا صاحب کو دعوت دی گئی مگر رانا تاج احمد نون نے انکار کردیا۔مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے رانا صاحب سے ٹیلی فون پر چائے کی میز پر بیٹھنے کے لیے وقت مانگا لہٰذا رات نو9 بجے دونوں راہنما ملتان میں رانا صاحب کو پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کی دوبارہ درخواست کی مگر رانا صاحب نے برملا کہہ دیا کہ اس طرح وہ سید حامد رضا گیلانی جو پی پی کی حمایت کررہے تھے انکے خلاف الیکشن لڑیں گے۔مسٹر ذوالفقار علی بھٹو یہ شرط تسلیم کرلی۔لہٰذا1969 کے انتخابات میں قومی اسمبلی کا ٹکٹ رانا تاج احمد نون کو دیا گیا اور ان کے مشورے سے صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ چوہدری بہادر خان کو ملا اور سید حامد رضا گیلانی مجبوراً مسلم لیگ گروپ کی طرف سے شجاع آباد سے الیکشن لڑپڑا۔رانا تاج احمد نے 45000 ووٹوں کی برتری سے سید حامد رضا گیلانی کو ہرادیا۔اس طرح پہلی بار گیلانی خاندان کا زور اور اثر شجاع آباد سے ٹوٹ گیا۔شجاع آباد کی مہاجر آبادی سے 95% ووٹ رانا صاحب کو ملے۔رانا تاج احمد نون نے انتہائی تدبر اور فراست

سے قومی سیاست میں ایک مقام بنایا۔علاقے کے مسائل حل کرانے میں تمام علاقوں کو مساوی نمائندگی دی۔لوکل مہاجر کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔سب کو ایک آنکھ سے دیکھتے اور ان کے کام کراتے۔دوران انتخاب ہی رانا تاج احمد نون نے فراخدلی کے دریا بہادیے۔کئی سکولوں کی مرمت اپنے خرچ سے کرائی۔مسجدوں اور درسگاہوں کو سالانہ امداد کے علاوہ بھی امداد دی۔غربا اور یتامی کی بھی سرپرستی کی۔انہی خوبیوں کی بنا پر رانا صاحب کی شہرت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔1973 کا طوفان انتہائی شدید تھا۔وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو خود شجاع آباد طوفانی دورے پر آئے۔زمینداروں اور امراء سے امداد طلب کی۔رانا تاج احمد نون نے فراخدلی دکھائی اور ایک لاکھ روپے نقد امداد دی۔مسٹر ذوالفقار بھٹو اس امداد پر بہت خوش ہوئے اور جاتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ اسلام آباد بلا گئے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔رانا تاج احمد نون کو وزیراعظم کی طرف سے ایڈوائزری وزارت پسند فرمانے کو کہا گیا۔مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اپنے علاقے کے غریب عوام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔لہذا رانا تاج احمد نون علاقے کے کافی مسائل خصوصی بنیادوں پر حل کراتے رہے۔

ملتان کے لیے ایک ٹی۔وی بوسٹر وزیراعظم نے خاص طور پر منظور کیا۔گورنر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر کی کوشش تھی کہ یہ بوسٹر کوٹ ادو میں ہو نواب صادق حسین قریشی ملتان کے لیے کوشش کر رہے تھے۔رانا صاحب الگ تھلگ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔وزیراعظم کی نگاہ آپ پر پڑی اور پوچھا کہ رانا صاحب آپ کی کوئی خواہش؟ رانا صاحب یہ یہ فیصلہ کر دیا کہ بوسٹر ملتان نہ کوٹ ادو بلکہ شجاع آباد میں صب ہو۔اس پر قومی اسمبلی میں ایک قہقہہ لگا اور رانا صاحب کا فیصلہ قبول کر لیا گیا۔رانا صاحب نے ان سے یہ بات منوائی کہ شجاع آباد ایک ترقی یافتہ علاقہ ہے بین الاقوامی، ملکی اور عوامی خبریں وہاں تک پہنچنا ضروری ہیں۔

1985ء کے انتخابات:۔

جنرل میں ضیاء الحق نے عوامی امنگوں کا احساس کرتے ہوئے اور ملک میں جمہوریت کو رواج دینے کے لیے پہلے پہل غیر جماعتی بنیادوں پر دوبارہ بلدیاتی انتخابات کرائے اور 1985 میں قومی وصوبائی اسمبلی کے انتخابات منعقد کروائے۔رانا تاج احمد نون اور ان کے برادر نسبتی رانا شوکت حیات نون کے درمیان قومی اسمبلی کا زوردار مقابلہ ہوا۔جدید نظریات کے حامل اور دینی جماعتوں کی حمایت کے نتیجے میں رانا شوکت حیات نون ممبر قومی

اسمبلی منتخب ہوئے جو صرف 2200 ووٹوں کی برتری حاصل کر سکے۔

1988 کے انتخابات:۔

جنرل ضیاء الحق ایک ہوائی حادثے میں لودھراں کے قریب بستی لال کمال کے مقام پر شہید ہو گئے۔ گیارہ سالہ مارشل لاء دور کے بعد اور سیاسی جماعتوں کو اپنے پلیٹ فارم پر انتخابات لڑنے کا موقع ملا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے اس میں بھرپور شرکت کی۔ رانا تاج احمد کو ان کی سابقہ خدمات کے عوض اور علاقے میں مقبولیت کے سبب ایم۔ ایم۔ اے کا ٹکٹ ملا اور ایم پی اے کا ٹکٹ سید جاوید علی شاہ اور دیوان عاشق حسین بخاری کو ملا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے یہ تینوں معززین الیکشن جیت گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مرکز میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت محترمہ بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمٰی میں قائم ہوئی اور پنجاب میں آئی۔ جے۔ آئی کے میاں محمد نواز شریف کی وزارت اعلیٰ میں حکومت بنی۔ میاں نواز شریف نے پاکستان پیپلز پارٹی کے ممبران صوبائی اسمبلی کو علاقائی خدمات میں بے بس کر دیا۔ رانا تاج احمد نون ایم این اے مقدور بھر علاقے کے مسائل حل کراتے رہے۔ اسی زمانے شجاع آباد شہر کے لیے سوئی گیس کی منظوری ہوئی۔ جلالپور پیر والا اور شجاع آباد کے ساٹھ ستر موضوعات میں بجلی فراہم کی گئی علاوہ ازیں کئی پبلک کال آفس منظور کرائے گئے۔ ان انتخابات میں رانا تاج احمد نون نے اپنے برادر نسبتی رانا شوکت حیات نون کو پاکستان پیپلز پارٹی کا قومی اسمبلی کا ٹکٹ دلایا اور حتی المقدور انکو سیاسی امداد بہم پہنچائی۔ یہ الگ بات کہ رانا شوکت حیات نون کامیاب نہ ہو سکے۔

سیاسی و سماجی خدمات:۔

رانا تاج احمد نون 1970 سے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی دختر محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ تعلقات وفاداری قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جب تک وہ ممبر قومی اسمبلی رہے علاقے کے مسائل حل کرانے میں بے حد کوشاں رہے مگر یہ عہدہ حاصل نہ کر کے بھی ان کی مقبولیت اور اثر میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اب بھی اتنے مقبول ہیں جتنے کامیاب ممبران قومی اسمبلی ہو سکتے ہیں۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ مرکز میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہے اور رانا صاحب کی عزت و تکریم بدستور کی جارہی ہے۔ ایک موقع پر رانا تاج احمد نون پارٹی سے ناراض ہو گئے وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی پولیٹیکل سیکرٹری ناہید خان کے ذریعے انہیں

اپنے پاس طلب کیا۔وزیر اعظم کے ساتھ اپنی ملاقات میں رانا صاحب نے شکوہ کیا کہ غریبوں کے کام بالکل نہیں ہورہے۔انہوں نے دوبدو یہ مثال دی۔میرے علاقے کچ پور کا ایک غریب موچی ایم اے پاس جوتیاں سی رہا ہے اگر یہ ایم اے پاس رانا تاج احمد نون رانا شوکت حیات نون سید جاوید علی شاہ یا کسی دوسرے ممبر اسمبلی کا بیٹا ہوتا تو ڈائریکٹ ڈپٹی کمشنر لگتا۔غریب طبقہ نے پاکستان پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے اور آج وہی غریب طبقہ پریشان حال ہے۔میری ناراضگی اسی صورت میں ختم ہوگی کہ میرے علاقے کے غریب تعلیم یافتہ لڑکوں کو نوکریاں دی جائیں۔ اس پر محترمہ نے بے نظیر بھٹو سوئی گیس، پی آئی اے اور دوسرے مرکزی محکموں میں گریڈ 17 اور 18 کی سولہ ملازمتیں دینے کا حکم جاری کیا۔

اس ملاقات میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے سنٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی میں رانا صاحب کو ممبر بننے کی پیشکش کی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ سینٹ کے ممبر کے لیے آپکو منتخب کرایا جائے گا۔اس پر رانا تاج احمد نے صرف اتنا منوایا کہ علاقے کے مسائل حل کرنے اور لوگوں کے انفرادی کاموں کے لیے خاص توجہ دی جائے۔انہیں کسی عہدے کی ضرورت نہیں ہے۔محترمہ بے نظیر بھٹہ کو رانا تاج احمد نون نے باور کرایا کہ موجودہ مہنگائی کے آگے غریب طبقہ پس کر رہ گیا ہے۔تمہارے والد ذوالفقار علی بھٹو نے 1972 میں جب گندم کا ریٹ 23 روپے من تھا میری خواہش پر دو روپے کا اضافہ نہ کیا کہ غریب کے لیے روٹی کو کم از کم سستی ہو مگر آج آپ کے دور میں مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اا گر یہی حال رہا تو غریب عوام پاکستان پیپلز پارٹی سے نفرت کرنے لگیں گے۔محترمہ بے نظیر بھٹو نے انکی شکایات پر اصلاح احوال کا وعدہ کیا۔

رانا تاج احمد نون پاکستان پیپلز پارٹی کے سچے خیر خواہ ہیں۔ سیاست اور عوام کی خدمت انکا امتیاز ہے جب پاکستان قائم ہوا تو ان کی نوے مربع اراضی تھی۔ ملک میں دوبار زرعی اصلاحات ہوئیں تو انہوں نے سب سے پہلے اپنا رقبہ غریب کسانوں اور مزاروں میں تقسیم کر کے زمینداروں کے لیے فراخدلی کی ایک مثال قائم کی۔ اس کے علاوہ فلاحی کاموں اور عوامی خدمت میں بے حد فراخدلی دکھائی۔70 مربع اراضی سیاسی خدمات میں تقسیم ہوتی ہوئی 9 یا 10 مربعوں تک مرتکز ہوگئی ہے۔مگر ان کے جذبے میں کوئی کمی نہیں آئی وہ ہر قسم کے تعصّبات سے بالاتر ہو کر عوامی خدمات میں کوشاں ومصروف ہیں۔

رانا سہیل احمد نون:۔

رانا سہیل احمد رانا شوکت حیات نون کے بھانجے ہیں انکے والد ماجد الحاج رانا محمد اسلم نون نے اعلیٰ تعلیم ترک کی اور فوج میں ملازمت اختیار کی مگر وہاں سے استعفیٰ دے دیا اور زمیندارہ اختیار کیا۔ سیاسی طور پر جن لوگوں نے ان سے امداد لی وہی کامیاب ہوئے۔ وہ ایک خداترس اور انصاف پسند زمیندار تھے۔ وہ واحد زمیندار تھے جو اس زمانے میں رسہ گیروں اور وڈیروں کے خلاف اٹھے اور غریب لوگوں کی دعائیں لیں۔ انہوں نے 1980ء میں وفات پائی۔ رانا سہیل احمد نون 1958 کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے میٹرک پائلٹ سکینڈری سکول ملتان سے اعزاز سے پاس کیا۔ کالج یونین کے صدر رہے گورنمنٹ کالج بوسن روڈ سے بی اے پاس کیا۔ زکریا یونیورسٹی شعبہ سیاسیات میں داخلہ لیا۔ سٹوڈنٹ یونین کے صدر رہے۔ چانسلر کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ جنرل ضیاءالحق کے دور میں بلدیاتی انتخابات ہوئے اور ضلع کونسل کے ممبر منتخب ہوئے 1990 میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی پنجاب کا الیکشن لڑا مگر ہار گئے۔ 1993 کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ بحیثیت ممبر صوبائی اسمبلی علاقے کی ترقی کے لئے بڑے اقدامات کئے۔ ترقیاتی کام تیزی سے انجام پائے۔ 1997ء کے انتخابات میں نواب لیاقت علی کے مقابلے میں شکست ہوئی۔

رانا شوکت حیات نون (ممبر قومی اسمبلی) سوانح عمری:۔

رانا شوکت حیات نون رانا مٹھو بانی بستی وضع مٹھو کی اولاد رانا شفیع احمد نون کے صاحبزادے ہیں۔ 1942 میں پیدا ہوئے لاہور سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد زمیندارہ سنبھالا اور علاقے کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دی۔ سیاسی زندگی کا آغاز 1985ء سے شروع ہوا اس غیر جماعتی انتخابات میں سید خاندان اور نون خاندان کے مشترکہ اتحاد سے ایم این اے بنے۔ علاقے کی ترقی کی بے حد کوشش کی رابطہ سڑکیں تعمیر کرائیں۔ 1988 '1990 1993 کے الیکشن ہار گئے۔ 1985 تا 1988 تک مسلم لیگ کا ساتھ دیا 1988 میں انہیں پارٹی ٹکٹ نہ ملا۔ ناراض ہو کر پیپلز پارٹی میں شرکت کی۔ 1997 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی سے علیحدہ ہو کر آزاد امیدوار کی حیثیت سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ 1996 کی نگران حکومت میں وزیر بننے کی پیشکش ہوئی۔ صاف ستھری سیاست کی۔ آج کل اپنی زمینوں کی کاشتکاری پر توجہ دے رہے ہیں۔

رانا قاسم نون (صوبائی وزیر زراعت) سوانح عمری:۔

رانا قاسم نون رانا محمد اسلم نون کے صاحبزادے ہیں 10 نومبر 1962 کو ملتان میں پیدا ہوئے انہوں نے 1983 میں ایم اے پولیٹیکل سائنس کی ڈگری 1988 میں ایل ایل بی کی ڈگری بہاء الدین زکریا یونیورسٹی سے اور 1989 میں ایم اے ہسٹری کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ایک قابل وکیل اور زمیندار ہونے کی حیثیت سے آپ نے 90-1985 میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائن میں چیف پروٹوکول آفیسر کی خدمات انجام دیں۔2002ء کے عام انتخابات میں آپ قومی وصوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور 24 نومبر 2003 تک زراعت وصنعت کے وزیر کی حیثیت سے کام کیا۔آپ کے چچا رانا تاج احمد نون 77-1972 تک اور 90-88-1977 تک ایم این اے رہے۔آپ کے ایک اور چچا رانا شوکت حیات نون 88-1985 تک ایم این اے رہے اور آپ کے چچا رانا گل محمد نون 55-1951 میں پنجاب قانون ساز اسمبلی کے رکن رہے اور پھر 8-1956 میں صوبائی اسمبلی مشرقی پاکستان کے رکن رہے۔آپ کے بھائی رانا سہیل احمد نون 96-1993 تک ممبر پنجاب اسمبلی،ممبر پارلیمنٹری سیکرٹری اور ایڈوائزر چیف منسٹر رہے اور آپ کے کزن رانا اعجاز احمد نون بھی منسٹر رہے اور آپ کے کزن رانا اعجاز حمد نون بھی ممبر پنجاب اسمبلی رہے۔

رانا اعجاز احمد نون سوانح عمری:۔

رانا اعجاز احمد نون رانا شوکت حیات نون کے صاحبزادے ہیں 8 مئی 1968 کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 1968 میں گورنمنٹ کالج سے گریجویٹ کیا ایک زمیندار ہونے کی حیثیت سے آپ نے 99-1998 تک ممبر ڈسٹرکٹ کونسل کی خدمات انجام دیں پھر 02-2001 تک یونین کونسل کے ناظم رہے۔ پھر 04-2003 تک شجاع آباد ملتان کے مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین رہے۔آپ 2002 کے عام انتخابات میں پنجاب صوبائی اسمبلی کے ممبر رہے۔آپ کے دادا رانا شفیع احمد نون 1952 میں ملتان ڈسٹرکٹ کے سینئر وائس چیئرمین رہے۔آپ کے دادا کے بھائی راز گل محمد نون 55-1951 کے دوران پنجاب لجسلیٹو اسمبلی کے ممبر رہے اور 58-1956 تک صوبائی اسمبلی مشرقی پاکستان کے رکن رہے۔آپ کے چچا رانا تاج احمد نون بھی 1972,77 تک ایم این اے رہے۔ اور پھر 1988,90 تک ایم این اے رہے اور آپ کے والد

1985-88 تک MNA رہے۔(۴۷)

رانا اعجاز احمد نون راقم کا انٹرویو بروز اتوار 19/06/05

رانا اعجاز احمد نون:۔

نہیں جناب وراثتی سیاست قومی سیاست کے لیے ضروری نہیں ہے کیونکہ اب جو نیا دور ہے جس میں تعلیم زیادہ ضروری سمجھی گئی ہے۔اسمبلی کے ممبران کے لیے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہر پڑھا لکھا نوجوان graduate سیاست میں آسکتا ہے۔وراثتی سیاست اس وقت ہوتی تھی جب تک لوگوں میں تعلیم نہیں تھی اب تو تعلیم اتنی عام ہوگئی ہے کہ پنجاب کے چوہدری پرویز الٰہی کا جو خواب ہے کہ پڑھا لکھا پنجاب اور جس طرح وہ اس پر عمل کر رہے ہیں تو آنے والے ادوار میں آپ کے تمام چھوٹے بڑے مسائل خود بخود حل ہونے شروع ہو جائیں گے۔

میرے دادا رانا شفیع احمد نون ضلع لے سینئر وائس چیئرمین رہے۔والد ایم این اے بھی رہے۔میرے تایا احمد نون ایم این اے رہے۔تو میں سمجھتا ہوں کہ سیاستدانوں نے کافی قربانیاں دی ہیں۔مارشل لاء بھی آیا تو اس وقت جو علاقے کا پولیٹیکل سلسلہ ہوتا ہے وہ بھی جاری رہا۔پھر جمہوریت کی اس ٹرین کو پٹری پر چڑھانے کے لیے سیاستدانوں نے ہمیشہ کوشش کی اور اس ٹرین کو پڑی پر چڑھایا۔اب آپ دیکھ ہی لیں کہ سیاستدان جس طرح ہیں جیسے ہیں چوہدری پرویز الٰہی صاحب اس کٹھن دور میں ہیں کہ جس میں International pressure میں اور جو آج کل مسلمانوں کی صورتحال ہے جو پاکستان کی Stragic position ہے'افغانستان میں جو حالات ہیں اس حوالے سے جو پچھلا دور ہے جو کہ نواز شریف کے بعد پرویز مشرف صاحب کا آیا تو انہوں نے مہربانی فرمائی اور جو ٹائم دیا ہے تو اس ٹائم میں ہی جمہوریت کی گاڑی کو پڑی پر چڑھایا اور وہ رواں دواں ہے اور انشاء چلتی رہے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ سیاستدانوں کا ہی قصور ہوتا ہے سیاستدان جب کسی پارٹی میں ہوتے ہیں الف'ب ج میں لیکن جب وہ اقتدار میں آتے ہیں اور اقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو وہ کچھ اور ہوتے ہیں اور جب وہ اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو وہ کچھ باتیں کرتے ہیں۔تو یہ سیاستدان ہی ہوتے ہیں جو کہ فوج کو دعوت دیتے ہیں۔اب آپ کے سامنے مثالیں ہیں کہ جتنی پچھلی حکومتیں تھیں ان میں یہی تھا کہ جو لوگ بھی اپوزیشن میں تھے انہوں نے خود ہی

فوج کو دعوت دی کہ آپ مہربانی کریں ملک ٹوٹ رہا ہے میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس میں فوج کا قصور ہے یہ سیاستدانوں کا ہی قصور ہے کہ وہ فوج کو خود بلاتے ہیں۔

دیکھیں جی وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی تبدیلی آتی ہے۔ 1973ء کا جو آئین ہے وہ بہت ہی اچھا آئین ہے ہر حوالے سے ٹھیک بھی لیکن اس میں کوئی قباحت نہیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جو ملک کی صورتحال ہے ہماری جو International position ہے اس کے حوالے سے اگر ہمیں اسمبلی میں بیٹھ کر کوئی تبدیلی کرنا پڑتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ ملک جو ہے یہ ایک اسلامی ملک ہے مسلمانوں کا ملک ہے اور جب ہم انڈیا سے علیحدہ ہوئے تو یہی نظریہ تھا کہ ہندو اور مسلم اکھٹے نہیں رہ سکتے اس کے بننے کے بعد اب جو موجودہ پوزیشن ہے اس ملک کی وہ ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم اس ملک کے لئے ڈیم بنائیں کیونکہ اس ملک کے استحکام کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ جب پانی ہوگا تو ملک میں زراعت جو کہ ریڑھ کی ہڈی ہے وہ ترقی کرے گی۔ اگر پانی نہیں ہوگا تو ملک میں قحط کا عالم ہوگا اب پچھلا جو کچھ عرصہ گذرا ہے اس میں آپ نے دیکھا کہ ڈیم نہ ہونے کی وجہ سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایک عجیب سی کیفیت گزری۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے خصوصی مہربانی کی۔ ہمیں بارش دی۔ تو ہمارا ملک ایک زرعی ملک ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کے لئے جو سب سے ضروری چیز ہے وہ ہے ڈیم تو ہمیں فوراً دو تین ڈیم کا اعلان کرنا چاہیے۔ اور یہ قومی مفاد کے لیے ہے اور وہ سیاستدان جو صوبوں کا نعرہ لگا کر ان کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو وہ ملک کے Anti-agent ہیں وہ ان کے ساتھ ہیں جو ملک کے خلاف ہیں کہ آنے والے وقتوں میں پاکستان دنیا کے نقشے پر نہ رہے۔ تو سب سے ضروری اس وقت ڈیم ہے۔

دیکھیں سب سے زیادہ تعلیم ایک ایسی چیز ہے جو ہر انسان کو شعور دیتی ہے۔ انسان بناتی ہے انسان اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ پرویز الٰہی صاحب نے جو پڑھا لکھا پنجاب کا خواب دیکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی اپنے حلقے کے لوگوں کو تعلیم پر خصوصی توجہ دی ہے اور ایسی Roads جو دیہاتوں سے مارکیٹ تک جاتی ہیں کسانوں کے لیے کاشتکاروں کے لیے بنی چاہیں تو اس میں Latest ہم نے کروائی ہے وہ ایک دوڑ ہے جو کہ 42 کلومیٹر ہے جو کہ خانپور سے ماڑہ پوتا گردیز پور زیر تعمیر ہے یہ 42 کلومیٹر لمبی روڈ ہم نے

پرویز الٰہی سے لی ہے۔اس کے علاوہ girls degree college کا ہم اجراء کروار ہے ہیں جس کے فنڈز آ چکے ہیں اس کے علاوہ ایک fire brigade کا اجراء کروار ہے ہیں جس کے فنڈز آ چکے ہیں اور بھی اس طرح کے کام ہیں جو under process ہیں میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان بننے کے بعد یہ واحد دور ہے جس میں اتنا کام ہو رہا ہے نہ صرف پنجاب میں بلکہ پورے ملک میں بہت کام ہو رہا ہے۔

کھر خاندان:۔

مصطفیٰ کے خاندان کا سیاست کی طرف جھکاؤ نہیں تھا اس کے والد کا اختیار بہت بڑے علاقے پر تھا لیکن ان کی نظر میونسپل سطح سے آگے نہیں جاتی تھی۔انہیں قومی سیاست کی منجدھار میں قدم رکھنے کا کوئی ارمان نہ تھا۔وہ انتظامیہ سے دور رہنے اور سماجی کام پر توجہ مرکوز رکھنے کے قائل تھے۔جب مشتاق احمد گورمانی پنجاب کا گورنر بنا تو گورمانی قبیلے کی طاقت بڑھ گئی گورمانی ساتھ کے علاقے میں آباد تھا اور وہ مقامی سیاست میں ٹانگ اڑانے لگے۔ گورمانیوں کو اپنی حدود سے تجاوز مصطفیٰ کے خاندان پر گراں گزرا۔نوکر شاہی' جو کھر خاندان کا احترام کرتی آئی تھی' اب جانبدار نظر آنے لگی۔ پولیس نے گورمانی قبیلے کی غیر قانونی حرکتوں کا نوٹس لینا چھوڑ دیا۔کھروں کو پتہ چلا کہ اگر انہوں نے قومی سطح پر اپنا لوہانہ منوایا تو وہ ماتحت بن کر رہ جائیں گے۔انہیں بڑا کھلا کہ ان دھونس جمائی جارہی ہے اور ان کی طاقت کی جو روایتی اساس تھی وہ رفتہ رفتہ کھوکھلی ہو چکی ہے۔کھروں پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ ان کے اپنے لوگوں میں بے چینی پھیل گئی اور وہ ان کی بہ نسبت گورمانیوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کرنے لگے ہیں۔کھروں کو پہلی بار انصاف میں تاخیر سے واسطہ پڑا۔انہوں نے دیکھا کہ گورمانیوں سے روایتی رقابت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کے پانی کے وسائل کا رخ یا تو موڑ دیا گیا ہے یا ان کے بالکل بند ہو جانے کی نوبت آ گئی ہے۔

فیصلہ کیا گیا کہ اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر اور گورمانیوں کی یلغار کا توڑ کرنے کے لئے کھر خاندان قومی سیاست میں حصہ لے گا۔مصطفیٰ کھر چوبیس سال کا تھا۔یہ 1962ء کا ذکر ہے اور محدود حق رائے دہی کے تحت قومی اسمبلی کے انتخاب ہونے والے تھے۔مصطفیٰ نے قومی اسمبلی کی ایک نشست کے لیے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔وہ بالکل ہی مور کھ تھا۔علاقے کی روایتی خاندان اور اور اقتدار کا سودا کرانے والے اسے جانتے تک نہ تھا۔ مصطفیٰ ان حقائق سے بد دل نہ ہوا۔کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کے سربراہ کی خدمت میں وہ حاضر نہ ہوا ہو۔اس

نے ہر ایک کے سامنے وضاحت سے اپنی سیاست اور معتقدات پر روشنی ڈالی۔لغاریوں کے روپ میں اسے اتحادی مل گئے۔لغاری گورمانیوں کے رقیب تھے۔مصطفیٰ نے بڑی مستقل مزاجی سے بالکل نچلی سطح پر مہم چلائی تو اسے خاص حمایت حاصل ہوگئی۔جس آسانی سے وہ انتخاب جیتا اس پر سارے سیاسی پنڈت حیرت زدہ رہ گئے۔

گورمانی جیسے گرم وسرد چشیدہ سیاستدان کے خلاف مصطفیٰ کی جیت پر مصطفیٰ کے والد خوش ہوئے۔انعام کے طور پر انہوں نے اسے ساتھ لاکھ روپے دیئے۔تازہ تازہ ہاتھ آنے والی اس دولت سے مصطفیٰ نے بہت سی کاریں خریدیں۔وہ کیڈک اولڈز موبیل میں بڑے دھوم دھڑکے سے پارلیمنٹ جایا کرتا۔اسے بھڑکیلی امریکن کاروں سے عشق تھا۔بعض اوقات وہ ایک کار کو خود چلاتا اور باقی کاروں کے ڈرائیوں کو حکم دیتا کہ کار جلوس کی صورت میں اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔اس کو یہ سمجھائی نہ دیا کہ امارت کی اس نمائش کو معاشرے کا چیدہ ترین طبقہ نیا نیا پیشہ ہاتھ آجانے کا اظہار سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

پارلیمنٹ میں مصطفیٰ کو اپنی نشست پر بیٹھے رہنے کے سوا کچھ کام نہ تھا۔وہ ابھی تک ہینڈ سم نوجوان تھا اور اسے اپنے ہینڈ سم ہونے کا احساس بھی بہت تھا۔وہ بعض دفعہ ارکان کو تحسین بھری نظر سے دیکھتا۔ان کی تقریریں سنتے سنتے اس کی سمجھ میں آنے لگا کہ سر عام موثر انداز میں تقریر کرنے کی صلاحیت کتنی طاقت کی حامل ہے۔اس نے منظور قادر، بھٹو صاحب، صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان اور نواب کالا باغ کی تقریریں سنیں اور ان کی مدد سے تقریر کرنے کے فن کو سمجھا۔اس نے خود اسمبلی میں ایک بار بھی تقریر نہیں کی۔اسے پارلیمنٹ کے سب سے غیر اہم رکن ہونے شہرت حاصل ہوتی جارہی تھی۔

مصطفیٰ نے مجھے بتایا کہ پارلیمنٹ کا رکن بننے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے جان لیا تھا کہ اب سیاسی اثر ورسوخ کے بغیر جاگیردارانہ دنیا اپنا کام نہیں چلاسکتی۔وہ محسوس کرتا تھا کہ کسی بااختیار مقام پر فائز ہوئے بغیر وہ اپنے متوسلین اور اپنی املاک کے لئے انصاف حاصل نہیں کرسکتا۔پارلیمنٹ نے اسے قانونی جواز اقتدار اور تحفظ فراہم کردیا۔

قومی اسمبلی میں مصطفیٰ نے دیکھا کہ اسے سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک ساتھی جاگیردار غلام مصطفیٰ جتوئی کے پہلو میں نشست ملی ہے۔ان کے نام کے پہلے دو جز تو مشترک تھے ہی ان کے درمیان اور بھی بہت سے

پہلو اشتراک کے نکل آئے۔ ان میں دوستی ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں ہنگامہ خیز برسوں کا فرق نہ آ سکا۔ جتوئی صاحب سندھ کے سب سے بڑے جاگیردار خاندان میں سے ایک سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ وڈیروں کی ایک بڑی بڑی منڈی کے قائد تھے اور انہیں اسمبلی میں اچھا بھلا رسوخ حاصل تھا۔ جتوئی صاحب کو کیا خبر تھی کہ ایک دن خود اپنے انتخابی حلقے کی طرف سے مسترد ہو جانے کے بعد کوٹ ادو سے آنے والا یہ کچا نوجوان انہیں قومی اسمبلی کی نشست کی پیشکش کرے گا۔

بھٹو صاحب جتوئی صاح کا بڑا احترام کرتے تھے۔ یہی حال صدر مملکت کا تھا۔ ایوب خان شکار کھیلنے کی غرض سے اکثر جتوئی صاحب کے پاس نواب شاہ جاتے رہتے تھے۔

اس زمانے کے بیشتر نوجوان کی طرح مصطفیٰ بھی بھٹو صاحب کی مقناطیسی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوگیا۔ جنہیں یکے بعد دیگرے ایندھن اور قدرتی وسائل، کامرس اور امور خارجہ جیسی اہم وزارتیں سنبھالے کا موقع ملا تھا۔ مصطفیٰ نے جتوئی صاحب سے کہا کہ اسے اس آتش بجای پارلیمنٹرین سے متعارف کرایا جائے۔ تعارف کرا دیا گیا یہ ایک ایسے پیچ در پیچ تعلق در تعلق کی ابتدا تھی جو سدا محبت اور نفرت کی انتہاؤں کے درمیان جھولتا رہا۔

1966ء میں بھارت کے ساتھ تاشقند معاہدے کے بعد بھٹو صاحب وزیر خارجہ کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ بھٹو صاحب کراچی چلے آئے اور مصطفیٰ کھر پر اعتماد کرنے لگے۔ اس طرح مصطفیٰ کو ایک نئی دنیا سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔

1970ء کے انتخابات میں غلام مصطفیٰ کھر پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ بھٹو انہیں اپنا سیاسی جانشین قرار دیتے تھے۔ جب پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی تو مصطفیٰ کھر کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا اس کے ساتھ ہی وہ مارشل لاء ایڈمنسٹرزون اے بنائے گئے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے بعد وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔ ان کے دور میں مخالف سیاستدانوں پر تشدد کیا گیا اور بعض سیاستدانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس طرح پیپلز پارٹی حکومت کی بڑی بدنامی ہوئی۔

1974ء میں پنجاب میں سیلاب نے تباہ کاریاں پھلائیں اس وقت مسٹر بھٹو پاکستان کے وزیر اعظم تھے وہ جب پنجاب کے سیلاب زدہ دوروں پر آئے تو مسٹر کھوڑو کو بطور وزیر اعلیٰ ان کے ساتھ تھے۔ جھنگ میں ان کی

آمد پر پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے نعرے لگائے مگر بھٹو نے مصطفیٰ کھر کی حمایت میں نعرے لگانے والوں کو روک دیا۔ اسی روز سے یہ تاثر پھیلا کہ مصطفیٰ کھر بہت جلد اپنے اقتدار سے رخصت ہونے والے ہیں۔ اس دوران چار ارکان اسمبلی قصور سے چوہدری محمد یعقوب خان، گوجرہ سے خالد ملک، جہلم سے راجہ منور احمد اور خانیوال ملتان سے نواب ایم کے خاکوانی نے مصطفیٰ کھر کے خلاف کھلم کھلا محاذ آرائی کا آغاز کر دیا۔ کھر کا خیال تھا کہ بھٹو ان کے ساتھ ہیں مگر جب کھر نے ایک مخالف چوہدری محمد یقوب خان کا باغ اور کھڑی فصلیں اجڑ دیں تو اس صورت کے پیش نظر بھٹو نے مصطفیٰ کھر کو پنجاب کی وزارت اعلیٰ سے محروم کر دیا اور ان کی جگہ اس وقت کے صوبائی وزیر خزانہ محمد حنیف رامے کو پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا دیا اور مسٹر کھر کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔ مگر وزیر اعلیٰ اور گورنر میں محاذ آرائی جاری رہی۔ تو بھٹو نے ان دونوں کو سبکدوش کر دیا۔ مسٹر رامے سینٹ کے رکن بنائے گئے اور کھر بطور آزاد امیدوار کے سامنے آئے۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے بعد ملک غلام مصطفیٰ کھر پنجاب کے دوسرے سیاستدان تھے جن کے ساتھ بہت سے ارکان قومی وصوبائی اسمبلی ثابت قدم رہے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پھر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

1977ء میں جب بھٹو کے خلاف قومی اتحاد نے اپنی منظم تحریک چلائی تو مصطفیٰ کھر پھر بھٹو کے ساتھ شامل ہو گئے اور انہوں نے ایک اجتماع میں قومی اتحاد کے لیڈروں کو کھل کر گالیاں دیں۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد کھر نے فوجی حکام کو تاثر دیا کہ وہ بھٹو کے خلاف ہیں۔ جنرل چشتی کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اس وقت پیپلز پارٹی کے حامی عناصر نے بیرون ملک بیٹھ کر جنرل ضیاء الحق کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کیا۔ مسٹر کھر کو اس محاذ آرائی کو ختم کرنے کے لیے لندن بھیجا گیا مگر وہ لندن پہنچتے ہی مارشل لاء کی حکومت کے خلاف ہو گئے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے صدر ضیاء الحق کے خلاف محاذ آرائی کے لئے مختلف ممالک کا دورہ بھی کیا اور ان کے خلاف پاکستان میں مسلح بغاوت کروانے کی منصوبہ بندی بھی کی۔ مگر یہ راز فاش ہو گیا۔ مارشل لاء کی ایک عدالت نے ایک مقدمہ میں مسٹر کھر کو ان کی غیر حاضری میں سزا بھی سنائی۔ 1986ء میں واپس وطن پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ انتخابی مہم سے قبل وہ رہا ہوئے۔ ان کی رہائی سے قبل ہی لاہور میں نگران وزیر اعلیٰ مسٹر نواز شریف کے قومی اور

صوبائی اسمبلی کے حلقوں سے ان کے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے گئے جبکہ ان کے آبائی ضلع مظفر گڑھ سے قومی اسمبلی کی دو اور لیہ ضلع میں صوبائی اسمبلی کی ایک نشست پر بھی ان کے کاغذات نامزدگی جمع کرائے جا چکے تھے۔ ان کو مسٹر نواز شریف کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کا امیدوار نامزد کر دینے کا ارادہ کیا مگر پیپلز پارٹی کی قیادت کے لیے کھر کا وجود نا قابل برداشت تھا۔ لاہور جانے سے قبل مسٹر کھر دریائے راوی پر پیپلز پارٹی کی تعریف کر رہے تھے اور دوسری طرف لاہور ائیر پورٹ پر محترمہ نصرت بھٹو مصطفیٰ کھر کے خلاف نفرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ پیپلز پارٹی کے سابق صدر مسٹر جہانگیر نے 1986ء میں ان کے خلاف زبردست مہم چلائی۔ اس کے بعد مصطفیٰ کھر نے پیپلز پارٹی کو خیر باد کہا اور مظفر گڑھ جانے سے قبل وہ لاہور سے انتخاب لڑنے سے ہی دستبردار ہو گئے۔ (۲۸)

1988ء کے عام انتخابات میں غلام مصطفیٰ کھر نے دو حلقوں سے کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی ایک خالی کردہ نشست اپنے دیرینہ دوست غلام مصطفیٰ جتوئی کو پیش کر دی۔ غلام مصطفیٰ کھر پھر پیپلز پارٹی میں واپس شامل ہو گئے۔ مگر بے نظیر حکومت کے خاتمے سے چند ہفتے پہلے وہ پیپلز پارٹی سے باہر آ گئے۔ 6 اگست 1990 کو جب غلام مصطفیٰ جتوئی نگران وزیر اعظم بنائے گئے تو غلام مصطفیٰ کھر ان کی نگران کابینہ میں وزیر داخلہ کے طور پر شامل تھے۔ 1990 کا انتخاب غلام مصطفیٰ کھر نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے لڑا۔ وہ قومی کی دو اور صوبائی کی ایک نشست پر امیدوار تھے۔ تینوں ہی نشستوں پر وہ کامیاب تھے۔ بعد ازاں انہوں نے قومی اور صوبائی اسمبلی کی ایک نشست خالی کر دی۔ نواز شریف حکومت کے دوران غلام مصطفیٰ کھر پیپلز پارٹی کا ساتھ دیتے رہے۔ 1992ء کے اواخر میں جب اپوزیشن پارٹیوں نے این ڈی اے تشکیل دیا تو غلام مصطفیٰ کھر اس نئے اتحاد میں شامل ہو گئے۔

1993ء کے عام انتخابات میں ملک غلام مصطفیٰ کھر اپنے روایتی حلقہ ہائے انتخاب این اے 137 مظفر گڑھ 3 ' این اے 138 مظفر گڑھ 4 اور پی پی 213 مظفر گڑھ 7 سے امیدوار تھے۔ وہ ان تینوں حلقوں سے کامیاب ہوئے۔ غلام مصطفیٰ کھر کے کئی بھائی ہیں جن میں سے اکثر ایم این اے یا ایم پی اے رہ چکے ہیں۔ ان کے ایک بھائی غلام محمد مجتبیٰ غازی کھر مرحوم 1985 میں این اے 128 مظفر گڑھ 2 سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1985 میں ان کے ایک اور بھائی غلام محمد مرتضیٰ کھر بھی این اے 129 مظفر گڑھ 3 سے رکن قومی

اسمبلی منتخب ہوئے۔ 1988 میں مصطفیٰ کھر نے اپنے بھائی مرتضیٰ کا مقابلہ کیا۔مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے تیسرے بھائی ملک غلام محمد نور ربانی کھر 1985 سے مسلم لیگ میں شامل ہیں۔

1990 ء میں جب ملک غلام مصطفیٰ کھر نے قومی اسمبلی کی نشست خالی کی تو وہ اس نشست پر منعقد ہونے والی ضمنی انتخاب میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے ۔ بعدازاں ان کی خالی کردہ نشست پر ان کی اہلیہ سیمرا کھر کامیاب ہوئیں۔ ان نشست پر دوسرے امیدواروں کے علاوہ ملک غلام محمد ربانی کھر کے بھائی ملک غلام مرتضیٰ کھر اور ملک غلام مصطفیٰ کھر کے صاحبزادے ملک عبدالرحمٰن کھر بھی امیدوار تھے۔(۲۹)

1993 ء کے بحران میں ملک نور ربانی کھر نے پاکستان مسلم لیگ جونیجو گروپ کا ساتھ دیا۔ 1993 ء کے انتخابات میں ملک نور ربانی کھر نے پاکستان مسلم لیگ (ج) کے ٹکٹ پر این اے 37 مظفر گڑھ 3 سے کاغذات نامزدگی جمع کروائے پیپلز پارٹی نے یہ حلقہ انتخابی ایڈجسمنٹ کے لئے جونیجو گروپ کے لئے اوپن چھوڑ دیا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ مصطفیٰ کھر اس حلقے سے نہیں لڑیں گے۔مگر مصطفیٰ کھر نے اس حلقے سے انتخاب لڑا اور 6 اکتوبر 1993 ءکو اس حلقے کے نتائج سامنے آئے تو مصطفیٰ کھر کامیاب ہو گئے ۔ملک محمد فاروق کھر 1991 کے ضمنی انتخابات میں اسی حلقہ سے ایم پی اے منتخب ہوئے تھے۔ غلام مصطفیٰ کھر کے ایک اور بھائی ملک غلام عربی محمد فخر رسول کھر نے 1988 کے عام انتخابات میں غلام مصطفیٰ کھر سے قومی اسمبلی کی نشست پر شکست کھائی تھی۔ لیکن وہ 1993 کے ضمنی انتخابات میں این اے 137 سے ایم این اے منتخب ہو چکے ہیں۔ مصطفیٰ کھر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کھر بھی سیاست کے میدان میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کے ایک اور صاحبزادے بلال محمد مصطفیٰ کھر بھی 1993 کے ضمنی انتخابات میں ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔ جبکہ ان کے کزن طاہر سلطان میلادی کھر 1993 کے عام انتخابات میں ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔(۳۰)

غلام مصطفیٰ کھر راقم کا انٹرویو 11/08/2005:۔

بلدیاتی سیاست کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ پچھلے دو سال سے شروع ہوئی ہے۔ اس وقت تک تو اس نے کوئی فعال کردار ادا نہیں کیا ہے اور موجودہ Setup میں مجھے کوئی حالات نظر نہیں آتے کہ جمہوریت کو مستحکم کرنے میں یہ کوئی فعال کردار ادا کرے۔

As a matter of factاس وقت تک جولوگوں تک بات پہنچی ہے وہ نقصان ہی کا باعث بنی ہے۔ اس لئے کہ آج تک جو پولیس اور بیوروکریٹ ہے وہ پیسے لیتے تھے اور اب یہ صاحبان بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔اس وجہ سے غریب آدمی کی تکالیف میں زیادتی ہوئی ہے کمی نہیں ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اپنی سوچ غلط ہوسکتی ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ یہ System صحیح طریقے سے صحیح نیت سے Introduce کیا گیا تھا۔ایک سوال میرے ذہن میں ہے آپ کے بھی ہوگا اور ہر کسی کے ذہن میں ہوگا کہ کیا وجہ ہے 1947 کے بعد جو 10 سال کا Period تھا وہ Unstable تھا لیکن اس پر اتنی زیادہ تشویش کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ جب کوئی ملک بنے اور ہر چیز الف سے شروع ہو تو 8 سال کے بعد آپ کو اتنی مستحکم جمہوریت مل نہیں سکتی ہوسکتا ہے کہ میرے انٹرویو پڑھنے والے یا سننے والے یہ کہیں کہ ہندوستان میں تو ہوگئی تھی۔اس کو اگر پاکستان کے ساتھ Compare کریں تو۔میرا جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں اور پاکستان میں ایک خاص فرق ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں کانگریس پارٹی بنی تھی مسلم لیگ کا نام بھی نہیں تھا اس وقت قائداعظم بھی اسی میں تھے۔یہ مسلم لیگ بعد کی پیدوار ہے اور یہ پیدا ہوئی تھی اس لئے کیونکہ اس وقت جو کچھ ہندو extremist تھے ان کو attitude مسلمانوں کو tolerate کرنا نہیں تھا۔ان کی سوچ یہ تھی کہ مسلمانوں نے اتنے سال حکومت کی ہے اب ہماری باری ہے اور ان سے بدلا لیا جائے۔اگر دیکھا جائے تو یہ ان کی صحیح سیاسی سوچ نہیں تھی۔

جس کی وجہ سے Major historical geographical تبدیلی آئی۔ اگر اس وقت ہندو Sensibly کام کرتے اور مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتے کہ ان کی بھی بڑی تعداد ہے اور ان کو باعزت رہنے کا حق ہے تو شاید برصغیر کا یہ بٹوارہ نہ ہوتا۔اور History بھی مختلف ہوتی۔خیر اس وقت ہمارے پاس قائداعظم لیڈر تھے۔حالانکہ قائداعظم نہ پنجاب سے تھے۔نہ ان کا لوگوں سے تعلق تھا' نہ کوئی رشتہ داری تھی جس پر عام طور پر سیاستدان Servive کرتے ہیں وہ بالکل ایک مختلف Community سے تھے لیکن ان کی سچائی اور ایمانداری ایسی تھی کہ سب مسلمان ان پر اعتماد کرتے تھے۔تو پھر انہوں نے فیصلہ کیا اپنے ساتھیوں کے ساتھ کہ شاید اب وقت آ گیا ہے کہ اب ہندو مسلمانوں کے ساتھ tolerate نہیں کرتے تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ علیحدہ ملک بنائیں۔تو وہ ایک Struggle شروع ہوئی وہ ایک Short sturggle تھی لیکن اس

Short struggle میں Basic چیز یہ تھی جس کی کمی ہوئی کہ ہمارا کاڈر تیار نہیں ہوا تھا کہ یہ سارا بوجھ اٹھا سکے اور جمہوریت کو صحیح طریقے سے لے کر چلے۔ ہماری سیاست میں مسلمانوں کی اور قائداعظم کی قیادت میں جو کم ٹائم تھا اس میں institution نہیں بن سکا پارٹی بن گئی اور وہ پارٹی قائداعظم کی ذات کے اردگرد تھی۔ پھر ہماری بدقسمتی یہ تھی کہ ہندوستان میں نہرو نے ایک لمبا عرصہ حکومت کی اور قیادت بھی کی تھی اور کانگریس کے سربراہ بھی وہی تھے۔ اور نہرو سے ہم چاہے جتنا بھی اختلاف کریں مگر وہ ایک بڑا آدمی تھا۔ بڑی خوبیوں کا مالک تھا اور خامیاں بھی تھیں مگر اس نے جمہوریت کی جڑ کو مضبوطی سے لگا دیا۔ اگر قائداعظم کو بھی نہرو جتنی لمبی عمر مل جاتی تو پاکستان میں بھی جمہوریت اتنی ہی مضبوط بن جاتی۔ لیکن یہی ہوا کہ قائداعظم کی Untimely وفات کے بعد پارٹی ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی جو کہ اچھے لوگ تھے۔ میں ان کو Criticize نہیں کر رہا ان کا سیاسی قدم اتنا بڑا نہیں تھا۔ سیاسی depth زیادہ نہیں تھی وہ بھول گئے کہ اس کے ultimate نتائج کیا ہوں گے اور وہ فوری طور پر اقتدار کے ہوس میں انہوں نے یہ جنگ شروع کر دی کہ اقتدار ہمارے ہاتھ میں آجائے انہوں نے وہ جنگ شروع کر دی کہ جیسے جب جانور کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کو اپنی خوراک بنانے کی کوشش کرتا ہے اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس جانور کی زندگی کا احساس نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ جو لوگ تھے انہوں نے نہیں سوچا کہ یہ جو struggle ہم کر رہے ہیں اور یہ جو struggle ہم اتنی early stage پر کر رہے ہیں اس کا اس ملک کے وفاق پر اس ملک کے صوبوں پر اور اس کی ultimate fedration پر کیا اثر ہوگا۔ وہ یہ تھا کہ مجھے کچھ مل جائے پھر اس پر top کی دو تین general sitings ہو گئیں اور دوسرا اس پر جو بیوروکریسی تھی جو ICS,CSP جو پرانے تھے انہوں نے اس پر بڑا ہی گھناؤنا کردار ادا کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کمزور اور dependent قیادت چاہیے تھی کیونکہ اگر سیاسی قیادت آپ کی مضبوط ہو تو پھر بیوروکریسی کا rate کم ہو جاتا ہے اور فوج کا رول بھی کم ہو جاتا ہے وہ پھر ان کے تابع ہو جاتا ہے بیوروکریسی کو عادت تھی انگریز کے ساتھ کام کرنے کی اور انگریز ان کو اہمیت دیتا تھا انگریز تو عوام کو سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر ہندوستان نہ بنتا نہ ہی پاکستان بنتا۔ اور جو CSP ICS آفیسر تھے ان کے concept میں یہ بات تھی ہی نہیں کہ صحیح طور پر طاقت عوام کے پاس جانی چاہیے اور وہ تو طاقت اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے اس سے جمہوریت کی جڑیں کمزور رہ

گئیں۔ یہ دیکھیں کہ جب آپ ایک پودا لگاتے ہیں تو ایک stage ایسی ہوتی ہے کہ چاہے وہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو ایک بلڈوزر اس کو نہیں اکھاڑ سکتا۔ مگر ایک stage ایسی ہوتی ہے کہ ایک بچہ بھی اس کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ لیکن جب وہ ان stages سے گزر جاتا ہے تو پھر وہ آندھی طوفان کا ہر طرح سے مقابلہ کرسکتا ہے۔ تو جب آپ جمہوریت یا Institution کی بات کرتے ہیں تو ان کو بھی ایک وقت تک ایسے ہی پالنا پڑتا ہے۔ جیسے آپ اپنے بچے کو پالتے ہیں یا انسان کسی درخت کو جو پھولدار ہو یا پھلدار ہو اس کی حفاظت کرتا ہے اور بعد میں فائدہ لیتا ہے۔ تو ہماری democracy کی شروع سے قائداعظم کی وفات کے بعد پودے کو اکھاڑنے والے، اس کو ہلانے والے تھے اس کی پرورش کرنے والے نہیں تھے اور اگر کوئی تھے تو ان کا رول ایسا نہیں تھا کہ وہ کچھ کرتے۔ تو قائداعظم کی وفات کے بعد اور قائد ملت کی assissination کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جن پر لوگ بھروسہ کرسکیں۔ تو ہر کسی نے کھینچا تانی کی اور رسہ کشی کی اس سے وفاق اسی وقت کمزور ہوگئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج پاکستان میں democracy Instituion کا نظام اسی طرح مضبوط ہوتا جیسے ہندوستان میں ہے۔ لیکن اب یہ جو بات ہے جو تھیوری ہے اب پوری ہوگئی کہ طاقت ماسوائے عوام کی طاقت جب وہ Power کو share کرنا چاہتی ہیں یا Power میں اپنا حصہ یا دخل دینا چاہتی ہیں تو ان کے لیے پہلا کام یہی ہے کہ ملک کی سیاسی قوت اور سیاسی قیادت کو مضبوط کیا جائے۔ جیسے ہم سنتے ہیں دیکھا تو نہیں نعوذ باللہ کہ جو کالا جادو کرتے ہیں اور کالا جادو کا پہلا سبق حاصل کرنے سے پہلے وہ قرآن شریف کو نعوذ باللہ پاؤں کے نیچے رکھ کر اوپر نہاتے ہیں تو سب سے پہلے یہ ہوتا ہے کہ مذہب سے فارغ ہوں اور یہ جو dictators ہیں جس form میں بھی آئے تو سب سے پہلے یہ ہوتا ہے کہ وہ جمہوریت اپنی مرضی کے مطابق نام نہاد جمہوریت کیونکہ جب جمہوریت اگر آپ کہیں تو جمہوریت کا لینا تو ہوا میں ہے لیکن جمہوریت ہے کیا اور کیسے چلتی ہے؟ اس کو انسان چلاتے ہیں اور وہ انسان جو اس پر یقین رکھتے ہیں جن کا ایمان پکا ہو، جمہوریت میں۔ جیسے نماز تو آپ پانچ وقت کی پڑھ سکتے ہیں ٹکریں مار سکتے ہیں۔ مگر اصل نماز تو اسی کی ہوتی ہے جو کہ full concentration سے پڑھے۔ اسی طریقے سے جمہوریت کو مستحکم کرتے ہیں اور جمہوریت کو مستحکم کرنے میں بہت ساری چیزیں برداشت کرنی ہوتی ہیں بہت give and take کرنا پڑتا ہے۔ فوجی اور بیوروکریٹ وہ give and take کی theory نہ جانتا ہے نہ پہچانتا ہے اس

کوسبق نہیں ملا اس کا قصور ہی نہیں ہوتا جب آپ فوج میں captain بھرتی ہوتے ہیں تو اس وقت سے لے کر آپ کی ریٹائرمنٹ تک آپ کی ہر چیز پہنچائی ۔اسی بات پر جاتی کہ آپ صرف yes sir کرتے ہیں۔آپ بہت obedient ہیں۔آپ discipline کے ماتحت ہو پھر اگر وہ یہ کہیں کہ جاؤ attack کردو تو آپ نے یہ نہیں پوچھنا کہ آگے کتنی فوج ہے۔آپ کا فرض ہے attack کرنا۔تو یہ ہے فوج کی تربیت۔تو democracy بھی یہی ہے کہ آپ کا senior جو آپ کو کہے وہ کرو۔جمہوریت اور سیاست totally برعکس ہے۔سیاست کا مقصد یہ ہے کہ جس پر آپ یقین نہیں رکھتے نہ کرو۔سیاست کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کا لیڈر غلط راستے پر جارہا ہے تو اس کے سامنے کھڑے ہوجاؤ اور کہو کہ یہ غلط بات ہے۔اختلاف رائے نہ democracy میں ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو بھی بہت کم اور نہ ہی سیاست میں۔اور اگر اس طرح کی situation پیدا ہوجائے تو پھر وہ genuine سیاستدانوں کے ساتھ کام کرہی نہیں سکتا۔تو ان کو وہی بات ہوتی ہے کہ کیا مجال ہے اس شخص کی کہ یہ مجھ سے question پوچھتا ہے اور یہ آج کہتے کہ جمہوریت میں یہ ہے وہ ہے کہ 58 سے لے کر آج تک ایک origanized اور سوچی سمجھی سکیم کے تحت پاکستان کی لیڈرشپ کو ختم کردیا گیا ہے اور اس وقت جو صورتحال ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب پاکستان کے لوگ سنیں تو انہیں پتہ چلے کہ کوئی آدمی سچ بات کرتا ہے۔آج کی سیاست کی حالت یہی ہے کہ جو شاہین میں طوائفوں کی جو حالت ہے۔کیونکہ طوائف شکل وصورت نہیں دیکھتی۔طوائف خاندان نہیں دیکھتی۔طوائف ذات پات نہیں دیکھتی۔طوائف صرف جیب کو دیکھتی ہے اگر جیب بھری ہوئی ہے اور اگر آپ مصلی بھی ہیں تو بھی اس کے ساتھ رہ سکتے ہیں لیکن اگر جیب خالی ہو اور آپ سید بھی ہوں تو کوئی آپ کو 2 گھنٹے بھی گزارنے نہیں دے گا۔آج کی سیاست یہ ہے کہ اگر اقتدار ہے تو اس کے ساتھ وہ سیاست چمکاتے ہیں اور اس کے ساتھ چلتے ہیں اور اگر اقتدار نہیں ہے تو وہ اس کو نہیں پوچھتے۔ جب یہی روایتیں ہوجائیں گی تو قوم کے لیے یہ ایک برا پیغام ہے کیونکہ اس میں اصلاح کی visible امید نہیں ہوتی اور اصلاح کے مواقع نہیں ہوتے کیونکہ جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو پھر جمہوریت یہی ہے کہ اگر آپ ایک حکومت سے تنگ ہیں تو آپ اس سے جان چھڑا لیتے ہیں الیکشن سے۔جب حالات ایسے ہوجائیں کہ جمہوری طریقے سے آپ اپنے حکمران کو replace نہیں کرسکتے تو پھر دو راستے ہوتے ہیں یا د آپ کی قومیں

بے غیرت ہو جاتی ہیں اور ہر چیز برداشت کرنا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ لوگ پھر rifle اٹھاتے ہیں یا پھر Bomb ۔ لیکن یہ دونوں چیزیں ملک کے لیے زہر قاتل ہیں اور ہماری fedration جو ہے وہ اس وقت سب سے مشکل وقت میں ہے۔ اللہ اس سے ہمیں نکالے لیکن ہم جس طرف جا رہے ہیں اس سے ہماری fedration کا وجود اور پاکستان کا مستقبل خطرے میں ہے۔

دیکھیں مارشل لاء لگانے کے لیے سیاستدان ایک حد تک کوشش کر سکتا ہے اس سے آگے نہیں۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ یہ دیکھیں آج سے نہیں 1400 سال کی پڑی میں آپ دیکھیں تو support کرنے والے یا آپ کا ساتھ دینے والے برے سے برے آدمی کا ساتھ دینے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جب آپ genuine لوگوں کی سوچ کو بند کر دیں genuine لوگوں کے راست بند کر دیں کہ وہ political struggle کر سکیں اور جمہوری struggle کر سکیں تو پھر ایک یہی بات رہ جاتی ہے کہ آپ کے ارد گرد سارے وہ لوگ آ جاتے ہیں جن کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا۔ جن کا میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے یہ لوگ مغل کے زمانے میں تھے۔ چلیں مغل تو پہلے زمانے میں تھے۔ یہ بتائیں کہ اگر حضرت امام حسنؓ حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کو اگر مسلمان مل سکتے ہیں جو اس کی حکومت کو اقتدار میں رکھتے ہیں تو اگر وہ آج ہیں تو کیا ہوا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی راستہ بند ہو جائے تو اس میں جو غازی ہوں' مجاہد ہوں یا جو بھی خدا کے بندے ہوتے ہیں وہ خلاف تو ہوتے ہیں یا ان کو مٹا دیا جاتا ہے یا ان کی حیثیت کو ختم کر دیا جاتا ہے یا ان کی آواز کو بند کر دیا جاتا ہے یا ان کے خلاف مقدمات کر کے ان کو آؤٹ کر دیا جاتا ہے اور فروغ بھی پھر ان چیزوں کو دیتے ہیں جس طرح آپ بات کرتے ہیں تو ملک میں جتنی ناظموں نے کرپشن کی ہے جتنے کھلے طریقے سے کی ہے اور حکومت کی protection کی ہے اور حکومت ان کو cover کرتی رہی ہے۔ اب آپ مجھے اس بات کا جواب دیں کہ آپ اپنے ایمان سے اور آپ اور میرے سننے والے یہ بتائیں کہ کیا اس سارے ملک میں ایک ناظم بھی کرپٹ نہیں تھا۔ اس کے خلاف نہ تو نیب آئی ہے نہ کسی کو پکڑا گیا ہے۔ نہ کسی سے کوئی چیز برآمد کی گئی ہے۔ کھلی چھٹی دی ہے۔ ہم یہ سنتے رہے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے مگر تھا کچھ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں آپ کو corrupt لوگ سوٹ کرتے ہیں۔ کیونکہ honest آدمی آپ کی غلامی نہیں کر سکتا۔ honest آدمی سچی بات کو منہ میں سے

بند نہیں کرسکتا۔ غلامی اور سچ بات کو چھپانے والے وہ ہوتے ہیں جن کے اپنے کرتوت کالے ہوتے ہیں۔ حکمرانوں کو جو غلط طریقے سے آئے ہوں ان کو یہ لوگ سوٹ کرتے ہیں۔

نہیں ہرگز نہیں۔ وراثتی سیاست کو اگر صحیح سمجھا جاتا تو حضورؐ اپنے خاندان کو پیار کرنے کے باوجود ان کی تعریفیں کرنے کے باجود کوئی ایسی چیز انہوں نے نہیں کی تو یہ وراثتی سیاست نہیں ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں حضرت علیؓ سب سے بہادر اور قابل آدمی تھے اور ان کی عزت کو اور ان کو مقام دیا۔ تو اگر ایسے لوگ ہوں خاندان میں اور وہ چاہے چاچا ہو، ماما ہو، بیٹا ہو، باپ ہو تو ان کے لئے جگہ ہے۔ مگر maritt ان کا اپنا ہو۔ مگر یہ نہ ہو کہ میرے نطفہ سے یہ پیدا ہوا ہے تو یہ لیڈر ہے۔ ایسا نہ ہو کیونکہ لیڈر لیڈر پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ دنیا میں کہیں نہیں ہوا practical condition کو دیکھنا ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ پیپلز پارٹی کی جو سیاست ہے اس میں اگر نارمل حالات ہوتے اور ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی نہ دی جاتی تو ممکن ہے کہ پارٹی کی شکل آج کچھ اور ہوتی لیکن یہ اسی کا reaction ہے جب ان کو پھانسی دی گئی تو اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ ان کی بیٹی سامنے آئے کیونکہ لوگ وہی چاہتے تھے کیونکہ وہ مظلوم تھی۔ مگر وہ پڑھی لکھی ہیں خدا نے ان کو بے شمار صلاحیتیں دی ہیں۔ تو وہ ایک صورتحال بدل گئی ہے میں یہ کہتا ہوں کہ جب آپ سیاست میں اس طرح کی حرکت کریں اس طرح کے ظلم کریں اور سیاست میں اتنے بڑے جرم کریں تو آپ کی پارٹی کی سیاست نارمل نہیں رہ سکتی اب آپ بتائیں ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کا کوئی جواز تھا؟ میں اس پر بات نہیں کرتا کیونکہ میں نے اس پر پہلے بھی بات کی ہوئی ہے لیکن جو کچھ ان کے ساتھ کیا گیا تو اس کے بعد لوگوں کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

پہلی بات یہ ہے کہ میری سیاست اور لوگوں کی سیاست میں فرق ہے۔ 90% لوگ سیاست صرف اس لئے کرتے ہیں کیونکہ ان کو اس کا صلہ چاہیے کہ وہ ایک کام کریں اور اس کو exaggerate کرکے بتائیں اور پھر بھی ووٹ ملیں۔ میرا خدا اور خدا کا رسول گواہ ہے کہ میں نے سیاست ہمیشہ عبادت سمجھ کر کی ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں کیا کہ میں کوئی کام کروں اور پھر مجھے ووٹ ملیں۔ آپ میرے علاقے میں جاکر پوچھیں کہ جب میں گورنر تھا جب میں اقتدار میں تھا تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ میرے پاس آتے تھے میں آج کل کے حکمرانوں کی طرح نہیں ہوں جن کا عام آدمی سے کوئی تعلق نہیں ہے لوگ ہزاروں کی تعداد میں میرے پاس آتے تھے میں یہ نہیں

پوچھتا تھا کہ آپ میرے ووٹرز supporter ہیں یا نہیں ہیں۔ سب سے پہلے میں پوچھتا تھا کہ آپ کو کام کیا ہے۔ اس لئے کہ ایک عام حاکم وقت اور صحیح حاکم وقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ عام حاکم وقت اپنے مفاد ٗاپنے اقتدار اور صرف اپنے اقتدار کو لمبا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں انصاف نہیں ہو سکتا اور ایک ایسا شخص جو سیاست کو عبادت سمجھ کر کرتا ہے وہ اللہ سے اس کی توقع رکھتا ہے۔ انسان سے نہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرے علاقے کی ترقی کا آغاز ہی اس وقت سے ہوا تھا جب فیرا اقتدار یہاں ہوا۔ اس سے پہلے میرے علاقے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا نہ وہاں کوئی سڑک تھی نہ بجلی تھی کچھ بھی نہیں تھا اور ہمارا سب سے backward area تھا۔ ہمارے علاقے میں جو کچھ میرے دور میں ہوا ہے وہ نہ پچھلے 50 سالوں میں ہوا تھا۔ یہ نہ اگلے 50 سالوں میں ہوگا۔ تو ہوا سب کچھ اس وقت باقی اس کی continuation ہوتی رہی۔ میں نے ایک ایک چیز کر کے نہیں کیا۔ جب میں بجلی اور پانی کا وزیر لگا تو میرے خیال میں پورے پنجاب میں اتنی بجلی نہیں لگی تھی جو میرے علاقے میں لگی۔ اور اس وقت تک یہ قانون تھا کہ بجلی صرف بڑی بستیوں میں لگ سکتی ہے لیکن میں نے کہا کہ یہ عجیب قانون ہے کہ جو سب سے زیادہ غریب ہو وہ تو اندھیرے میں رہیں مگر جو پکے مکانوں میں ہیں وہ بجلی استعمال کریں۔ وہ تو کانے کی کولیاں لگا کر بیٹھے تھے وہاں میٹر بھی لگوا دیا تھا اور میری سوچ یہ تھی۔

1973ء کا آئین میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ important ہے۔ اور یہ اس ملک کے مفاد کے لیے مضبوطی کا ایک جال یا زنجیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس پر بحث تو کر سکتے ہیں کہ اس میں یہ خامیاں ہیں وہ خامیاں ہیں مگر جب وقت گزر جاتا ہے تو کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی حیثیت اس وقت زیادہ ہوتی ہے بعد میں نہیں ہوتی۔ میں اس پر بحث نہیں کرتا لیکن 73ء کا آئین ہی ہمارے ملک کی basic structure کو قائم کرنے کی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ definitely اگر 73ء کے آئین کو چھوڑ کر ایسی حرکت کی گئی تو وہ ایک سوچی سمجھی سکیم ہوگی۔ پاکستان destabilize نہیں کرنا بلکہ مفاد کو ختم کرنا ہے۔ کیونکہ ہم اس کو سو برا کہیں لیکن پاکستان کے genuine elected لیڈر کے دستخط ہیں اس میں اور اس سے بڑی طاقت کوئی نہیں ہے کیونکہ اگر جمہوریت ہے تو پھر ہر پارٹی اور پارٹی کے لیڈر کی حیثیت ہوتی ہے۔ اور وہ بھی genuinly elected تو اس میں اگر حالات اور وقت کی ضرورت ہو تو پھر تبدیلیاں کر سکتے ہیں۔ لیکن اس

سے اگر ہم منحرف ہوئے تو ہم ایسے ہی ہوں گے کہ federation سے منحرف ہو جائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اللہ نے اپنے حبیبؐ کے ذریعے سے ہمیں گورنمنٹ یا حکومت کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اور اللہ نے ایک نظام جو وہ چاہتے تھے اس کی ہمارے سامنے مثال بنادی ہے اور وہ یہ ہے کہ آج آپ اور میں مسلمان کیوں ہیں کیونکہ نہ میں نے اللہ کو دیکھا ہے اور نہ نعوذ باللہ رسول کو دیکھا ہے روزہ دیکھا ہے اور کعبہ دیکھا ہے اور روزہؐ دیکھنے کے لئے تو ہندو اور سکھ بھی جا سکتا ہے اور کعبہ بھی دیکھ سکتے ہیں اگر وہاں نہیں جا سکتا تو وہ دیکھ سکتا ہے یہ کیا وجہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور میں مسلمان ہوں میں مسلمان اس لئے ہوں کہ میں ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اور میں نے مسلمان ماں کی گود میں آنکھ کھولی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں جو ایک ضروری چیز ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو ہر انسان ایک ماحول کے تحت اپنی زندگی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ اگر چاہے تو آپ اور میں رسولؐ کے بغیر بھی پیدا ہو سکتے تھے کیونکہ اللہ کہہ دیتا کہ کلمہ پڑھو اور ہم پڑھ لیتے تو یہ اللہ کا حکم ہے کہ اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا اللہ نے کیوں انسانوں کی حیثیت کے درمیان رسول کو بھیجا اسلام کو preach کرنے کے لیے؟ کیوں جنگیں لڑوائیں؟ کیوں ان کو فتح اور شکست دونوں دکھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے جتنا پیار کرتے تھے اور جتنا پیار کرتے ہیں تو ان کی زندگی میں یہ تکالیف نہ ہوتیں۔ تو یہ ہمارے لیے ایک Role model تھا۔ استحکام کے لئے ہمیں وہ لوگ چاہیں کہ جو اس مرتبے اور اس منصب کے قابل ہیں۔ پاکستان میں پچھلے 40 سال سے ہر وہ شخص اس اقتدار پر پہنچا ہے جو اس کے قابل نہیں ہوتا۔ صرف ایک دو کو تو آپ کہہ سکتے ہیں تو یہ حالت ہے سیاست میں' یہ حالت ہے democracy میں اور باقی سب میں بھی۔ انسان کو خدا نے طاقت دی ہے صرف زندگی اور موت پر انسان قابو نہیں پا سکتا اور باقی سب چیزوں پر قابو پا سکتا ہے۔ حالات بگاڑنے کا اور سنوارنے کا ذمہ دار بھی انسان ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ پاکستان میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں ان میں سے اگر 5 لوگ ایسے ہوں جو واقعی commited ہوں اور عقل کے لحاظ سے ارسطو بہ ہو جو uncorruptable ہوں اور اقتدار کو اپنا مذہب نہ سمجھے۔ عوام کو اصل طاقت سمجھے اور کیا اس ملک کی قوم کی بھلائی کیلئے کر رہے ہیں 5 آدمی اگر بن جائیں جن میں ایک پرائم منسٹر اور باقی چار چیف منسٹر ہوں تو تین مہینے میں اس ملک کی حالت اس کی شکل اور اس کا مزاج بدل سکتا ہے۔

مصطفیٰ کھر سوانح عمری:۔

سیاست دان کھر غربی ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے وال محمد یار کھر اپنے علاقے کے زمیندار تھے۔ایچی سن کالج میں تعلیم پائی اور سینئر کیمرج کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ۔1962 میں سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا اور نئے آئین کے تحت قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور مواصلات کی مجلس قائد کے رکن نامز ہوئے ۔1965 میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مظفر گڑھ سے دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن بنے۔1964 میں پاکستانی وفد کے ہمراہ چین گئے۔1967 میں پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے ۔1970 میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر مظفر گڑھ سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔دسمبر 1971 تا1973 اور پھر 14 مارچ1975 تا31 جولائی 1975 گورنر پنجاب اوراگست1973 تا مارچ 1974 پنجاب کے وزیراعلیٰ رہے۔جنرل محمد ضیاءالحق کے مارشل لا کے نفاذ پرلندن پہنچ گئے اور صدر ضیاءالحق کے خلاف محاذ آرائی کے لیے مختلف مما لک کا دورہ کیا اوران مما لک میں رہتے ہوئے پاکستان میں مسلح بغاوت کروانے کی منصوبہ بندی بھی کی مگر یہ راز فاش ہوگیا۔11 اکتوبر 1978 کو بہاول پور کی مارشل لا کی عدالت نے انہیں پندرہ سال قید کی سزا سنائی۔1986 میں واطن واپس پہنچے تو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔جنرل ضیاءالحق کی وفات کے بعد رہائی ملی۔1988 کے عام انتخابات میں مصطفیٰ کھر نے دو حلقوں سے کامیابی حاصل کی بعدازاں انہوں نے اپنی ایک خالی کردہ نشست اپنے دیرینہ دوست غلام مصطفیٰ جتوئی کو پیش کردی۔6 اگست 1990 کو جب جتوئی صاحب نگران وزیراعظم بنائے گئے تو کھر صاحب ان کی نگران کابینہ میں بطور وزیر داخلہ شامل تھے۔ 1990 کے اور 1993 کے عام انتخابات میں بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۔1993 میں بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں بجلی اور پانی کے وزیر کی حیثیت میں شریک ہوئے۔ فروری 1997 کے عام انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکے۔

4.9 جناب مصطفیٰ کھر صاحب:۔

جناب غلام مصطفیٰ کھر کا حلقہ انتخاب کوٹ ادو اور سناواں کے شہری اور دیہی علاقوں پر مشتمل ہے۔اُن کے حلقہ انتخاب میں 28% لوگ ان کی کارکردگی کو بے حد پسند کرتے ہیں۔جبکہ 22% لوگ کی رائے کو "B" معیار میں رکھا گیا ہے۔اس طرح 50% لوگ ان کی مجموعی کارکردگی کو نہایت اعلیٰ اور اچھا سمجھتے ہیں جبکہ 19% لوگوں کی رائے میں ان کی کارکردگی محض تسلی بخش ہے انہیں "C" معیار میں رکھا ہے۔اور 31% لوگوں کے خیال میں ان کی کارکردگی ناقص اور غیر تسلی بخش ہے اس لئے "D" معیار میں رکھا ہے۔اس رائے کی بنیادی وجوہات کئی ہوسکتی ہیں۔غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب' وزیر اعلیٰ / وفاقی وزیر برائے بجلی و پانی بھی رہے ہیں لوگوں کے کام بھی انہوں نے کیے ہیں۔اس لئے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ان کی حامی ہیں اور وہ قومی سطح کے لیڈر شمار کیے جاتے ہیں۔لیکن ان کے سیاسی نظریات میں اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے وہ متنازع بھی رہے ہیں۔ بہت لوگ ان کے حامی بھی ہیں اور خاصی تعداد ان کے مخالفین کی بھی ہے۔جوان کو ذاتی کردار کی وجہ
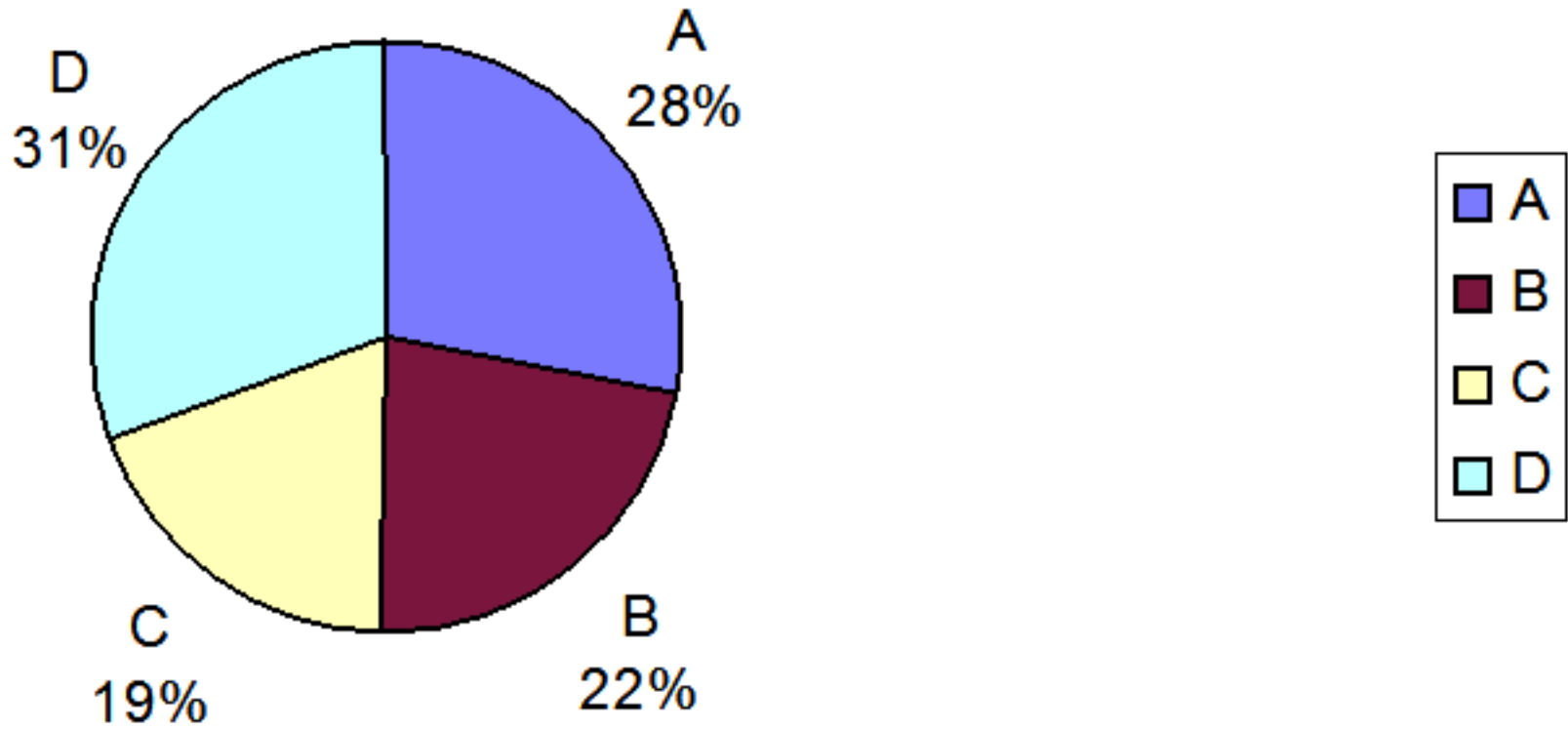
سے ان کے حامی نہیں ہیں۔انہوں نے اپنے دور اقتدار میں بہت سارے ترقیاتی کام کرائے۔لوگوں کو ملازمتیں بھی دلوائیں لیکن اس کے باوجود 31% لوگ ان کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہیں۔تاہم ان کے حلقہ انتخاب میں ان کے اثر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مزاری خاندان:۔

میر بلخ شیر مزاری 1948ء میں اپنے قبیلے کے سربراہ مقرر ہوئے۔ میر بلخ شیر مزاری کو ابتداء ہی سے سیاست سے دلچسپی تھی۔ 1950ء میں انہوں نے ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ بورڈ کی چیئرمین شپ سے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز کیا۔اس منصب پر وہ 1955ء تک فائز رہے۔اسی دور میں وہ مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور جون 1955ء میں پاکستان کی مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے۔ یہ وہی دستور ساز اسمبلی تھی جس نے پاکستان کا پہلا آئین منظور کیا تھا۔سردار بلخ شیر مزاری اس اسمبلی کے سب سے کم سن رکن تھے۔وہ 1962ء میں دوسری مرتب قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1965ء کے انتخابات میں انہوں نے حصہ نہیں لیا۔ 1970ء کے انتخابات میں میر بلخ شیر مزاری نے خود صوبائی اسمبلی کی نشست پر انتخاب لڑا اور اپنے چھوٹے بھائی سردار شیر باز خان مزاری کو قومی اسمبلی کی نشست پر انتخاب لڑوایا۔ان انتخابات میں یہ دونوں بھائی کامیاب ہوئے۔

1974ء میں میر بلخ شیر مزاری نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور 1977ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پاکستان قومی اتحاد نے جب ان انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف مہم چلائی تو میر بلخ شیر مزاری، سردار شوکت حیات کے فارورڈ گروپ میں شامل ہو گئے اور انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کی تحریک سے یکجہتی کے اظہار کے طور پر پاکستان پیپلز پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ 1981ء میں وہ مجلس شوریٰ کے رکن نامزد ہو گئے۔ 1985ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات میں انہوں نے پاکستان بھر میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔کامیابی کے بعد انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

1988ء کے عام انتخابات میں سردار بلخ شیر مزاری انتخابی عمل سے خود تو دور رہے مگر اپنے بھائی کو اپنے حلقے سے انتخاب لڑنے کے لئے تیار کرلیا۔مگر اس حلقے سے پیپلز پارٹی کے امیدوار سردار عاشق محمد مزاری کامیاب ہو گئے۔ 1990ء کے انتخابات میں سردار بلخ شیر مزاری نے آئی جے آئی کے ٹکٹ پر خود انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا اور یہ انتخاب بھی جیت لیا۔(۳۱)

18 اپریل 1993ء میں کو جب غلام اسحٰق خان نے نواز شریف حکومت کو برخاست کی اور قومی اسمبلی

تحلیل کی تو سردار بلخ شیر مزاری نگراں وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوئے ☆ وہ فقط 38 دن اس عہدے پر فائز ہوئے اور پھر 25 مئی 1993 کو قومی اسمبلی کی بحالی کے ساتھ ہی اپنے عہدے سے برخاست ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے پاکستان کے سب سے کم مدت وزیراعظم ہونے کا ریکارڈ بھی قائم کیا۔ این اے 134 راجن پور سے لڑا۔ 1993ء کے انتخابات میں میر بلخ شیر مزاری نے ایک مرتبہ پھر کامیابی حاصل کی اور اس طرح انہوں نے 1955ء سے 1993ء تک کوئی انتخاب نہ ہارنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ میر بلخ شیر مزاری نے 1993ء کے صدارتی انتخاب کے لیے بھی کاغذات نامزدگی داخل کروائے تھے لیکن وہ بعد میں فاروق لغاری کے حق میں دستبردار ہوگئے تھے۔ سردار بلخ شیر مزاری کے تین صاحبزادے ہیں۔

جس میں سے بڑے صاحبزادے ریاض مزاری 1985ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ دوسرے صاحبزادے طارق مزاری، احمد نواز بگٹی کے داماد ہیں اور آج کل ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز ہیں۔ جبکہ تیسرے صاحبزادے زاہد محمود مزاری 1993ء میں پی پی 206 راجن پور 3 سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

سردار بلخ شیر مزاری کے چھوٹے بھائی سردار شیر خان مزاری تھے۔ انہوں نے ایک حادثے میں 1964ء میں وفات پائی۔ سردار شیر خان مزاری کے صاحبزادے سلیم خان مزاری کچھ عرصہ تک سندھ کی سیاست میں متحرک رہے۔ وہ 1985 میں پہلی مرتبہ سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1988ء کے عام انتخابات میں وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار تھے۔ مگر آزاد امیدوار میر شاہ علی خان سے شکست کھا گئے۔ جبکہ 1990ء میں انہوں نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ بعدازاں وہ جام صادق علی اور مظفر حسین شاہ، دونوں کابیناؤں میں شامل رہے اور صوبے کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ 1993ء کے انتخابات میں انہوں نے ایک بار پھر پی ایس 10 جیکب آباد سے انتخاب لڑا۔ مگر اس مرتبہ وہ ہار گئے۔

سردار بلخ شیر مزاری کے تیسرے بھائی سردار شیر باز خان مزاری نے سیاست کے میدان میں 1958ء میں قدم رکھا۔ 1970ء کے انتخابات میں سردار شیر باز خان مزاری ایک طاقتور سیاستدان کی حیثیت سے ابھرے

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۹

اورانہوں نے اپنے مخالفین کے مجموعی ووٹوں سے بھی زیادہ ووٹ حاصل کیے۔اورقومی اسمبلی میں آزادگروپ کے قائدمنتخب ہوکرعملاً قومی لیڈربن گئے۔1972ءمیں قومی اسمبلی میں صدر کے انتخاب کے موقع پرحزب اختلاف سے تعلق رکھنے والی تمام پارٹیوں نے متفقہ طور پر سردار بلخ شیرمزاری کواپنا امیدوارنامزدکیا تھااورووٹنگ کے دوران حزب اختلاف کے تمام ارکان نے انہی کوووٹ دیا۔مگر1988ءکے عام انتخابات میں سردارشیرباز خان مزاری کواپنے حقیقی بھائی میر بلخ شیرمزاری کے ہاتھوں خاصا تلخ تجربہ اٹھاناپڑا۔سردار بلخ شیرمزاری اورسردارشیرباز خان مزاری کے ایک خاندانی حریف سردار عاشق مزاری تھے۔ان کاتعلق بیوروکریسی سے تھاوہ محکمہ صنعت کے صوبائی سیکرٹری کے عہدے پرفائز رہےاوراس عہدے پرفائز ہوکربعض لوگوں کی اس قدرسرپرستی کی کہ وہ آج اہم صنعتی خاندانوں کی صف میں شامل ہیں۔(۳۲)

انٹرویوشوکت مزاری راقم کاانٹرویو04-07-17:۔

بلدیاتی سفرکاآغازمیں نے1979ءمیں کیاجب میں الیکشن ضلع کونسل میں حصہ لیاتھااورمیں بحیثیت ممبر ضلع کونسل تھا۔ڈی جی خان ضلع تھااوراس وقت راجن پورضلع نہیں بناتھا۔

صوبائی سطح پر 1977ء سے کام شروع کیاایک MPA کی حیثیت سےاس کے بعدصوبائی وزیر بنا۔ اس کے بعددوبارہ88میں MPA بنا۔ڈپٹی اپوزیشن لیڈرپنجاب اسمبلی تھا۔دوبارہ حالیہ الیکشن میں میں نے حصہ لیااورمیں MPA منتخب ہواہوں۔ملکی سطح کی سیاست میں بلدیاتی اورسیاسی دونوں جمہوریت کے استحکام کے لیے کام کرتی ہیں کیونکہ جمہوری اداروں کانام ہی اس لئے ہے کہ وہ جمہوریت کی روایت رکھتے اورخصوصاًبلدیاتی نظام ہےوہ ایک لوکل گورنمنٹ اورمقامی سطح پرجوسیاست کی جاتی ہےجس میں ایک عام آدمی یونین کونسل سےایک ضلع کونسل تک منتخب ہوکرآتا ہے ہرفردکومقامی طورپرموقع ملتاہےاورقومی سطح پرآگے آنے کے لیے بلدیات سے انسان آئےتواس کاتجربہ زیادہ ہوتاہے۔

دیکھیں وراثتی سیاست کئی مقام پرپائی جاتی ہے یہ صرف پاکستان میں نہیں انڈیامیں بھی ہے بنگلادیش میں بھی ہے۔امریکہ جیسے ملک میں بھی وراثتی سیاست چل رہی ہے۔لیکن وراثتی سیاست کامطلب یہ نہیں ہے کہ صرف وراثت کی بناءپرانسان وراثتی طورپرمیدان میں آکرکام کرے بلکہ اس کی اپنی سوچ ہوتی ہےاپنا نقطہ نظر

ہوتا ہے اور لوگوں سے ووٹ وہ لے کر آتا ہے نہ کہ نامزد ہو کر آتا ہے اور وہی آگے آ سکتا ہے جس کی عوام کے ساتھ roots ہوتی ہیں۔

یہ ملک جمہوریت کا مرہون منت ہے۔ یہ ملک جمہوری لوگوں نے بنایا تھا اور جب یہ United India تھا اس وقت پاکستان کا قیام وجود میں آیا تو اس وقت یہ سیاستدانوں نے کام کیا اور آج جس ملک میں ہم اکھٹے بیٹھے ہیں جس کا نام پاکستان ہے یہ سب ان بزرگوں کی محنت کا نتیجہ ہے اور میں صرف اپنے خاندان کے بزرگوں کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ بزرگ میں ان لوگوں کو کہہ رہا ہوں جنہوں نے اس ملک کی شب و روز خدمت کی ہے۔ قائداعظم سمیت ان کی تمام ٹیم جو ہے وہ سب ہمارے بزرگ ہیں اور ہم ان سب کو بزرگ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں میں سمجھتا ہوں اور جتنا کام اس وقت کی جو عوام ہے اس نے اور سیاستداوں نے کر کے دکھایا ہے وہ قابل تحسین ہے اور اس کی وجہ سے آج پاکستان معرض وجود میں ہے۔

دیکھیں جی یہ جب پاکستان وجود میں آیا تو اس وقت ایک نظام کی بات ڈال دی گئی تھی لیکن بدقسمتی سے ہمارے آپس میں جو رنجشیں ہیں جو سیاسی اختلافات ہیں انہوں نے فوجی مداخلت کا راستہ ہموار کیا۔ جو کہ ایک خوش آئندہ چیز نہیں ہے۔ لیکن اگر اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ اگر سیاستدان اس چیز کو سمجھ گئے ہیں اور غلطی تو ہر انسان کرتا ہے اور غلطی سے اگر انسان سیکھے تو اس چیز سے ہٹایا جا سکتا ہے اور ایک اچھی امیج اور ایک اچھی سیاست سامنے آ سکتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات جس طرف جا رہے ہیں اس میں اگر بردباری دکھائی جائے اور ایک اسمبلی کو عبوری حکومت کرے دی جائے تو دوسری اسمبلی جو بھی آئے گی الیکشن کے نظریے سے وہ اس صورت میں ایک مثبت قدم ہے۔

سیاسی استحکام کے لیے یہی ہے کہ ہمارے میں رواداری اور برداشت کا مادہ ہو۔ اپوزیشن برائے اپوزیشن نہیں ہونی چاہیے لیکن اپوزیشن کا بھی ایک مقام ہے۔ اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب تک اپوزیشن اور حکومت دونوں کے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر سیاست نہ کی جائے اور رواداری اور برداشت کا مادہ نہ ہو تو جمہوریت نہیں چل سکتی اور میں سمجھتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ حکومت کو اور اپوزیشن دونوں کو مل کر مثبت رویہ رکھنا چاہیے۔ مخالفت برائے مخالفت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اور وقت سے پہلے اسمبلیوں کی تبدیلی یا الیکشن کا مطالبہ بھی

مناسب نہیں ہونا چاہیے۔

میں نے جی ابتداء پیپلز پارٹی سے کی ہے اور میں 19672002 تک پیپلز پارٹی سے منسلک رہا ہوں اور 2002ء کے الیکشن میں میں نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا اور میں کامیاب ہوا۔ اور میں نے اپنے آپ کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا کہ کل میں کسی پارٹی کے ٹکٹ پر آکر اور پھر میں اسے رد کر دوں تو یہ ٹھیک ہیں ہے۔ آزاد حیثیت سے آدمی زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتا ہے اس پر کسی کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ کسی سے غلط بیانی کی گئی تو میں چونکہ آزاد حیثیت سے لڑا ہوں تو میں نے اتنے عرصے کے بعد قائد اعظم کی اسمبلی جوئن کی ہے اور میں نے اس لئے جوئن کی ہے کیونکہ میں چاہتا تھا کہ میں اپنے علاقے میں جن لوگوں نے مجھے منسوب کیا ہے اس علاقے کی میں خدمت کر سکوں اور حکومت میں آکر ہی لوگوں کی خدمت کی جا سکتی ہے جو کافی پسماندہ ہے اور کسی ذاتی وجہ سے نہیں۔ میں نے نہ کبھی Horse trading میں حصہ لیا ہے اور نہ ہی ایسا ذہن رکھتا ہوں اور میری Horse trading کے بارے میں رائے مختلف ہے میں سمجھتا ہوں کہ Horse trading نہ ہونی چاہیے نہ ہی بہتر ہے سیاست کے لئے۔

پاکستان بنا ہی اسلام کے نام پر ہے۔ پاکستان میں نفاذ اسلام کا مقصد مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ جب پاکستان بنا ہی اسلام کے لیے ہے اور اس میں مسلمان ہی رہتے ہیں اور اکثریت Two nation theory پر یہ ملک قائم ہوا ہے تو یہ علاقہ اسلامی ہے اور یہاں اسلام ہمارا مذہب ہے اور ہمارا ملک قائم بھی اسلام کے نام پر ہے۔ ہم اس مذہب اسلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور تفرقہ بازی اور فرقہ پرستی سے خود کو دور رکھ کر مذہب اسلام پر گامزن ہیں۔

دیکھیں انسان کو اپنی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن کوشش میری یہی ہے اور کوشش رہی ہے کہ جو پسماندگی اضلاع میں ہے جنوبی پاکستان میں ہے اور خصوصاً میرے علاقے میں ہے۔ میں نے وہاں اپنے طور پر کوشش پہلے بھی کی ہے اور اب بھی کر رہا ہوں کہ وہاں بجلی کی facilities اور telephone line کی facilities اور اس وقت جو پانی کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں وہاں سکول بنائے جا رہے ہیں اور موجودہ حکومت نے 15 کروڑ روپے فی ضلع دیئے ہیں اور یہ کافی زیادہ ہے اور یہ اس بات سے بالاتر ہے کہ کس ضلع کی آبادی کتنی ہے اور

میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا اقدام ہے۔ جس سے علاقہ خصوصاً تعلیم کے لحاظ سے آگے بڑھے گا۔ کیونکہ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی علاقہ ترقی کیسے کرے گا وہ شعور پیدا نہیں ہوسکتا جو کہ ایک تعلیم یافتہ طبقے میں ہوسکتا ہے اور موجودہ حکومت کی پالیسی کے تحت اللہ کے فضل سے علاقے میں کافی سکول بن گئے ہیں اور ساتھ ہی ہسپتالوں کو بھی improve کیا جارہا ہے اس وقت میرے اپنے گاؤں میں بھی جس کو میں روجھاں کہتا ہوں یعنی شیخ زید ہمارے اور موجودہ وزیر اعلیٰ کی کاوشوں سے ہماری کوشش سے وہاں 40 بیڈ کا Airconditioned hospital بن رہا ہے اور ایک کشتیوں کا پل بن رہا ہے indus river کے اوپر بن رہا ہے۔ جس سے ضلع رحیم یار خان، راجن پور اور تحصیل روجھاں کا آپس میں رابطہ ہوجائے گا۔ اور اسی طرح اگلے دن میری ملاقات نیشنل ہائی وے چیئرمین سے ہوئی ہے جو انہوں نے tender کیے ہیں اور indus highway کے جو ضلع راجن پور اور ڈی جی خان کے درمیان لائین کرتی ہے 70 میل کے لئے اور تین فرموں کو tender دیا ہے۔ میں نے ان سے request کی ہے کہ بجائے اس سڑک کے اوپر جو پہلی سڑک ہے اس کے ساتھ پہلے road بنائی جائے تا کہ اس کی شکل ٹوٹ کر ایک بن جائے۔ تا کہ آئندہ کے لیے جو problem ہوں وہ پیدا نہ ہوں۔ انہوں نے مجھے مطمئن کیا ہے یقین دلایا ہے کہ وہ انشاء اللہ اس کے ساتھ road بنائیں گے اور انہوں نے 3 کمپنیوں کو tender show دیتے ہیں اور approve بھی ہوگئے ہیں۔ وہ راجن پور سے لے کر ڈی جی خان تک indus highway بنائی جائے گی جس میں indus highway کا سابقہ project شروع ہوا تھا جو کراچی سے لے کر پشاور تک تھا وہ complete ہوجائے گا اور پینے کے صاف پانی کا بھی انتظام کیا جارہا ہے اور ہمارے روجھاں میں شیخ زید ٹرسٹ سے اور وہ بھی ہمارے وزیر اعظم کی کوششوں کی وجہ سے پینے کا صاف پانی ٹربائین لگا کر صاف پانی مہیا کیا جارہا ہے۔ روجھاں میں over coat telephone exchange کا ہمارے are a میں عنقریب افتتاح کیا جارہا ہے اور مزید جو program ہے اس میں خصوصاً بچوں کو میٹرک تک مفت تعلیم دی جارہی ہے اور پھر بچیوں کے لیے 200 روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا گیا ہے جو کہ 80 فی صد حاضری پر دیا جائے گا تا کہ وہاں کی بچیوں کو incentive ملے تا کہ وہ پڑھنے کے لیے آئیں اور یہاں خواتین یا بچیاں پڑھ جائیں گی اور علاقہ ترقی کرے گا۔

4.10 جناب شوکت حسین مزاری صاحب:۔

شماریاتی جائزہ کے مطابق جناب شوکت حسین مزاری صاحب کا حلقہ انتخاب شہری اور دیہاتی علاقوں پر مشتمل ہے لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح سے دیا 34% لوگوں نے آپ کے کام کو بہت اچھا کہا ہے یعنی عوام نے "A" دی ہے۔ 20% لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار "B" میں کیا ہے۔ جبکہ 16% لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار "C" میں دیا ہے۔ مجموعی طور پر 70% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کو بہت سراہا ہے۔ اُن کے مطابق حلقہ کے MPA صاحب نے عوام سے مسلسل رابطہ رکھا ہوا ہے۔ ان کے تعلقات لوگوں کے ساتھ بہت اچھے ہیں۔ ان کا ترقیاتی کام بہت اعلیٰ ہے۔ خوشی اور
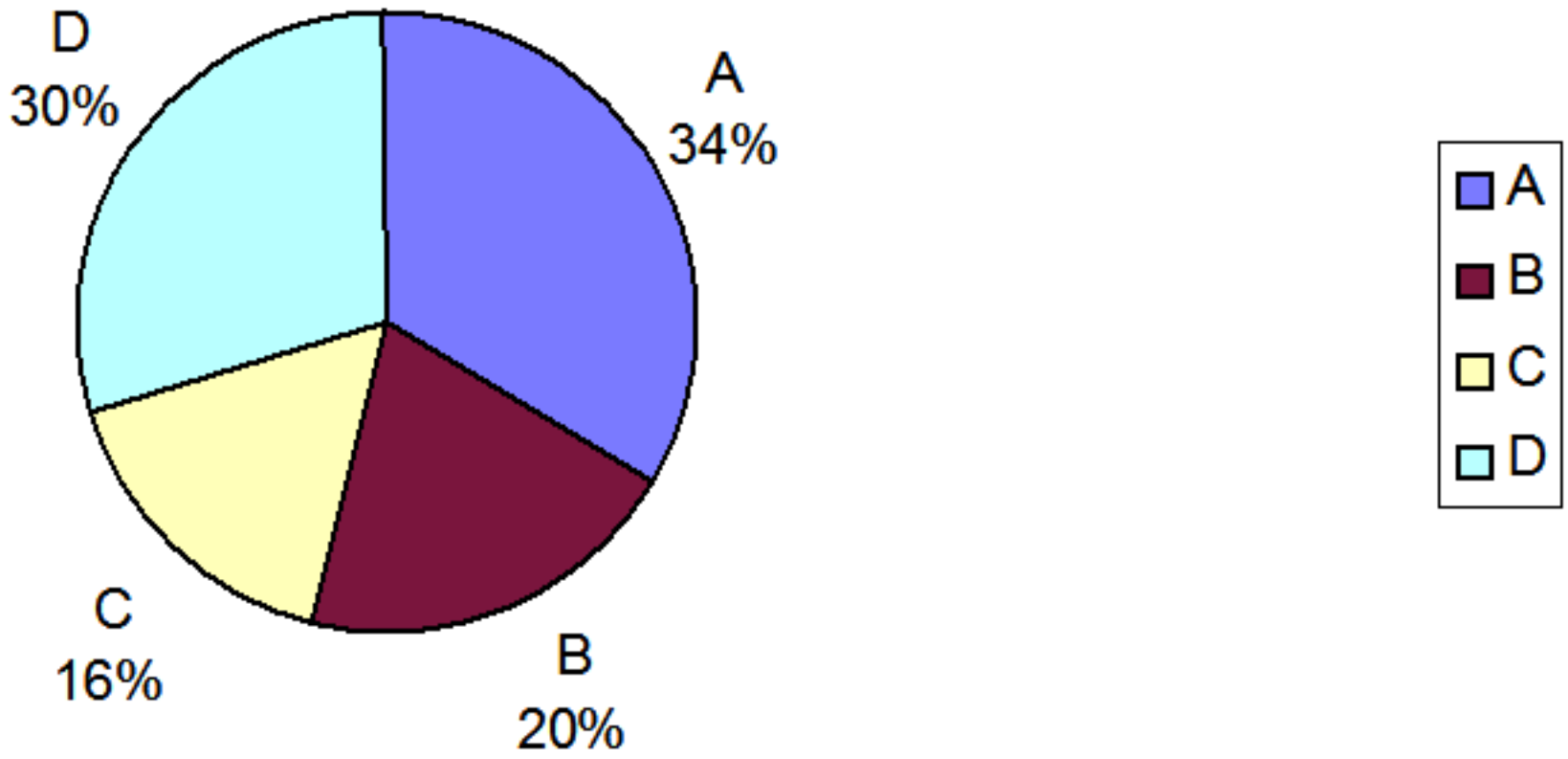
غمی میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ خواتین کے مسائل بھی حل کرواتے ہیں۔ اکثر و بیشتر اپنے حلقہ کے علاقوں کا دورہ بھی کیا کرتے ہیں۔ پنچایتی جھگڑوں میں خود شامل ہو کر مسائل حل کرواتے ہیں۔ 30% لوگوں نے آپ کو "D معیار" میں رکھا ہے۔ معلوم کرنے پر لوگوں نے رائے دی کہ آپ پارٹی لوگوں کا کام زیادہ دلچسپی سے کرواتے ہیں۔ عوام سے رابطہ کم ہونے کی بھی شکایت کی۔ اِن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو آپ کے سیاسی حریف رہے ہیں۔ وہاں لوگوں میں تسلسل کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کرتے۔ اکثر اوقات اسلام آباد اور لاہور رہتے ہیں وغیرہ۔ راقم سے انٹرویو کے وقت آپ بہت پڑھے لکھے ہیں۔ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ آپ نے خود کہا کہ دُور

دراز علاقوں میں اُن کا دورہ کم ہو جاتا ہے۔ چونکہ آپ آج کل ڈپٹی اسپیکر پنجاب اسمبلی ہیں۔ اس لئے اُن کے پاس وقت کم ہوتا ہے۔

ڈیرہ غازی خان کے مزاری خاندان کا انتقادی تجزیہ:۔

ڈیرہ غازی خان کا علاقہ بلوچ اور پٹھان قبائل کا مرکز رہا ہے اور اب بھی ہے۔ غازی خان نے سولہویں صدی عیسی میں دریائے سندھ کو پار کر کے علاقے کو بلوچستان سے آ کر فتح کر کے ڈیرہ غازی خان کا شہر بسایا۔ اس کے بعد بلوچ قبائل ان علاقوں میں آئے۔ مزاری خاندان جام پورا اور راجن پور کے زمینی اور پہاڑی علاقوں میں آباد ہوا۔ یہ بلوچ قبائل کا معروف خاندان ہے اور علاقے میں سرداری کے فرائض صدیوں سے انجام دے رہا ہے انگریزوں کے وفادار خاندان ہونے کی وجہ سے انگریزوں کی حمایت انہیں حاصل رہی اور وہ آزادی کے ساتھ قبائلی روایت کو نبھاتے رہے اور اب بھی نبھار ہے ہیں۔ انگریزوں کے دور میں سکولوں اور کالجوں کے اجرا سے اس خاندان کے اکثر افراد اہل علم ہوئے۔

پاکستان بننے کے بعد مزاری خاندان بھی پاکستان کی ترقی میں شامل رہا۔ 1949 میں میر بلخ شیر مزاری اس قبیلے کے سربراہ ہے۔ وہ ایک صاحب علم شخصیت رہے وہ سیاست میں بھی کامیاب رہے۔ 1955ء میں وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ اس اسمبلی کے سب سے کم سن ممبر تھے وہ ان کے بھائی بھی سیاست میں نامور ہوئے۔ 1974 میں میر بلخ شیر مزاری پاکستان پیپلز پارٹی کے ممبر بنے۔ 1993ء میں وہ نگران وزیر اعظم بھی رہے۔ سردار شیر باز مزاری نے مختلف انتخابات لڑے اور کامیاب بھی رہے۔ ان کے بڑے صاحبزادے ریاض مزاری بھی 1985 میں پنجاب اسمبلی کے ممبر ہوئے۔ دوسرے صاحبزادے فاروق مزاری ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ اسی خاندان کے ایک فرد سردار عاشق مزاری محکمہ صنعت میں صوبائی سیکریٹری رہے اور انہوں نے ملتان سے مشرق کی جانب صادق آباد میں مزاری خاندان کو صنعتی امور میں شامل کیا۔ یہ کپڑے کی فیکٹری بھی مزاری خاندان کا حصہ ہے۔ قبائلی کلچر کے تحت ان کے زیر سایہ عوام آج بھی عوام کالا مقام یعنی چار پائیوں کی طرح ہیں قبائلی کلچر سردار اور اس کا خاندان ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اب بھی ان کے علاقوں میں وہی کچھ ہوگا جو وہ چاہتے ہیں اگرچہ تعلیمی شعور اب بڑھتا جا رہا ہے سیاسی قلابازیوں کھانا مزاری خاندان کا طریقہ رہا اور یہ عمل اب تک جاری ہے۔

قریشی خاندان:۔

سجادہ حسین قریشی 1970ء کے انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم 1977ء کے انتخابات سے پہلے انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی اور اس پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جنرل ضیاء کے دور میں انہوں نے پھر اپنی سیاسی وابستگی تبدیلی کی اور جنرل ضیاء کے ہاتھ مضبوط کرنے لگے۔ بعد میں جنرل ضیاء نے انہیں مجلس شوریٰ کا رکن بنا دیا جس کے وہ 1985ء تک ممبر رہے۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد مخدوم سجاد حسین قریشی سینٹ آف پاکستان کے رکن اور ڈپٹی چیئر مین بنے اور ملک سے مارشل لاء کے خاتمے کے بعد 30 دسمبر 1985ء کو صوبہ پنجاب کے گورنر بنا دئے گئے☆۔ وہ اس عہدے پر دسمبر 1988ء تک فائز رہے۔ ان کے اس عہدے سے ہٹائے جانے کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بے نظیر کی ہدایت کے علی الرغم نواز شریف سے پنجاب کی وزارت اعلیٰ کا حلف لینے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔(۳۳)

مخدوم سجاد حسین قریشی کے بڑے صاحبزادے شاہ محمود قریشی نے سیاست کے میدان میں 1983ء میں قدم رکھا۔ اس برس انہوں نے لوکل باڈی کے انتخابات میں حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1986 میں پاکستان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے 1988 میں وہ دوبارہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس مرتبہ چوہدری پرویز الٰہی اور منظور وٹو کے ساتھ ساتھ ان کی نظریں بھی پنجاب کی وزارت اعلیٰ پر تھی مگر ان کو فقط منصوبہ بندی کا وزیر بننا ہی نصیب ہو سکا۔(۳۴) 1990 کے عام انتخابات میں وہ تیسری مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ اس مرتبہ بھی چوہدری پرویز الٰہی، منظور وٹو اور غلام حیدر وائیں کے ساتھ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کا خواب کبھی نہ جھٹکا۔ 1993 میں جب غلام حیدر وائیں کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور ہوئی تو شاہ محمود قریشی نے خفیہ طور پر بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی۔ لیکن بے نظیر منظور وٹو کی موجودگی میں بھلا کیا کر سکتی تھیں یوں معاملہ دبایا گیا۔ تاہم شاہ محمود قریشی اور نواز شریف کی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔ 1993ء کے عام انتخابات لڑا اور مخدوم جاوید ہاشمی کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے رکن بننے میں کامیاب ہو گئے۔(۳۵)

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۰

مخدوم سجاد حسین قریشی کے چھوٹے صاحبزادے مخدوم زادہ مرید حسین قریشی نے 1988ء میں پہلی مرتبہ اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا مگر پی ڈی پی کے امیدوار حاجی خلیل احمد شیخ کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔(۳۶) 1990 میں انہوں نے آزاد امیدوار کے طور پر انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا ان کا یہ فیصلہ درست ثابت ہوا اور وہ حاجی خلیل احمد شیخ کو پندرہ ہزار سے زیادہ ووٹوں سے شکست دے کر صوبائی اسمبلی کی نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

1993ء کے عام انتخابات میں اپنے بڑے بھائی کی طرح مخدوم زادہ مرید حسین قریشی نے بھی پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا۔ان کا حلقہ انتخاب تھا پی پی 166 ملتان 7۔وہ اس انتخاب میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔

مخدوم سجاد حسین قریشی کے چچا شیخ احمد کبیر بھی اپنے زمانے کے معروف گدی نشین تھے اور انہوں نے اپنے بڑے بھائی شیخ مخدوم مرید حسین کے ساتھ ایک سمجھوتے کے تحت اپنے مریدی کے حلقے آپس میں تقسیم کر لیے تھے۔شیخ احمد کبیر ڈسٹرکٹ بورڈ کے نامزد رکن اور ملتان میونسپل کمیٹی کے منتخب شدہ رکن رہے۔انہوں نے تحریک عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریکوں کو ناکام بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ان کے صاحبزادے پیر خورشید احمد قریشی (تاریخ پیدائش۔12 اکتوبر 1903) ایچی سن کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ان کی شادی اپنی تایازاد بہن اور نواب سر مخدوم مرید حسین قریشی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔انہوں نے ایک مختصر عرصہ سیاست کے میدان میں گذارا اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹی کے ممبر رہے۔(۳۷)

نواب عاشق حسین قریشی نے عملی سیاست میں قدم رکھا۔وہ یونینسٹ پارٹی کے پلیٹ فارم سے 1937 اور 1946ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1946ء کے انتخاب کے کچھ عرصہ بعد ایک انتخابی عذر داری کے باعث ان کی رکنیت کالعدم قرار دے دی گئی اور ان کے حریف مسلم لیگی امیدوار محمد اکرم بوسن کامیاب قرار دے دیئے گئے۔نواب عاشق حسین قریشی کچھ عرصہ صوبائی وزیر بھی رہے۔انہوں نے 1947ء میں لاہور کے فسادات میں وفات پائی۔نواب عاشق حسین قریشی کے صاحبزادے نواب صادق حسین قریشی ہیں۔انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز 1962ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کی رکنیت سے کیا۔کہا جاتا ہے کہ 1970ء کی

انتخابی مہم کے دوران یہ صادق حسین قریشی ہی تھے جنہوں نے ملتان کے قریب ذوالفقار علی بھٹو پر ریلوے پھاٹک بند کروا کر قاتلانہ حملہ کروایا تھا۔مگر بھٹو اس حملے سے بال بال بچ نکلے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد صادق حسین قریشی پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور علمدار حسین گیلانی کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں وہ نومبر 1973ء سے مارچ 1975ء تک پنجاب کے گورنر اور 11 جولائی 1975ء سے 5 جولائی 1977ء تک پنجاب کے وزیر اعلیٰ رہے☆۔ 1985ء میں انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی ہائی کمان کے اس فیصلے کے باوجود کہ پارٹی کا کوئی رکن انتخاب میں حصہ نہیں لے گا۔حلقہ پی پی 166 ملتان 10 سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا مگر بری طرح سے ہار گئے۔اس حلقے سے پانچ امیدواروں نے انتخاب لڑا تھا۔جن میں پنجاب کے اس سابق گورنر اور وزیر اعلیٰ کی پوزیشن چھوتی تھی۔

صادق حسین قریشی کے تایا شیخ بہاون شاہ کے پوتے'اور فدا حسین قریشی کے صاحبزادے ریاض حسین قریشی پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہیں۔ 1988ء میں انہوں نے این اے 115 ملتان 2 سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا تھا اور عوامی اتحاد کے سید حامد سعید کاظمی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے بابو فیروز دین انصاری کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے رکن بننے میں کامیاب رہے تھے۔ 1990ء میں انہوں نے دوبارہ اسی نشست سے انتخاب لڑا مگر اس مرتبہ انہیں علامہ سعید کاظمی کے ہاتھوں تقریباً 20 ہزار ووٹوں سے شکست اٹھانی پڑی۔(۳۸) 1993ء میں انہوں نے اسی نشست پر تیسری مرتبہ انتخاب لڑا۔مگر اس مرتبہ بھی ان کے ستارے یاوری نہ کر سکے اور وہ پی ایم ایل (این) کے امیدوار حاجی محمد بوٹا سے تقریباً سترہ ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔مخدوم سجاد حسین قریشی کے بیٹوں کے علاوہ ان کے تین داماد بھی ایک طویل عرصہ سے سیاست کے میدان میں ہیں۔

حضرت بہاءالدین زکریا کے 31 ویں سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود حسین قریشی' مخدوم سجادہ حسین قریشی مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ 22 جون 1956ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد ایچی سن کالج لاہور میں داخل کئے گئے۔ 1979ء میں سینئر کیمرج' 1977 میں بی اے پاس کر کے 1979 میں اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک گئے۔ 1983ء میں کیمرج یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد وطن واپس آئے۔

☆ ضمیمہ نمبر ۱۱

آپ 1985ء کے غیر جماعتی اور 1988ء اور 1990ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ممبر صوبائی اسمبلی منتخب ہوتے رہے۔ 1987ء میں آپ ضلع کونسل ملتان کے چیئر مین منتخب ہوئے۔ دوبارہ صوبہ پنجاب کے محکمہ خزانہ اور منصوبہ بندی وترقیات کے وزیر رہے۔ اکتوبر 1993ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کو زراعت کے لیے وزیر اعظم پاکستان کی ٹاسک فورس چیئر مین اور خوراک کا پارلیمانی سیکرٹری بنا دیا گیا۔

1994ء میں آپ وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور بنائے گئے بعد ازاں آپ کو وزیر اعظم کا خصوصی ایلچی بنا دیا گیا۔ وزیر اعظم کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے آپ نے متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملک کی نمائندگی کی۔

اپنے والد مخدوم سجاد حسین قریشی کی وفات کے بعد 1988ء میں آپ کو بحیثیت سجادہ نشین دستار بندی ہوئی اور آپ بیک وقت تین درگاہوں حضرت بہاءالدین زکریا، حضرت شاہ رکن عالمؒ اور حضرت بی بی پاک دامنؒ کے سجادہ نشین بنے۔(۳۹)

نوابزادہ صادق حسین قریشی (گورنر پنجاب) سوانح عمری:۔

نومبر 1973ء سے مارچ 1975ء تک پنجاب کے گورنر اور 11 جولائی 1975ء سے 5 جولائی 1977ء تک پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہنے والے نوابزادہ صادق قریشی 1926ء میں پیدا ہوئے اور چیفس کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی آپ کا تعلق ملتان کے سیاسی وروحانی خاندان قریشی سے تھا۔ آپ کے والد نواب عاشق حسین قریشی 1937ء یں ملتان میونسپلٹی بورڈ کے صدر رہے پھر 1946ء میں صوبائی اسمبلی کے ممبر اور کچھ عرصہ کے لئے صوبائی وزیر بھی رہے۔

نوابزادہ صاحب نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1960ء میں کیا۔ آپ بلدیہ ملتان کے ممبر منتخب ہوئے بلدیہ ملتان نے آپ کو امپروومنٹ ٹرسٹ کے لئے اپنا عہدہ منتخب کیا۔ صدر ایوب خان کے زمانہ میں آپ ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے ممبر منتخب ہوئے اور بعد ازاں اس کے وائس چیئر مین چنے گئے۔ یہ عہدہ قوم کے عظیم اقدار، ملکی فلاح اور عوام کے درمیان ایک اہم رابطے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس منصب کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ جس

شخص پر اگر خدا خوش ہو اور ضلع کونسل کا وائس چیئر مین ناراض نہ ہو تو اس کے وارے نیارے ہیں۔ اور ضلع کے تمام وسائل اور نعمتیں اس کی جیب میں ہیں۔ اسی وجہ سے مفاد پرست اس عہدیدار کے گرد گھومتے رہتے تھے۔ اور خوب ہاتھ رنگتے تھے مگر نواب صادق حسین قریشی نے ان تمام روایات کو غلط کر دکھایا اور خود اپنا دامن بھی آلائشوں سے پاک رکھا۔ (۴۰)

قومی سیاست میں پہلے وہ کنونشن مسلم لیگ کے ساتھ تھے پھر کونسل مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ 1970ء میں ان پر ذوالفقار علی بھٹو پر قاتلانہ حملہ کرانے کا الزام لگا کیونکہ انہی دنوں وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور 1970ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے حلقہ این ڈبلیو 80 ملتان 2 سے ایم این اے منتخب ہوئے۔ بعدازاں وہ ذوالفقار علی بھٹو کے قریب ہو گئے۔ بھٹو مرحوم بطور وزیراعظم جب بھی ملتان آتے مرحوم صادق حسین قریشی کی رہائش گاہ وہائٹ ہاؤس میں قیام کرتے۔ اور تمام سرکاری میٹنگز یہیں ہوتیں۔ جن میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے پہلی اہم ترین میٹنگ بھی شامل ہے۔

1972ء میں گورنر پنجاب کے مشیر بنائے گئے جب عارضی دستور کے تحت جمہوریت کا دور شروع ہوا تو آپ کو وزیر زراعت بنا دیا گیا۔ بعدازاں 1973ء میں گورنر پنجاب کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1977ء میں صوبائی اسمبلی کے حلقہ 166 سے بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔

مارشل لاء کے بعد سیاسی منظر سے غائب ہو گئے لیکن جب 1984ء میں صدر ضیاء الحق نے ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا تو اس کی حمایت کر کے لوگوں کو حیران کر دیا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے موقع پر پی پی پی سے استعفیٰ دے کر صوبائی حلقہ 166 سے انتخاب لڑا مگر ناکام رہے اس کے بعد وہ سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کش ہو گئے۔ 26 جون 2000ء کو 74 سال کی عمر میں لاہور میں انتقال کر گئے اور قلعہ کہنہ قاسم باغ پر درگاہ حضرت بہاءالدین زکریا میں سپرد خاک ہوئے۔ (۴۱)

ظہور حسین قریشی PP 217 خانیوال سوانح عمری:۔

ظہور حسین قریشی ولد شجاعت حسین قریشی 19 دسمبر 1973ء میں لاہور میں پیدا ہوئے 1997ء میں MBA پاس کیا آپ امریکہ کو Wake Forest Unit کے ہونہار طالب رہے۔ خانیوال کی تحصیل میاں

چنوں کے ناظم 2001-2002 بنے۔بطور Managment Contract اور ماہرزراعت 2002 کے صوبائی الیکشن کے حلقہ 217PPP سے صوبائی ممبر پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔آپ کے داد پیر ظہور حسین قریشی 1951-1955-1956 میں مغربی پاکستان کے صوبائی ممبر رہے۔آپ مشہور سیاسی خاندان قریشی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے داد چچا مخدوم سجاد حسین قریشی گورنر پنجاب 80-1985 رہے☆۔آپ کے والد پیر شجاعت قریشی ممبر سینٹر 89-1986 ءرہے۔ بعد میں آپ کے والد 93-1990 ء میں ممبر قومی اسمبلی بنے۔1977ء 1993-1996 ء میں صوبائی اسمبلی پنجاب کے ممبر بنے۔آپ کے چچا مخدوم شاہ محمود حسین قریشی 80-985، 90-1988 ءاور 93-1990 ءممبر صوبائی اسمبلی پنجاب رہے۔آپ 96-1993 ءمیں قومی اسمبلی کے ممبر بنے شاہ محمود قریشی صوبائی وزیر خزانہ پنجاب رہے۔بحیثیت وزیر پارلیمانی امور اسلام آباد رہے۔آج کل شاہ محمود قریشی Standing Member N.Assmbly ہیں۔اور آجکل 2008 الیکشن کے بعد وفاقی وزیر خارجہ ہیں۔

مخدوم محمد سجاد حسین قریشی سوانح عمری:۔

مخدوم محمد سجاد حسین قریشی کی پیدائش 24 ستمبر 1923ءکوملتان میں ہوئی آپ کے والد گرامی مخدوم مرید حسین قریشی (مرحوم) قانون ساز اسمبلی کے ممبر اور حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق خاص تھے۔درس نظامی کی تعلیم علامہ سرسید سلیمان ندوی،مولانا خدا بخش ملتانی اور اپنے وقت کے دیگر جید علماء سے حاص کی۔میٹرک کا امتحان پائلٹ سیکنڈری سکول نواں شہر ملتان سے پاس کیا اور گورنمنٹ کالج (ایمرسن کالج) ملتان سے بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔

مخدوم صاحب کی اپنے والد گرامی کے ہمراہ حضرت قائداعظم سے دہلی اور شملہ میں کئی ملاقاتیں ہوئیں قائداعظم مخدوم صاحب کو پیار سے ساجد کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔جب مخدوم صاحب شملہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ قائداعظم کے فلیٹ سے متصل مقیم تھے۔قائداعظم نے ان سے پوچھ کہ ''کون سا اخبار پڑھتے ہو'،جب انہیں بتایا گیا کہ "Tribune" تو قائد نے ناپسندیدگی کرتے ہوئے انہیں "Statesman" پڑھنے کا مشورہ

☆ ضمیمہ نمبر ۱۱

دیا۔اس طرح مخدوم صاحب کی علمی وادبی تربیت میں قائداعظم کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

مخدوم صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردارادا کیا۔قائداعظم کی ہدایت پر اپنے والد گرامی مخدوم مرید حسین قریشی'سرعبداللہ ہارون'جی ایم سید اور دیگر کئی مسلم لیگی زعماء کے ہمراہ سندھ اور بلوچستان کے طول و عرض کے دورے کئے اور رائے عامہ کو نظریہ پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔آپ جنوری 1947ء کی تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہوئے اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ 1940ء کو قرارداد پاکستان کے اجلاس میں منعقدہ اقبال پارک لاہور میں شریک ہوئے 22 مارچ کی شب جب اس قرارداد کا مسودہ لکھا گیا آپ اس وقت قائداعظم کے ہمراہ تھے۔قیام پاکستان کے بعد ملتان میں مہاجرین کی آبادی کاری کے سلسلے میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں اور ملتان سمیت مختلف اضلاع میں مسلم لیگ کو منظّم کیا مخدوم محمد سجاد حسین قریشی (مرحوم) بلدیہ ملتان کے سربراہ چار مرتبہ قومی اسمبلی کے ممبر'سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین اور گورنر پنجاب جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے۔

سابق صدر محمد ایوب خان کے دور حکومت میں قومی اسمبلی میں اپوزیشن کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر رہے وہ متعدد بار پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے کئی ممالک کا دورہ کیا اور دومرتبہ شاہی مہمان کی حیثیت سے سعودی عرب بھی گئے اور شاہ فیصل اور شاہ خالد کے محل میں قیام کیا۔شاہ فیصل'شاہ خالد ملائیشیا کے وزیراعظم تنکوعبدالرحمٰن' شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی'وزیراعظم ایران امیر عباس ہویدا اور وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی کے علاوہ وسطی ایشیائی ریاستوں کے حکمرانوں سے ان کی ذاتی مراسم تھے سابق وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو کے ہمراہ مراکش اور اٹلی کا سرکاری دورہ بھی کیا۔سابق صدر جنرل محمد ضیاءالحق (مرحوم) نے انہیں وفاقی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا بعد میں آپ پنجاب سے بھاری اکثریت سے سینٹر منتخب ہوئے ورپھر بلا مقابلہ سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین منتخب ہوگئے۔ مخدوم صاحب کو دسمبر 1985ء میں پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا اور آپ سب سے زیادہ عرصے تک اس عہدے پر فائز رہے آپ نے انگریزی روایات کے برعکس دربار ہال کی بجائے گورنر ہاؤس کی جامع مسجد میں اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اور اس حلف کی ہمیشہ پاسداری کی ان سے یہ حلف فرزند اقبال جسٹس جاوید اقبال نے لیا تھا اور وہ گورنر ہاؤس میں اپنے مہمانوں کے اخراجات خود برداشت کرتے تھے ذاتی

کاموں کے لیے کبھی سرکاری گاڑی استعمال نہیں کی۔انہوں نے گورنر ورسینٹ کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے بلا معاوضہ خدمات سرانجام دیں۔ گورنر کے عہدے سے استعفیٰ کے بعد بھی خصوصی مراعات حاصل نہ کیں انہوں نے گورنر کی حیثیت سے ملتان میں بے شمار ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا جن میں معروف سڑکوں کی کشادگی ابن قاسم پارک اور شاہ شمس پارک کی تعمیر' اہم چوکوں کی کشادگی اور ملتان کے تمام قبرستانوں کے گرد چار دیواری کی تعمیر بھی شامل ہے۔

مخدوم صاحب نے اپنے دور میں نامور سرائیکی شاعر مولیٰ لطف علی' سلطان التارکین حضرت مخدوم حمید الدین حاکم اور دیگر مزارات کی تزئین نو کے لئے اقدامات کئے گورنر کی حیثیت سے انہوں نے سزائے موت پانے والے کسی بھی شخص کے بلیک وارنٹ پر دستخط نہیں کئے۔ 1988ء میں پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت کی بناء پر میں نواز شریف کو وزیر اعلیٰ بنا تھا اس سلسلے میں مخدوم صاحب نے تمام تر رکاوٹوں کے باوجود میاں نواز شریف سے حلف لیا اور اپنے اس تاریخی اور آئینی اقدام کے بعد گورنر کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔

آپ کی کوشش کے نتیجے میں حضرت غوث بہاءالدین زکریاؒ کی درگاہ سے متصل زکریا کمپلیکس تعمیر ہوا بعد میں حاجی کیمپ بنا دیا گیا انہوں نے ملتان میں عالمی سطح پر کئی مذہبی اور دینی تقریبات منعقد کرائیں قومی زکریا کانفرنس کا اجراء بھی آپ ہی نے کیا۔

صادق حسین قریشی سوانح عمری:۔

صادق حسین قریشی 1927ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق ملتان کے مخدوم قریشی خاندان سے ہے۔ آپ کے والد نواب عاشق حسین قریشی یونینسٹ پارٹی کے سرکردہ لیڈر تھے۔صوبائی وزیر بھی رہے۔ 1947 میں لاہور کے فسادات میں وفات پائی۔آپ نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ 1948ء میں ضلع کونسل ملتان کے رکن اور اگلے سال نائب صدر منتخب ہوئے۔ 1962ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ 1970ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب جیتا۔ 12 نومبر 1973ء سے مارچ 1975 تک پنجاب کے گورنر رہے۔جولائی 1975ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب مقرر ہوئے۔مارچ 1977ء کے عام انتخابات میں پھر صوبائی اسمبلی کے رکن بنے۔ 11 اپریل 1977ء کو مارشل لاء کے نفاذ پر اس عہدے سے

برطرف ہوئے۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی کے اس فیصلے کے باوجود کہ پارٹی کا کوئی کارکن انتخاب میں حصہ نہیں لے گا انہوں نے ملتان سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا لیکن بری طرح سے ہار گئے۔

سوانح عمری مخدوم شاہ محمود قریشی:۔

نام	مخدوم شاہ محمود قریشی
ولدیت	مخدوم محمد سجاد حسین قریشی
	(سابقہ گورنر پنجاب پاکستان)
تاریخ وجائے پیدائش	22 جون 1956ء مری (ڈسٹرکٹ راولپنڈی)
مکمل پتہ	باب القریش، دولت گیٹ ملتان
ڈومیسائل	پنجاب
ازدواجی حیثیت	شادی شدہ (تین بچے)
تعلیم	ایم اے (CANTAB)
تعلیمی ادارے جہاں زیر تعلیم رہے	ایچی سن کالج لاہور، ایف سی کالج لاہور پاکستان، کیمرج یونیورسٹی U.K
پیشہ	زمیندار، پارلیمنٹیرین

بحیثیت وفد اور سیمینار میں شمولیت:۔

1987ء میں آپ امریکہ کے کسانوں کے وفد 'فارم ڈیلیگیشن'' کے ممبر رہے۔آپ نے بہت سی گورنمنٹ اور پرائیویٹ کانفرنس میں حصہ لیا۔ بنگلہ دیش، امریکہ، فرانس، جرمنی، ملائشیاء، آسٹریا، سنگاپور اور سویڈن میں منعقد ہونے والی ورک شاپس میں حصہ لیا۔

1992,1996ء میں سیلز برگ سیمینار میں حصہ لیا۔ 1996ء میں جنوبی ایشیاء کی کانفرنس برائے ماحول وتوانائی (انڈیا) میں شمولیت اختیار کی۔ 1995ء (بنکاک) میں ہونے والی E.S.CA.P کانفرنس میں حصہ لیا۔ 1997ء (انگلینڈ) میں ہونے والی ویلٹن پارک کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ 1996ء (کیلفورنیا

(امریکہ)) میں گول میز ایشین لیڈر کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ 1998ء برسلز (بیلجیم) میں منعقد ہونے والی جنوبی ایشیاء/یورپی یونین تعاون کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ 1999ء لاہور پاکستان کی انڈیا پاکستان مکالمہ میں شرکت کی۔ جنوبی ایشیاء علاقائی تعاون کانفرنس (میکسیکو' امریکہ) میں حصہ لیا۔ بلوسا گروپ میٹنگ مسقط' اومان 1998 میں حصہ لیا۔ 1998 یو ایس آئی ایس سیمینار واشنگٹن ڈی سی' امریکہ کی فارن پالیسی کے نکھار کی کانفرنس میں حصہ لیا۔ آپ ممبر پریزیڈنٹ اینٹورج (سعودی عرب' کویت' ترکی) رہے۔ آپ ممبر پرائم منسٹر اینٹورج (مورو کو سپین) رہے۔ نومبر 2000ء چنائی' انڈیا میں ہونے والی کانفرنس برائے پاکستان۔ انڈیا کے مکالمے کی بازیابی میں حصہ لیا۔ 2001ء بلوسا گروپ کانفرنس "داری شیپنگ آف یورپین سیکورٹی ریلیشن 1980-2000ء کانفیڈنس اینڈ سیکورٹی بلڈنگ میئر اینڈ کنونیشنل آرمز کنٹرول"' جو ویلٹن پارک U.K 2001ء میں منعقد ہوئی اس میں شرکت کی۔

سیاسی پوزیشن اسمبلیوں میں:۔

آپ 1985ء کے غیر جماعتی اور 1988ء اور 1990ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر☆ صوبائی اسمبلی منتخب ہوتے رہے۔ 1987ء میں آپ ضلع کونسل ملتان کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ دوبارہ صوبہ پنجاب کے محکمہ خزانہ اور منصوبہ بندی و ترقیات کے وزیر رہے۔ اکتوبر 1993ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کو زراعت کے لئے وزیر اعظم پاکستان کی ٹاسک فورس کا چیئرمین اور خوراک وزراعت کا پارلیمانی سیکرٹری بنا دیا گیا۔

1994ء میں آپ وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور بنائے گئے۔ بعد ازاں آپ کو وزیر اعظم کا خصوصی ایلچی بنا دیا گیا۔ وزیر اعظم کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے آپ نے بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملک کی نمائندگی کی۔ 1997 میں آپ ڈپٹی سیکرٹری جنرل پاکستان پیپلز پارٹی رہے۔ 1997ء میں ہی آپ ممبر سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی' پاکستان پیپلز پارٹی رہے۔

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۷

اپنے والد مخدوم سجاد حسین قریشی کی وفات کے بعد 1998ء میں آپ کی بحیثیت سجادہ نشین دستار بندی ہوئی آپ بیک وقت تین درگاہوں حضرت بہاء الدین زکریا، حضرت شاہ رکن عالمؒ اور حضرت بی بی پاکدامن کے سجادہ نشین بنے۔ 2002ء کے الیکشن میں MNA بنے اور وزیر اعظم پاکستان کے لئے PPP کی طرف سے نامزدگی کے بعد قومی اسمبلی میں انتخاب لڑا۔ مگر ناکام رہے 2001ء میں ڈسٹرک ناظم منتخب ہوئے۔ 2002ء میں استعفیٰ دے کر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔

اعزازی مرتبہ:۔

ممبر آف سینٹ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان بنے

چیئرمین کسان ایسوسی ایشن پاکستان رہے

ممبر بورڈ آف گورنر ایچی سن کالج لاہور پاکستان۔ ممبر فاطمید بورڈ آف گورنرز پاکستان ریلوے تا حیات پیٹران الشفا ٹرسٹ ہسپتال

چیئرمین پالیسی پلاننگ کمیٹی پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان کے چیئرپرسن SoS چلڈرن ویلج ملتان ہیں

(1) آپ نے ایک رپورٹ اکنامکس ریسورس موبی لائینکشن صوبائی اقتصادیات تیار کی۔

(2) بحیثیت پرائم منسٹر ٹاسک فورس چیئرمین زراعت ایک رپورٹ تیار کی

(3) بحیثیت چیئرمین نیشنل زراعت کوآرڈینیشن کمیٹی کاٹن کے بارے ایک رپورٹ مرتب کی

(4) ایک عدد Review Input/outpur کمیٹی رپورٹ تیار کی۔

(5) ایک رپورٹ زراعت کی مصنوعات کی پیداواری قیمت تیار کی۔

(6) ایک رپورٹ سیمینار کی تیار کردہ FAP's Vision about Sustainable growth of the National Economy اور اس کا باہمی تعلق رورل اور زراعتی سیکٹر۔

(7) شوشل سیکٹر کی کارکردگی کی رپورٹ پنجاب سندھ اور سرحد، بلوچستان تیار کی۔ (۴۲)

پیر ریاض حسین قریشی راقم کا انٹرویو 04-08-21:۔

میں سمجھتا ہوں کہ قومی سیاست میں آنے کے لیے بلدیاتی سیاست میں آنا بہت ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم کلاس 1 سے پڑھنا شروع نہیں کریں گے تو ہمیں B.A کی ڈگری کیسے ملے گی؟میں سمجھتا ہوں کہ بلدیاتی سیاست ایک سیاست دان کے لئے Basic character built کرتی ہے۔اس کی ایک مثال یوں دوں گا کہ درخت بننے لئے بیج ڈالا جاتا ہے اور پھر اس کی آبیاری کی جاتی ہے کئی سال بعد وہ ایک تناور درخت بن کر کھڑا ہوتا ہے۔یہی مثال کافی ہے بلدیاتی سیاست میں آنا ہر ایک کا کام نہیں اس کے لیے خوب محنت کرنا پڑتی ہے اور پھر جا کر ایک اچھا ٹیلنٹ پیدا ہوتا ہے۔سیاست کے لئے وقت چاہیے۔پیسہ چاہیے بلدیاتی سیاست میں آنے کے بعد ایک سیاستدان کو سیاست کی باریکیوں کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بلدیاتی سیاست قومی سیاست میں آنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

بات یہ ہے کہ یہاں پر اس ملک کے اندر انتقامی سیاست کا زیادہ دباؤ ہے جو بھی پارٹی اقتدار میں آتی ہے وہ مخالفین کو انتقامی نشانہ بناتے ہیں اور ہر جگہ اس کو نا کام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے پھر لوگ مجبور ہو جاتے ہیں۔ دیکھیں جی بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر اب میں چار پر اجیکٹس میں کام کر رہا ہوں جہاں تک میری ڈیوٹی کا تعلق ہے تو کوشش میری یہی ہے کہ اپنے فرائض کو ایمانداری سے ادا کروں میں نے ایجوکیشن میں خصوصی طور پر توجہ دی ہے میری کوشش رہی ہے اب تک میں دن رات کوشش کرتا ہوں کہ اساتذہ کو مقام ملے۔اساتذہ کا کوئی مقام نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے یہ ٹارگٹ ہے اور میں نے کئی دفعہ اس کا اعلان کیا ہے اور میں یہ سمجھوں گا کہ ایجوکیشن میں انقلاب جس دن لایا میں نے استاد کو معاشرے میں اس کا صحیح مقام دلا دیا اور وہ اس کا ٹسٹ یہ ہوگا کہ جس Professor نے Lecturer نے CSP بننے کی کوشش نہ کی میں سمجھوں گا کہ آج یہ معاشرہ صحیح طور پر چل گیا ہے۔استاد کی چونکہ عزت نہیں ہے،استاد کا چونکہ احترام نہیں ہے استاد کی پوری تنخواہ نہیں ملتی اور جس کی وجہ سے جو اچھے brain ہوتے ہیں وہ دوسرے شعبوں میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح سکولوں میں کالجوں میں اچھے استاد باقی نہیں رہتے اور میرا یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا میں کوشش کر رہا ہوں کہ اساتذہ کو ان کی زیادہ Respect دلائی جائے۔معاشرے میں اساتذہ کو تنخواہیں معقول دی جائیں تا کہ استاد بطور استاد ہی رہنا

پسند کرے۔

ہاں جی یہ ہے کہ میں دو دفعہ رہا دونوں دفعہ حکومتی پارٹی کے ساتھ رہا۔اصولی طور پر پارلیمنٹ میں پارلیمانی پارٹی ہوتی ہے مثلاً میں نے اس دفعہ پارلیمانی پارٹی کی meeting میں کئی دفعہ یہ سوال اٹھایا کہ MNA'S کو جو Development funds دیئے جاتے ہیں وہ بند کر دیئے جائیں۔اس سے corruption بڑھ رہی ہے۔اس سے صحیح ترقی نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔کیونکہ جو سرمایہ ہے Divide ہو جاتا ہے۔اگر ایک district کو 12 ارب روپیہ مل رہا ہے تو دو دو کروڑ میں تقسیم ہو جاتا ہے۔تو بڑے Projects کام نہیں کر سکتے لیکن میری پارلیمانی پارٹی کی اکثریت جو تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ کام ختم کیا جائے اس لئے کوئی ایسا خاص Plan نہیں ہے۔

آئین کا تو جھگڑا ہی نہیں رہا اصل میں جو ممبران پارٹی ہیں وہ صحیح معنوں میں مضبوط کیا جائے ان کو سٹاف دیا جائے ان کو صحیح تعلیم دی جائے تا کہ وہ اپنے فرائض صحیح طرح سے انجام دے سکیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس طرح ہو جائے تو یہ پارلیمنٹ مضبوط ہو جائے گا۔

4.11 جناب پیر ریاض حسین قریشی صاحب:۔

شماریاتی جائزہ کے مطابق جناب پیر ریاض حسین قریشی صاحب کے حلقہ انتخاب سے لوگوں نے ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا۔ آپ کا علاقہ گلگشت کالونی' چونگی نمبر 9 ' خانیوال روڈ' یونیورسٹی روڈ پر مشتمل رہا ہے۔ انٹرویو میں 21% لوگوں نے سوالوں کے جواب "A" میں دیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ عوامی مسائل کو حل کرانے میں خاصی دلچسپی لیتے رہے 18%
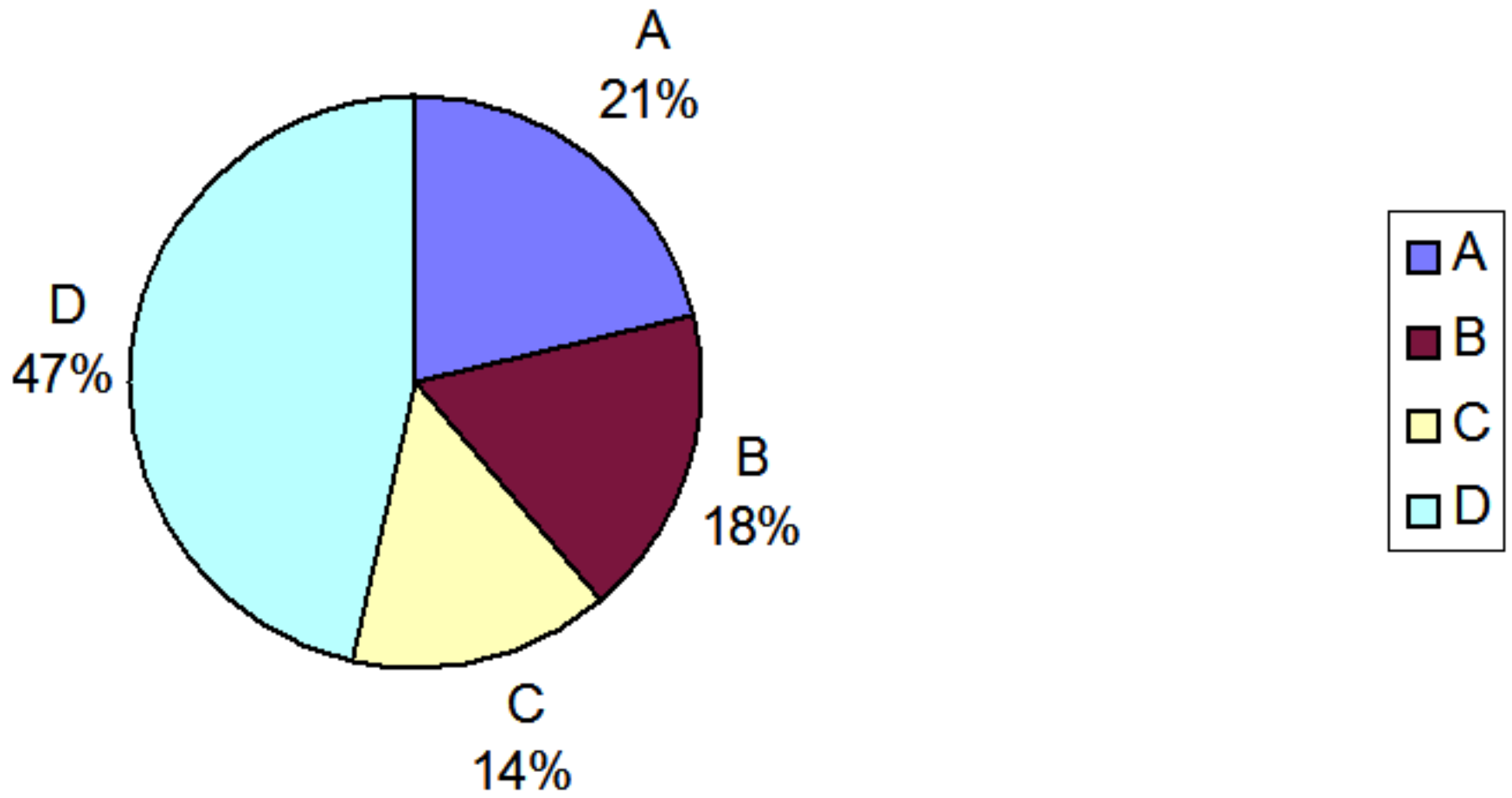
لوگوں نے "B" میں جواب دیا۔ جب کہ 14% لوگوں نے "C" میں جواب دیا۔ اس طرح مجموعی طور پر 53% لوگوں نے آپ کے کام کو سراہا ہے۔ 47% لوگوں نے اپنی رائے "D معیار" میں دی۔ جسکی وجہ لوگوں نے یہ بتائی کہ MNA صاحب نے اپنے حلقہ انتخاب کے لوگوں کو صحیح طریقہ سے مستفید نہیں کیا۔ یہ صرف پارٹی ممبرز کے کام کرواتے رہے ہیں۔ برادری کی بنیاد پر انہوں نے زیادہ کام کرائے۔ دور دراز علاقوں میں ان کی دلچسپی کم رہی۔ عوام سے رابطہ کم رہا۔ عورتوں کے پنچائتی فیصلوں میں عدم دلچسپی' ترقیاتی کام کا کم ہونا۔ لوگوں کو ملازمتیں کم دلوائیں۔ عورتوں کے مسائل میں عدم دلچسپی وغیرہ۔ جن لوگوں نے آپ کے بارے اچھی رائے دی اُن میں سماجی خدمت کا جذبہ ایم این اے میں موجود رہا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری شکایت کا ازالہ کرنا بھی ہمارے ایم این اے کا

کام ہے۔کئی سالوں سے محروم طبقہ نے آپ کے کام کی تعریف کی ہے۔آپ لوگوں کے غم میں برابر شریک رہے اور عوام کو مطمئن کیا۔

شاہ محمود قریشی راقم کا انٹرویو 14-11-04:۔

میں تین مرتبہ منتخب ہوا۔88,85 اور 1990ء میں۔تو یہ 88-85 تک تین سال اور پھر دو سال یعنی صوبائی اسمبلی میں 8 سال رہا۔ پہلا الیکشن غیر جماعتی تھا اور اس میں ہم اپنے بل بوتے پر کامیاب ہوئے تھے۔اس وقت جو ملک کی بڑی پارٹی تھی۔PP نے اس وقت الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا اور میں نیا نیا یونیورسٹی سے پڑھ کر آیا تھا اور غیر جماعتی انتخاب کے بعد مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

جی بلدیاتی انتخاب میں حصہ لیا اور میں ملتان کا چیئرمین منتخب ہوا۔1987ء میں اور 91-1987ء تک میں ضلع کونسل ملتان کا چیئرمین بھی رہا اور اس وقت ضلع لودھراں ملتان کا حصہ ہوا کرتا تھا۔تو لودھراں اور ملتان کا ایک ہی ضلع تھا تو میں لودھراں اور ملتان کا ضلع کونسل کا چیئرمین رہا پھر بلدیاتی انتخابات میں میں نے دوبارہ حصہ لیا۔2000ء میں جب میں ضلع ناظم ملتان منتخب ہوا اتو دو دفعہ میں نے حصہ لیا اور دونوں دفعہ ہی کامیابی ہوئی۔

بلدیاتی سیاست میں میں نے جب حصہ لیا تو ملتان کے لئے بے پناہ ترقیاتی کاموں کا آغاز کیا گیا۔ بحیثیت ضلع ناظم کے میں پورے ضلع کی ایک منصوبہ بندی کی اور ہر ضلع کا ایک Longterm development plan مرتب کیا۔Health کے لئے, agriculture کے لئے education کے لئے' Senitation کے لیے' Water Supply کے لئے' اور اس کو ایک کتابچے کی شکل دی۔ملتان کا جو سیوریج واٹر سپلائی کا جو پروگرام بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اس کی نئی Planning کی اور اس کا ایک بھرپور پروگرام مرتب کیا جس پر اب کام شروع ہو چکا ہے اور امید ہے کہ جب یہ مکمل ہوگا تو ملتان میں جو Sverage کا مسئلہ ہے وہ حل ہوجائے گا۔اسی طرح ملتان کے لیے ایک Private secter میں ایک Public transport شروع کی گئی جو پہلے نہیں ہوا کرتی تھی اور لوگوں کو خاصی دقت تھی اور اب یہ ہم نے Public transport in private sector میں چلائی اور اس کو چلوانے میں میں نے کوشش کی اور نتیجتاً اس سے عوامی کو خاص relief ملا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کے محکمے میں خاصا کام کیا گیا۔ملتان کے

لئے ایک نئے ڈگری کالج کے قیام کی کوشش کی گئی ملتان کی لڑکیوں کے لیے ایک ہوم اکنامکس کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ ملتان کے excisting جو سکول ہیں ان کو upgrade کیا گیا۔ ان کی جو missing facilities تھیں یعنی کہیں دیوار نہیں تھی، کہیں بیت الخلاء نہیں تھے، کہیں کمروں کی کمی تھی، کہیں building بالکل ناقص تھی Building بالکل dangerous ہو چکی تھیں ان کو دوبارہ تعمیر کروایا گیا۔ کچھ سکولوں کو upgrade کیا گیا کہیں بجلی نہیں تھی کہیں پینے کا پانی نہیں تھا تو ایک comprehensive plan پھر بنایا گیا۔ ملتان کے educational institutions کے لئے۔ اسی طرح ملتان کی صحت کے لئے جو Health Care تھے ان کی upgradation کے لئے پروگرام بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملتان کے لئے پورے جنوبی پنجاب کے لئے ملتان انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی یعنی دل کے امراض کا ہسپتال، اس کی منصوبہ بندی کی گئی جگہ کا انتخاب کیا گیا اور اب انشاء اللہ اس پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی نئی سڑکوں کے جال بچھائے گئے۔ بہت سی excisting roads کی مرمت کی گئی۔ بہت سے دیہاتوں کو بجلی فراہم کی گئی اور اس کے علاوہ mega projects ہم نے شروع کئے اور اس کے علاوہ ہم نے micro projects بھی یونین کونسل کی سطح پر شروع کیے گئے۔ جلال پور تحصیل میں کوئی Hospital نہیں تھا تو وہاں ہی کوارٹر تحصیل پر Hospital کی بنیاد رکھی گئی۔ اور آج وہ بن رہا تقریباً بن چکا ہے۔ اسی طرح سے تحصیل شجاع آباد میں بڑی گنجان آبادی ہے۔ ٹریفک کا بڑا مسئلہ تھا کوئی بائی پاس نہیں تھا اور اب ایک بائی پاس کی منصوبہ بندی کی گئی۔ بائی پاس تعمیر کیا گیا جس سے کہ لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ملتان کے لئے ملتان خانیوال روڈ کو بہاولپور روڈ سے ملانے کے لیے ایک southern bypass جو کہ ضلع جہانگیر آباد سے لے کر کھاد فیکٹری تک planning کی تھی وہ اب زیر تعمیر ہے۔ اسی طرح excisting بہت سی سڑکیں تھیں جن کی کشادگی کا plan کیا گیا ملتان کی جو بڑی سڑکیں ملتان متی تل روڈ جو کبیر والا سے ملتی ہے، ملتان دنیا پور روڈ جو کہ دنیا پور، لودھراں، کہروڑپکا جاتی ہے اور ملتان بدھلہ روڈ جو کہ single سڑکیں تھیں۔ آبادی بہت زیادہ تھی ان کی widening کی منصوبہ بندی کی یعنی ان کو plan کیا اسی طرح sports کے میدان میں ہم نے بہت کچھ کیا۔ ملتان میں wrestling کے لئے ایک نیا سٹیڈیم زیر تعمیر ہے جس کی بنیاد رکھی گئی جو پرانا divisional supports

ground ہوتا تھا اس میں مختلف sports کوفروغ دینے کے لیے planing کی گئی نیا cricket ground بنا گیا cricket pivillion بنایا گیا۔ Hocky pitch بنائی گئی۔ باسکٹ بال کوٹس بنائے گئے۔ Gyms کا پلان کیا اور مختلف Sports کے لئے facilities کو upgrade کیا۔ پارک کو درست کیا گیا اور اس کی منصوبہ بندی کی گئی تو یہ چند موٹے موٹے کام یعنی projects ہیں۔ ہاں ویٹرنی hospitals کو upgrade کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ میٹرنٹی ہوم کے لیے child and mother care کے لئے ہم نے میٹرنٹی ہوم اور میٹرنٹی سینٹرز مرتب کئے۔ مختلف دیہی علاقوں میں تو اس سے تھوڑے عرصے میں ملتان کی خاصی خدمت اور ترقی ہوئی اور پہلے دور میں بھی بطور ضلع کونسل چیئر مین بے پناہ ترقی ہوئی۔ منصوبوں کا آغاز کیا اور ان کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

بحثییت صوبائی وزیر کے دو تین کام ہیں جن کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں جن پر مجھے مسرت ہوتی ہے پہلا یہ کہ جو National finance Commision award جو صوبوں کے درمیان اور مرکز کے درمیان تقسیم کرتا ہے وہ خاصے عرصے سے زیر بحث تھا اور پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا تھا تو مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے پنجاب کی نمائندگی کی اور اس پروگرام کو مرتب کیا گیا اس کو حل کیا اور پنجاب کے لیے خاص وسائل حاصل کرنے کے لیے کامیابی حاصل ہوئی اور پنجاب جو اضافی وسائل آئے ان مسائل سے پنجاب کا جو ترقیاتی پروگرام ہے اس میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا اور وہ پیسہ جنوبی پنجاب کے لئے بھی وقف کیا اور وہاں پر ترقیاتی کام حاصل ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا دیرینہ مسئلہ چلا آ رہا تھا کہ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا معاہدہ نہیں ہو رہا تھا تو اس میں بھی میں نے پنجاب کی نمائندگی کی اور چاروں صوبوں اور وفاق کے ساتھ مل کر گفت وشنید کر کے ایک واٹر ریکارڈ 1991ء میں ہم نے سائن کیا جس کی بنیاد پر ملک میں جتنے نئے ڈیموں کی پلاننگ ہو رہی ہے اس کی بنیاد اس میں رکھی تھی۔ جب تک پانی کی تقسیم کا معاہدہ نہیں ہوتا اور کوئی Water Project جو نہیں تھا کیونکہ یہ ایک آئینی مسئلہ تھا اور یہ کونسل آف کامن انٹرسٹ میں اس پر بحث ہو چکی تھی۔ اگر اس پر بات چیت نا ہوتی تو یہ مسئلہ رہے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے اس وقت پنجاب میں جو آپ کے پرائیویٹ سیکٹر کو encourage کرنے کے لئے تعلیم کے اور صحت کے شعبے میں public private patnership کا concept

hold کیا تھا اور ہم نے پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور پنجاب ہیلتھ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کے ذریعے Private Sector کے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ہم نے funds رکھے اور schemes لے کر آئے جس سے کہ private secter میں لوگ invest کریں اور ہسپتال بنائیں اور تعلیمی ادارے بنائیں تا کہ حکومت پر بوجھ ہلکا ہو اور private secter میں contrubute کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پنجاب کی سطح پر ہم نے زراع کے شعبے میں توجہ دینے کی کوشش کی تھی اور بہتری لانے کے لئے ہم نے پروگرام شروع کئے تھے پنجاب کی سطح میں میں نے یہ بھی کوشش کی اور کوشش کر بھی رہا ہوں کہ پنجاب کے کاشتکاروں کو منظم کیا جائے اور کاشتکاروں کے لئے میں نے ایک Pakistan farmer association نام کی NGO کی بنیاد رکھی۔ جس میں پڑھے لکھے progressive کاشتکار مل بیٹھیں اور بیٹھ کر transfer of technology آپس میں exchange کریں۔ آپس میں تبادلہ خیال کریں تا کہ ملک میں زراعت کی production میں بہتری آ سکے۔ پیداوار میں اضافہ ہو سکے اور agriculture sector جو کہ ایک neglected secter تھا اس کے لیے ایک موثر آواز بن کر پالیسی ساز اداروں میں پنجاب کے کاشتکاروں کا، پاکستان کے کاشتکاروں کا مقدمہ لڑا جائے۔ تو یہ چند موٹی موٹی چیزیں ہیں جو ہم نے پنجاب میں کی ہیں۔

دیکھیں جو دور تھا وہ بے نظیر کے زمانے میں میں نے جب minister تھا تو میں ایک چیز کو focus کرنا چاہوں گا کہ مجھے بے نظیر صاحبہ نے agriculture task force کا چیئرمین بنایا تو میں نے اس task force کے لئے زرعی شعبے کی ایک comprehensive vision دیا۔ ایک پالیسی دی اور وہ cabnet کو پیش کی۔ cabnet نے اس کو منظور کیا اور پھر عمل شروع ہوا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کی زراعت کو subsistance level سے بڑھا کر commercial lelvel کی طرف لے جایا جائے تا کہ عام کاشتکار کی پیداوار میں اضافہ ہو اس کی آمدن میں اضافہ ہو۔ اس کی قیمت خرید میں اضافہ ہو۔ یہ ایک comprehensive agricultural policy ہم نے مرتب کی۔ cotton policy جس میں کاشتکاروں کا سالہا سال استحصال ہو رہا تھا اور صنعت کار اس کا استحصال کر رہا تھا ایک نئی ہم نے کاٹن پالیسی مرتب کی اور اس کو cabnet سے پاس کروایا اور اس سے جنوبی پنجاب اور سندھ کے کپاس کے کاشتکار کو اربوں روپیہ جو

resource transfer ان کا ہو رہا تھا اس کو روکا گیا اور کاشتکار کی جیب میں وہ پیسہ ڈال دیا گیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں زراعت کے شعبے میں بالخصوص cotton کے شعبے میں خاصی ترقی اور پیش رفت ہوئی اور جونئی پالیسی ہم نے مرتب کی اس کا پاکستان کے دیہی علاقوں میں اور پاکستان کے کاشتکاروں پر بڑا خوشگوار اثر ہوا۔

جی نہیں وراثتی سیاست کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے ملک کے استحکام کے لیے آپ کو Issue orinted policies اور نظریاتی سیاست کی ضرورت ہے میں سمجھتا ہوں کہ جیسے جیسے تعلیم عام ہوگی تو لوگوں کو سیاسی شعور اجاگر ہوگا اس سے وراثتی سیاست دم توڑے گی اور ہمیں اس کا دم ٹوٹتا ہو دکھائی دے رہا ہے۔

دیکھیئے جمہوریت کے لئے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بزرگوں نے تحریک پاکستان کے لئے contribute کیا۔ پاکستان کی بنیاد رکھنے کے لئے contribute کیا اس کے علاوہ مختلف ادوار میں سیاسی عمل کا حصہ رہے اور جمہوریت میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ مجھے اللہ نے موقع نہ دیا تو میں نے حوصلے کے ساتھ بہت سی مراعات کو ٹھکرایا۔ حکومت کی پیشکش تھیں کہ آپ ناظم رہے آپ وزیر بن جائیں ہمارے ساتھ تعاون کریں مگر میں اپنے نظریے کے ساتھ قائم رہا۔ اپنی جماعت کے ساتھ وابستہ رہا۔ اپنی جماعت کے ساتھ رواداری نبھائی اور فوجی حکومت کا حصہ دار نہیں بنا۔ جو ریفرنڈم ہوا تھا جنرل مشرف کا، جس کو میں غیر آئینی تصور کرتا تھا تو میں پاکستان کا واحد ضلعی ناظم تھا جس کی میں نے کھلے عام مخالفت کی اور اس میں حصہ دار نہ بنا۔ جو Public funds ان activities کے لیے استعمال ہو رہے تھے میں واحد ناظم تھا جس نے ان funds کو دینے سے انکار کر دیا۔ بحیثیت ضلع ناظم کے میں نے ضلع ملتان میں مختلف Polittical activities جو opposition کی تھیں ان کو ادا کرنے کا پورا پورا موقع عنایت کیا۔ بحیثیت ممبر قومی اسمبلی کے اسمبلی کے فورم پر میری ہمیشہ جمہوری قوتوں اور جمہوری اداروں کے لیے آواز اٹھائی ہے۔ اس وقت بھی ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے جو 73ء کا آئین کی اصلیت کو بحال کرنے کے لیے جو جدوجہد ہو رہی ہے اس کاروان میں میں شامل ہوں اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرر ہا ہوں۔

یہ بڑی بدقسمتی ہے ہمارے ملک میں بار بار مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔ ہمارے ادارے کمزور ہوئے اور کمزور اداروں کی وجہ سے مارشل لاء بار بار آتا رہا اور بدقسمتی سے ہماری عدلیہ نے بھی کوئی موثر کردار ادا نہیں کیا۔ اگر

پاکستان کی عدلیہ پاکستان کے آئین کا ساتھ دیتی اور پاکستان کے آئین کی شقوں کا احترام کرواتی تو شائید بار بار ملک میں تالع آزما کو پاکستان کے آئین کو توڑنے کا اور اس کو Suspend کرنے کا ان کو موقع نہ ملتا۔اسی طرح ہمارے ہاں کچھ خودغرض سیاستدانوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر وقت کے فوجی حکمران کے ساتھ تعاون کیا اور جمہوری قوتوں کا ساتھ نہ دیتے ہوئے سیاسی صفحوں کے اندر تقسیم پیدا کی جس سے کہ فوجی حکومتوں کو فوجی عامروں کو بار بار مداخلت کرنے کا موقع ملا یہ اجتماعی کوتاہیاں سب سے ہوئی ہیں لیکن اب قوم اس چیز کو realize کرر ہی ہے کہ ہمارا مستقبل وفاق کا مستقبل ایک مضبوط جمہوریت سے منسلک ہے اور اگر ہم نے معاشی ترقی کرنی ہے اگر معاشی خوشحالی حاصل کرنی ہے اگر ہم نے بین الاقوامی سطح پر رہنا ہے عزت اور وقار بنانا ہے تو ہمیں جمہوریت کا ساتھ دینا ہوگا اور پاکستان میں جمہوری طرز حکومت رائج کرنا ہوگا۔اب لوگوں میں Political conscionsness بڑھتی جارہی ہے۔Political awareness بڑھتی جارہی ہے اب امید کی جاسکتی ہے کہ اگر کسی نے آئندہ ایسی کوشش کی تو جمہوری قوتیں مل کران کے سامنے آکر رکاوٹ بنیں گی۔

دیکھیے میں احتساب کے عمل کا حامل ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ احتساب ہونا چاہیے اس میں کوئی شک نہیں کہ corruption نے ہمارے ملک کو cancer کی طرح چاٹا ہے اور بہت سے لوگوں نے اپنے عہدوں کو missuse کیا ہے۔اپنے اقتدار کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا ہے اور کرپشن میں لوگ ملوث ہوئے ہیں۔بدقسمتی سے توقع یہ کی جارہی تھی کہ ملک میں ایک شفاف قسم کا احتساب کا عمل شروع کیا جائے گا بدقسمتی سے جو احتسابی عمل ہمارے ملک میں دیکھنے میں آیا ہے تو وہ اتنا شفاف نہیں ہے۔لیکن اس کے پیچھے بھی سیاسی مقاصد تھے جو حکومت وقت کے مخالفین تھے ان پر مقدمے بنا کر ان کو جیل میں ڈالا گیا جنہوں نے حکومت کا ساتھ دیا اور جنہوں نے کرپشن بھی کی تو وہ کرپشن کے مقدمات کے باوجود آج بھی cabnet میں بیٹھے ہوئے ہیں تو اس سے احتساب کے عمل پر احتساب کی creadibility متاثر ہوئی ہے تو کاش ایسا نہ ہوتا۔تو ہمیں اس ملک میں ایک شفاف ایک منصفانہ استحصالی عمل کی ضرورت ہے جو پاکستان کے عوام کی بھی خواہش ہے میری بھی خواہش ہے کیونکہ جب تک ہم corruption کا مقابلہ نہیں کریں گے سیاسی سطح پر اور انتقامی سطح پر ملک ہمارا ترقی نہیں کرسکتا۔لیکن وہ عمل اتنا شفاف ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی بھی ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے اور کوئی سیاسی انتقام کے مقاصد

حاصل نہ ہوسکیں۔

میں نے صرف ایک بار پارٹی تبدیل کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے صرف مسلم لیگ چھوڑی ااور پھر پیپلز پارٹی میں آیا تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زرعی issueپر زرعی policyپر میری اس وقت کی مسلم لیگ کی حکومت سے۔نواز شریف کی حکومت سے چند بنیادی اختلافات ہوئے اور میں ان اختلاف کا برملا پنجاب اسمبلی کے فورم پر ذکر کیاااظہار کیامقصدان کی ذات سے اختلاف نہیں تھامیرا مقصداس حکومت کی اس زرعی پالیسی سے اختلاف تھا جومیرے خیال سے ناقص تھی اوراس میں اصلاح کی ضرورت تھی۔بہر حال اس وقت اس کولوگوں نے غلط رنگ دیا اُن کے کان بھرے اوراُن کے درمیان اورمیرے درمیان اعتماد کا فقدان پیدا ہوا۔ایک gapپیدا ہوااور وہ gap اتنابڑھ گیا کہ میں نے سمجھا کہ مجھے مزید ان کے ساتھ رہنامیرے لئے مشکل ہے تو میں نے باعزت طریقے سے میاں صاحب سے درخواست کی۔ان سے ٹائم لیاان سے ان کے ماڈل ٹاؤن والے گھر میں ملاقات کی اوران کو بتایا کہ یہیں میں نے آپ کے ساتھ شمولیت اختیار کی تھی آپ کے ساتھ چلا تھا۔اب میں مزید آپ کے ساتھ نہیں چل سکتااور میں ان کوخدا حافظ کہا۔میں نے اپنی حمایت ۔۔۔۔کہتے ہیں نہ کہ میں نے floor cross نہیں کیا۔انتخابات کے انتظار کیا۔پھر PPPمیں گیا۔عوام کے سامنے خود کوپیش کیا اورعوام کے ووٹوں سے منتخب ہوکر آیا۔میں نے یہ نہیں کہا کہ منتخب ہوکر میں مسلم لیگ سے آؤں اور switch کرجاؤں PPPمیں۔تو لوٹا میں نہیں بنا اور میں نہ اس چیز کو پسند کرتا ہوں۔میں نے اختلاف کیا اور اختلاف کرکے میں نے اپنی Political alinement change کی اوراسalinment change کے ساتھ میں اپنی عوام یعنی حلقے کی عوام کے پاس گیا اور حلقے کی عوام کے سامنے اپنا مقدمہ رکھا۔لوگوں نے میری بات کی تائید کی اور مجھے میرے حریف پر 22000ووٹوں کی برتری سے 1993ءمیں'میں نے اپنے حریف جاوید ہاشمی صاحب کوشکست دی اورقومی اسمبلی کاممبر بنا چنانچہ میرے موقف کومیرے حلقے کی عوام نے پذیرائی دی۔

ملک میں جمہوری استحکام کے لیے میرے نزدیک جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں اداروں کو مستحکم کیا جائے۔مضبوط کیا جائے ااور منتخب حکومت کواختیارات سونپ دیئے جائیں عوام کی بات کا احترام کیا جائے پاکستان کی پریس کی آزادی کو کاٹ کیا جائے judiceary کومضبوط کیا جائے۔خودمختار کیا جائے اورعوام کی

رائے کا احترام کیا جائے۔ ملک کے اندر الیکشن کمیشن کو آزاد اور خود مختار بنایا جائے۔ جب سے ملک میں آزادانہ منصفانہ غیر جانبدارانہ انتخابات ہوں جن انتخابات پر قوم کا اعتماد ہو اور شفاف انتخابات ہوں یہ نہ ہو کہ انتخابات کے بعد لوگوں کو الزام تراشی کا موقع ملے جیسے کہ ہمارے ہمسایہ ملک میں انتخابات ہوتے ہیں انتخابات تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ہماری بدقسمتی سے نتائج کو وہ تسلیم نہیں کرتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے انتخابات اتنے شفاف نہیں ہوتے' انتخابات اگر شفاف ہوں گے لوگوں کا سارے سسٹم پر اعتماد ہوگا اور اس اعتماد کی وجہ سے ادارے مضبوط ہوں گے تو جمہوریت بھی مضبوط ہوگی۔

بہت سے قوانین قومی اسمبلی میں زیر بحث ہونے کے لیے آئے ہیں اور آتے ہیں ابھی بھی آرہے ہیں کیونکہ میں ممبر ہوں اور بہت سی باتوں پر ہم اپنی رائے دیتے ہیں بہت سی resolutions ہوتی ہیں' خارجہ پالیسی ہوتی ہے' حکومتی پالیسی' معاشی پالیسی' بجٹ اور مختلف bills بھی ہوتے ہیں جن پر میں اپنا موقف بھی پیش کرتا ہوں اور میری پارٹی نے بھی ایک legislative cell ایک بنایا ہے جو مختلف bills کی نوک پلک کو درست کر کے اس کو move کرتا ہے۔ ہم PPP نے بھی بہت سے Bills move کئے ہیں۔ جو عوامی نوعیت کے مسائل ہیں۔ مثال کے طور پر Women Empoverment bills ہم نے move کیا ہے اور کئی آئینی ترامیم کے بارے میں پیش رفت کئے ہیں۔ جن سے ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت مضبوط ہوگی اور یہ ایک جاری process ہے اور ہم اس Process کے حصہ دار ہیں اور اس میں حصہ دیتے ہیں۔

17 ویں ترمیم کی ہم نے مخالفت کی ہے کیونکہ ترمیم میں کچھ ایسی تبدیلیاں کی گئی ہیں جن سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آئین کے ڈھانچے کو تبدیل کر دیا گیا ہے اور supreme court نے بھی 17 ترمیم کے آئین میں کدغن لگائی تھی۔ 17 ویں ترمیم میں پارلیمانی نظام کو پارلیمانی نظام نہیں رہنے دیا گیا اور بہت سے اختیارات پارلیمانی نظام نہیں رہنے دیا گیا اور بہت سے اختیارات پارلیمانی نظام سے صدارتی شکل کی طرف گئے ہیں۔ ایوان صدر کی طرف گئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت سے منفی پہلو ہیں اور اس میں national security council کے ذریعے سے فوج کو politicse کرنے کوشش کی گئی ہے اور ان کو permanent role دینے کی کوشش کی گئی ہے اور political اداروں کو ان کا Subservinet کیا گیا

تو 17 ویں ترمیم کی میں نے اور میری پارٹی نے مخالفت کی ہے۔ گو حکومتی لوگوں ے اا ور کچھ اسمبلی کے حضرات نے 2 تہائی اکثریت نے اس کو پاس کر دیا اور ہم نے اپنی rescrvations کو اسمبلی کے floor پر بھی اظہار کیا اور اعتراضات ریکارڈ کرائے تاریخ کے لیے اور لکھ کر بھی اپنے اعتراضات مذاکراتی ٹیم کے سامنے پیش کیے۔

4.12 جناب شاہ محمود قریشی صاحب:۔

جناب شاہ محمود قریشی صاحب کا حلقہ انتخاب ضلع ملتان کے دیہی علاقوں پر مشتمل ہے۔اس حلقہ انتخاب میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں جن کا آپ سے مسلسل رابطہ رہتا ہےاورلوگوں کے ذاتی کام بہت جلد اور خوش اسلوبی سے حل ہوجاتے ہیں۔اس حلقہ انتخاب میں ایک شماریاتی جائزے کے مطابق 44% لوگوں نے کارکردگی کو بے حد پسند کیا ہے۔گراف میں آپ کی کارکردگی کو"A"معیار میں رکھا گیا ہے۔جبکہ 25% لوگوں نے اپنے رائے کااظہار"B"میں دیا ہےیعنی آپ کی اس حلقہ میں کارکردگی اچھی ہے۔17% لوگوں نے آپ کی کارکردگی کوتسلی بخش قرار دیا ہے۔مجموعی طور پر 86% لوگوں نے بہت اچھی کارکردگی کااظہار کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس حلقہ انتخاب میں تسلسل سے ترقیاتی کام کروائے ہیں اور اپنے دور اقتدار میں جب آپ ایم این اے اورایم پی اے بنےلوگ آپ کی کارکردگی سے راضی نظر آتے ہیں۔شادی ہو،پنچائتی فیصلے ہوں، تعمیرات ہویالوگوں کوروز گار دلوانا ہوآپ نے اپنے علاقے کے لئے اچھے کام کئے ہیں۔بے نظیر دور میں آپ وفاقی وزیر برائے پارلیمانی امورر ہے ہیں۔ہمیشہ میرٹ کی بات کرتے ہیں۔
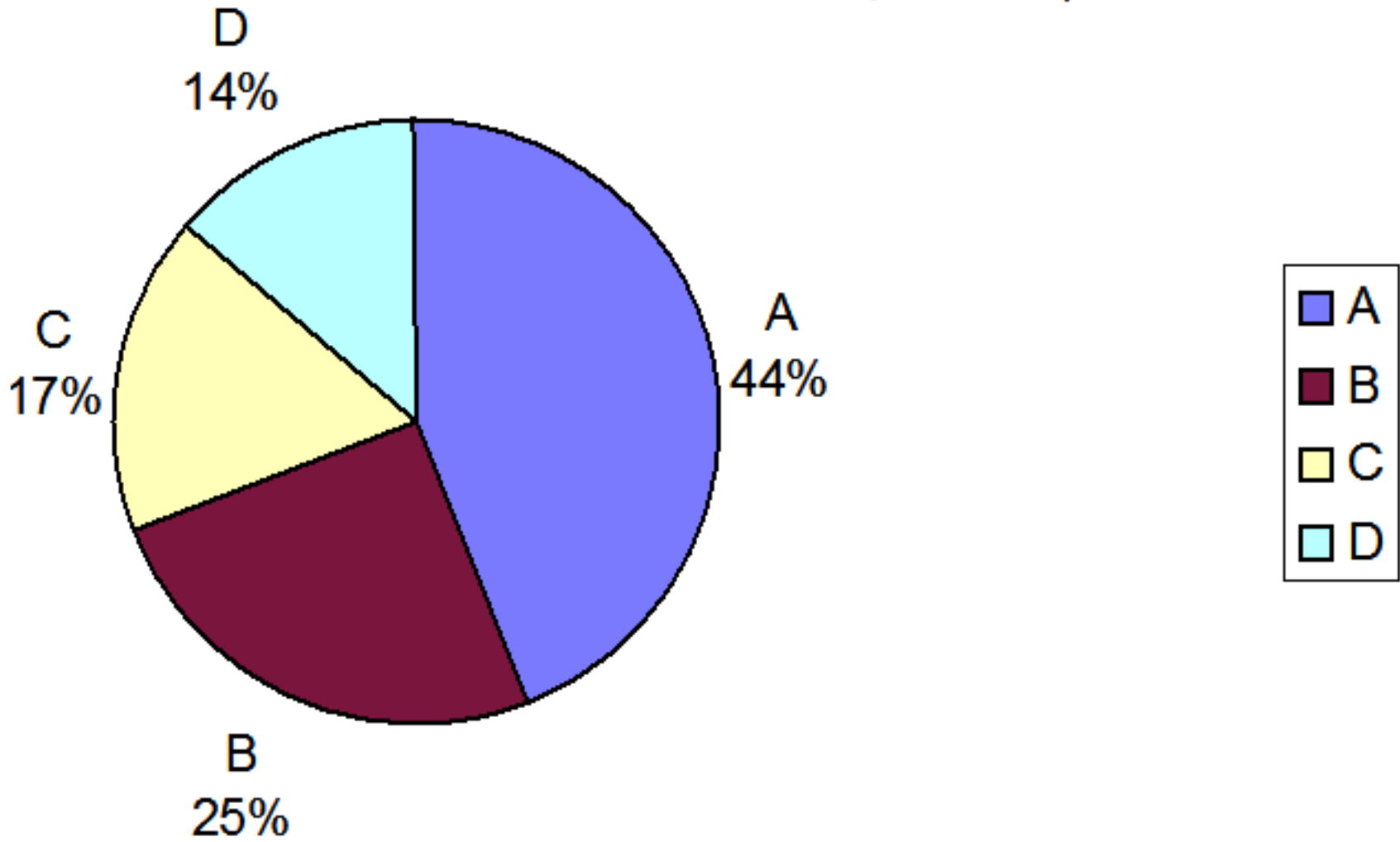
ضرورت مند افراد کی دادرسی بھی کرتے ہیں۔ آپ کے بہت سے مریدین صوبہ سندھ میں رہتے ہیں۔ آپ دربار حضرت بہاؤ ل الحق اور دربار شاہ رکن عالم کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔شماریاتی جائزے کے مطابق آپ کے حلقہ انتخاب سے 14% لوگوں نے غیر تسلی بخش کارکردگی بتائی ہے۔اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کے حلقہ میں اور بھی سیاسی مخالفین موجود ہیں۔ یا تو ان کے کام نہیں ہوتے یا آپ اس علاقے میں مصروفیت کی وجہ سے ترقیاتی کام نہیں کرا سکے۔ چونکہ آپ کا زیادہ وقت Opposition میں گزرا ہے ہوسکتا ہے کہ آپ کو ترقیاتی فنڈز جاری نہ کئے گئے ہوں؟۔ اگر تناظر سے دیکھا جائے تو آپ کی بنیادیں حلقہ کی عوام میں پیوست ہیں۔

ملتان کے قریشی خاندان کا انتقادی جائزہ:۔

ملتان کے نامور اور مصروف قریشی خاندان کے بانی مشہور عالم اجل اور عارف عظیم حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ملتان آئے اور یہاں آپ نے درس و تدریس اور احیائے اسلام کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ ان کی خانقاہ قلعہ کہنہ ملتان پر مرجع عوام و خواص ہے ساتھ ہی ان کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم کا انتہائی خوبصورت مزار بھی ہے۔اس خاندان کے بزرگوں نے برصغیر میں اسلام پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ سندھ تک کے لوگ ان کے ہاتھوں شرف بہ اسلام ہوئے اب بھی ہر سال ہزاروں سندھی زائرین حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سالانہ عرس پر ملتان آتے ہیں۔ صدیوں پر مشتمل یہ خاندان سلاطین کی نوازشوں سے مستفید ہوتا رہا اور ان سلاطین نے خانقاہ شریف کے نام پر اس خاندان کے مخدوموں کو مالی امداد اور جاگیروں سے نوازا۔ یہ جاگیریں اب بھی موجود ہیں۔ ملتان کی سکھوں پر حکومت کے بعد جب انگریز ملتان پر قابض ہوئے تو اس خاندان نے اپنی قدیم روایات کے پیش نظر ان کی بھرپور اطاعت کی اور ان کے مددگار ثابت ہوئے۔ جنگ آزادی 1857ء میں اس خاندان کے مخدوم شاہ محمود نے انگریز کمشنر کو مقامی آبادی کی بے چینی کے متعلق قیمتی معلومات اور اطلاعات فراہم کیں اور سرکاری فوج کی مدد کے لئے پچیس سواروں کی ایک ملتانی پلٹن تیار کر کے دہلی بھجوائی ان خدمات کے عوض اسے قیمتی جاگیر نقد انعام اور آٹھ کنویں زمین انگریز سرکار نے عطا کی۔

اپنے خاندان وقار کو قائم رکھنے کے لئے جو صدیوں سے چلا آرہا تھا اور اب بھی موجود ہے قریشی خاندان نے مختلف سیاسی مصلحتوں کے تحت وقت کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ روحانی خاندان ہونے کے

ساتھ ساتھ یہ خاندان ایک عظیم جاگیردار خاندان ہے۔انگریزوں نے اس خاندان کے لوگوں کومختلف ادوار میں سر اور نواب کالقب بھی عطا کیا۔ پاکستان میں جاگیردارانہ نظام کی کڑی گرفت ہی کےتحت موجودہ مخدوم شاہ محمود کے والدمحترم نواب مخدوم سجاد حسین قریشی مرحوم ومفقود پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ان سے پہلے ان کے بیٹے نواب صادق حسین قریشی بھٹودور میں پنجاب کے گورنر رہے۔مخدوم شاہ محمود قریشی بھی وزیر رہے اوراب قومی اسمبلی کے رکن ہیں۔اس خاندان کا سیاسی اورروحانی اثراب بھی علاقے پر قائم دائم ہے۔

گیلانی خاندان:۔

حامد رضا گیلانی کچھ عرصہ بعد پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے جس کے بعد بھٹو نے انہیں سفارتی عہدے پر فائز کر دیا اور 1974ءاور 1976ءتک وہ مشرقی افریقہ کے ممالک میں سفارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1977ءمیں وہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور بعدازاں چند ماہ تک وفاقی وزیر بھی رہے۔ان کے پاس صنعت کاقلمدان تھا۔جماعت اسلامی کے چندرہنما بھی ضیاءالحق کی کابینا میں شامل ہوئے ☆

1977 میں بھٹو کے زوال کے بعد حامد رضا گیلانی نے جنرل ضیاءالحق کے ہاتھ مضبوط کرنا شروع کردیئے وہ1985ءکے انتخابی عمل میں شریک ہوئے اورقومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ کچھ عرصہ غلام مصطفیٰ جتوئی کی نیشنل پیپلز پارٹی میں شامل رہے تاہم1988 ء کے انتخابات میں انہوں نے حصہ نہیں لیا۔1990ءکے انتخابات میں انہوں نے اپنے بھتیجے یوسف رضا گیلانی سے مقابلہ کیا۔انہیں اسلامی جمہوری اتحادکی اور یوسف رضا گیلانی کوپیپلز پارٹی کی حمایت حاصل تھی یہ مقابلہ یوسف رضا گیلانی کے ہاتھ رہااور حامد رضا گیلانی یہ انتخاب تقریباً 5ہزار ووٹوں سے ہار گئے۔1991ءمیں وہ سینٹ آف پاکستان کے رکن منتخب ہوئے۔ یوسف رضا گیلانی ،علمدار حسین گیلانی کے صاحبزادے ہیں۔علمدار حسین گیلانی نے 8اگست 1978ءمیں وفات پائی۔ یوسف رضا گیلانی ملکی سیاست کے افق پراس وقت نمایاں ہوئے جب انہوں نے1973ءمیں ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے چیئرمین شپ کا انتخاب جیتا۔ان کے مدمقابل امیدوار سید فخر امام تھے۔جوان دنوں

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر۱۹

وفاقی وزیر بلدیات بھی تھے۔سید فخر امام نے یہ انتخاب ہارنے کے بعد وفاقی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

1985ء میں یوسف رضا گیلانی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔چونکہ پیر پگاڑا ان کے خالو اور مخدوم زادہ حسن محمود ان کے ماموں تھے اس لئے انہیں فوری طور پر وفاقی کابینہ میں شامل کرلیا گیا۔انہیں پہلے ہاؤسنگ اور فزیکل پلاننگ کا پھر ریلوے کا قلمدان سونپا گیا یہ بات ان کے اور ان کے چچا حامد رضا گیلانی میں وجہ سے مسلم لیگ چھوڑ کر اپنے دیرینہ دوست غلام مصطفیٰ جتوئی کی این پی پی میں چلے گئے تاہم کچھ عرصہ بعد انہوں نے ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔(۴۳)

ادھر جونیجو حکومت میں وزارت کے مزے لوٹنے والے یوسف رضا گیلانی نے جب پیپلز پارٹی کا ستارہ بلندیوں پر جاتے ہوئے دیکھا تو 1988ء کے انتخاب سے پیشتر پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کردیا۔انہیں پیپلز پارٹی کا ٹکٹ بھی مل گیا۔اگرچہ ان کے مدمقابل پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں نواز شریف تھے تاہم وہ این اے 114 ملتان سے باآسانی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔

بے نظیر حکومت میں بھی وہ ریلوے کے وفاقی وزیر بنائے گئے۔انہوں نے اپنی وزارت کے دوران اپنے حلقہ انتخاب کے سینکڑوں افراد کو ریلوے میں بھرتی کروایا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1990ء کے عام انتخابات میں انہوں نے اپنے چچا حامد رضا گیلانی کو شکست دے کر اپنی نشست جیتنے کی ہیٹ ٹرک کرلی۔(۴۴) 1993ء کے عام انتخابات میں یوسف رضا گیلانی نے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے حاجی سکندر حیات بوسن کو تقریباً 24 ہزار ووٹوں سے شکست دی۔بعد ازاں وہ قومی اسمبلی کے اسپیکر کے منصب پر فائز ہوئے۔انہیں اس عہدے کے پاکستان پیپلز پارٹی نے نامزد کیا تھا اور انہوں نے یہ مقابلہ 70 ووٹوں کے مقابلے میں 106 ووٹوں سے جیتا۔

سید یوسف رضا گیلانی کے ایک کزن اور سید شوکت حسین گیلانی کے صاحبزادے سید تنویر الحسن گیلانی بھی 1990ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے انہیں آئی جے آئی کی حمایت حاصل تھی اور ان کے مقابلے میں پی ڈی اے کے مختار احمد اعوان اور جمعیت علمائے پاکستان کے شاہ احمد نورانی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔تنویر الحسن گیلانی اس سے قبل 1985ء میں بھی انتخاب لڑ چکے ہیں مگر اس وقت وہ فقط 1365 ووٹوں سے شکست کھا گئے تھے۔1993ء کے بحران میں تنویر الحسن گیلانی نے مسلم لیگ چٹھہ گروپ کا ساتھ دیا چنانچہ جب

18 اپریل 1993ء کو میاں نواز شریف کابینہ برخاست کی گئی تو تنویرالحسن گیلانی کو میر بلخ شیر مزاری کی نگران کابینہ میں بطور وزیر شامل کر لیا گیا انہیں نوجوانوں کے امور کا قلمدان سونپا گیا تھا۔ 1993ء کے عام انتخابات میں انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا مگر اس مرتبہ ان کے ستارے یاوری نہ کر سکے اور وہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے شیخ طاہر رشید سے ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ووٹوں سے شکست کھا گئے۔ (۴۵)

سید علمدار حسین گیلانی:۔

برطانوی عہد حکومت میں برصغیر کے مسلمان نہ صرف سیاسی اور معاشی طور پر پسماندہ رہے بلکہ تعلیم میدان میں بھی کوئی نمایاں مقام نہ رکھتے تھے۔ ایسے میں برصغیر میں متعدد مسلم تنظیمیں وجود میں آئیں۔ جنہوں نے برصغیر میں تعلیمی ادارے قائم کئے۔ اس حوالے سے ملتان میں گیلانی خاندان کے بزرگ پیر صدرالدین گیلانی کا نام بہت اہم ہے ان کے بعد راجن شاہ گیلانی اور سید مصطفیٰ شاہ گیلانی خطے کی ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں سیاسی و علمی بیداری کے حوالے سے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ سید غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی کے ہاں 12 دسمبر 1919ء کو پیدا ہونے والے سید علمدار حسین گیلانی 1953ء میں پنجاب کے وزیر صحت و بلدیات بنے۔ انہوں نے اپنے وزارت کے دور میں ملتان کے علاوہ مظفر گڑھ ڈیرہ غازی خان اور میانوالی میں بھی ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال قائم کیے۔ انہوں نے نشتر میڈیکل کالج و ہسپتال کی تعمیر کے لیے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ سید علمدار حسین گیلانی کی علمی، سماجی اور سیاسی خدمات کے حوالے سے ان کے صاحبزادے و سابق سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی کا مضمون ان کے 28 ویں برسی کے حوالے سے نذر قارئین ہے۔

میرے والد 12 دسمبر 1919ء بمطابق آٹھ محرم الحرام کو اپنے آبائی گھر واقع دربار پیران پیر حضرت موسیٰ پاک شہید پاک گیٹ ملتان میں پیدا ہوئے۔ آٹھ محرم کی نسبت سے ان کا نام علمدار حسین رکھا گیا۔ ہمارا گھرانہ سنی شیعہ اتحاد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ہر سال دسویں محرم کے موقع پر سجادہ نشین دربار پیران پیر موسیٰ پاک شہید گھوڑے پر سوار ہو کر پورے شہر میں تعزیوں کے ساتھ چلتے ہیں۔ یہ رسم آج بھی جاری ہے انہوں نے ابتدائی تعلیم ملتان اور مظفر گڑھ سے حاصل کی کیونکہ میرے دادا مخدوم سید غلام مصطفیٰ گیلانی ان دنوں سب ڈویژنل مجسٹریٹ علی پور ضلع مظفر گڑھ تعینات تھے۔ نوابزدہ نصر اللہ خان والد کے کلاس فیلو اور سیٹ فیلو تھے۔ والد

نے 1841ء میں ایمرسن کالج ملتان سے بی اے کیا۔ وہ خاندان کے دوسرے فرد تھے جنہوں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ اس سے قبل ان کے چچا مخدوم سید غلام محی الدین شاہ گیلانی نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا تھا۔ بعدازاں وہ سول سروس میں بھی رہے اور بطور سیکرٹری مغربی پاکستان ریٹائر ہوئے۔

والد صاحب بردبار اور ملنسار شخصیت کے حامل تھے اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ جب ایف اے کے طالب علم تھے تو انہوں نے اپنے بزرگ سید زین العابدین شاہ گیلانی جو ملتان کے بے تاج بادشاہ کے نام سے مشہور تھے اور اپنے چچا غلام سید غلام نبی شاہ گیلانی کے ساتھ مسلم لیگ میں کام کیا۔ سید زین العابدین شاہ گیلانی قائداعظم کے قریبی ساتھی تھے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن رہے اور 1940ء میں لاہور میں منعقدہ قرارداد پاکستان کے کنونشن میں والد محترم سید علی حسین گردیزی، خواجہ عبدالکریم تاصف اور محمد بخش (کیپٹن) کے ہمراہ ملتان کی نمائندگی کی۔ ان تمام صاحبان کو قرارداد پاکستان پر دستخط کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ 1946ء میں پردادا پیر سید محمد صدرالدین شاہ گیلانی چچا سید رحمت حسین شاہ گیلانی کی منگنی کے سلسلے میں مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ گیلانی کے ہاں جمال دین والی ضلع رحیم یار خان گئے۔ جب وہ جمال الدین والی پہنچے تو مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ گیلانی نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی والدہ اور دونوں بیٹوں سے بیعت لیں۔ اس طرح یہ خواتین پردادا کے ہاتھ پر بیعت ہوئیں اور بعد میں ان بیٹیوں میں سے ایک کی شادی 1948ء میں میرے والد اور دوسری بیٹی کی شادی چچا سید رحمت حسین گیلانی سے ہوئی۔ یوں ان کی صاحبزادیاں میری والدہ اور خالہ بنی۔ والدہ اور خالہ کو شادی کے بعد دربار پیران پیر موسیٰ پاک شہیدؒ کے آبائی گھر لایا گیا۔ بڑی پھوپھی (جو بڑی بی بی کے نام سے پکاری جاتی تھیں زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری میں اتنی مشہور کے ملتان میں شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جس نے ان سے فیض نہ پایا ہو وہ صاحب ثروت بھی تھیں) نے والد اور چچا سید رحمت حسین گیلانی کو قائل کیا آپ دونوں کی دلہنیں بڑے گھرانے سے ہیں۔ محلات میں پلی بڑھی ہیں۔ لہٰذا ان کو ''ا لجیلان'' چوک شاہ عباس والے گھر میں رہائش پذیر کریں۔ تایا مخدوم سید ولایت حسین گیلانی پہلے ہی اس گھر کے قریب نئے تعمیر شدہ گھر میں مقیم تھے جس میں ایک تہہ خانہ بھی تھا جو ان دنوں ایک جدت تھی۔

میرے والد ''الجیلان'' کو خوش بختی اور ملتان سیاست کے محور کی علامت سمجھتے تھے کیونکہ ملک کے چوٹی کے سیاستدان یہاں تشریف لاتے تھے جن میں محترمہ فاطمہ جناح سابق گورنر جنرل غلام محمد' سابق وزراءاعظم نوابزادہ لیاقت علی خان' حسین شہید سہروردی' خواجہ ناظم الدین' ملک فیروز خان نون آئی آئی چندریگر کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر' میاں ممتاز محمد خان دولتانہ' پیر صاحب اجمیر شریف اور راجہ غضنفر علی قابل ذکر ہیں۔

گیلانی گروپ نے 1949ء میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے ساتھ ایک سیاسی معاہدہ کیا (جو بعد میں گیلانی دولتانہ پیکٹ کے نام سے مشہور ہوا) جس میں میاں ممتاز دولتانہ نے گیلانی گروپ کی اکثریت کے فیصلے کی پابندی کا حلف اٹھایا تھا مگر وزیراعلیٰ پنجاب کے عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے نہ صرف گیلانی گروپ کو نظرانداز کیا بلکہ ان کے سیاسی حریف علی حسین گردیزی کو اپنا صوبائی وزیر مقرر کیا۔ ان کے اس رویے سے گیلانی دولتانہ پیکٹ ختم ہوگیا۔ جسٹس (ر) سردار عبدالجبار خان نے 1988ء کی انتخابی مہم کے دوران میری حمایت میں لطف آباد ملتان میں ایک جلسہ عام کا انعقاد کیا۔ جس میں گیلانی دولتانہ پیکٹ سے پردہ اٹھایا جبکہ میرے مقابلے میں آئی جے آئی کے سربراہ اور وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف تھے۔ اس موقع پر انہوں نے گیلانی دولتانہ پیکٹ کی بابت بتایا کہ اس وقت مخدوم علمدار حسین گیلانی مسلم لیگ ملتان کے صدر اور میں سیکرٹری تھا۔ میں ممتاز دولتانہ کے پاس یہ کہنے کے لیے گیا کہ وہ پیکٹ کے مطابق مخدوم علمدار حسین گیلانی کو وزیر بنائیں' دولتانہ نے کہا

"He is already an established person. I can't further established him"

عجیب اتفاق ہے کہ میاں ممتاز دولتانہ بمشکل ڈیڑھ برس وزیراعلیٰ پنجاب رہے اور پھر ناگزیز وجوہات کی بنا پر خود انہیں استعفیٰ دینا پڑا۔

1951ء کے عام انتخابات میں والد صاحب کے نامزد امیدواروں کو مسلم لیگ کے ٹکٹ دیئے گئے۔ اس انتخاب کے سلسلے میں ملتان میں مسلم لیگ کا کنونشن ہمارے گھر ''الجیلان'' میں ہوا۔ نوابزادہ لیاقت علی خان (صدر مسلم لیگ اور وزیراعظم پاکستان نے اس کنونشن کے صدارت کی' دوران کنونشن وزیراعظم نے تین بھائیوں یعنی تایا مخدوم سید ولایت حسین گیلانی' والد محترم اور چچا مخدوم سید رحمت حسین گیلانی نے ہاتھ تھام کر لوگوں سے کہا۔

''مسلم لیگ میں ان کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے'' تایا مخدوم سید ولایت حسین گیلانی 1951ء کے انتخابات میں تحصیل ملتان سے صوبائی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے۔ ان کے مدمقابل امیدوار مخدوم سجاد حسین قریشی تھے۔ اسی انتخاب میں تحصیل لودھراں کی صوبائی اسمبلی کی نشست پر میرے والد کامیاب ہوئے۔ ان کے مدمقابل بریگیڈیئر (ر) سید علی شاہ (سید ناصر رضوی کے والد) تھے۔ اس انتخاب میں چچا سید رحمت حسین گیلانی نے شجاع آباد (جلالپور) سے دیوان سید غلام عباس بخاری کا مقابلہ کیا مگر وسائل کی کمی کے سبب انتخابی مہم کو پرزور انداز میں نہ چلا سکے۔ جلالپور شہر سے بھاری اکثریت سے جیت گئے مگر دیہی علاقوں میں نہ پہنچ سکنے کے سبب انتخاب تو ہار گئے مگر ان کے مدمقابل کیلئے یہ مصرعہ زبان زد ہو گیا۔ ''شہر والی تو ووٹ چالی'' دیوان صاحب کو جلالپور سے صرف چالیس ووٹ ملے۔ میرے دادا مخدوم سید غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی والد صاحب کو جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے انہوں نے سیاست میں ہونے کے سبب معذرت کر لی۔ تایا مخدوم سید ولایت حسین شاہ گیلانی بھی سیاست میں سرگرم تھے لہٰذا خاندان نے تایا کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ تایا مخدوم ولایت حسین شاہ گیلانی مضبوط اعصاب کے مالک' کھرے' نڈر اور دوستوں کے دوست تھے۔ ان کا ملتان میں چرچا تھا۔ انہوں نے بھی خلوص کے ساتھ فیصلے کا احترام کیا اور اپنے چھوٹے بھائی مخدوم سید شوکت حسین گیلانی کے پاؤں چھو کر بڑائی کا ثبوت دیا۔ دادا کی وفات کے بعد ان کے بھائی مخدوم سید غلام یاسین شاہ گیلانی جن کی طبیعت میں سادگی اور بھولپن تھا سجادہ نشین کے سوال پر خاندان سے اختلاف کر گئے۔ اس مسئلے پر دیوان سید غلام عباس بخاری نے والد کو مشورہ دیا میں آپ کے چچا کو آپ کے پاس لے آتا ہوں کیونکہ ان کے ساتھ میرے بہترین تعلقات ہیں اور ان کو قائل کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ صلح کر لیں۔ دیوان صاحب کی اس مدبرانہ تجویز کے باعث یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا جس کے نتیجے میں مخدوم سید شوکت حسین گیلانی تمام خاندان کی جانب سے متفقہ طور پر سجادہ نشین بنے۔

تایا مخدوم سید شوکت حسین گیلانی نے ہمیشہ آنے والے کا ساتھ دیا اور ان کی تمام سیاسی فیصلوں میں حمایت کی۔ ان کی رفاقت انمول اور بے مثل تھی۔ وہ 1949ء سے لے کر 1989ء تک سجادہ نشین بنے۔ دین کی شاب و روز تبلیغ کے ساتھ ساتھ والد کے شانہ بشانہ تعلیمی میدان میں انقلابی کارنامے انجام دیئے۔ ان کے دور میں مریدوں کا حلقہ بھی وسیع ہوا۔

والد نے کئی خاندانوں کے ساتھ روایتی تعلقات کو رشتوں میں بدل دیا۔ ان کی اپنی شادی مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ گیلانی کی بیٹی سے ہوئی اور ان کی بھتیجی (مخدوم سید شوکت حسین گیلانی کی بیٹی) کی شادی سجادہ نشین درگاہ اوچ شریف مخدوم سید شمس الدین گیلانی کے بیٹے مخدوم زادہ سید مختار حسین گیلانی اور دوسری بھتیجی (مخدوم ولایت حسین گیلانی کی بیٹی) کی شادی حجرہ شاہ مقیم اوکاڑہ کے گدی نشین پیر سید اعجاز علی شاہ گیلانی سے کروائی۔ میری اور میری بہن کی شادی سجادہ نشین دربار پیر قطبیہ سندر یلیا نوالی پیر محل پیر سید اسرار حسین شاہ بخاری کی بیٹی اور بیٹے سے کروائی۔ میری بڑی بہن (جو میری اسیری کے دوران رحلت فرما گئیں) کی شادی مخدوم سید وجاہت حسین گیلانی سے کروائی جو بعد میں سجادہ نشین بنے اور اب بھی سجادہ نشین ہیں والد کا یقین تھا کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ میں شفاء ہے اور اس سے لوگ فیض یاب نہ ہوں تو وہ بدنصیب ہے ان کی یادداشت کمال کی تھی کہ ہزاروں لوگوں کے نام انہیں یاد رہتے تھے اور خوشی غمی کے موقع پر لوگوں کو مدعو کرتے ہوئے کم وقت میں اپنی یادداشت سے ان کے نام تحریر کروا دیئے تھے۔

والد محترم نے پہلی مرتبہ وزیر بننے کا موقع یوں سنایا ''ایک مرتبہ میں وزیر اعلیٰ پنجاب ملک فیروز خان نون سے ملنے ان کے گھر جا رہا تھا کہ میری اچانک تمہارے نانا سے ان کے گھر کے گیٹ پر ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے دریافت کیا ''آپ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے بتایا سردار محمد خان لغاری کو وزیر بنوانے آیا ہوں مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ سردار محمد خان لغاری کی سفارش کرنی چاہیے تھی۔ جب میری ملاقات وزیر اعلیٰ پنجاب سے ہوئی تو انہوں نے مجھے کہا ''تم وزیر اعلیٰ پنجاب ہو اور مجھے اپنی کابینہ بنا کر دو'' میں نے جواب دیا میں وزیر اعلیٰ نہیں ہوں۔ آپ ہی وزیر اعلیٰ ہیں اور کابینہ بنانے کا استحقاق بھی آپ ہی کا ہے۔ مگر وہ بضد تھے کہ کابینہ مجھے ہی بنانا ہے سو میں نے کابینہ کے لیے پانچ نام تجویز کیے ہیں۔ سردار محمد خان لغاری، رانا عبدالحمید، مظفر علی قزلباش، علی اکبر خان، اور شیخ مسعود صادق کے نام شامل تھے۔ جب کابینہ کا اعلان ہوا تو میرے تجویز کردہ ناموں میں ایک کا اضافہ تھا اور وہ میرا نام تھا۔''

والد نے 1953 میں وزیر اعلیٰ پنجاب ملک فیروز خان نون کی کابینہ میں صحت و بلدیات کے وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھانا عوام کے ساتھ مسلسل رابطے اور مقامی سطح کے کام کروانے کے نکتہ نظر سے وزارت بلدیات

ایک اہم وزارت ہے۔ 1956ء میں میرے ماموں مخدوم زادہ سید حسن محمود نے صوبائی وزیر مغربی پاکستان بننے پر والد سے محکمہ کے متعلق مشورہ مانگا تو والد نے انہیں بھی وزارت بلدیات تجویز کی اور وہ اس محکمہ کے صوبائی وزیر بن گئے۔ والد نے وزیر صحت کی حیثیت سے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس دور میں ڈاکٹروں کی بے حد کمی تھی اور دیہی علاقوں میں طبی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ صحت کے مسائل کے فوری حل کیلئے والد نے وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور میں ایل ایس ایم ایف میڈیکل سکول کا اجراء کیا۔ یہاں میٹرک کے بعد ایل ایس ایم ایف میں تین برس تک دیہی علاقے میں خدمات سرانجام دینے کی لازمی شرط پوری کرنے پر متعلقہ امیدوار ایم بی بی ایس کی ڈگری کے لیے امتحان دینے کا اہل قرار پاتا تھا۔

بطور وزیر صحت انہوں نے ایم بی بی ایس میں غریب لوگوں کے بچوں کو داخلہ دلوا کر ڈاکٹر بنوایا کیونکہ اس وقت میڈیکل کالج کی نامزدگی گورنر نہیں بلکہ وزیر صحت خود کیا کرتا تھا۔ اس طرح کئی مستحق بچوں کو نامزد کیا گیا۔

1953ء میں والد پارلیمانی سیکرٹری چوہدری فضل الٰہی (سابق صدر پاکستان) تھے۔ والد کو اس حیثیت سے بھی یاد رکھا جاتا ہے بطور وزیر صحت و بلدیات قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ 1954ء میں انہوں نے پنجاب میں بلدیاتی الیکشن کا انعقاد کیا۔ انہوں نے کوشش کی کہ ہر ضلع میں ایک کتب خانہ ہو تا کہ عوام کی کتابوں تک رسائی ممکن بنائی جائے۔ اس سلسلے میں قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان کی وسیع میونسپل لائبریری کا افتتاح کیا جو ملتان کے لیے ایک عظیم علمی خزانہ ہے۔ والد کچھ عرصہ امپروومنٹ ٹرسٹ کے وزیر بھی رہے۔ اس وقت انہوں گلبرگ لاہور اور مری کو ترقی دلانے کیلئے خصوصی طور پر دلچسپی لی جس کی وجہ سے لوگوں نے سرمایہ کاری کی اور چند عرصہ میں ہی وہ پر رونق آبادیاں بن گئیں۔

تعلیمی میدان میں گیلانی خاندان کی بے حد خدمات ہیں۔ تایا مخدوم سید ولایت حسین گیلانی نہ صرف ایک عظیم سیاسی شخصیت تھے بلکہ ایک اچھے ماہر تعلیم بھی تھے۔ انہوں نے ''انجمن اسلامیہ ملتان'' کے سربراہ مخدوم مرید حسین قریشی سے ملاقات کی اور ادارے کی ناقص منصوبہ بندی کے بارے گفتگو کی۔ قریشی صاحب نے اس سلسلے میں انجمن اسلامیہ ملتان کا ایک ہنگامی اجلاس 2 جون 1933ء کو طلب کرلیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ خسارے میں چلنے والے اداروں کی باگ دوڑ تایا مخدوم سید ولایت حسین گیلانی کے سپرد کردی جائے۔ تایا نے اس فیصلے کو

بطور چیلنج قبول کیا۔انہوں نے ملتان میں علم کی شمع اس وقت روشن کی جب مسلمانوں کے پاس کوئی اور تعلیمی ادارہ نہ تھا اور دوسرے اداروں میں ان کو داخلہ نہیں ملتا تھا۔علی گڑھ یونیورسٹی اور انجمن حمایت اسلام کے بعد جنوبی پنجاب میں اس قسم کا اداروں کا قیام عمل میں لانا بہت بڑا کارنامہ تھا۔گیلانی خاندان کو روحانی' رفاحی اور سیاسی خدمات کے علاوہ تعلیمی میدان میں خصوصی طور پر ان کی گرانقدر خدمات کی کوئی مثال نہیں ملتی۔انجمن اسلامیہ ملتان کی چند یادگاریں گیلانی کالج ملتان' ولایت حسین کالج' علمدار حسین کالج' غلام مصطفیٰ شاہ گردیز کالج' رضا شاہ پبلک سکول' اسلامیہ ہائی سکول حرم گیٹ' اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ' اسلامیہ ہائی سکول دولت گیٹ اور شوکت حسین کے جی سکول ہیں۔

سیاست کے خارزار میں والد کی اہم ترین خدمت یہ تھی کہ آئین ساز اسمبلی کے رکن ہونے کی بناء پر ملک کو آئین دینے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ 1956 ء کا آئین بنانے والوں میں شامل تھے۔آئین کی اہمیت اور تقدس کو ان سے بہتر کون جان سکتا ہے جنہوں نے قیام پاکستان کیلئے ان گنت قربانیاں دی ہوں۔بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کے مقام و مرتبہ کو بھی ان سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ آئین پاس ہونے پر انہوں نے تمام اراکین کے ساتھ بانی پاکستان کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے ننگے پاؤں ان کے مزار پر حاضری دی تھی۔ان کے اس عمل میں قوم کے لیے پیغام تھا کہ زندہ قوموں کے لوگ اپنے محسنوں سے محبت اور ان کا ادب واحترام ان کی زندگی اور بعد از زندگی بھی برقرار رکھتے ہیں۔اس بنا پر ان کا نام دنیا کی مشہور سوانح عمری Who is who, 1954-55 Edition میں شامل ہوا۔

والد محترم 1956 ء میں شیخ مجیب الرحمٰن اور بیگم سلمٰی تصدق حسین (والدہ جسٹس ریاض حسین) کے ہمراہ چین کے دورہ کرنے والے اس وفد میں شامل تھے۔جس نے پاک چین دوستی کی بنیاد رکھی۔وہ اسی سال بین الاقوامی پارلیمانی یونین کے رکن منتخب ہوئے۔اس حیثیت سے انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور وہاں پاکستان کو متعارف کرایا۔اس دور کی اہم شخصیت چرچل' آئزن ہاور' ڈیگال' شہنشاہ عبدالعزیز' ماوزے تنگ' یواین لائی اور آغا خان سے بھی ملاقاتیں کیں۔چلی کا دورہ کرنے والوں میں پاکستان کے پہلے چند اراکین پارلیمنٹ میں سے تھے۔والد محترم نے 1956 ء میں عراقی ائرفورس کی سلور جوبلی کی تقریب میں پاکستان کی

نمائندگی کی۔

اکتوبر 1958ء میں ایوب خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا اور 1956ء کا آئین معطل کر دیا۔ تحریک پاکستان کے کارکنوں اور چوٹی کے سیاستدانوں کو ایبڈو کے ذریعے نااہل کر دیا۔ اس بدنام زمانہ قانون کی زد میں آنے والوں میں حسین شہید سہروردی، خواجہ ناظم دین، آئی آئی چندریگر، ملک فیروز خان نون، خان عبدالقیوم خان، میاں ممتاز دولتانہ، سردار محمد خان لغاری اور کئی دیگر رہنماؤں کے ساتھ ساتھ میرے والد بھی شامل تھے۔ ایوب خان نے ایبڈو کے ذریعے پبلک جنبش قلم سب کو بددیانتی کے بلاثبوت الزام کے تحت نااہل قرار دیا اور یوں سیاست کے میدان میں صف اول کے رہنماؤں کو پیچھے دھکیل دینے سے ایسا خلا پیدا ہوا جس نے ملک کی بنیاد ہلا کر رکھ دی۔

اس سیاہ عہد میں مقبول ترین شخصیتوں اور جماعتوں کو کمزور کر دیا گیا۔ بنیادی جمہوریت کی آڑ میں فرد واحد کو مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی اور تمام معاملات و اختیارات ایک ہی ذات میں یوں مرکوز کر دیئے گئے کہ ادارے مفلوج ہو کر رہ گئے۔ ارتکاز اختیار کا لازمی نتیجہ عوام کے حقوق غصب ہونے صورت میں نکلتا ہے۔ عام انتخابات کے بجائے بنیادی جمہوریت کے تحت انتخاب کروائے گئے۔ عوام کے احساس محرومی میں اضافے کے باعث عوامی ردعمل شدید تر ہوتا چلا گیا۔ مغربی اور مشرقی صوبوں کے درمیان طبقاتی فاصلے بڑھتے گئے یگانگت ختم ہوگئی اور بالآخر ملک دولخت ہو گیا۔ پر صاحب دل کی طرح والد صاحب کیلئے سقوط ڈھا کہ کا صدمہ اتنا گہرا تھا کہ وہ کئی راتیں مضطرب رہے اور سو نہ سکے۔

صدر ایوب خان سے والد کی پہلی ملاقات (نااہلی کے بعد) ماموں مخدوم زادہ سید حسن محمود کے گھر رحیم یار خان میں ہوئی۔ صدر ایوب نے ان سے دریافت کیا ''آپ ہم سے ملاقات کیوں نہیں کرتے'' والد نے کہا ہم تو مسترد شدہ لوگ ہیں ہمیں سیاست سے الگ کر دیا گیا ہے۔ پھر مزید کہا میں حیران ہو کہ آپ نے ہمیں صرف سیاست ہی سے باہر کیا ہے ہیں آپ نے دنیا سے باہر کیوں نہیں کر دیا۔ صدر ایوب کچھ دیر چپ رہے اور پھر بولے میں چرچل کا بڑا مداح ہوں اور بقول اس کہ

"The grass grows on the battle field but on the scaffold never."

میدان جنگ میں تو امن (ہریالی) ہوسکتا ہے مگر پھانسی گھاٹ پر کبھی نہیں۔سر دار محمد خان لغاری والد سے اکثر کہا کرتے تھے کہ آپ کے خلاف ریفرنس بنے گا۔ جب والد اور سر دار محمد خان لغاری ایبڈو کا شکار ہو گئے تو ایک دن وہ والد سے ملنے کیلئے ملتان تشریف لائے۔ والد حسب سابق اپنے چٹوں پر عوام کا کام کر رہے تھے۔سر دار محمد خان لغاری حیران ہوئے اور کہا ''مخدوم صاحب آپ کی چٹیں آج بھی چل رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ''میں نے اپنے دور اقتدار میں کا کام کیے ہیں اور مجھے نا اہل کر دیا گیا ہے پھر ازراہ مذاق کہا'' آپ نے کوئی بھی کام نہیں کیا اور پھر بھی ایبڈو کا شکار ہو گئے آپ سے تو میں ہی بہتر ہوں''

ایبڈو کی مدت ختم ہونے کے بعد پہلی مرتبہ والد نے 1970ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے حلقہ تحصیل ملتان سے نواب صادق حسین قریشی کے مقابلے میں مسلم لیگ قیوم گروپ کی طرف سے انتخاب میں حصہ لیا۔ چچا سید حامد رضا گیلانی نے شجاع آباد سے رانا تاج احمد نون اور چچا فیض مصطفیٰ گیلانی نے ملتان شہر سے شیخ اکبر قریشی کے مقابلے میں انتخاب لڑا۔ یہ زمانہ پیپلز پارٹی کے عروج کا تھا سو پیپلز پارٹی کی تیز آندھی کے سامنے کئی برج الٹ گئے جن میں والد اور چچا سید حامد رضا گیلانی بھی شامل تھے۔ چچا سید فیض مصطفےٰ گیلانی بمشکل چند سو ووٹوں کی برتری سے صوبائی اسمبلی پنجاب کے رکن منتخب ہوئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسی حلقے سے صرف دو روز قبل ہی پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ ان انتخابات میں مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔(۴۷)

یوسف رضا گیلانی سوانح عمری:۔

سیاست دان ملتان کے سیاسی گیلانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔علم دار حسین گیلانی کے فرزند ہیں۔ یوسف رضا گیلانی ملکی سیاست کے افق پر اس وقت نمایاں ہوئے جب انہوں نے 1983ء میں ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کی چیئر مین شپ کا انتخاب جیتا۔ان کے مدمقابل سید فخر امام تھے جو ان دنوں وفاقی وزیر بلدیات بھی تھے۔ سید فخر امام نے انتخاب ہارنے کے بعد وفاقی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ 1985ء میں یوسف رضا قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور محمد خان جونیجو کی کابینہ میں ہاؤسنگ اور فزیکل پلاننگ اور پھر ریلوے کا محکمہ سونپا گیا۔ 1988ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ملتان کے حلقے سے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کو ہرا کر

دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1990 اور پھر 1993ء کے انتخابات میں بھی پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو کر قومی اسمبلی کے اسپیکر کے منصب پر فائز ہوئے اور نومبر 1996ء میں صدر فاروق لغاری کی جانب سے بے نظیر حکومت کی معزولی تک اس منصب پر فائز رہے۔

مخدوم حامد رضا گیلانی سوانح عمری:۔

رکن سینٹ 17 اگست 1936ء کو ملتان کے معزز خاندان میں پیدا ہوئے جس کے افراد نے تحریک پاکستان میں گرم جوشی سے حصہ لیا تھا اور جن کی خدمات اپنے علاقے میں نمایاں ہیں ابتدائی تعلیم سینٹ میری کونونٹ سکول ملتان اور ایچی سن کالج لاہور سے حاصل کی۔ بی اے (آنرز) کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کی۔ بیرسٹری کا امتحان لنکز ان لندن سے پاس کیا۔ بین الاقوامی قانون کا ڈپلومہ ہیگ سے اور بین الاقوامی تعلقات کا ڈپلومہ اقوام متحدہ سیکرٹریٹ سے حاصل کیا۔ مخدوم صاحب کا سیاسی کیریئر خاصا طویل ہے۔1977,1965,1962 اور 1985 کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1962ء میں امور خارجہ کے پارلیمانی سیکٹری مقرر ہوئے۔1977ء میں وفاقی وزیر صنعت مامور ہوئے۔1972 تا 1976ء مشرقی افریقہ میں پاکستان کے سفیر رہے۔1963ء تا 1988ء کے عرصہ میں گاہے بہ گاہے اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی اور مختلف بین الاقوامی اداروں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ پاکستان مسلم لیگ کے کارکن ہیں اور اس مرکزی مجلس عاملہ کے بھی رکن ہیں۔1991ء میں چھ سال کے لیے سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔(۴۸)

یوسف رضا گیلانی راقم کا انٹرویو 07-0704:۔

1978ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد اپنا سیاسی سفر شروع کیا۔ متحدہ مسلم لیگ کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا۔ اس وقت میرے خالو پیر صاحب پگاڑا اور میرے ماموں مخدوم زادہ حسن محمود نے میرا نام تجویز کیا۔

1983ء تا 1987 میں چیئرمین ضلع کونسل ملتان (لودھراں، خانیوال، ملتان) منتخب ہوا۔ میرا حلقہ شیر شاہ (کھر اور حامد پور)۔1982 تا 1985ء تک مجلس شوریٰ کا ممبر رہا۔

مجلس شوریٰ میں کوئی قانون سازی نہیں ہوئی۔ 1985ء کی آسمبلی میں آٹھویں ترمیم کے سلسلے میں قانون سازی ہوئی اوراس میں میرا ایک کردار تھا۔ NSC اس وقت نہیں مانی۔ 1985ء میں Lifting of Law اور ایمرجنسی کا خاتمہ جو کہ 22 سال سے نافذ تھا۔ ہمارا مقصد تھا۔ (میں نے جنرل ضیاءالحق سے مطالبہ کیا کہ آپ 90 دن کے لیے آئے لیکن آپ نے الیکشن نہیں کروائے۔) کورکمانڈر کی موجودگی میں یہ بات کہی گئی جو کہ ایک بڑا ایشو تھا۔

1993 تا 1997ء تک سپیکر نیشنل اسمبلی رہا۔ سب سے بڑا کام جو میں کیا وہ تھا کہ MNAs جو کہ جیلوں میں بند ہیں ان کے Production order کا اجراء تھا۔ میری یہ کوشش تھی کہ کسی MNA کو غیر حاضری کی بنا پر نااہل نہ کیا جائے۔ اپوزیشن کو بہت comfortable رکھا۔ صوابدیدی فنڈ نہیں تھا لیکن اپنے اثر ورسوخ کی بنیاد پر ADB (Asian Development Bank) کے تعاون سے 100 کلو میٹر سڑکیں تعمیر کروائیں۔ اپنے حلقہ میں سوئی گیس، بجلی، ٹیلی فون کے کنکشن دلوائے۔ Pak Tel, Dry Port، زرعی کالج، انجینئرنگ کالج، ملتان پبلک سکول، موجودہ کرکٹ سٹیڈیم، زکریا ایکسپریس، موسیٰ پاک، Aero Asia, Bhoja Airline، حج فلائٹس بطور وزیر، ہزاروں Jobs فراہم کیں۔ رساپور میں Locomotive factory کا سنگ بنیاد رکھا۔ انجن یہاں بنے۔ پسنجر ٹرین کو Express بنوایا۔ تا کہ لوگوں کو تیز ترین سفر مہیا رہے۔ NAB (اغوا برائے تاوان) میں کیا روشنی ڈالوں جو لوگ حکومتی پارٹی میں شامل ہوئے ان کے لیے تو NAB نہیں جو باہر ہیں ان کے لئے NAB ہے۔

وراثتی سیاست کے خلاف ہوں۔ اہلیت کی بنیاد کا قائل ہوں۔ بار بار مارشل لاء آئے جن کو شوق ہے وہ آجاتے ہیں۔ سیاست دانوں میں Maturity نہیں ہے۔ بھٹو صاحب بھی پہلے مسلم لیگ میں تھے پھر PPP بنائی۔ میں والد محترم کی پارٹی مسلم لیگ میں رہا۔ پھر جب مجھے تنگ کیا گیا تو میں PPP میں آ گیا۔ Rule of Law ہونے چاہیں۔ Horse traading کے خلاف ہوں۔ معراج خالد، گوہر ایوب، فخر امام، حامد ناصر چھٹہ سب نے پارٹیاں بدلیں مزے میں رہے۔ میں نے PPP نہیں چھوڑی جیل میں رہا۔ آرمی کا احتساب، کورٹ مارشل، عدلیہ کا سپریم جوڈیشل کونسل، پارلیمنٹ کا اپنا احتساب ہے۔ PAC (پبلک اکاؤنٹ کمیٹی) کے

پاس جانا ہے اگر کوئی irregularity ہو۔ جیسے چوہدری شجاعت' وسیم سجاد' شیخ رشید کا کیس۔ پہلے سیکرٹری اسمبلی کے پاس کہیں جائے پھر وہ PAC میں پیش کرے۔ مجھ پر ٹیلی فون چارجز کا کیس تھا۔ وسیم سجاد کو معاف کیا گیا لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔

لیکن میں واحد سیاست دان ہوں جسے NAB کے ذریعے تنگ کیا جا رہا ہے میرا کوئی شریک مجرم بھی نہیں یعنی میں نے کسی کو حکم دیا ہے یا کسی نے میرے حکم پر عمل کیا، کیا کوئی بھی نہیں۔

وسیم سجاد کو بل معاف کر کے سینیٹر بھی بنوایا گیا اور آج سینٹ میں Leader of the house بھی نہیں۔

ریلوے ایکٹ میں 100 سال کے بعد ترمیم ہوئی۔ 1986ء میں بطور ریلوے وزیر بنا فعال کردار ادا کیا۔ 1992ء میں Tourism پالیسی بھی دی گئی۔

Local Govt کا وزیر 100Km میل روڈ ملتان کو دی گئی (صرف ایک ماہ) Natural specification کے مطابق اپوزیشن میری بطور سپیکر میرے کاموں کی تعریف کرے گی۔ 1988ء میں جونیجو سے اختلاف بھی کیا اور اپوزیشن میں چلا گیا۔ اور پھر 1988ء میں الیکشن لڑا اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ نواز شریف کو شکست دی۔

موجودہ دور Popular حکومت کا ہو۔ جڑیں عوام میں ہوں انہوں نے Leaders کو ملک سے باہر رکھا ہوا ہے سیاسی حالات دگر گوں ہیں۔

4.13 جناب یوسف رضا گیلانی صاحب:۔

پائی گراف کے مطابق جناب یوسف رضا گیلانی کے حلقہ انتخاب میں لوگوں کی رائے کچھ اس طرح سے رہی۔ 20% عوام الناس نے یوسف رضا گیلانی کے بارے میں بہت اچھا تاثر دیا جس میں عوام سے رابطہ انتخابی حلقوں میں اِن کی موجودگی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی ساتھ بہت سے لوگوں نے برملا کہا کہ یوسف رضا صاحب شادیوں اور اموات میں ضرور شرکت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے بہت سے نوجوانوں کو گورنمنٹ Jobs دلوائیں۔ اس پاداش میں سائیں یوسف رضا گیلانی کو قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں۔ 17% لوگوں نے یہ رائے دی کہ جمہوری دور میں جب وہ وفاقی وزیر اور اسپیکر قومی اسمبلی رہے ہمارے علاقے میں آتے رہے۔ مگر جیسے ہی انہیں اقتدار سے فارغ کیا تو
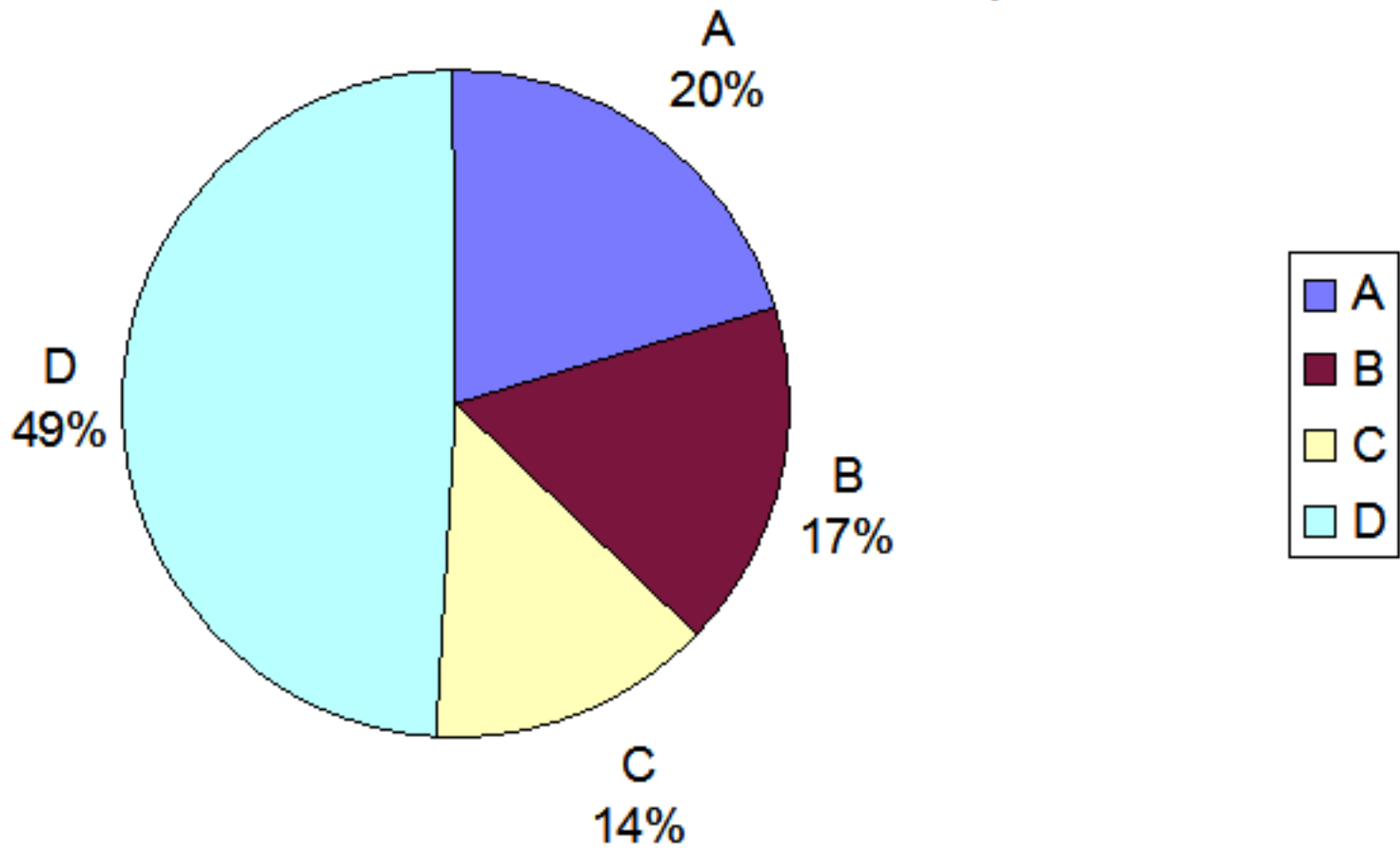
ان کا اپنے علاقے میں Visit کم ہوگیا۔ نتیجہ عوام میں پذیرائی کم ہوگئی۔ جیسے 2000ء کے قومی الیکشن وغیرہ 14% لوگوں نے یہ رائے دی کہ سائیں یوسف رضا گیلانی نے ہمارے حلقہ میں تعمیراتی کام بہت کم کرائے یا انہوں نے زیادہ توجہ نہ دی۔ 49% لوگوں نے یہ رائے دی کہ یوسف رضا کا تعلق چونکہ پیر گھرانے سے ہے۔ اس لئے اُن کا ووٹ بینک بھی ان کے مریدین ہیں اس کے علاوہ پی پی میں جو لوگ ان کا ساتھ دے رہے ہیں اُن کے زیادہ کام ہوتے ہیں باقی ماندہ لوگ انتظار میں رہتے ہیں۔ میرے مطابق یوسف رضا صاحب کا زیادہ وقت

آرمی دور اقتدار میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اس لئے وہ اپنے حلقہ میں زیادہ وقت نہیں دے سکے۔ان کے بھائی نے اگرچہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی کمی دور کرنے کی کوشش کی اور عوام سے رابطہ کرتے رہے تاہم وہ زیادہ موثر ثابت نہ ہوسکے کیونکہ ایک بھائی سو فیصد دوسرے کا متبادل نہیں ہوسکتا۔

تنویر الحسن گیلانی راقم کا انٹرویو 04-07-07:۔

لودھراں سے الیکشن لڑا جو کہ الیکشن نہ ہوسکے۔ 1985ء میں الیکشن لڑا۔ملتان شہر سے آزاد۔ 1990ء میں ملتان شہر سے پھر الیکشن لڑا (مسلم لیگ) سے اور کامیاب ہوا۔ 1993 میں PPP سے اور 1997ء PPP میں الیکشن لڑے۔ 2002ء میں (مسلم لیگ) کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا۔ اگر لوکل باڈیز کو unhinderance چلایا جائے تو یہ نظام فعال کردار ادا کرسکتا ہے۔ Controlled Democracy ہے۔جس سے خاطر خواہ فائدہ اس ملک کو نہیں ہوا۔ Rule of Law ہونا چاہیے۔جس سے ہم ترقی کرسکتے ہیں۔لوکل باڈیز ایک نرسری ہے جو کہ grass root level کے grievences کو ختم کرسکتی ہے۔

وراثتی سیاست کے حوالہ سے یہ بات ہے کہ کوئی زرعی خاندان کا فرد اپنے بزرگوں سے الگ نہیں ہوتا۔

قیام پاکستان سے اب تک ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے جمہوریت کے لیے بڑا کام کیا۔یونینسٹ کے ہاتھوں بکنے والے سیاستدانوں نے بڑا مال کمایا اور مضبوط بنے۔جب کہ دوسری طرف وہ لوگ جو ایسا نہ کرسکے وہ مالی لحاظ سے کمزور رہے۔تعلیمی میدان میں ہماری فیملی نے بہت کچھ کیا۔بار بار مارشل لاء آنے کی وجہ سے ان سے پوچھیں جو لاتے ہیں۔ 58-2B کا حمایتی اس لئے رہا کہ اس سے مارشل لاء سے پرہیز کیا جاسکتا ہے۔

مارشل لاء دور میں کوئی قربانیاں نہیں دیں اور مارشل لاء کو سپورٹ بھی نہیں کیا۔ ہمارے بزرگوں نے پاکستان کے لیے جو قربانیاں دیں دراصل اسلام کے لیے قربانیاں تھیں کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔

بار بار پارٹیاں بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ جب میں مسلم لیگ میں تھا تو میں نے اس کی مسلم لیگ کی مخالفت بھی کی۔میں نے دیکھا کہ ہمارے لیڈر نواز شریف کا کوئی Prinicple stand نہیں تھا۔میں نے اپنے لیڈر کو استعفیٰ کے لیے مجبور کیا کیونکہ وہ پانچ پیاروں (کچن کیبنٹ) میں گھر چکا تھا۔

PPP سے اختلاف اس لئے کیا کہ ہم نے Against Democratic force کے لانگ مارچ کی اپیل نہ کریں۔اگر ہم لانگ مارچ کی اپیل کر بیٹھے تو فوج کے آنے کا جواز بن جائے گا۔اس سے ملک کو نقصان پہنچے گا۔فوج ایک واحد ادارہ ہے جسے ہم above politics رکھنا چاہتے ہیں۔ اب ملک میں نہ کوئی constitution ہے نہ Rule of law ہے نہ انصاف ہے Justice delayed جو کہ Justice Denied ہے ملک کے چاروں صوبوں کو اکھٹا رکھتے ہیں فوج کا کردار ہے جب کوئی چیز اقتدار میں آتی ہے تو اس کا وقار مجروح ہوتا ہے اس لئے فوج کو سیاست سے دور رکھنا چاہیے۔تاکہ اس کا وقار مجروح نہ ہو۔اللہ کرے ہمارے صوبے اکھٹے رہ جائیں۔پاکستان قائم ودائم رہے اور سیاسی استحکام ہو۔

ہم فیصلہ کریں کہ ملک میں آئین موجود ہو اور آئینی حکومت ہو۔Rule of Law ہو۔عدالتوں کا نظام بہتر بنایا جائے۔سپریم کورٹ کے فیصلے Public Property سمجھنے چاہیں۔اور ان پر تنقید کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے اور اس پر Contempt of court نہ ہو۔عدالتوں کا نظام بہتر ہوگا تو ملک welfare state بنے گا۔ہمیں ملک میں صحت کا نظام بہتر بنانا ہوگا لوگوں کی صحت بہتر ہوگی تو لوگوں کی سوچ صحیح ہوگی۔ہمیں Education system بدلنا ہوگا۔ Humanities گروپ ختم کرنا ہوگا۔ سائنس و ٹیکنالوجی کو ترقی دینا ہوگی کوئی نوجوان Humanities گروپ میں ایم اے کر لیتا ہے تو نوکری نہیں ملتی۔جس سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس لئے ہمیں Technology کو فروغ دینا چاہیے۔نوجوانوں کو قرضے دینے چاہیں۔تاکہ وہ کوئی روزگار پیدا کرسکیں۔قرضے سے کاٹیج انڈسٹری کو فروغ دیا جائے۔

ملک میں Genuine Leadership کو آنے نہیں دیا گیا۔بلکہ سازش کرنے والے لوگ آتے رہے ایسے ایسے لیڈر آئے جن کی دلچسپی جعلی ووٹ بنوانے اور حلقہ بنوانے میں وقت ضائع ہوتے رہے ہیں۔پڑھا لکھا حلقہ تو ووٹ ڈالنے نہیں آتا کیونکہ الیکشن والے دن غنڈہ گردی،لمبی لائنیں یہ پڑھے لکھے طبقہ کو پسند نہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ یہاں Genuine Leadership آئے۔ملتان میں سوئی گیس فراہم کرنے،سیورج سسٹم بہتر بنانے اور نوجوانوں کو ملازمتیں دلوانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔سید یوسف رضا گیلانی نے لوگوں کو ملازمتیں دلوائیں اسی پاداش میں انہیں نے نیب کے مقدمات کا سامنا ہے اور جیل بھگت رہے ہیں۔انہوں نے اعلیٰ مقصد کی

خاطر سزا بھگتی ہے۔ اللہ کرے ایسے سپوت ملک میں اور آ گے آئیں۔ ہمیں جذباتیات کی بجائے عقل سے کام لینا چاہیے اور صوبوں میں ہمیں Visit کر کے ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک رہ کر قریب ہوں تا کہ ہم میں محبت اجاگر ہو سکے تا کہ پاکستان قائم و دائم رہے۔ ملتان صوبہ کے بارے میں میرا خیال مثبت نہیں ہے۔

4.14 جناب تنویرالحسن گیلانی صاحب:۔

تنویرالحسن گیلانی کا حلقہ انتخاب اندرون شہر کے قدیم علاقوں پر مشتمل ہے۔ جہاں مقامی لوگوں کے علاوہ 1947ء میں آئے ہوئے مہاجرین کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ اُن کے حلقہ انتخاب میں جن لوگوں سے رائے لی گئی اُن میں سے 30% لوگ اُن کی کارکردگی کو انتہائی شاندار قرار دیتے ہیں۔ جبکہ 21% ووٹر اُن کی کارکردگی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اِس لئے اِن کو معیار "B" میں شمار کیا گیا ہے جبکہ 17% لوگ اُن کی کارکردگی کو تسلی بخش سمجھتے ہیں۔ اس پر 68% لوگوں کی رائے اُن کے حق میں بنتی ہے۔ جب کہ 32% ووٹر اُن کی کارکردگی سے قطعاً مطمئن نہیں اور ان کے معیار کو "D" میں رکھا گیا۔ لوگوں کی رائے کا ہم تجزیہ کرتے ہیں تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا حلقہ انتخاب بہت بڑی تعداد اُن کے پیر گھرانے سے
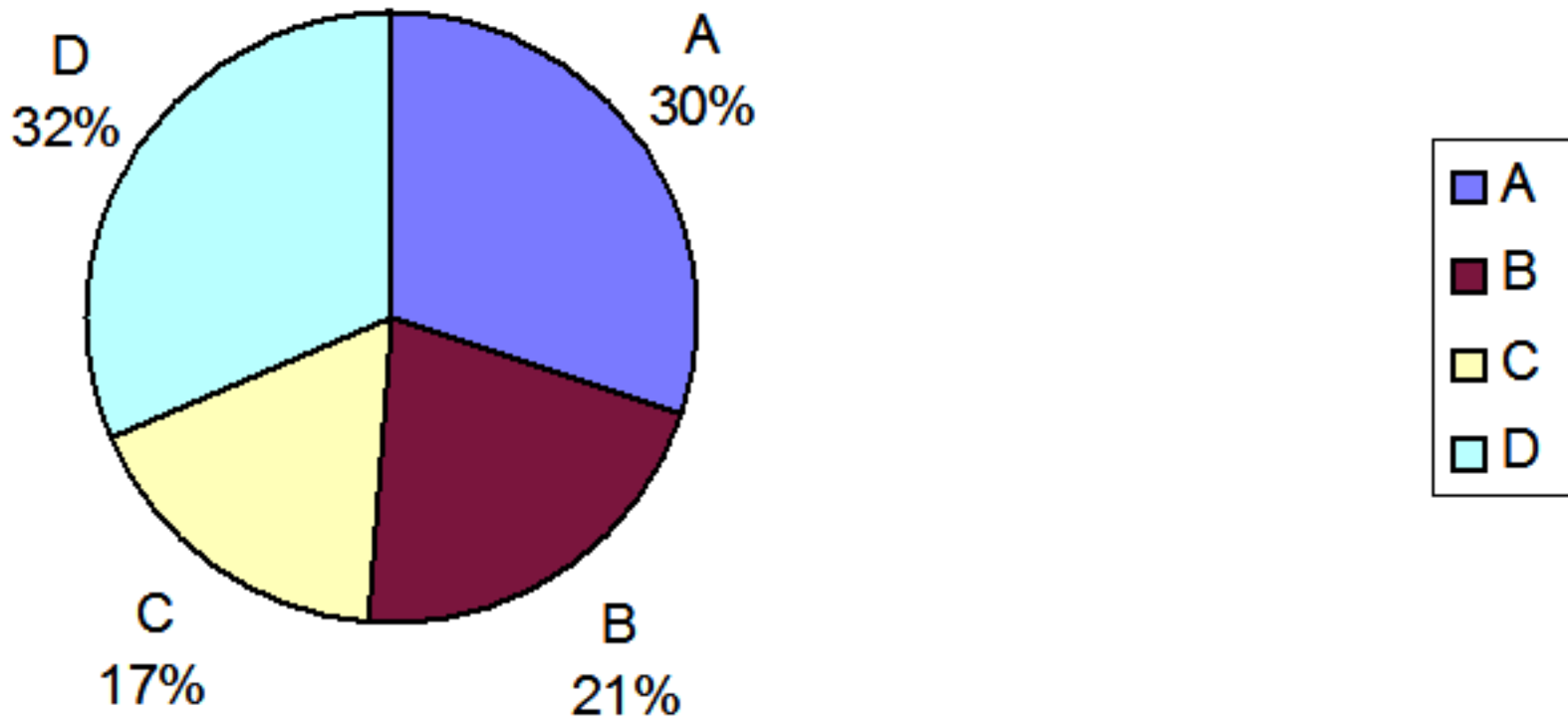
تعلق ہونے کی وجہ سے مریدین کی بھی ہے۔ کیونکہ اُن کے بڑے بھائی مخدوم وجاہت حسین گیلانی دربار موسیٰ پاک کے سجادہ نشین ہیں اور یہ علاقہ ان کے حلقہ انتخاب میں آتا ہے۔ سروے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حلقہ انتخاب میں ایک بڑی تعداد مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے لوگوں کی ہے۔ وہ ان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ جبکہ 32% لوگ ان کی کارکردگی کو ناقص قرار دیتے ہیں۔ عوامی رائے میں اس کی بنیادی وجوہات میں مہاجر مقامی، سرائیکی، غیر سرائیکی اور مذہبی تعصب ہوسکتا ہے۔ بہرحال مجموعی طور پر حلقہ کے لوگ ان کی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔ وہ چونکہ نوجوان ہیں اور انہماک قسم کے انسان ہیں۔

ملتان کے گیلانی خاندان کا انقادی جائزہ:۔

ملتان کے معروف خاندانوں میں سے ایک خاندان خاندان گیلانیاں ہے۔گیلانی خاندان کے بزرگ ایران کے صوبے گیلان سے پہلے اُچ اور بعد میں ملتان آئے۔ملتان میں اسی خاندان کے بانی حضرت شیخ موسیٰ پاک شہید ملتانی ہیں۔آپ شیخ محمد غوث بندگی کی اولاد میں سے ہیں جن کا مزار شریف اُچ میں ہے۔حضرت موسیٰ پاک شہید کا عہد گیارھویں صدی ھجری کا آغاز ہے۔اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک جھگڑے میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے پاس آگرہ گئے تھے۔کچھ مدت کے بعد اپنے مقصد میں گذر کر نکی ہٹی پہنچے تو ایک جال کے درخت کے نیچے چوروں نے انہیں شہید کر دیا۔یہ 1010 ھ/ 1401ء کا واقعہ ہے۔ان کا مزار مبارک اندرون پاک دروازہ ملتان میں مرجع عوام وخواص ہے وہ اپنے وقت کے عالم بے بدل اور عارف کامل تھے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسا مایہ ناز عالم ان کا مرید تھا اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔اس خاندان کا ایک شخص موسیٰ دارالشکوہ صوبے دار ملتان کے زمانے میں سوسواروں کا حاکم تھا۔وہ بعد میں درویش ہوگیا تھا۔اس خاندان کے مشائخ تقریباً 400 سال سے ملتان میں آباد ہیں۔سلاطین وقت نے خانقاہ اور لنگر کے حوالے سے انہیں جاگیروں اور مالی امداد سے نوازا۔اور یہ روحانی پیر ہونے کے ساتھ ساتھ زمینوں اور جاگیروں کے بھی مالک بنتے چلے گئے۔انگریزوں کے عہد میں یہ ان کے وفادار رہے اور جنگ آزادی 1847ء میں اس خاندان کے مخدوم اور سربراہ مخدوم نور شاہ نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز سرکار نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں خلعت وسند سے نوازا اور جاگیریں بھی دیں۔دوسرے خاندانوں کی طرح یہ خاندان بھی اپنی سیاسی مصلحتوں اور مفاد کے حصول کی خاطر ہر آنے والی حکومت کا ساتھ دیتا رہا۔اس خاندان کے بہت سے افراد پاکستان بننے کے بعد وزیر اور اسمبلیوں کے رکن رہے۔بھٹو دور میں اسی خاندان کے ایک معروف سیاست رہبر یوسف رضا گیلانی پاکستان اسمبلی کے سپیکر بھی رہے۔

اس خاندان کو ملتان میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے بے شمار مرید موجود ہیں۔خانقاہ شریف میں زائرین کا تانتا رہتا ہے۔

مجموعی تجزیاتی جائزہ(Overall)

4.15

سیاسی خانوادوں سے تعلق رکھنے والے منتخب نمائندوں سے کئے گئے 8 سوالات کا جو مجموعی تجزیہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ 13856 افرادان کی کارکردگی کو"A" درجہ اور 5985 افراد کو"B" درجہ میں رکھتے ہیں جوان کی اچھی کارکردگی کو ظاہر کرتا ہے۔جبکہ 8238 افرادان کی مجموعی کارکردگی کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں اوران کو"C" درجہ دیتے ہیں ان کے خیال میں اس کارکردگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔جبکہ ایک کثیر تعداد جو 20057 افراد پر مشتمل ہے ان کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔ان کے خیال میں مجموعی طور پر ان کی کارکردگی ناقص اور تسلی بخش معیار سے بھی کم ہے اور یہ

وہ لوگ ہیں جو شائد آئندہ انتخابات میں اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال نہ کریں۔اس طرح ان تمام نمائندوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنی کارکردگی کو علاقے کے ووٹروں اوران کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لے کر بہتر نہ بنایا تو آئندہ انتخابات میں انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔یا دوسری صورت میں عوام ان کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کران کی کارکردگی کو بہت اچھا کہیں گے۔اس طرح ان کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔عوام کی خوشحالی۔نمائندوں پر اثر رکھتی ہے اور ملک میں بھی ترقی کا عمل مستقل بنیادوں پر جاری رہ سکتا ہے۔

سوال نمبر 1- آپ کے حلقے کے ایم این اے۔ایم پی اے سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

سیاسی خانوادوں سے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں جب لوگوں سے سوال کیا گیا تو مجموعی طور پر 2606 افراد نے اپنے تعلقات کو بہت اچھا قرار دیا۔ان کے خیال میں سیاسی خانوادوں اور ووٹرز کے درمیان انتہائی خوشگوار تعلقات موجود ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ سیاسی خانوادوں کے افراد اپنے حلقوں کے عوام سے مسلسل رابطہ رکھتے ہیں ان کی غمی خوشی کے معاملات میں شریک ہوتے ہیں۔علاقے کی ترقی کے مسائل کو حل کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کے جو بھی ذاتی مسائل ہوتے ہیں اس کے حل کرنے میں بھی وہ دلچسپی لیتے ہیں۔اس طریقہ سے ان کے نمائندے عوام کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیاسی خانوادوں کے ارکان کے عوام سے تعلقات کے بارے میں 863 افراد نے ان کو B درجہ میں رکھا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے یہ افراد سیاسی خانوادوں کے ارکان سے تعلقات کو اچھا اور بہتر سمجھتے ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں ان کے تعلقات کو بہتری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے اور ان منتخب نمائندوں کے کردار سے مطمئن ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نمائندوں کی کارکردگی اچھی ہے اور عوام سے ان کا مسلسل رابطہ قائم ہے۔جبکہ "c"748 افراد نے سیاسی خانوادوں کے نمائندوں 4.16
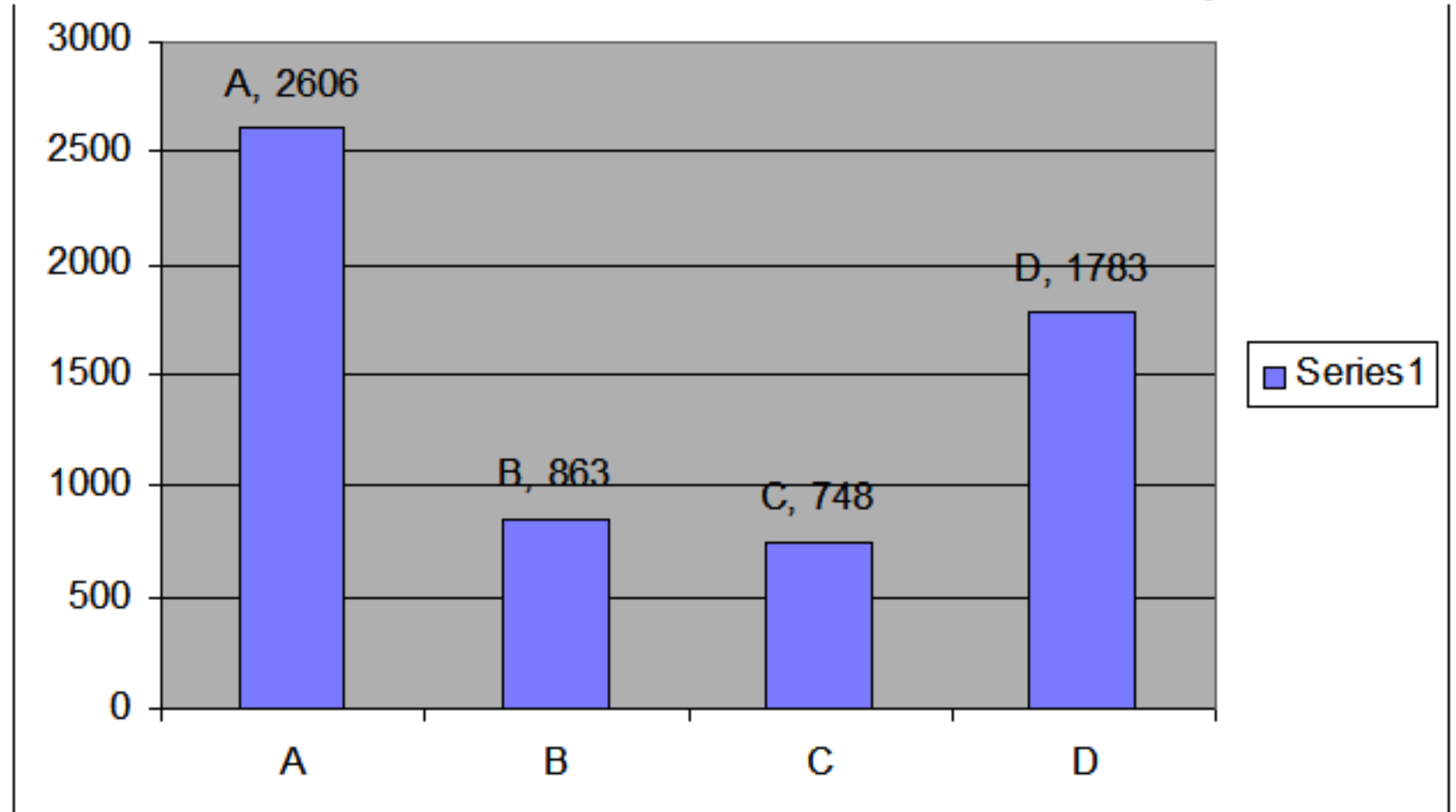
سے تعلقات کو بحیثیت مجموعی اطمینان بخش قرار دیا' یہ وہ لوگ ہیں جو ان کی کارکردگی کو بہت اچھا نہیں سمجھتے۔ تو ان کی کارکردگی سے مایوس بھی نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی توقعات پر یہ نمائندے مکمل طور پر پورے نہیں اترے لیکن مجموعی طور پر ان کے تعلقات نارمل اور اطمینان بخش ہیں اور تعلقات کو یہ نمائندے اپنی بہتر کارکردگی سے مستقبل میں اچھا بنا سکتے ہیں۔ ایک بہت بڑی تعداد ایسے افراد کی بھی ہے جو ان سیاسی خانوادوں کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہے۔ ان کی تعداد 1783 ہے۔ "D" درجہ۔ ان کے خیال میں یہ سیاسی خانوادے ان کی توقعات پر پورا نہیں اتر رہے ہیں اور ان کی کارکردگی تسلی بخش معیار سے بھی بہت نیچے ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ منتخب نمائندوں اور ان لوگوں کے درمیان تعلقات میں فرق آ گیا ہو یا مسلسل رابطہ نہیں رہا یا بعض لوگ تعلقات کو اپنے ذاتی مسائل کے حل کرنے کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ اگر ان کے ذاتی مسائل حل کر دیئے جائیں تو ان کی کارکردگی کو اچھا سمجھتے ہیں ورنہ دوسری صورت میں ان کی کارکردگی کو غیر تسلی بخش قرار دیتے ہیں۔

سوال نمبر 2- کیا وہ آپ کے حلقہ میں تسلسل سے آتے ہیں یا صرف الیکشن کے دنوں میں آتے ہیں؟

جب عوام سے یہ پوچھا گیا کہ یہ سیاسی خانوادوں کے منتخب نمائندے کیا اپنے حلقہ انتخاب میں
با قاعدگی سے آتے ہیں یا صرف انتخابات کے زمانے میں ہی نظر آتے ہیں تو ان میں سے 1155 افراد نے ان کی
"A" درجہ میں رکھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ نمائندے با قاعدگی سے حلقہ انتخاب کا دورہ کرتے
ہیں اپنے ووٹروں سے ملتے ہیں اور مسلسل ان سے رابطہ برقرار ہے جبکہ 531 افراد ان نمائندوں کے اپنے حلقے
کے عوام سے رابطے کو "B" درجہ میں رکھتے ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کے رابطے اور حلقہ میں با قاعدگی سے
آمد کو اچھا سمجھتے ہیں۔اگر چہ یہ تعداد بہت تھوڑی ہے تاہم وہ اپنے نمائندے کی کارکردگی کو اچھا سمجھتے
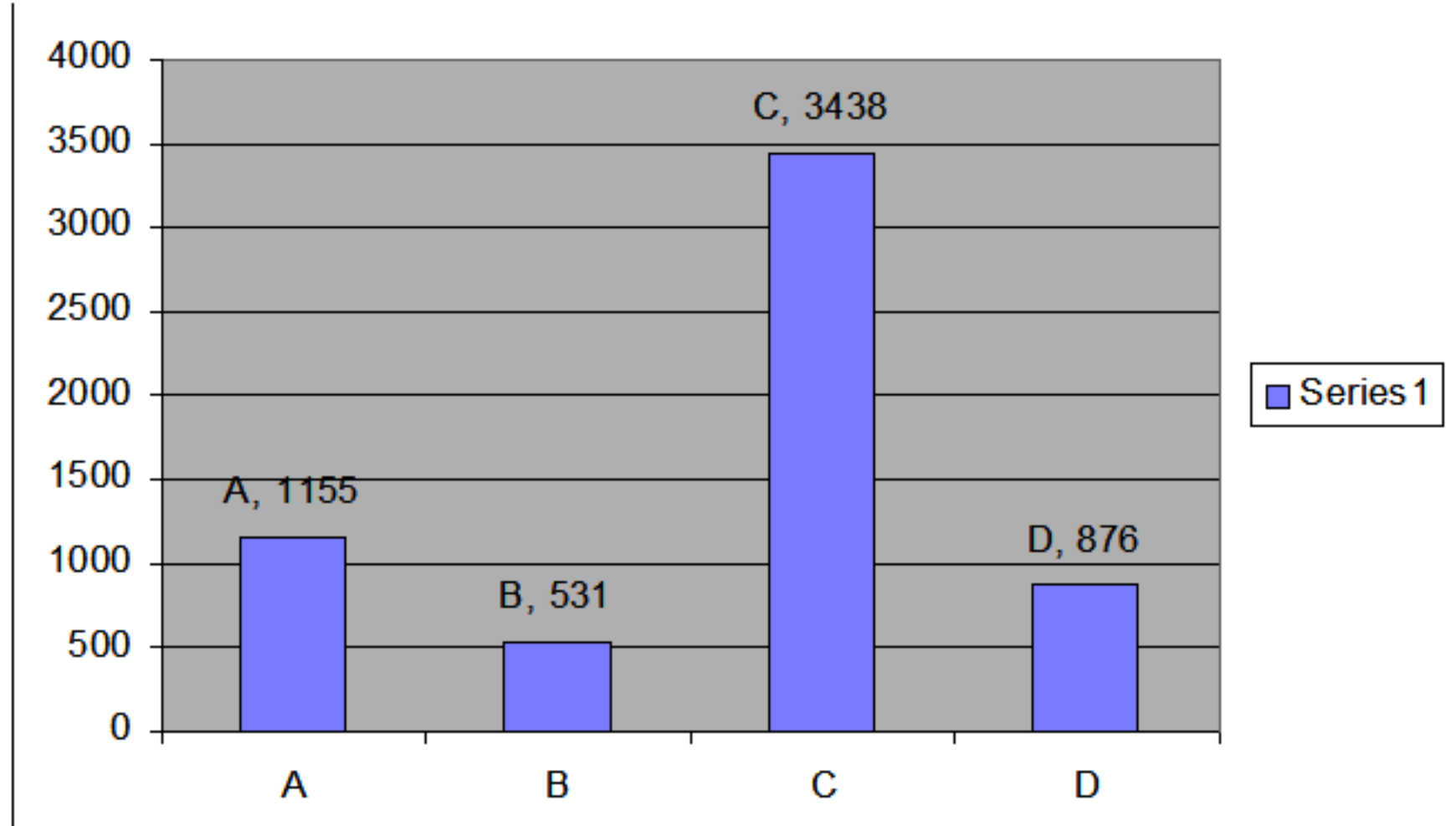
ہیں جبکہ ایک بہت بڑی تعداد 3438 ان نمائندوں کی حلقے میں آمد اور عوام سے رابطہ کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں۔
اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نمائندے آئندہ اپنے حلقے میں با قاعدہ آمد و رفت سے اپنے رائے دہندگان سے
تعلقات کو تسلی بخش سے بہتر میں تبدیل کر سکتے ہیں جبکہ 876 افراد کا یہ خیال تھا کہ یہ نمائندے کبھی کبھار اپنے حلقے
کا دورہ کرتے ہیں اور الیکشن کے موقع پر ہی عام طور پر نظر آتے ہیں یہ لوگ ان کی کارکردگی سے قطعاً مطمئن نہیں

ہیں۔ان کے خیال میں ان نمائندوں کو اپنے حلقے کے لوگوں سے مستقل اور مسلسل رابطہ رکھنا چاہیے۔

سوال نمبر 3- کیا علاقے کے مسائل حل کروانے میں دلچسپی لیتے ہیں؟

جب ووٹروں سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا ان کے منتخب نمائندے اپنے علاقے کے مسائل کو حل کرنے میں واقعی دلچسپی لیتے ہیں تو 1882 افراد ان کی اس کارکردگی سے بے حد مطمئن ہیں اور ان کے خیال میں یہ نمائندے علاقائی مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں جبکہ 645 افراد انہیں "B" درجہ میں رکھتے ہیں اس لحاظ سے یہ کارکردگی بھی اچھی شمار کی جاتی ہے اور اس طرح "A" درجہ میں رکھا گیا ہے جبکہ 469 افراد کا خیال ہے کہ عورتوں کے مسائل حل کرنے میں ان کی کارکردگی محض تسلی بخش ہے اور کبھی کبھار
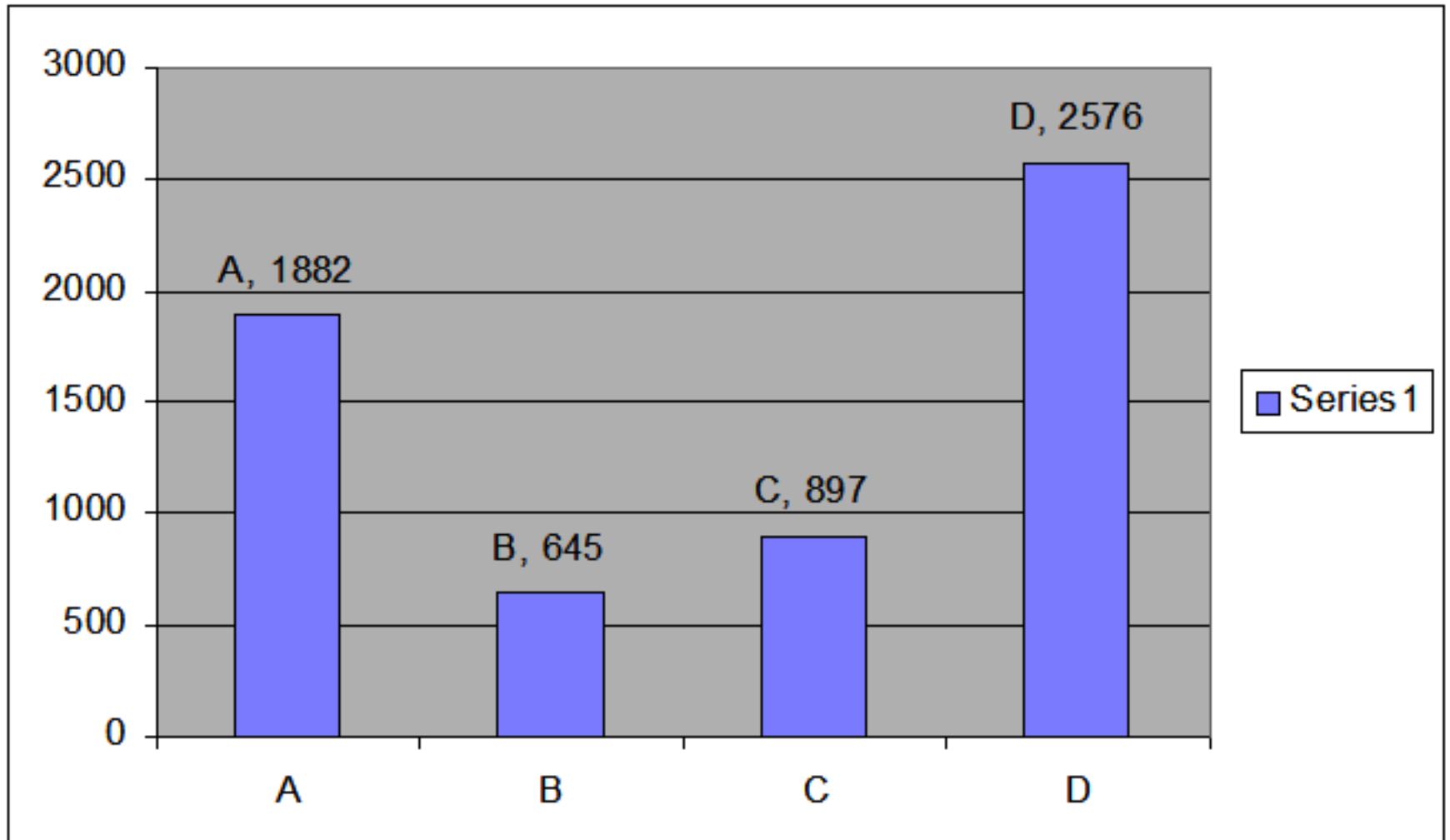
اس معاملے میں دلچسپی لیتے ہیں یا ان کی اپنی ذاتی دلچسپی ہو جبکہ جتنے بھی لوگوں سے سوال کیا گیا تو ان کی غالب اکثریت جو 4434 افراد پر مشتمل ہے خواتین کے مسائل حل کرنے میں ان نمائندوں کی عدم دلچسپی کی شکایت کرتے ہیں یہ تعداد باقی 3 درجات کے جواب دینے والوں سے تین گنا زیادہ ہے۔جس سے اس بات کا واضح اظہار ہوتا ہے وہ اپنے نمائندوں کی کارکردگی کو قطعاً تسلی بخش نہیں سمجھتے اور اس بات کا شکوہ کرتے ہیں کہ ان

نمائندوں نے خواتین کے مسائل کے حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

سوال نمبر 4- کیا پنچائتی جھگڑوں میں فیصلے کرواتے ہیں؟

جب لوگوں سے سوال کیا گیا کہ ان کے یہ منتخب نمائندے ان کے جھگڑوں کو حل کرنے کے لئے پنچائتی معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں تو اکثریت کا جواب اس کے خلاف تھا 1039 افراد کے خیال میں واقعی دلچسپی لیتے ہیں اور ان کی کارکردگی بہت اچھی ہے جبکہ صرف 134 افراد نے ان کو "B" درجہ میں رکھا ہے۔ جبکہ 619 افراد پنچائتی معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے بارے میں ان کی دلچسپی کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں۔ جبکہ غالب اکثریت جو 4202 افراد پر مشتمل ہے۔ پنچائتی معاملات میں ان کی کارکردگی کو غیر تسلی بخش قرار دیتے ہیں یہ تعداد باقی تین درجات کی مجموعی تعداد سے بھی دگنی ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ پنچائتی عدالتوں کے فیصلے کرنے میں یہ لوگ قطعاً کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ اس طرح ان کی کارکردگی انتہائی ناقص ہے جس سے لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

4.19
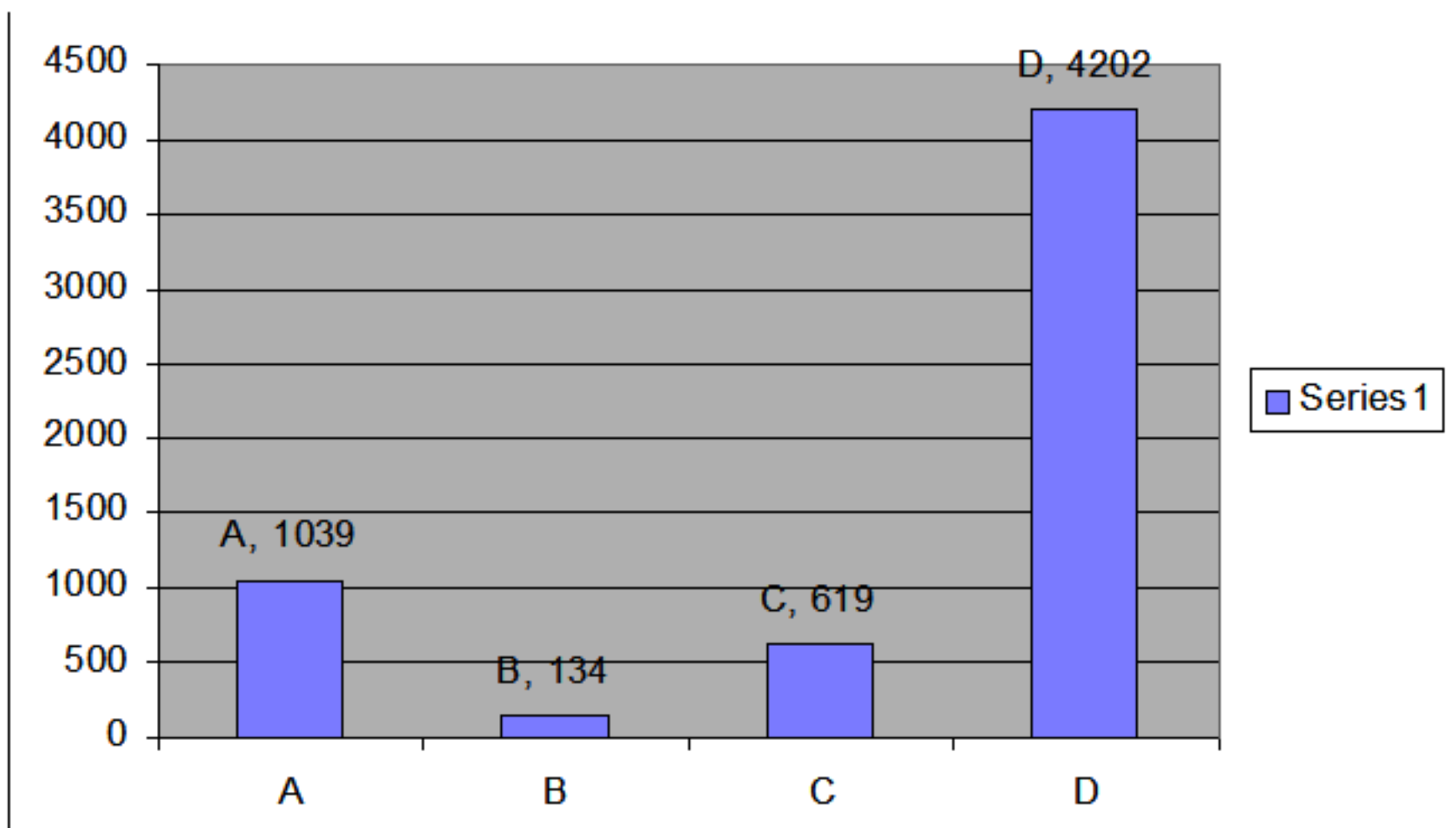
سوال نمبر 5- آپ کے علاقے میں کون کون سے تعمیری کام کروائے ؟

جب لوگوں سے یہ سوال کیا گیا کہ ان کے نمائندے علاقے کے تعمیراتی کاموں میں کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں تو 1351 افراد کا خیال تھا کہ وہ تعمیراتی کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور علاقے میں سڑکیں۔بجلی۔تعلیم۔صحت وغیرہ کی سہولتیں فراہم کرنے میں ان کی کارکردگی بہت عمدہ ہے۔جبکہ 1263 افراد ان کی اس کارکردگی کو "B" درجہ میں رکھتے ہیں۔جس سے ان بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ تعمیراتی کاموں میں ان کی مدد کرتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں 625 افراد ان کی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں اور انہیں "C" درجہ میں رکھتے ہیں۔ان کے خیال میں ان کی دلچسپی محض واجبی سی ہے۔ جب کہ ایک بہت بڑی تعداد جو 2761 افراد پر مشتمل ہے تعمیراتی کاموں میں ان کی مدد کو "D" درجہ میں رکھتے ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے ان نمائندوں کو علاقے کے تعمیراتی کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں جو ان کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

4.20
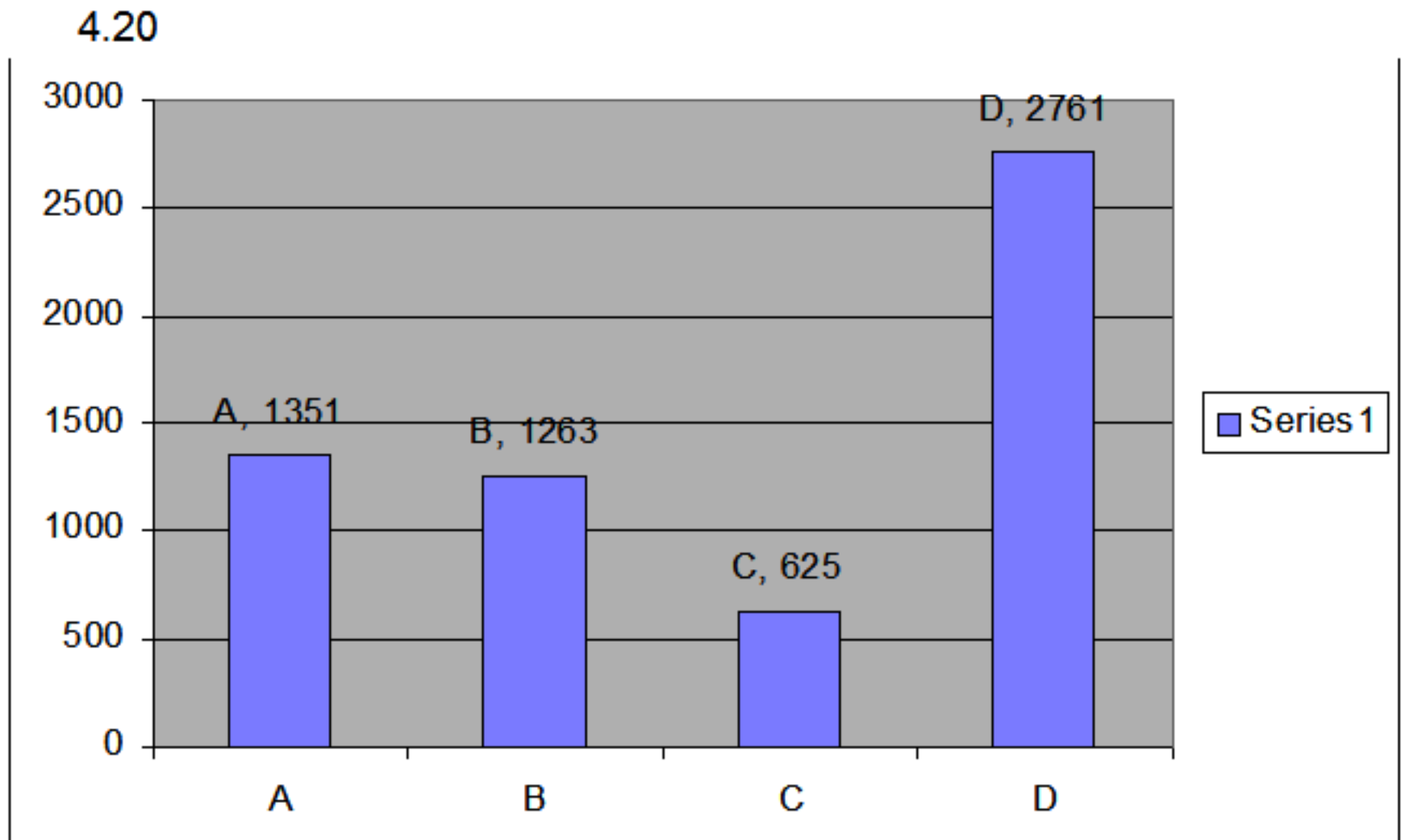
سوال نمبر 6-   خواتین کے مسائل حل کروانے میں کہاں تک دلچسپی لیتے ہیں؟

جب اِن ووٹروں سے یہ سوال کیا گیا کہ خواتین کے مسائل حل کرنے میں ان سیاسی خانوادوں کے نمائندے کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت ابھر کر سامنے آئی ہے کہ انہیں خواتین کے مسائل حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جبکہ خواتین جو ملک کی کل آبادی کا 52% ہیں ان کے مسائل حل کرنے کے لئے خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ 807 افراد ان کو "A" درجہ میں رکھتے ہیں اور 210 افراد ان کو "B" درجہ میں رکھتے ہیں جو مجموعی طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان نمائندوں کی کارکردگی کو اچھا یا بہت اچھا سمجھتے ہیں۔ جبکہ 469 افراد ان کو تسلی بخش یعنی ان کی کارکردگی اچھی ہے۔ 4434 افراد ان کی کارکردگی کو ناقص سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خواتین کے مسائل حل کروانے میں کبھی بھی علاقے میں تشریف نہیں لاتے اور نہ ہی بلوانے پر عوام کی مدد کرتے ہیں۔ خواتین کے مسائل وہاں کے لوکل لوگ اپنی مدد آپ کے تحت حل کرتے ہیں ان کا اس عمل میں کوئی حصہ نہیں۔

4.21
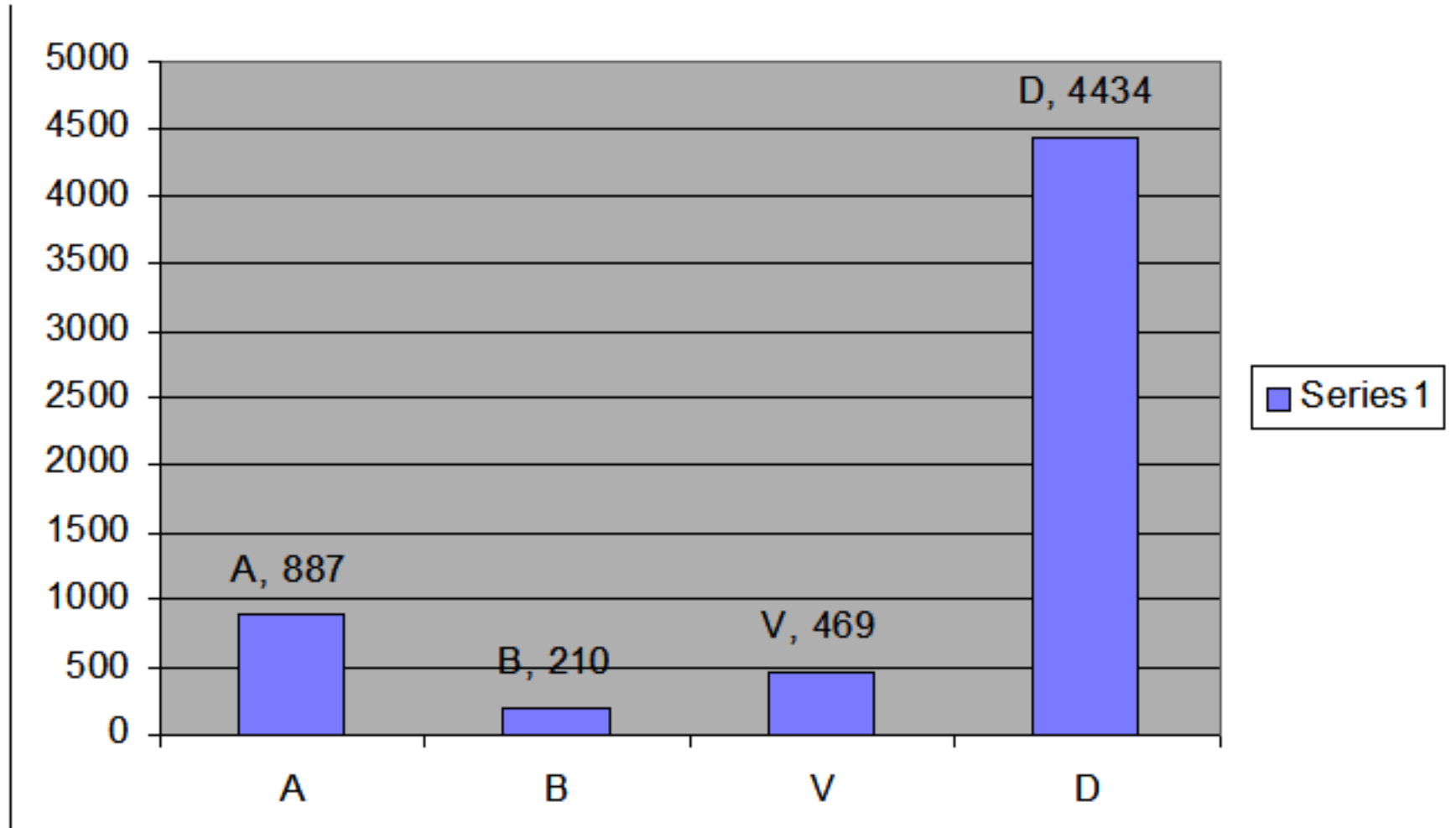
سوال نمبر 7-   کیا ووٹ آپ صرف اپنی پسندیدہ شخصیت ہی کو دیتے ہیں؟

جب سوال کیا گیا کہ آپ اپنا قیمتی ووٹ صرف اپنی پسندیدہ شخصیت کو دیتے ہیں تو جواب میں 2262 افراد نے ہاں میں جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ شخصیت ہمارے لئے اہم ہے جو ہمارے حلقہ کے کام کرواتی ہے وگرنہ نہیں۔ لحاظہ ان تمام افراد نے ان کو "A" درجہ میں رکھا۔ جبکہ 2204 افراد نے ان شخصیت کو اچھا گردانہ جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پسندیدہ شخصیت میں بعض اوقات وہ خصوصیات نہیں ہوتیں یا تو وہ عوام سے ووٹ لینے لئے جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور بعد میں عوام سے رابطہ ان کا کم پڑ جاتا ہے۔ 779 افراد نے تسلی بخش یعنی C درجہ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کا اعتبار کم ہے۔ جبکہ 755 افراد نے ان شخصیات کے بارے کوئی رائے نہ دینے کا پیغام دیا کہ ان کا اعتبار ہی نہیں۔ تمام حلقہ کے کام ہمارے کونسلر حضرات ہی کرواتے ہیں ان کا کردار غیر تسلی بخش ہے۔ ان کی نظر میں قابل شخصیت وہ ہے جو عوام کے تمام مسائل حل کروائے اور تسلسل سے عوام سے رابطہ قائم رکھے۔ تب جا کر شخصیت اپنی مقبولیت کو پہنچ سکتی ہے۔

4.22
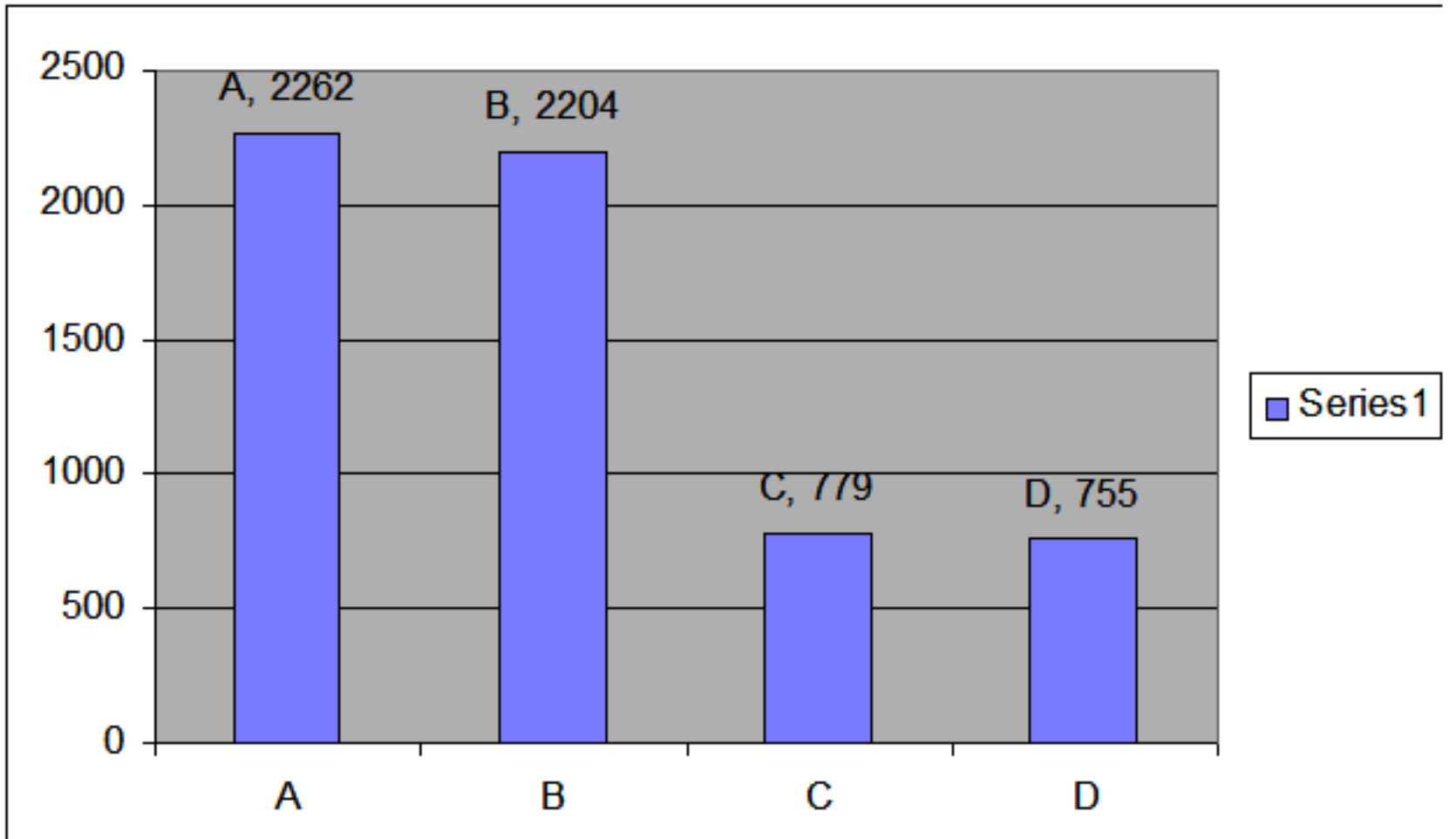
سوال نمبر 8- کیا آپ حلقہ میں امن عامہ کوقائم رکھنے کے لئے اپنے نمائندے کی کوششوں سے مطمئن ہیں؟

جب علاقوں کے ووٹروں سے یہ سوال کیا گیا کہ ان کے نمائندے علاقے میں امن وامان کو بہتر بنانے کی کوششوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور کہا آپ ان کی کارکردگی سے مطمئن ہیں تو مجموعی طور پر جوابات آنے کی روشنی میں 2376 افراد ان کی کارکردگی کو بہت اچھا بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کو "A" درجہ میں رکھتے ہیں جبکہ 140 افراد ان کی کارکردگی کو بہتر سمجھتے ہیں یعنی "B" درجہ دیتے ہیں۔ ان دونوں کے جواب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے منتخب نمائندے امن اور امان کی بہتری میں خوش ہیں۔ 853 افراد ان کی امن عامہ کی برقراری کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں جس کا مطلب انہیں "C" درجہ دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس کارکردگی کو بہتر بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ جبکہ سب سے زیادہ تعداد 2631 افراد کی ان کو "D" درجہ دیتے ہیں جس سے اظہار ہوتا ہے کہ ان کے نمائندوں نے امن وامان کی بحالی کے لئے سرے سے کوشش ہی نہیں کی اور عدم دلچسپی کی وجہ سے علاقے کے حالات جوں کے توں رہے ہیں اور یہ بات ظاہر کرتی ہے ناقص کارکردگی کی وجہ سے خراب امن عامہ کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور عوام ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ تمام مسائل کو حل کروانے میں دلچسپی لیں وگرنہ ان کی کارکردگی کو مزید گراف نیچے جا سکتا ہے۔

4.23
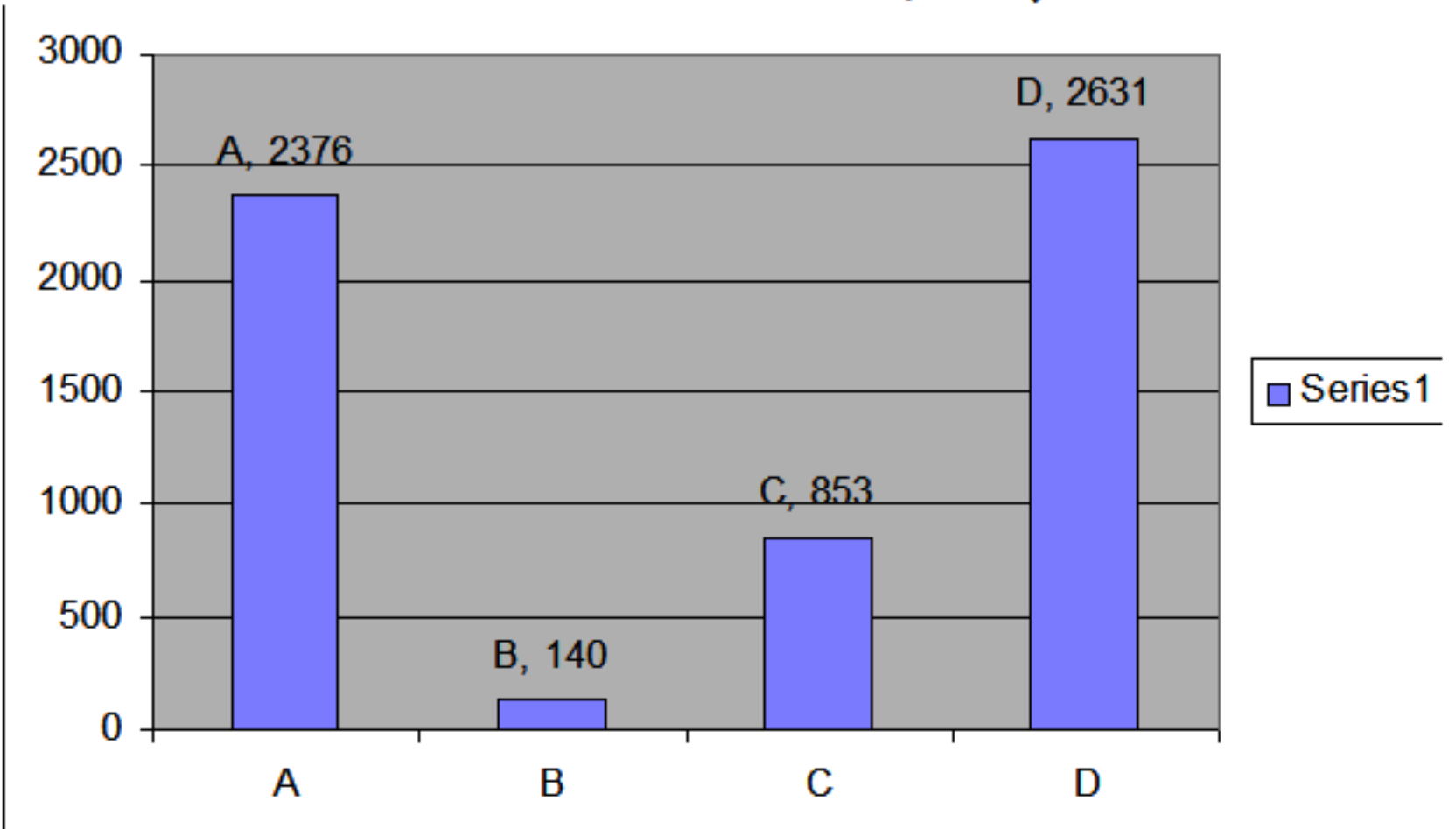
مجموعی تجزیاتی جائزہ(Overall)

سیاسی خانوادوں سے تعلق رکھنے والے منتخب نمائندوں سے کئے گئے 8 سوالات کا جو مجموعی تجزیہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ 13856 افرادان کی کارکردگی کو"A" درجہ اور 5985 افراد کو"B" درجہ میں رکھتے ہیں جوان کی اچھی کارکردگی کو ظاہر کرتا ہے۔جبکہ 8238 افرادان کی مجموعی کارکردگی کو محض تسلی بخش سمجھتے ہیں اوران کو"C" درجہ دیتے ہیں ان کے خیال میں اس کارکردگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔جبکہ ایک کثیر تعداد جو 20057 افراد پر مشتمل ہے ان کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔ان کے خیال میں مجموعی طور پر ان کی کارکردگی ناقص اور تسلی بخش معیار سے بھی کم ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو شائد آئندہ انتخابات میں اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال نہ کریں۔اس طرح ان تمام نمائندوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنی کارکردگی کو علاقے کے ووٹروں اوران کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لے کر بہتر نہ بنایا تو آئندہ انتخابات میں انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔یا دوسری صورت میں عوام ان کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کران کی کارکردگی کو بہت اچھا کہیں گے۔اس طرح ان کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔عوام کی خوشحالی۔نمائندوں پر اثر رکھتی ہے اور ملک میں بھی ترقی کا عمل مستقل بنیادوں پر جاری رہ سکتا ہے۔

4.24

حوالہ جات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	پبلشرز	تاریخ	صفحہ
۱۔الطاف حسین قریشی	معاہدوں اور خوابوں کے بادشاہ جناب دولتانہ	ہفت روزہ زندگی لاہور	26جنوری 1970	10
۲۔طارق اسمٰعیل	الیکشن 85	لاہور		228
۳۔طارق اسمٰعیل	الیکشن 88	لاہور		284
۴۔الیکشن کمیشن آف	رپورٹ آن جنرل الیکشنز	پاکستان اسلام آباد	1990ء جلد دوم	264-58
۵۔گزٹ آف پاکستان		اسلام آباد	17اکتوبر 1993ء	1426
۶۔سہیل وڑائچ	دے آل آرون الیکشن 93 سپیشل	دی نیشن لاہور	27ستمبر 1993ء	
۷۔سید قاسم محمود	انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا	شاہد بک فاؤنڈیشن	مارچ 1998	175-491
۸۔عقیل عباس	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	بک میکرز کراچی	1993	342
۹۔محترمہ تہمینہ دولتانہ صاحبہ	راقم کا انٹرویو	وہاڑی	25-07-05	
۱۰۔شماریاتی تحقیقی جائزہ				
۱۱۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	343
۱۲۔احمد سلیم	سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں	لاہور	1993	75
۱۳۔منشی عبدالرحمٰن	آئینہ ملتان	ملتان		542
۱۴۔طارق اسمٰعیل	الیکشن 1985	لاہور		212
۱۵۔سید حسین جہانیاں گردیزی	راقم کا انٹرویو	ملتان	18-06-05	
۱۶۔شماریاتی تحقیقی جائزہ				
۱۷۔سہیل وڑائچ	سیاسی شطرنج	جنگ لاہور	27اگست 1991ء	143-93
۱۸۔گزٹ آف پاکستان	گھرانے اسلام آباد	لاہور	17اکتوبر 1993ء	
۱۹۔جناب سید فخر امام صاحب	راقم کا انٹرویو	ملتان	09-09-2004	
۲۰۔شماریاتی تحقیقی جائزہ				
۲۱۔سید قاسم محمود	انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا	شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی	مارچ 1998	642
۲۲۔جناب فاروق احمد خان لغاری	(سوانح حیات)	انسائیکلوپیڈیا آف پاکستان	شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی	
۲۳۔شماریاتی تحقیقی جائزہ				

۲۴۔احمد سلیم پاکستان سیاست کے پچاس کردار تخلیقات لاہور 1997 375

۲۵۔وکیل انجم سیاست کے فرعون فیروزسنز لاہور 1997

۲۶۔پروونشل بائیوگرافی آف اسمبلی پنجاب ممبرز سیکریٹ ڈائری لاہور شارآرٹ پریس پرائیویٹ لاہور 2002ء 76

۲۷۔سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی مارچ 1998ء 793

۲۸۔پروونشل اسمبلی سیکریٹ لاہور بائیوگرافی آف ممبرز ڈائری شارآرٹ پریس لاہور 2002 243-246

۲۹۔پروونشل اسمبلی آف پنجاب آف سیکریٹ لاہور بائیوگرافی آف ممبر ڈائری شارآرٹ پریس لاہور 2002ء 227

۳۰۔سید محمد اولاد علی گیلانی مرقع ملتان جاذب پبلشرز ملتان 1995 321

۳۱۔جناب اقبال احمد خان خاکوانی راقم کا انٹرویو ملتان 30-06-2004

۳۲۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۳۳۔سید محمد اولاد علی گیلانی مرقع ملتان جاذب پبلشرز ملتان 1995ء 486-488

۳۴۔الحاج سعید احمد قریشی راقم کا انٹرویو ملتان 18-03-2005

۳۵۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۳۶۔جناب نفیس احمد انصاری راقم کا انٹرویو ملتان 10-06-2005

۳۷۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۳۸۔سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا شاہد بک فاؤنڈیشن کراچی مارچ 1998ء 288

۳۹۔جناب محمد اسحاق بچہ راقم کا انٹرویو ملتان 08-07-2004

۴۰۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۴۱۔سید محمد اولاد علی گیلانی مرقع ملتان جاذب پبلشرز ملتان 1995ء 474-475

۴۲۔پروفیسر رفیق احمد عاطر تاریخ شجاع آباد ملتان روحانی پریس ملتان 1997ء 119-127

۴۳۔ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً 138-139

۴۴۔جناب رانا اعجاز احمد نون راقم کا انٹرویو ملتان 19-06-05

۴۵۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۴۶۔پروونشل اسمبلی سیکریٹ لاہور بائیوگرافی آف ممبر ڈائری شارآرٹ پریس لاہور 2002ء 204-205

۴۷۔تہمینہ درانی مینڈا سائیں لاہور 341-351

۴۸۔جناب غلام مصطفیٰ کھر صاحب راقم کا انٹرویو لاہور 11-08-2005

۴۹۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۵۰۔طارق اسمعیل الیکشن 88ء لاہور 295-299

۵۱۔سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا شاہد بک فاؤنڈیشن کراچی مارچ 1998 879

۵۲۔ڈاکٹر خورشید ملک میر بلخ شیر مزاری ماہنامہ عصائے کلیم کوٹ مٹھن مئی 1993ء 39-40

۵۳۔جناب شوکت حسین مزاری راقم کا انٹرویو لاہور 17-07-2004

۵۴۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۵۵۔عقیل عباس جعفری پاکستان کے سیاسی وڈیرے بک میکرز لاہور 1993ء 281

۵۶۔وکیل انجم سیاست کے فرعون بک میکرز لاہور 1993ء 199,198

۵۷۔دی فرائے ڈے ٹائم قریشیز آف پاکستان 15 جولائی 13

۵۸۔دی گزٹ آف پاکستان اسلام آباد 14 اکتوبر 1993ء 289

۵۹۔الیکشن 88ء طارق اسمٰعیل لاہور 1993 263

۶۰۔رپورٹ آن دی جنرل الیکشن 1990ء الیکشن کمیشن آف پاکستان اسلام آباد جلد دوم 1990 36

۶۱۔طارق اسمٰعیل الیکشن 88ء لاہور 257

۶۲۔سہیل وڑائچ سیاسی شطرنج اور 40 گھرانے روزنامہ جنگ لاہور 27 اگست 1991

۶۳۔ڈاکٹر محمد صدیق خان قادری روزنامہ نوائے وقت ملتان 29 اکتوبر 2005ء 11

۶۴۔سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا شاہد بک فاؤنڈیشن کراچی مارچ 1998ء 615

۶۵۔جناب مخدوم شاہ محمود قریشی صاحب راقم کا انٹرویو ملتان 14-11-2004

۶۶۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۶۷۔پیر ریاض حسین قریشی راقم کا انٹرویو ملتان 11-06-2004

۶۸۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۶۹۔شاہ محمود خود بائیوگرافی بائیوڈیٹا غیر مطبوعہ 3 صفحے

۷۰۔طارق اسمٰعیل الیکشن 85ء لاہور 212-213

۷۱۔رپورٹ آن دی جنرل الیکشن 1990 الیکشن کمیشن ف پاکستان اسلام آباد اسلام آباد جلد دوم 53

۷۲۔سینٹ آف ڈائرکٹری آف ممبرز پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد 1991-1994ء 61

۷۳۔تنویر الحسن گیلانی راقم کا انٹرویو ملتان 17-17-2005

۷۴۔شماریاتی تحقیقی جائزہ

۷۵۔یوسف رضا گیلانی خالد حسین دی مین ایوری باڈی لوز فرائیڈے ٹائمز لاہور دسمبر 623

۷۶۔جناب مخدوم سید یوسف رضا گیلانی راقم کا انٹرویو ملتان 07-07-2004

۷۷۔شماریاتی تحقیقاتی جائزہ

۷۸۔سید قاسم محمود انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا شاہد بک فاؤنڈیشن کراچی 1998 862-981

باب پنجم

ضلع ملتان کی سیاست عصری جائزہ اور تقاضے

تعارف:۔

ملتان کی سیاست عیاں ہے۔قیام پاکستان سے لیکر اب تک ان روایتی خاندانوں نے سیاسی میدان میں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ پاکستان میں سیاست پر جاگیرداروں کا مکمل قبضہ رہا ہے اور اسمبلیوں میں ان کی نشستیں موروثی جائیداد کی طرح ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب پاکستان تاریخ وسیاست کے مطابق صفحہ نمبر 282 یوں رقم طراز ہے کہ ان جاگیرداروں کی اکثریت کو عوام کی بہبود سے کوئی دلچسپی نہیں ان کا واحد مقصد اقتدار کی مسند سے چمٹے رہنا ہے۔ان میں دولتانہ' نون' ممڈوٹ' دستی' قزلباش اور گورمانی' تالپور' پیر مانکی شریف وغیرہ شامل ہیں۔(۱) تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور جمہوریت کی ناکامی میں جاگیرداروں اور جاگیردارانہ سیاست کا حصہ سب سے نمایاں رہا ہے۔ان کی نفسیات یہ ہے کہ انہیں ہر حال میں اقتدار میں رہنا ہوتا ہے۔اپنے علاقے میں دھاک قائم رکھنے کے لئے اور اپنے مخصوص مفادات کی حفاظت کے لئے جاگیرداروں اور زمینداروں کو حکومت کی حمایت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ حکومت سے زیادہ حکومت کے وفادار ہوتے ہیں۔ وہ حزب مخالف میں رہنا افورڈ نہیں کر سکتے۔(۲) ملتان کی سیاست ڈاکٹر صفدر محمود کے تجزیہ کے مطابق بالکل مختلف ہے۔ملتان کے سیاست دان عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ملتان کی عوام میں سیاسی شعور بیدار ہو چکا ہے اور ان کو الیکشن کے کئی تجربات بھی ہو چکے ہیں۔ وہ بیدار مغز ہیں اور وہ صرف کھوکھلے نعروں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے حلقہ کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ووٹ کاسٹ کرتے ہیں۔ ہاں ایک طبقہ جو تعلیم سے بہرہ ور نہیں وہ پرانی روایات کو چمٹے ہوئے ہیں اور وہ ووٹ اپنے علاقے کے وڈیرے کو ہی دیتے ہیں۔ان کے مسائل جوں کے توں ہیں۔مگر وہ اپنے وڈیرے کے لئے جان قربان کرنے کو بھی تیار رہتے ہیں۔

محقق نے اس باب میں ان خانوادوں کے نمائندوں کے کردار کا جائزہ لیا ہے ۔یہ دور 1988ء تا 2000ء ہے۔ کیونکہ ضیاء الحق کی مارشل لاء کے بعد 1988ء میں جمہوری انتخابات کا انعقاد ہوا اور جمہوریت ایک بار پھر پروان چڑھی اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- 1988ء بے نظیر بھٹو کا دور حکومت

2- 1990ء نواز شریف کا دور حکومت

3- 1993ء بے نظیر بھٹو کا دور حکومت

4- 1997ء نواز شریف کا دور حکومت

محقق ان ادوار کو احاطہ دے گا۔ آج کل سیاسی دور بے چینی کا دور ہے ملک میں مارشل لاء نے جمہوریت کو پٹڑی سے بار بار اُتارا ہے جس کا نتیجہ عوام بھگت رہے ہیں اور ترقیاتی کام آرمی کی بے جا مداخلت سے Suffer ہوتے رہے ہیں۔ اب ان روایتی سیاست دانوں کو جمہوریت کے ہاتھ کو مضبوط کرنا ہے تا کہ علاقے کے لوگ ان خانوادوں کی پالیسیوں کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکے۔ ذیل کے باب میں ان خانوادوں کے علاوہ ملتان کے دیگر خانوادوں کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان میں ہراج، بوسن، کھوسے، دستی قابل ذکر ہیں۔

جاگیرداروں کا عروج پنجاب کے مشائخ کا انگریزوں کے لئے دعا نامہ:۔

جنوبی پنجاب کے بعض جاگیرداروں نے انگریز حکومت کو جلا بخشنے کیلئے مندرجہ ذیل دعا نامہ ترتیب دیا اور اسے انگریز سرکار کے آگے پیش کیا جس کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

حضور والا! اگرچہ آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے

سر غم سے کھنچے کیوں نہ سردار ہمارا، لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سر ایڈورڈ میکلیکن بالقاسم جن کے نام نامی پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے اور جن کا حسن اخلاق رعایا نازی میں شہرہ آفاق ہے اور جو ہمارے لیے حضور کے پورے نعم البدل ہیں ان کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم بمثل سابق اپنی جوش عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔

حضور اب وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں ہم دعا گویان جناب باری میں دعا کرتے ہیں کہ حضور بمعہ لیڈی صاحبہ و جمیع متعلقین مع الخیر اپنے پیارے وطن پہنچیں تا دیر سلامت رہیں (۴)

اور یہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اتار دین ہے ایں دعا از مین واز جملہ جہاں آمین باد

یہ دعا نامہ بطور ایڈریس پنجاب کے علما' مشائخ اور بڑے اولیا کرام کے سجادہ نشینوں نے 1919ء میں اپنے دستخطوں سے پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اڈوائر کی خدمت میں پیش کیا تھا یہ گورنر ہے جس کی وجہ سے جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ امرتسر ہیں۔ ہنستے کھیلتے عوام کو بلا اشتعال گولیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ اسی طرح لاہور گوجرانوالہ اور امرتسر میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ گورنر سر مائیکل کے خلاف عوام سراپا احتجاج بن گئی اور اس ظلم کی بازگشت برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ایوانوں تک سنی گئی۔ ہمارے قابل احترام مشائخ علماء اور جاگیردار نہ صرف گورنر پنجاب بلکہ اس کی بیوی تک کی خدمات قبیلہ کی مدح میں قصیدہ پڑھنے والے انسان تھے اور قرآنی آیات کے حوالہ سے انگریز حکمران کو اسلامیان نہہ کے لیے باعث رحمت قرار دے رہے تھے یہ ایک برصغیر کا طوفانی دورہ تھا اور اسلامیان نہہ تحریک خلافت میں جان و مال کی قربانیاں دے رہے تھے۔ اس زمانہ میں رولٹ ایکٹ 1919 پاس ہوا۔ قائداعظم نے رولٹ ایکٹ کو کالے قانون کا درجہ دیا اور بطور احتجاج مرکزی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ

دے دیا تھا۔ اس وقت ان جاگیرداروں نے مسلم لیگ کی جگہ یونینسٹ پارٹی کی مکمل حمایت کی ۔انگریزوں کے وفادار بعد میں پاکستان کی سیاست میں نمایاں ہوتے رہے قائداعظم نے راہیں کھول دیں ۔ جمہوریت پروان چڑھنا شروع ہوئی اور 1956ء میں ملک کا پہلا آئین بنایا گیا اور ملک میں 1958ء میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ ان کی اس روش کی وجہ سے ملک پر یکے بعد دیگرے مارشل لاء کے حملے ہوئے اور جمہوریت کی گاڑی بار بار پٹڑی سے اترتی رہی (۴) 1947ء سے 1958ء تک پنجاب کی سیاست پر جاگیرداروں کا قبضہ رہا۔ یہ خاندان جنوبی پنجاب کے دولتانے ممدوٹ ،گردیزی ،لغاری ،سید، گیلانی ،قریشی وغیرہ قابل ذکر ہیں پاکستان بننے سے پہلے یونینسٹ کے مقابلے میں مسلم لیگ کی حکومت قائم نہ ہوسکی ۔اور یہی جاگیردار مسلم لیگ کے خلاف رہے 1958 کے مارشل لاء میں جاگیرداروں کی سیاست پر کارضرب لگانے کے لیے ان کی زمین چھیننے کے لیے زرعی اصلاحات کا قانون جاری کیا اور سیاسی پارٹیوں پر ایبڈو لگا دیا مگر ان جاگیرداروں نے صدر ایوب کو مجبور کردیا کہ زرعی اصلاحات ذائل ہو۔ایوب خان نے جب کنونشن مسلم لیگ کی بنیاد رکھی تو یہی جاگیردار ان کے ہاتھ مضبوط کرنے میں سب سے آگے تھے۔اور الیکشن میں شکست دینے میں ان خاندانوں کا کردار ہے۔(۵)

آخر کار 1964ء میں ایوب خان کو اپنے خلاف عوامی ردعمل کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے ایبڈو اٹھانا پڑا۔ کہ میرے لیے ناممکن ہے کہ میں ملک کی بربادی پر بیٹھا صدارت کرتا رہوں مجھے افسوس ہے کہ میری زندگی کی ایک بڑی خواہش پوری نہ ہوسکی میری خواہش یہ روایت قائم کرنا تھی کہ سیاسی اقتدار آئینی طور پر منتقل ہو رہا ہے جاگیردار گھبرائے اور یہ اعلان سنتے ہی ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کنونشن مسلم لیگ چھوڑ کر مسلم لیگ قیوم گروپ اور پیپلز پارٹی میں چلے گئے۔ یہاں تک کہ 1970ء کے الیکشن میں کنونشن مسلم لیگ کو امیدوار نہ مل سکے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں موروثی خاندانوں کو پہلی مرتبہ 1970ء کے انتخابات میں پسپائی اختیار کرنا پڑی ذوالفقار علی بھٹو نے روٹی ،کپڑے اور مکان کا انقلابی نعرہ لگایا تو ملک کے کروڑوں پسے ہوئے مجبور ومحکوم عوام نے انہیں ملک کا وزیر بنا دیا۔ وہ بھی ان کے لیے کچھ نہ کرسکے اور 1977ء کے انتخابات میں جن لوگوں کو ٹکٹ ملے تھے ان میں اکثریت ایک بار پھر انہیں جاگردار سیاسی مسافروں کی تھی 1977 کے انتخابات منعقد ہوتے نظر نہ آئے ۔لہذا ان کے تیور بدلنے لگے تو ضیاالحق نے مارشل لاء لگا دیا چنانچہ پیپلز پارٹی کو وزارت عظمیٰ سے رخصت کیا گیا تو ان میں سے یہ

جاگیردار پھر مسلم لیگ میں شامل ہوگے۔اس سے پہلے یہ لوگ محمد خان جونیجو کے ہاتھ بھی مظبوط کرتے تھے۔جاگیر داروں نے اپنی فطرت کے مطابق 1993ء میں پیدا ہونے والے سیاسی بحران میں اقتدار پر قابض قوتوں کا ساتھ دیا تھا۔جب بوڑھے بیوروکریٹ غلام اسحاق خان اور نوجوانوں صنعت کار نواز شریف کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تو 1993ء کا سیاسی بحران سنگین ہوتا گیا تو سندھ کا بھٹو خاندان جیکب آباد کے بجرانی‘ہالہ کے مخدوم‘سانگھڑ کے جام‘تھرپارکر کے سید‘نواب شاہ کے جتوئی‘رحیم یار خان کے مخدوم‘ملتان کے گیلانی ‘میاں چنوں کے بودلے‘ وہاڑی کے کھچی‘بورے والا کے بھٹی‘دیپال پور کے وٹو۔ایک بار پھر اقتدار کی چوکھٹ سے وابستہ ہو کر غلام اسحاق خان کے جوائی بن گئے تھے۔ 1993ء کے عام انتخابات میں جاگیرداروں کی اسمبلی پھر آ گئی تھی۔ 1993ء کے صدارتی انتخاب میں فاروق لغاری اور بے نظیر بھٹو کی صورت میں جاگیردار پھر اقتدار پر قابض ہو گئے۔بے نظیر کی حکومت کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا کہ میاں نواز شریف 1994ء میں یہ نعرہ لگا دیا کہ جس طرح مجھے اقتدار سے نکالا تھا اس طرح بے نظیر کو بھی نکالا جائے۔اس سلسلہ میں انہوں نے 11 اکتوبر 1994ء کو پہیہ جام بھی کرائی۔جاگیرداروں نے بے نظیر کے قدم مضبوط دیکھے تو وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کے بارے میں سوچنے لگے۔غلام رسول جتوئی‘قیوم جتوئی وفاداری تبدیل کر کے پیپلز پارٹی سے وابستہ ہو گئے۔(۶)

ڈیرہ غازی خان کے مزاری:۔

1935ء میں جب دوست محمد خان مزاری قبیلہ کے سردار بنے تو انہیں خان بہادر کے لقب سے بھی سرفراز کیا گیا۔اور اس کے چار سالوں بعد انہیں صوبائی درباری‘آنریری مجسٹریٹ اور سب جج بنا دیا گیا۔سرکاری خدمات کے صلہ میں ان کی جاگیر کو ملنے والا انعام نقد صورت میں 35850 ہوگیا۔انگریز اور امام بخش کے خاندان کے رتبے بڑھاتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ مزاری سرداروں پر خطابات کی بارش ہونے لگی پہلے نواب پھر سر‘ پھر صوبائی درباری اور پھر لیجنڈ اسمبلی کے رکن نواب سر امام بخش خان کے بھائی ان کے پوتے اور پڑپوتے قیام پاکستان تک انگریزی راج کی مسکراہٹوں میں پروان چڑھے۔ان کو نہ صرف اعزازات وخطابات ملے بلکہ وسیع اراضی بھی ملی۔انگریز دوست محمد جنگجو طبیعت سے اکثر خائف رہتے تھے کیونکہ اس قبیلے نے سکھوں کو سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔میر دوست محمد‘سردار بلخ شیر مزاری اور سردار شیر باز مزاری کے تایا تھے۔سر امام بخش مزاری اولاد

نرینہ سے محروم فوت ہوئے تو دوست محمد کو وہ تمام وفاداری کے صلے میں ملنے والے اعزازات منتقل ہو گئے۔ یہ بھی 1932ء میں اولاد نرینہ سے محروم وفات پا گئے۔ اور قبیلے کو سرداری اور سیاسی قیادت جناب شیر جان مزاری کے سپرد ہوئی جو ایک برس بعد 1933ء میں فوت ہو گئے۔ سردار شیر باز مزاری اور بلخ شیر زاری اس وقت تک بہت چھوٹے تھے حکومت نے تمام زمین کوٹ آف وارڈ میں لے لی۔ اس وقت مزاری سردار سب سے بڑے زمیندار تھے اور پاکستان میں ان کا نمبر دوسرا تھا۔ 1959ء میں صرف ان کے گھرانے نے ہزاروں ایکڑ زمین زرعی اصلاحات کی صورت میں حکومت کو واپس کر دی۔

سردار بلخ شیر مزاری کی دستار بندی کی تقریب میں گورنر پنجاب نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی تھی اس دور میں بھی کسی گورنر کا کسی تقریب میں مہمان خصوصی بن کر جانا کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔ اور اس سے انگریزوں سے مراسم کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیاست کے حوالے سے میر بلخ شیر مزاری خاندان کے سربراہ ہیں۔ لیکن سردار شیر باز مزاری نے سیاست میں زیادہ نام کمایا۔ سردار شیر باز مزاری قیام پاکستان سے بیشتر پانچ سال تک پرنس آف ویلز رائل ملٹری کالج میں زیر تعلیم رہے۔ 1947ء میں چیف کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہاں سے 1950ء میں فارغ ہوئے۔ 1950ء سے 1964ء تک شیر باز مزاری نے دنیا کی سیاحت کی اور کتابوں کی دنیا میں کھوئے رہے ان کی اپنی وسیع لائبریری ہے۔ تاریخ مشرقیات اور بین الاقوامی امور ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں ان دنوں نواب امیر بخش مری اور نواب اکبر بگٹی ایوب خانی آمریت کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے۔ مخالف کا بدلہ جب ایوب خان نے ان سے لیا تو یہ ملحقہ مزاری علاقے میں پناہ کی غرض سے داخل ہو گئے۔ اس سے متاثر ہو کر شیر باز مزاری نے بھی مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا۔ 1948ء میں انہوں نے بھٹو سے متاثر ہو کر ان کی رہائی کیلئے چلائی گئی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ اسی دوران انہوں نے آئر مارشل اصغر خان سے بھی راہ و رسم رکھے کیونکہ اس زمانے میں بھٹو کے ساتھ ساتھ ان کا بھی سیاسی افق پر طوطی بولتا تھا۔ آئر مارشل اصغر خان نے کشمور، راجن پور اور ڈیرہ غازی خان کا دورہ شیر باز مزاری کی دعوت پر کیا۔ سندھ کے دوروں میں بھی وہ ائیر مارشل اصغر خان کے ساتھ رہے۔ 1949ء میں ائیر مارشل اصغر خان نے جسٹس پارٹی کی بنیاد رکھی تو سیاسی اجلاس شیر باز مزاری کی کوٹھی پر ہی ہوا لیکن انہوں نے اس میں شمولیت اختیار نہ کی اسی دوران چونکہ ائیر

مارشل سیاسی افق سے نیچے اتر آئے تھے ان کو جب جسٹس پارٹی کے قیام سے مطلوبہ توقعات پوری نہ ہوسکیں تو انہوں نے پی ڈی پی میں شمولیت اختیار کرلی اور مغربی پاکستان کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ائیر مارشل اصغر خان پی ڈی پی سے رخصت ہوئے تو انہوں نے بھی پارٹی چھوڑ دی۔ 1970ء کے انتخابات میں وہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔انہوں نے پیپلز پارٹی کے امیدوار سے ہزاروں ووٹ زائد حاصل کئے۔ ایوان میں آزادگروپ کے متفقہ طور پر پارلیمانی قائد چنے گئے۔اپوزیشن نے انہیں چیف وھیپ بنا دیا۔وہ آئینی سمجھوتے کے لئے آزادگروپ کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔امور خارجہ کی سٹینڈنگ کمیٹی سمیت کئی کمیٹیوں کے رکن رہے۔

قبائلی روایات کے مطابق قبیلے کی سرداری میر بلخ شیر مزاری کے حوالے ہوئی۔انہوں نے سیاسی کیریئر کا آغاز مسلم لیگ سے کیا۔ 1951ء میں جب میاں ممتاز دولتانہ مسلم لیگ پنجاب کے صدر مقرر ہوئے۔تو بلخ شیر مزاری نے ان کے فنانس سیکرٹری تھے۔وہ کالعدم ڈسٹرکٹ بورڈ ڈیرہ غازی خان کے چیئرمین چنے گئے اور بلوچ جرگہ کے سردار بھی منتخب ہوگئے۔مزاری پہلی دستور یہ کے رکن تھے وہ دوسری دستور یہ کے بھی رکن منتخب ہوگئے۔ جسے غلام محمد نے پہلی دستور یہ توڑ کر منتخب کیا تھا۔اس کے بعد آنے والی حکومت میں اُن کی شمولیت رہی ہے۔ 1962ء میں فوجی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔صدارتی انتخاب میں جب پاکستان کی عوام کے دل محترمہ جناح کیلئے دھڑ کتے تھے۔بلخ شیر مزاری نے اپنی ہمدردیاں ملک کی آنے والی صدر کے ساتھ وابستہ کرلیں۔لیکن جب فاطمہ جناح کو دھاندلی اور ریاستی مداخلت سے شکست دی گئی تو وہ سیاست سے الگ ہوگئیں۔میر بلخ شیر مزاری فروری 1965ء میں کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہوگئے کنونشن مسلم لیگ کا ٹکٹ ان کے مخالف لغاری گروپ کو دیا گیا ان سے وعدہ کیا گیا کہ انہیں بلدیاتی سیاست میں نمایاں کیا جائے گا۔ایوب خان نے جب جرگہ سسٹم متعارف کرانے کی کوشش کی تو لغاریوں اور مزاریوں نے اس کی مخالفت کی۔ایوب خان کے خلاف جب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں تحریک چلی تو مزاریوں نے کنونشن مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کرلی اور وہ کونسل مسلم لیگ ممتاز دولتانہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی جنگ میں خاموش رہے۔ 1970ء میں ضلع ڈیرہ غازی خان کی سیاست میں پیپلز پارٹی کی تحریک انقلابی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکی۔پیپلز پارٹی کی تحریک نے پنجاب میں موروثی سیاحت کو جس طرح

روندڈالا تھا جاگیرداروں کیلئے یہ لمحہ فکریہ تھا۔ لیکن اس ضلع میں 1970ء میں پیپلز پارٹی نے ایک نشست کے علاوہ لغاریوں اور مزاریوں کے خالف الیکشن لڑنے کا اعلان کردیا۔ قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر 2 سے آزاد مزاری گروپ نے میر بلخ شیر مزاری کی بجائے ان کے چھوٹے بھائی سردار شیر باز مزاری کو امیدوار مقرر کیا۔ ان کے مقابلے میں آزاد لغاری گروپ کے ایک امیدوار محمد رمضان تھے۔ مزاریوں کے ایک چشم و چراغ عاشق محمد خان تھے۔ جو خاندانی رنجش کی بنا پر مزاری خاندان کو پسپا دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے شیر باز مزاری کے ووٹ تقسیم کرنے کیلئے کسی مزاری سردار کو آگے لانے کی ترکیب سوچی لغاری گروپ کے قائد نوابزادہ محمد خان لغاری سے مشورہ کرکے انہوں نے اپنے قریبی رشتے دار شوکت حسین مزاری کیلئے پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرلیا لغاری گروہ سے کئے گئے سمجھوتے کی رو سے عاشق مزاری نے اپنے عزیز شوکت حسین مزاری کیلئے پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرلیا۔ لغاری گروہ سے کئے گئے سمجھوتے کی رو سے عاشق مزاری ے اپنے عزیز شوکت مزاری کی انتخابی مہم کو تمن مزاری تک ہی محدود رکھا تمن مزاری سے باہر وہ محمد رمضان کی انتخابی مہم میں سرگرداں رہے گویا خاندانی رقابت کی بناء پر ایک طرف پیپلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کیا گیا اور دوسری طرف پارٹی کے خلاف لغاری گروپ کا ساتھ دیا گیا۔ پارٹی کارکنوں نے عاشق مزاری کی اس پالیسی پر شدید احتجاج کیا۔

سردار شیر باز مزاری نے 1970ء میں آزاد رکن منتخب ہونے کے بعد سیاسی کردار کے حوالے سے پیپلز پارٹی یا عوامی لیگ کی کشتی میں ضرور سوار ہونا تھا۔ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی تھی اور عددی طور پر وہ قومی اسمبلی کی اکثریتی جماعت بن گئی تھی۔ اس جماعت سے مذاکرات کی غرض سے اکبر بگٹی کی سفارش پر روجھان کے مزاری سردار سیف الرحمٰن خان مراد نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی۔ وہ وہاں سے ایسے مطمئن لوٹے کہ میر بلخ شیر مزاری جو 1970ء کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے رکن اور شیر باز مزاری قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ مجیب الرحمٰن کے حلقہ بگوش بن گئے بعد کے حالات نے ان کی مرادیں برلانے کی اس صورت کو ختم کردیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا تو پاکستان میں اکثریتی پارٹی پیپلز پارٹی ہوگئی مزاری گروپ کے قائد میر بلخ شیر خان مزاری نے پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کردیا۔ اس کے ساتھ ہی لغاری گروہ کے قائد محمد خان لغاری اور عطا محمد لغاری بھی پارٹی میں شریک ہوئے میر بلخ شیر مزاری تنہا پارٹی میں نہیں گئے تھے بلکہ اپنے

ساتھ اس ضلع کے بڑے بڑے جاگیردار بھی لے کر شامل ہوئے۔ ان میں نصر اللہ خان دریشک ایم پی اے جو بعد ازاں آبپاشی، بجلی، خوراک و مواصلات کے وزیر رہے۔ ذوالفقار علی کھوسہ ایم پی اے بھی پیپلز پارٹی میں میر بلخ شیر مزاری کے ساتھ شامل ہوئے تھے حالانکہ انہوں نے 1970ء کے انتخاب میں مزاری خاندان کے رہنماؤں اور اس کے حلیف تمن داروں پر شدید تنقید کی تھی۔ پیپلز پارٹی کے انقلابی منشور نے غریب عوام میں نیا ولولہ پیدا کیا تھا اور یہ ولولہ جاگیرداروں کی سیاست پر اجارہ داری کے خاتمہ کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور اس سے جاگیرداروں کا مستقبل مخدوش نظر آنے لگا۔ مزاری خاندان کے عاشق مزاری نے پہلے ہی پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی عاشق مزاری کے متعلق یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کہ یحییٰ خان کے ہاتھوں برطرف کر دیئے جانے والی بدعنوان افسروں میں یہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے بھٹو کی زرعی اراضی بیچنے کیلئے پیپلز پارٹی کے مضبوط ستون تھامے رکھا اپنی بہت سی اراضی متفرق کمپنیوں کے نام منتقل کر دی مثلاً یونیٹیڈ فارمز، پنجاب انڈس فارمز، پنجاب پراگریسو فارمز، یہ انتقال فروری 1972ء کو ہوئے اور ان کے نمبر 22 سے 25 تک ہیں۔ میر بلخ شیر مزاری پر پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت 1974ء کو شدید بے ضابطگیوں کے الزامات لگائے کہ میر بلخ شیر مزاری نے پیپلز ورکس پروگرام کو سیاسی مقاصد کے تحت چلایا۔

انہوں نے عزیز و اقارب اور حلقہ انتخاب کے قریبی دوستوں کو اعلیٰ عہدوں اور ملازمتوں سے نوازا۔ اسی طرح کے درجنوں الزامات تھے جو پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت کی طرف سے مزاری خاندان کی بے ضابطگیوں کے بارے میں 1972ء میں عائد کیے گئے تھے۔ 1977ء کے انتخابات بھی کیا خوب انداز لے کر آئے۔ جن جاگیرداروں کے خلاف عوام کو پیپلز پارٹی نے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بیدار کر دیا تھا۔ اب وہی جاگیردار پیپلز پارٹی کا سرمایہ تھے۔ مزاری، لغاری، دریشک، کھوسے، گورچانی، سب تمن دار ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے اور غریب کارکن پھر پس منظر میں چلے گئے۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے یہاں جلسے میں بار بار کہا ''لوگوں اب تمن دار نہیں آئیں گے۔ تم آگے آؤ گے۔ یہ غریبوں کی پارٹی ہے'' اب مزاری خاندان پیپلز پارٹی میں اپنے حریف کے مقابل بہتر مقام حاصل کئے ہوئے تھا۔ اسے ضلع میں نشستوں پر پارٹی امیدوار کھڑے کرنے کا موقع ملا تھا دوسری طرف شیر باز مزاری قومی افق پر ستارہ بن کر ابھرے۔ 1974ء میں نیپ پر پابندی لگی تو ایک نئی سیاسی

جماعت وجود میں آئی اور سردار شیر باز مزاری اس کے صدر چنے گئے۔قومی اتحاد کی بنیاد پڑی۔تو شیر باز خان مزاری کی پارٹی این ڈی پی اس کی ایک رکن تھی۔اس طرح انہوں نے قومی لیڈر شپ کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھائے بھٹو اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی پاکستان قومی اتحاد بھی انتشار کا شکار ہوا تو ان کی پارٹی بھی ٹوٹ پھوٹ گئی۔جس تیزی سے وہ قومی افق پر ابھرے تھے اسی رفتار سے سیاست میں ان کا کردار ختم ہوتا گیا۔1977ء میں یہ قومی اتحاد کے امیدوار تھے۔اسی الیکشن میں ڈی جی خان کی تین نشستوں پر سردار فاروق احمد خان لغاری، میر بلخ شیر مزاری دونوں اپنی نشستوں سے جیت گئے۔جو معاشی طاقت کی بدولت ایک یقینی امر تھا۔شمالی نشست تحصیل تونسہ میں شامل تھی۔یہ ضلع کی پس ماندہ ترین تحصیل ہے۔پیپلز پارٹی کاامیدوار منظور لنڈ تھا قیصرانی سردار کا بھی اسی تحصیل سے تعلق تھا انہوں نے پیپلز پارٹی کی حمایت کی تھی۔منظور لنڈ مقامی جاگیرداروں کی طرح نہیں تھے۔دیگر سرداروں کی طرح وہ اپنے قبیلے کے ووٹ حاصل نہ کر سکے ان کا مقابلہ جمعیت علما اسلام کے جنرل سیکرٹری اور پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود سے تھا۔صوبائی اسمبلی میں ضلع کی سات نشستیں تھیں۔پیپلز پارٹی نے تقسیم اس طرح کی کہ چار ٹکٹیں لغاریوں کے حصہ میں دو مزاریوں کے اور ایک سیٹ بشرالدین سالار کو ملی جو مخلص کارکن تھے۔پاکستان قومی اتحاد نے اپنی شکست کو تسلیم نہ کرتے ہوئے جب ملک بھر میں دھاندلیوں کے خلاف ایک کونے سے دوسرے کونے تک تحریک چلائی اور بھٹو کا اقتدار جاتا نظر آیا تو میر بلخ شیر مزاری ایم این اے، سردار نصر اللہ خان دریشک ایم پی اے، سردار ذوالفقار علی کھوسہ نے پیپلز پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ایسا واقع ضلع کی سیاست میں پہلی بار ہوا کہ لغاریوں اور مزاریوں نے پہلی مرتبہ علیحدگی اختیار کی۔اس سے قبل ایوب خان کے دور میں 1965ء میں نواب امیر محمد آف کالا باغ نے دونوں گروپوں میں صلح کرادی۔لغاری گروپ کو قومی اسمبلی کی ٹکٹ دی گئی اور میر بلخ شیر مزاری کو مقامی سیاست بلدیاتی کا جھانسہ دیا گیا۔لغاری خاندان کو نواب کالا باغ اس لیے نمایاں کرنا چاہتے تھے کہ ان کی لغاری خاندان سے رشتہ داری تھی۔فاروق لغاری کو وفاقی وزیر بنا دیا گیا۔اب میر صاحب کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنے تشخص اور سیاست کو برقرار رکھنے کے لئے پیپلز پارٹی سے علیحدگی اختیار کرتے۔قومی اتحاد کی تحریک میں بلخ شیر مزاری نے کھل کر تو حصہ نہیں لیا البتہ اندرون خانہ وہ ان کی پالیسیوں کی حمایت کرتے رہے۔مزاری خاندان کی پوزیشن اس قدر مضبوط تھی جس میں انہیں کسی بھی سیاسی مظاہری کی

ضرورت نہیں ہوئی تھی۔

ضیاءالحق نے جب مرکزی شوریٰ بنائی تو سردار بلخ شیر مزاری مجلس شوری کے رکن نامزد ہوئے اور ضیاءالحق کی پالیسیوں کی تائید کرتے رہے۔ضیاءالحق نے صدارتی ریفرنڈیم کرایا تو بلخ شیر مزاری اس کو کامیاب کرانے میں لگ گئے۔اس کے حق میں ووٹ ڈلوانے کیلئے دن رات کام کیا۔1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے پاکستان بھر میں سب سے زیادہ 84443 ووٹ حاصل کی۔ان کے مقابلے میں ان کے خاندانی حریف مسٹر عاشق حسین مزاری ناکام ہوگئے۔سردار عاشق مزاری سابق بیوروکریٹ ہیں۔جموں نے محکمہ صنعت کے صوبائی سیکرٹری کے طور پر اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے مختلف خاندانوں کو اس طرف ابھارا کہ وہ ملک کی صف اول کے اہم صنعتی گھرانے بن گئے۔ان دوسر کردہ خاندانوں کی کہانی زیادہ پرانی نہیں۔ 1977ء میں پیپلز پارٹی نے سردار عاشق محمد خان کے داماد مسٹر شوکت مزاری کو صوبائی انتخاب میں اپنا ٹکٹ دیا تھا۔ 1977ء کے مارشل لاء تک وہ پیپلز پارٹی کے وزیر رہے۔دونوں خاندانوں میں ضلع راجن پور کی بلدیاتی سیاست میں محاذ آرائی بھی چلی آ رہی تھی۔اس سے قبل بھی میر بلخ شیر مزاری میاں ممتاز دولتانہ سے ذاتی مراسم کی وجہ سے 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے آئین ساز اسمبلی کے رکن رہے محمد خان جونیجو کی حکومت کو بھی برطرف کیا جانے والا تھا اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ میر بلخ شیر مزاری کو وزیر داخلہ بنایا جا رہا ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے اسلام آباد کے کئی چکر بھی لگائے۔افسوس کہ یہ اسمبلی برخاست ہوگئی۔ 1988ء کے انتخابات مزاری خاندان کیلئے کوئی اچھا شگون ثابت نہیں ہوئے۔اگر چہ ان کے گروپ کے کئی امیدوار کامیاب ہوگئے مگر مزاری خاندان پس منظر میں چلا گیا۔جس حلقے میں میر بلخ شیر مزاری الیکشن میں کامیاب ہوتے رہے تھے ۔1988ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے سردار عاشق محمد مزاری کامیاب ہو گئے انہوں نے 52936 ووٹ حاصل کیے۔ان کے مدمقابل اسلامی جمہوری اتحاد کے نصر اللہ دریشک نے 52544 ووٹ حاصل کئے اور ایک قومی رہنما اور مزاری خاندان کے سرخیل سردار شیر مزاری آف این ڈی پی نے صرف 10565 ووٹ حاصل کیے اگر نصر اللہ دریشک یا سردار شیر باز مزاری دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جاتے ہیں تو اس الیکشن کو آسانی سے جیتا جا سکتا ہے۔سردار عاشق محمد مزاری نے 1985ء کے صوبائی انتخاب میں بھی حصہ لیا۔ قومی اسمبلی میں عبرتناک شکست کے بعد میر بلخ شیر مزاری کے صاحب زادے ریاض مزاری کے مقابلے میں زیادہ

پر جوش نہ رہے۔ دونوں ناکامیوں کے باوجود انہوں نے اپنی اہلیہ بیگم در شہوار مزاری کو خواتین کی مخصوص نشستوں پر نیشنل اسمبلی کا ممبر منتخب کروالیا گیا۔

ڈیرہ غازی خان کے بلدیاتی سیاست میں لغاریوں کی برتری برسوں قائم رہی ہے۔ 1991 ء کے بلدیاتی انتخابات میں میر بلخ شیر مزاری کا گروپ کامیاب ہوگیا کیونکہ الیکشن سے چند دن پہلے شوکت حسین مزاری جو 1970 ء سے 1992 ء تک میر بلخ شیر مزاری خاندان سے کئی سیاسی معرکے کر چکے تھے۔ کے چھوٹے بھائی لیاقت حسین مزاری بلخ شیر مزاری کے حلیف بن گئے اور بلدیاتی قیادت 1996 ء تک مزاریوں کے ہاتھ میں گئی۔ 1992 کے اوائل میں پیر آف پگاڑا اخبارات میں مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ بلخ شیر مزاری کی قیادت میں قومی حکومت قائم کی جائے ان کا یہ مطالبہ بالاخر غلام اسحاق کان نے مانتے ہوئے میاں نواز شریف کی حکومت کو ختم کرکے ان کی جگہ بلخ شیر مزاری کو نگران وزیر اعظم نامزد کیا۔ میر بلخ شیر مزاری قیام پاکستان کے بعد سے وہاں وفاداریاں بدلنے کے ماہر تھے۔ 1948 ء میں وہ دستور یہ کے رکن چنے گئے۔ مدوٹ دولتانہ کشمکش میں دولتانہ کے حمایتی بنے۔ ری پبلکن پارٹی کو عروج حاصل ہوا تو وہ ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت کو پاکستان کیلئے عظیم سرمایہ قرار دیتے رہے پھر وہ فیروز خان نون کو تسلیم کرکے آزاد گروپ سے وابستہ ہوگئے ایوب خان کے مارشل لاء کو جمہوریت کے عین مطابق قرار دیتے رہے۔

کنونشن لیگ میں شامل ہوئے۔ 1949 ء میں وہ نوابزادہ نصر اللہ خان کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے پی ڈی پی مغربی پاکستان کے نائب صدر بنے۔ 1970 ء کی انتخاب انہوں نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے جیتا۔ پھر وہ بھٹو سے وابستہ ہوگئے۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء کے ساتھ ہی شوریٰ کے رکن نامزد ہوئے۔ پھر میاں نواز شریف کی قیادت کو تسلیم کرکے مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے۔ 1993 ء میں عدالتی فیصلے کے ذریعے جب نواز شریف کی حکومت بحال ہوئی تو بلخ شیر مزاری گھر بھیج دیئے گئے 1993 ء میں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے انہوں نے لغاریوں سے بھی صلح کرلی۔ زاہد مزاری 1994 ء میں میاں منظور وٹو کابینہ میں وزیر بنے ہوئے تھے۔ (۷)

میر بلخ شیر مزاری:۔

شیر بلخ شیر مزاری نے اپنے سیاسی کیرئیر کا آغاز مسلم لیگ سے کیا۔ 1951 ء میں جب میاں ممتاز دولتانہ مسلم لیگ پنجاب کے صدر منتخب ہوئے تو بلخ شیر مزاری ان کے فنانس سیکرٹری تھے وہ کالعدم ڈسٹرکٹ بورڈ ڈیرہ

غازیخان کے چیئرمین چنے گئے اور بلوچ جرگہ کے سردار بھی منتخب ہوگئے۔مزاری پہلی دستوریہ کے رکن تھے۔وہ دوسری دستوریہ کے بھی رکن منتخب ہوگئے۔اس کے بعد آنے والی حکومتوں میں ان کی شمولیت رہی ہے۔1962ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔صدارتی انتخاب میں جب پاکستان کے عوام کے دل محترمہ فاطمہ جناح کے لئے دھڑکتے تھے۔بلخ شیر مزاری نے بھی اپنی ہمدردیاں ملک کی آنے والی صدر کے ساتھ وابستہ کرلیں۔میر بلخ شیر مزاری فروری 1965ء میں کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ایوب خان کے خلاف جب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں تحریک چلی تو مزاریوں نے کنونشن مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کرلی اور وہ کونسل مسلم لیگ ممتاز دولتانہ اور ذوالفقار بھٹو کی جنگ میں خاموش رہے۔پھر 1970ء میں قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر 2 سے آزاد مزاری گروپ نے میر بلخ شیر مزاری کی بجائے ان کے چھوٹے بھائی سردار شیر باز مزاری کو امیدوار مقرر کیا۔ان کے مقابلے میں آزاد لغاری گروپ کے امیدوار محمد رمضان تھے۔سردار شیر باز مزاری 1970ء میں آزاد رکن منتخب ہونے کے بعد سیاسی کردار کے حوالے سے پیپلز پارٹی یا عوامی لیگ کی کشتی میں ضرور سوار ہونا تھا۔پھر مزاری گروپ کے قائد میر بلخ شیر مزاری نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔اس کے علاوہ وہ لغاری گروہ کے قائد محمود خان لغاری اور عطا محمد لغاری بھی پارٹی میں شریک ہوگئے۔پیپلز پارٹی کے انقلابی منشور نے غریب عوام میں نیا ولولہ پیدا کیا تھا اور یہ ولولہ جاگیرداروں کی سیاست پر اجارہ داری کے خاتمہ کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور اس سے جاگیرداروں کا مستقبل مخدوش نظر آنے لگا۔مزاری خاندان کے عاشق مزاری نے پہلے ہی پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی تھی۔میر بلخ شیر مزاری پر پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت نے 1976ء کو شدید بے ضابطگیوں کے الزامات لگائے کہ بلخ شیر مزاری نے پیپلز ورکس پروگرام کو سیاسی مقاصد کے تحت چلایا۔

انہوں نے عزیز و اقارب کو اور حلقہ انتخاب کے قریبی دوستوں کو ملازمتوں سے نوازا۔اس طرح کے درجنوں الزامات تھے جو پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت کی طرف سے مزاری خاندان کی بے ضابطگیوں کے بارے میں 1976ء میں عائد کئے گئے تھے۔1977ء کے انتخابات کے بعد مزاری پھر پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے۔قومی اتحاد کی بنیاد پڑی تو شیر باز خان مزاری کی پارٹی این ڈی پی اس کی ایک رکن تھی۔اس طرح انہوں نے قومی لیڈر کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھائے۔بھٹو کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی پارٹی بھی ٹوٹ پھوٹ گئی۔1977

ءمیں یہ قومی اتحاد کے امیدوار تھے۔ اس الیکشن میں ڈی جی خان کی تین نشستوں پر سردار فاروق لغاری، میر بلخ شیر بازمزاری دونوں اپنی نشستوں سے جیت گئے۔ جو معاشی طاقت کی بدولت ایک یقینی امر تھا۔ پھر پاکستان قومی اتحاد نے ملک میں ہونے والی دھاندلیوں کے خاتمے کے لیے تحریک چلائی اور بھٹو کا اقتدار ختم ہوتا نظر آیا تو میر بلخ شیر مزاری ایم این اے، سردار نصر اللہ خان دریشک ایم پی اے، سردار ذوالفقار علی کھوسہ نے پیپلز پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ ایسا واقعہ ضلع کی سیاست میں پہلی بار ہوا کہ لغاری اور مزاری گروپ پہلی مرتبہ الگ ہوئے۔

ضیاء الحق نے جب مرکزی شوریٰ بنائی تو سردار بلخ شیر مزاری مجلس شوریٰ کے رکن نامزد ہو گئے اور ضیاء الحق کی پالیسیوں کی تائید کرتے رہے۔ ضیاء الحق نے صدارتی ریفرنڈیم کرایا تو بلخ شیر مزاری اس کو کامیاب کرانے میں لگ گئے۔ اس کے حق میں ووٹ ڈلوانے کے لئے دن رات کام کیا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے پاکستان بھر میں سب سے زیادہ 84443 ووٹ حاصل کئے۔ ان کے مقابلے میں ان کے خاندانی حریف مسٹر عاشق حسین مزاری ناکام ہو گئے۔ سردار عاشق مزازی سابق بیوروکریٹ ہیں۔ جنھوں نے محکمہ صنعت کے صوبائی سیکرٹری کے طور پر اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے مختلف خاندانوں کو اس طرح ابھارا کہ وہ ملک کے صف اول کے اہم صنعتی گھرانے بن گئے۔ 1977ء میں پیپلز پارٹی نے سردار عاشق محمد خان کے داماد مسٹر شوکت مزاری کو صوبائی انتخاب میں اپنا ٹکٹ دیا تھا۔ 1977ء کے مارشل لاء تک وہ پیپلز پارٹی کے وزیر رہے۔ دونوں خاندانوں میں ضلع راجن پور کی بلدیاتی سیاست میں محاذ آرائی بھی چلی آ رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی میر بلخ شیر مزاری، میاں ممتاز دولتانہ سے ذاتی مراسم کی وجہ سے 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے آئین ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ 1988ء کے انتخابات بھی مزاری خاندان کے لئے اچھا شگون ثابت نہیں ہوئے۔ اگرچہ ان کے گروپ کے کئی امیدوار کامیاب ہو گئے مگر مزاری خاندان پس منظر میں چلا گیا۔ (۸)

گیلانی خاندان:۔

پیپلز پارٹی کے جھنڈے تلے بھی ملتان کے نوابوں اور جاگیرداروں کی روائتی خاندانی اور گروہی سیاست عروج پر رہی۔ ہمیشہ سیاست میں گیلانی اور قریشی ہی کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ 1970ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی قائم کر کے ایوب خان کے خلاف ایک زوردار مہم چلائی تو ایوب خان عوامی مزاحمت کا مقابلہ نہ

کرتے ہوئے مستعفی ہوگئے۔مخدوم علمدار حسین گیلانے اپنے برادر نسبتی مخدوم حسین محمود سابق وزیر اعلیٰ بہاولپور کے ہمراہ مسلم لیگیوں کے اتحاد وادعام کے لئے کوشاں ہوگئے۔انہوں نے دونوں صوبوں کے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا مگر کنونشن لیگ اور کونسل مسلم لیگ میں سے کسی نے بھی مخدوم زادہ حسن محمود اور سید علمدار حسین کو اہمیت نہ دی۔پیپلز پارٹی کے جیالوں نے پارٹی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں گیلانیوں اور قریشیوں کی مذاہمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ دونوں خاندان کونسل مسلم لیگ اور مسلم لیگ (قیوم گروپ) میں شامل تھے۔نواب صادق حسین قریشی کونسل مسلم لیگ میں شامل نہ ہوئے کیونکہ کونسل مسلم لیگ نے ان کے دست راست سید رضی حسین شاہ گردیزی کو صوبائی ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔صادق حسین قریشی نے کونسل مسلم لیگ سے ناراضگی سید رضی گردیزی کو ٹکٹ نہ دینے کی وجہ سے مول لی تھی اور اس طرح صادق حسین قریشی پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے۔سید علمدار حسین گیلانی کو انہوں نے شکست دے کر برسوں پرانی پے در پے خاندانی شکستوں کا بدلہ گیلانی خاندان سے لے لیا۔

دوسرا سیاسی دھچکہ گیلانی خاندانی کو شجاع آباد کی شکست پر لگا جب سید علمدار حسین گیلانی کے کزن حامد رضا گیلانی پیپلز پارٹی کے تاج احمد نون سے شکست کھا گئے حامد رضا گیلانی 1969ء میں پیپلز پارٹی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن ان کے خاندانی سربراہ سید علمدار حسین گیلانی نے انہیں پیپلز پارٹی میں شمولیت کو عملی جامہ نہ پہنانے دیا۔شکست کے بعد حامد رضا گیلانی کچھ عرصہ پس منظر میں رہے اور پھر بھٹو کی دوستی کام آئی۔انہوں نے اسے کینیا میں سفیر بنادیا یوں گیلانی خاندان پیپلز پارٹی میں شامل ہوگیا۔1977ء کے انتخابات میں سید حامد رضا گیلانی، ناصر علی رضوی قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی میں گیلانی گروپ اپنے حریف گروپ کے مقابلے میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔صوبائی انتخابات میں قریشی خاندان کے سرخیل صادق حسین قریشی جو اس وقت وزیر اعلیٰ بھی تھے، بلا مقابلہ کامیاب ہوگئے۔حامد رضا گیلانی نے چند سالوں میں ہی پیپلز پارٹی میں ایک مضبوط لابی قائم کر لی تھی۔گیلانی خاندان میں سے مخدوم حامد رضا گیلانی قومی اور فیض مصطفیٰ گیلانی کو صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ ملا تھا۔پھر پیپلز پارٹی نے جب 1977ء کے انتخابات بھاری اکثریت سے جیت لئے تو حامد رضا گیلانی نئی وزارت میں وزیر صنعت تھے۔ملتان کی سیاست میں اب غلام مصطفیٰ کھر کی رائے کو بہت اہمیت ملنے لگی تھی۔یہ

امر قابل ذکر ہے کہ مصطفیٰ کھر، حامد رضا گیلانی کی انگلی پکڑ کر سیاست میں آئے تھے۔ نیرنگی سیاست دوراں میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سید حامد رضا گیلانی مسٹر کھر سے سیاسی حوالے سے کوسوں پیچھے رہ گئے۔

جب قومی اتحاد نے پیپلز پارٹی کے خلاف زوردار تحریک چلانے کا اعلان کر دیا تو سجاد حسین قریشی اور حامد رضا گیلانی پیپلز پارٹی کے معاملات سے الگ ہو کر خاموش بیٹھ گئے اور انہوں نے پیپلز پارٹی کی سیاست میں اہم کردار ادا نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اکتوبر 1977ء میں انتخابات کا اعلان ہوا تو حامد رضا گیلانی کی جگہ پیپلز پارٹی نے عبدالرحمان واہلہ کو ٹکٹ دیا۔ ناصر رضوی نے بھی پارٹی چھوڑ دی اور ان کی جگہ تنویر الحسن گیلانی کو ٹکٹ دیا گیا۔ 1977ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد یہ خاندان خاموش ہو گیا۔ مگر جب ضیاءالحق نے بلدیاتی سیاست کے ذریعے نئی قیادت سامنے لانے کا عزم کیا تو قریشی اور گیلانی ایک بار پھر میدان سیاست میں کود پڑے۔ 1979ء کو بلدیاتی انتخابات میں گیلانیوں اور قریشیوں کے علاوہ ایک اور مضبوط گروپ فخر امام بلدیاتی سیاست کے ذریعے ابھر کر سامنے آیا۔ حامد رضا گیلانی نے فخر امام کو ضلع کی سیاست سے آوٹ کرنے کے بڑے جتن کئے جس میں حامد رضا گیلانی کو ایک ووٹ کی برتری سے ضلع کونسل ملتان کے چیئرمین منتخب ہو گئے۔ بعدازاں ان کا انتخاب کالعدم قرار دے دیا گیا ملتان کی سیاست میں ایک حیرت انگیز واقعہ گیلانیوں اور قریشیوں کا اتحاد تھا۔ جو فخر امام کے چیئرمین بن جانے کی وجہ سے سامنے آیا تھا۔ دونوں خاندانوں نے برسوں پرانی رقابتیں مٹا دیں اور ایک پلیٹ فارم پر فخر امام کا مقابلہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے 1983ء میں قریشیوں اور گیلانیوں نے قتال پور کے سید خاندان کو شکست دے کر علمدار حسین شاہ کے صاحبزادے یوسف رضا گیلانی کو ضلع کونسل ملتان کا چیئرمین بنا دیا۔

قریشیوں اور گیلانیوں کا یہ اتحاد 1985ء تک قائم رہا۔ دونوں خاندانوں نے مل کر صدارتی ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کی کوشش کی تھی۔ یوسف رضا گیلانی کو مجلس شوریٰ کا رکن بھی نامزد کر دیا گیا تھا۔ بھٹو نے قریشی اور گیلانیوں کے بارے میں اپنی حکومت کے آخری دنوں میں کہا تھا کہ میری مرکزی اور صوبائی حکومت میں ملتان ہی ملتان نظر آتا ہے ان کا اشارہ قریشی اور گیلانی خاندانوں کی طرف تھا۔ پیپلز پارٹی نے جب غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ کیا تو یہ سید حامد رضا گیلانی نے یہ کہہ کر اس میں حصہ لیا کہ پیپلز پارٹی کوئی لیڈر پاکستان میں ہی نہیں ہے اور یوں حامد رضا گیلانی مارشل لاء حکومت سے وابستہ ہو گئے۔ (۹)

حامد رضا گیلانی ایک ایسی پرکشش سیاسی شخصیت تھے جس کے پنجاب کے بڑے بڑے سیاسی گھرانوں سے قریبی تعلقات تھے۔1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں جب پیپلز پارٹی نے ان میں حصہ نہ لیا اور خود مسلم لیگ باہمی انتشار کا شکار تھی تو انہوں نے آگے بڑھ کر پنجاب کی قیادت کے لئے اپنا ایک مضبوط گروپ تشکیل دینا شروع کیا تو ان کے خاندانی حریف صادق حسین قریشی کو گیلانی خاندان کی برتری کی فکر لاحق ہوئی اور وہ بھی سیاست کے میدان میں کود پڑے۔صادق حسین قریشی مخدوم حامد رضا گیلانی سے براہ راست قومی اسمبلی کے انتخابات میں اتر آئے۔پھر سجاد حسین قریشی، پیر شجاعت حسین قریشی اور ریاض قریشی نے گیلانی گروپ سے اتحاد کرلیا تھا۔اس طرح مجبوراً صادق حسین قریشی کو فخر امام کا سہارا تلاش کرنا پڑا اس طرح گیلانی اور قریشی گروپ نے مل کر 1985ء کے انتخابات میں برتری حاصل کی۔گیلانی خاندان اور قریشی خاندان مسلم لیگ میں اکھٹے ہو گئے۔ محمد خان جونیجو نے یوسف رضا گیلانی کو وفاقی وزیر بنالیا تھا۔انہوں نے مسلم لیگ کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1985ء میں جب انہیں وزارت میں لیا گیا تو انہیں مخدوم حامد رضا گیلانی پر فوقیت دی گئی۔یہ پہلا موقع تھا کہ گیلانی خاندان کے چچا بھتیجا میں پہلی بار اختلافات ابھر کر سامنے آئے۔مخدوم حامد رضا گیلانی نے ہمیشہ سید علمدار حسین گیلانی کے سیاسی فیصلوں کو تسلیم کیا تھا۔جب یوسف رضا گیلانی وفاقی وزیر تھے تو ان کے بارے میں اس طرح کی افواہیں گردش کرتی رہی ہیں کہ انہیں صوبائی قیادت سونپی جارہی ہے۔میاں نواز ریف سے ان کا اختلاف چوہدری پرویز الٰہی سے ذاتی مراسم کی وجہ سے ہوا۔پھر جب محمد خان جونیجو کی کابینہ کو برخاست کیا گیا تو چند دنوں بعد یوسف رضا گیلانی نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔1987ء کے بلدیاتی انتخابات میں قریشی اور گیلانی خاندان ایک دوسرے کے خلاف پھر صف آرا تھے۔خانیوال ضلع میں بن جانے سے فخر امام ضلع کی سیاست میں اہم کردار ادا نہیں کرسکتے تھے اس لئے گیلانی اور قریشی ایک بار پھر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔

نیشنل، پیپلز پارٹی کی جب بنیاد پڑی تو مخدوم حامد رضا گیلانی اس کے سینئر عہدے دار تھے۔بعدازاں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔1988ء میں انہوں نے خاندان کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے انتخاب میں حصہ نہ لیا۔1990ء کے مڈٹرم انتخاب میں وہ اپنے بھتیجے یوسف رضا گیلانی سے اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر ناکام

ہو گئے۔

1991ء کے بلدیاتی انتخابات نے بھی دلچسپ صورت اختیار کر لی پیپلز پارٹی کے یوسف رضا گیلانی اور شاہ محمود قریشی نے ضلع کونسل کی قیادت کے لئے مشترکہ جنگ لڑی کیونکہ یوسف رضا گیلانی نے اپنے بھائی مجتبیٰ گیلانی اور حامد رضا گیلانی نے اپنے بیٹے رضا گیلانی کو سیاست میں ابھارنے کی کوشش کی تا کہ ملتان کی قیادت پر دونوں خاندانوں کی برتری قائم رہے۔ البتہ ضلع کی قیادت پیر شاہ محمود قریشی کا غلبہ گیلانی خاندان کے تعاون سے ہی ہوا۔

1993ء کے سیاسی بحران میں گیلانی خاندان مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی سے وابستہ رہے۔ سید تنویر الحسن گیلانی جو میاں نواز شریف کے وفادار ساتھی تھے وہ انہیں دھوکہ دے کر غلام اسحاق خان کی لابی سے وابستہ ہو گئے۔ جب بلخ شیر مزاری کی قیادت میں نگران کابینہ کی تشکیل ہوئی تو تنویر الحسن گیلانی اس میں شامل تھے۔ 1993ء کے انتخابات میں تو تنویر الحسن گیلانی طاہر رشید سے شکست کھا گئے۔ جب کہ یوسف رضا گیلانی سکندر حیات بوسن شکست دے کر کامیاب ہو گئے۔ سکندر حیات بوسن نے 1993ء کے سیاسی بحران میں منظور وٹو کا ساتھ دیا تھا البتہ حامد رضا گیلانی کی کوششوں سے انہیں مسلم لیگ کا ٹکٹ ملا تھا۔ 1993ء میں یوسف رضا گیلانی نے سپیکر قومی اسمبلی چنے گئے۔ لیکن انہوں نے منجھے ہوئے اسپیکر کا ثبوت نہ دیا۔ (۱۰)

ڈیرہ غازی خان کے لغاری:۔

سردار جمال لغاری، سردار بہرام خان مزاری کی موت کے بعد ڈیرہ غازی خان ضلع کے جرگہ کے صدر منتخب ہوئے اور انہیں بلوچستان اور پنجاب کے جرگہ کا چیف چنا گیا۔ یہ مزاریوں پر لغاریوں کی برتری کا ثبوت تھا۔ 1921ء تک وہ پنجاب کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے۔ 1936ء میں انہیں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا۔ علاوہ ازیں وہ صوبائی درباری آنریری مجسٹریٹ، سول جج اور محکمہ مال کے اختیارات کے بھی حامل تھے۔ وہ ضلع کے پہلے تمن دار تھے جنہوں نے اپنے ضلع میں پرائمری تعلیم لازمی قرار دی۔ محمد جمال لغاری صوبائی وزیر بھی رہے۔ فروری 1946ء کی شاندار کامیابی سے متاثر ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ پہلے پکے یونینسٹ تھے۔ ان کے بیٹے محمد خان لغاری کو بھی مجسٹریٹ کے اختیارات حاصل تھے۔ لغاری خاندان کی پرائیویٹ ریاست کا

رقبہ 115,000 ایکڑ تھا اور انہیں ایک لاکھ دس ہزار روپے سالانہ تمن داری کے الگ ملتے تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ اپنے والد کی تمن داری میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ وہ کچھ عرصہ گورنر پنجاب کے مشیر بھی رہے۔ ممدوٹ اور دولتانہ کشمکش میں محمد خان لغاری، ممدوٹ کے قریبی ساتھی تھے اور اسی وجہ سے اسے مشیر کا درجہ ملا تھا۔ 1951ء کے انتخابات میں ضلع ڈیرہ غازی خان سے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں اخوند عبدالکریم ایڈووکیٹ نے مسلم لیگ کے ٹکٹ کے لئے درخواست دی تھی۔ اسے ٹکٹ نہ ملا تو آزاد حیثیت سے کھڑے ہو گئے۔ ڈپٹی کمشنر کی عدالت کے باہر اپنے ووٹروں سے عہد کیا کہ وہ محمد خان لغاری کا مقابلہ کریں گے کیونکہ میں غریبوں کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ تمن داروں نے عوام کو تباہ کر دیا ہے۔ اس موقع پر اس نے حلف بھی اٹھایا پھر وہ اچانک محمد خان لغاری کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ 1951ء کے انتخابات میں ڈیرہ غازیخان خان محمد مسلم لیگ کو فقید المثال کامیابی حاصل ہوئی تھی جس میں سردار امیر محمد خان لغاری، سردار محمد خان گشکوری، سردار بہادر خان دریشک، سردار امیر محمد خان معین اعظم خان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہو گئے تھے۔ صرف تونسہ شریف کے خواجہ صدید الدین جناح عوامی لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ مزاری خاندان کے ساتھ گشکوری سرداروں کی طویل سیاسی رفاقت رہی ہے اور انہوں نے سیاسی حوالے سے ہمیشہ مزاری خاندان کا ساتھ دیا ہے۔ سردار محمد خان گشکوری ایک بااصول سیاستدان تھے انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز مسلم لیگ سے کیا تھا اور زندگی کی آخری سانس تک مسلم لیگی ہی رہے وہ سیاست میں بدلتی ہوئی وفاداریوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ سردار محمد خان گشکوری کے والد کوٹ مٹھن کے خواجہ غلام فرید کے مرید خاص تھے انہوں نے خواجہ غلام فرید کی گدی کے وارث خواجہ شریف محمد اور ان کے فرزند خواجہ احمد علی جن کو نواب آف بہاولپور نے اپنی ریاست سے ملک بدر کر دیا تھا۔ اپنے ہاں بمعہ خاندان آباد کیا۔ انہیں محلات بنا کر دیئے اور اپنی زمینوں کا ایک تہائی رقبہ جو تقریباً ایک ہزار ایکڑ تھا پیر گھرانے کے نام منتقل کر دیا سردار حق نواز گشکوری۔ سردار سلطان محمود گشکوری، سردار کریم داؤد خان اور سردار شاہ نواز گشکوری بھی لغاری خاندان کی سیاست کے ہم نوا رہے ہیں۔

محمد خان لغاری کے پنجاب کے جاگیرداروں کے ساتھ گہرے سیاسی روابط رہے ہیں۔ اس لئے قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں کہ یہ بھی وزارت اعلیٰ کے امیدوار ہیں۔ میاں ممتاز دولتانہ جب وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تو

انہوں نے انہیں تعمیرات، بجلی اور سڑکوں کی وزارت دی۔ جب میاں ممتاز دولتانہ کا سنگھاسن ڈولا تو سردار عبدالحمید دستی اور محمد خان لغاری 1953ء میں قادیانی تحریک کے دوران پراسرار طور پر کراچی گئے۔ جہاں انہوں نے خواجہ ناظم الدین مرحوم (وزیراعظم) اور میاں مشتاق گورمانی (وزیر داخلہ) سے ملاقات کر کے انہیں پنجاب میں دولتانہ وزارت توڑنے پر آمادہ کرلیا۔ یہ دونوں حضرت خواجہ ناظم الدین اور میاں مشتاق گورمانی کے ساتھ لاہور آئے۔ اسی روز دولتانہ کی وزارت توڑ دی گئی۔ اس کے بعد فیروز خان نون کو وزیر مال کی حیثیت سے شامل رہے۔ جب ملک نون کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک ناکام ہوگئی تو عبدالحمید دستی، محمد خان لغاری، سید علمدار حسین گیلانی سے میاں مشتاق گورمانی سے استعفیٰ لے کر نون وزارت کو برطرف کردیا۔

جب سردار عبدالحمید دستی نے نئی وزارت بنائی تو محمد خان لغاری مال آبکاری، محصولات، نوآبادیات اور آب پاشی کے وزیر بنائے گئے۔ دوسری دستور یہ میں جن سیاسی خاندانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، ان میں میجر مبارک، کرنل عابد حسین آف جھنگ، سید علمدار حسین گیلانی ملتان اور محمد خان لغاری شامل تھے۔ وہ ری پبلکن میں شامل ہونے کا واضح فیصلہ نہ کرسکا کیونکہ ری پبلکن پارٹی میں ملک فیروز خان نون کو اہم مقام حاصل تھا۔

ایوب خان نے جب مارشل لاء نافذ کیا تو محمد خان لغاری نے الزامات قبول کرنے سے انکار کردیا اور ان پر نااہلی کے ٹربیونل کے تحت بدعنوان اور اقربا پروری کے الزامات عائد کر کے 31 دسمبر 1966ء تک سیاست نااہل قرار دے دیا۔ ان کی ہزاروں ایکڑز مین زرعی اصلاحات کی زد میں بھی آ گئی۔ (۱۱)

ایوب خان نے جب کنونشن لیگ کی بنیاد رکھی تو لغاری خاندان کے سربراہ محمد خان لغاری سیاست میں نااہل ہونے کی وجہ سے سیاست میں حصہ نہ لے سکے تو 1962ء کے غیر جماعتی انتخابات میں ان کا مخالف گروپ میر بلخ شیر مزاری قومی اسمبلی اور ذوالفقار کھوسہ صوبائی اسمبلی میں پہنچ گئے جب ایوب خان نے کنونشن لیگ کی بنیاد رکھی تو لغاری خاندان اس میں شامل ہوگیا۔ نواب آف کالاباغ کی لغاریوں سے رشتہ داری بھی تھی جس کی وجہ سے نواب آف کالاباغ نے میر بلخ شیر زاری کو 1965ء کے انتخابات میں حصہ نہ لینے پر راضی کرلیا اور کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر نواب محمود خان لغاری کو بلا مقابلہ منتخب کرالیا۔ اس طرح ڈیرہ غازی خان کی سیاست میں پہلی مرتبہ دونوں خاندانوں میں مفاہمت کا راستہ نکلا۔

12اگست 1965ءکوسر جمال خان لغاری طبی معائنہ کے لئے سوئیٹزر لینڈ گئے۔روم میں رات ٹھہرے اور معدے میں شدید درد ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔محمد خان لغاری کے بھائی سردار محمود خان لغاری ملتان ڈویژن کے کمشنر رہے ہیں۔سر جمال خان لغاری کی بیٹی عفیفہ ممدوٹ بھی ضیاءالحق کے مارشل لاء دور وزیر رہی ہیں۔1970ءکے انتخابات میں نہ تو لغاری خاندان اور نہ ہی مزاری خاندان نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔1970ءمیں محمد خان لغاری صوبائی الیکشن جیت گئے۔کچھ عرصے بعد وہ فوت ہوگئے تو ان کی خالی نشست پر ان کے چھوٹے بھائی سردار عطامحمد ایم پی اے منتخب ہوگئے۔1970ءمیں ان کا مخالف دھڑا بھر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگیا جن میں سردار بلخ شیر مزاری اور ڈاکٹر نذیر احمد مزاریوں کی حمایت سے نصر اللہ دریشک اور ذوالفقار کھوسہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوگئے۔لغاریوں اور مزاریوں دونوں دھڑوں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی حالانکہ 1970ءمیں ذوالفقار علی بھٹو نے دورہ ڈیرہ غازی خان کے دوران اس بات کا اعلان کیا تھا کہ غریب عوام اب آپ پر ظلم کرنے والا کوئی تمن دار نہیں رہے گا۔(۱۲)

محمد خان لغاری کے بعد ان کے صاحب زادے سردار فاروق لغاری قبیلہ کے سردار بنے۔وہ ڈپٹی ہوم سیکرٹری کے عہدے سے مستعفٰی ہوئے تھے۔1973ءکے آئین کے تحت جب سینٹ کا ادارہ معرض وجود میں آیا تو سردار محمد فاروق لغاری سینٹر منتخب ہوئے۔اسی دوران پیپلز پارٹی پنجاب کے فنانس سیکرٹری بھی رہے۔1977ء میں ڈاکٹر نذیر کی نشست سے قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود اور پیپلز پارٹی کے منظور لنڈ کو جو پیپلز پارٹی چھوڑ کر دوبارہ پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے دوسری نشست پر فاروق لغاری اور تیسری پر سردار بلخ شیر مزاری کو پیپلز پارٹی کا ٹکٹ دے کر دونوں دھڑوں کو راضی کرلیا گیا تھا۔صوبائی اسمبلی کی ٹکٹوں کی تقسیم اس طرح تھی چار لغاریوں کو اور دو مزاریوں کو دی گئی۔ایک سیٹ مخلص کارکن بشیر احمد سالار کو دی گئی۔فاروق لغاری 1977ءمیں وفاقی وزیر بنا دیئے گئے تو مزاری ناراض ہوگئے۔قومی اتحاد کے چلنے والی عوامی تحریک کا بہانہ بنا کر سردار نصر اللہ دریشک سردار ذوالفقار کھوسہ اور میر بلخ شیر مزاری نے پیپلز پارٹی سے استعفٰی دے دیا۔ملکی سیاست میں پہلی مرتبہ دونوں گروپوں کی راہیں الگ ہوئی تھیں۔کیونکہ دونوں تمارب گروہ برسراقتدار جماعتوں میں شامل رہے ہیں۔دونوں گروپوں کی سیاسی پوزیشن اس قدر مضبوط ہے کہ انہیں کسی سیاسی مظاہرے کی ضرورت نہیں۔1979ءاور 1983ءکی بلدیاتی

سیاست پر بھی لغاریوں کا قبضہ رہا ہے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں سردار مقصود خان لغاری کامیاب ہوئے تھے۔ان کے مقابلہ میں ان کے چچا عطا محمد لغاری رکن وفاقی مجلس شوریٰ نے بھی کاغذات جمع کرائے اور سردار عطا لغاری کے بیٹے سردار محمد جعفر لغاری بھی حلقہ این اے 125 سے امیدوار تھے۔سردار مقصود احمد کے والد سردار محمود احمد خان لغاری 1965ء میں بلا مقابلہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔سردار مقصود لغاری کے تایا محمد خان لغاری پنجاب کے صوبائی وزیر رہے ہیں۔ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سردار عطا محمد کان ضمنی نشست پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔سردار مقصود لغاری کے تایا محمد خان لغاری پنجاب کے صوبائی وزیر رہے ہیں۔ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سردار عطا محمد خان ضمنی نشست پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔سردار مقصود لغاری کے کزن سردار فاروق لغاری پیپلز پارٹی کی صف اول کی قیادت یں شامل ہیں۔1985ء میں سردار مقصود احمد صوبائی نشست سے بھی کامیاب ہو گئے تھے اور ان کے ایک کزن سردار محمد جعفر خان لغاری بھی کامیاب ہوئے تھے۔

1988ء کے انتخابات میں فاروق لغاری نے اپنی پھوپھی عفیفہ ممدوٹ اور اپنے ایک چچا سردار عطا محمد کو بھی شکست دی تھی۔ جو کہ 1985ء میں بھی اپنے ایک بھتیجے سردار مقصود لغاری سے شکست کھا گئے تھے۔سردار عطا لغاری نے 1987ء کے بلدیاتی انتخاب میں سردار مقصود لغاری کو شکست کھا گئے تھے۔سردار عطا لغاری نظریاتی طور پر پیپلز پارٹی سے ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ان کے دو صاحبزادے سردار عمر خان اور سردار جعفر خان لغاری صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔1988ء میں مقصود لغاری پھر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر پیپلز پارٹی کے امیر حسین کو شکست دی تھی۔مقصود لغاری محمد خان جونیجو کی وفاقی کابینہ میں بھی شامل رہے ہیں۔انہوں نے 1988ء کے انتخابات میں اپنے چچا سردار عطا لغاری کو ایک بار پھر شکست دی۔البتہ ان کے صاحب زادے جعفر خان لغاری کامیاب ہوئے۔ فاروق لغاری جو لغاری قبیلے کے سردار ہیں۔ پنجاب اسمبلی میں قائد ایوان کے امیدوار کی حیثیت سے چند ووٹوں سے شکست کھا گئے۔انہوں نے اپوزیشن بینچوں پر بیٹھنے کی بجائے مرکز میں جہاں محترمہ بے نظیر بھٹو برسر اقتدار تھیں جانا پسند کیا اور اپنے علاقے سے دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے اور وفاقی وزیر بنائے گئے۔مرکز اور پنجاب محاذ آرائی میں جب میاں نواز

شریف کے خلاف پنجاب میں عدم اعتماد کی زوردار تحریک چلائی گئی تو مقصود لغاری سے جو میاں نواز شریف کی کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے شامل تھے استعفیٰ دلوایا۔ 1988ء کے انتخابات میں لغاری خاندان کو ایک اور زبردست کامیابی حاصل ہوئی جب راجن پور روجھان کی نشست سے مزاری خاندان کے سرخیل سردار شیر باز مزاری اور ان کے قبائل کے حریف نصر اللہ دریشک کو قومی اسمبلی پر چند سو ووٹوں سے شکست ہوئی۔

1990ء میں بھی لغاری خاندان نے اپنی کامیابی کو برقرار رکھا پیپلز پارٹی جہاں پنجاب میں بری طرح شکست کھا گئی وہاں لغاری خاندان کے سردار فاروق لغاری، سردار مقصود لغاری اور سردار منصور احمد لغاری نے کامیابی حاصل کی۔ 1990ء سے فاروق لغاری قومی اسمبلی میں ڈپٹی اپوزیشن لیڈر ہیں۔ 1991ء کے بلدیاتی انتخابات میں لغاری خاان کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ لغاری خاندان کی ضلع ڈیرہ غازی خان اور راجن پور میں بلدیاتی برتری کو ختم کر دیا گیا۔ 1992 کے انتخابات کے حوالے سے ضلع ڈیرہ غازی خان کی بلدیاتی سیاست سے لغاری خاندان کا صفایا ہو گیا۔ قومی اسمبلی میں ڈپٹی لیڈر آف دی اپوزین فاروق لغاری قومی سیاست میں دن بدن نمایاں ہو رہے تھے۔ 1990ء اور 1988ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے ٹکٹ تقسیم کرتے ہوئے ان کی رائے کو بڑی اہمیت دی تھی۔ غلام اسحاق خان کے خلاف فاروق لغاری نے اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے ''گو بابا گو'' کے نعرے اسمبلی چیمبر پر خود لگائے تھے۔ 1993ء کے سیاسی بحران نے نہ صرف لغاری خاندان نے اقتدار کی خاطر اپنے سیاسی حریف بلخ شیر مزاری کی قیادت کو تسلیم کر لیا بلکہ غلام اسحاق خان کو بھی اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ 1993ء میں بھاری اکثریت سے جاگیرداروں کی طاقت کے بل بوتے پر وسیم سجاد کو شکست دے کر صدر پاکستان بنے۔ صدر کی حیثیت سے انہوں نے اپنا ماضی کا کردار زندہ رکھا اور پیپلز پارٹی کی حکومت کی پالیسیوں کی مکمل حمایت کی۔ (۱۳)

ملتان کے قریشی:۔

1965ء کے انتخاب میں مخدوم سجاد حسین قریشی نے محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں ایوب خان کو کامیاب کرانے میں بہت کام کیا۔ جب تک ایوب خان کے اقتدار کا سنگھاسن نہ ڈولا۔ مخدوم سجاد حسین قریشی کنونشن مسلم لیگ میں شامل رہے۔ خضر حیات یونینسٹ وزارت کے سابق وزیر محمد عاشق حسین قریشی مرحوم کے

بیٹے نواب صادق حسین قریشی نے بھی اپنی سیاسی زندگی میں وفاداریاں اہل اقتدار کے پلڑے میں ڈالیں۔وہ 1965ء میں کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہوئے نواب آف کالاباغ کے ایک وزیر محمد حیات ٹمن نے انہیں تحصیل خانیوال سے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ٹکٹ دیا پھر اس کے بعد انہیں بلامقابلہ کامیاب کرانے کا انتظام بھی کیا گیا۔اس طرح ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے وائس چیرمین بھی منتخب کروائے گئے۔ جب تک ایوب خان برسراقتدار رہے قریشی خاندان ایوب خان کے ساتھ رہے۔ ذوالفقارعلی بھٹو نے اگر چہ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا لیکن انہیں شدت سے احساس تھا کہ وہ جاگیرداروں کی گروہی سیاست اور تعاون کے بغیر نہیں جیت سکتے اس غرض سے بھٹو نے 1970ء میں ملتان کا طوفانی دورہ شروع کیا۔ وہ سب سے پہلے گیلانی خاندان کو پیپلز پارٹی میں شامل کرنے کی کوشش کرتے رہے جب تک گیلانی خاندان نے ہاں میں جواب نہ دیا تو قریشی خاندان نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اس لئے اختیار کی کہ وہ گیلانیوں کو اس پارٹی میں شامل نہیں کریں گے۔بھٹو دور میں قریشی خاندان کو اس حوالے سے اہمیت رہی ہے کہ نواب صادق حسین قریشی کے دور میں جب وہ وزیراعلیٰ پنجاب تھے۔سجاد حسین قریشی بھی پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔قریشی خاندان کا ماضی اس بات کا کھلا اظہار ہے کہ وہ ان کے رہے جن کے پاس اقتدار ہوتا ہے۔ 1977ء کے انتخابات میں قریشی خاندان کے سربراہوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ 1970ء والی غلطی نہیں دہرائیں گے لہٰذا انہوں نے پیپلز پارٹی سے عملی تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا۔ (۱۴)

ضیاءالحق نے 17 نومبر 79ء میں ملک میں عام انتخابات کا جو وعدہ کیا تھا ان انتخابات کو ٹا لنے کے لیے انہوں نے بلدیاتی الیکشن کروانے کا اعلان کیا تو گیلانی اور قریشی خاندان قومی سیاست کی طرح بلدیاتی سیاست میں بھی ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔1979ء کے بلدیاتی انتخاب میں جب قریشیوں اور گیلانیوں کی سیاست پر پہلی ضرب پڑی اور فخر امام ملتان کی سیاست پر نمودار ہوئے تو قریشی اور گیلانی خاندان برسوں پرانی رقابت ختم کرتے ہوئے فخر امام کو ملتان کی سیاست سے آؤٹ کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔سیاست کے اس کھیل میں انہوں نے ضلع ملتان کے بڑے بڑے خاندانوں اور برادریوں کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا تھا۔اس سلسلہ میں تونسہ شریف' پاک پتن شریف کی گدیوں کو بھی سیاست میں لے آئے۔خانیوال ضلع بن جانے سے ان سیاسی خاندانوں کا خوف کسی حد تک ختم ہو گیا تھا۔ 57 سال قبل عوامی نمائندوں کے انتخابات ہوئے تو گیلانی خاندان کے

سرمخدوم رضا گیلانی نے برطانوی انقلاب کے اہم مقتدر ڈپٹی کمشنر ای پی مون کو ووٹوں کے ذریعے شکست دی۔ قریشی خاندان اس وقت بھی ان کا حریف تھا۔مخدوم سرمرید حسین قریشی'نواب عاشق حسین قریشی مخدوم سجاد حسین قریشی اور گیلانی خاندان کے سربراہ مخدوم رضا شاہ گیلانی مخدوم راجن شاہ گیلانی اور مخدوم علمدار حسین گیلانی سیاسی معرکے کرتے رہے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان پر گیلانی خاندان کا ہی قبضہ ہے۔نواب آف کالا باغ نے نواب صادق حسین قریشی کو ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کا وائس چیئرمین مقرر کیا تھا۔مخدوم سجاد حسین قریشی کو ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کا وائس چیئرمین مقرر کیا تھا۔مخدوم سجاد حسین قریشی نے اپنے بیٹے مخدوم شاہ محمود قریشی کو بلدیاتی سیاست کے ذریعے متعارف کروانے کی کوشش کی بلدیاتی سیاست کے حوالے سے مخدوم سجاد حسین قریشی ے گیلانیوں کے ساتھ برسوں پرانی رقابت کو بھی بھلا دیا تھا۔ 1983ء کے بلدیاتی انتخابات میں شاہ محمود قریشی کا مقابلہ جاوید ہاشمی کے بھائی سے تھا یوسف رضا گیلانی نے ان کی مخالفت کی اور اس طرح سیاست کا شہسوار پہلی ہی پڑی سے گر پڑا اور ضلع کونسل کا چیئرمین تو کیا بلدیاتی کونسلر بھی منتخب نہ ہوسکا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں شاہ محمود نے جاوید ہاشمی کو شکست دے کر بلدیاتی شکست کا بدلہ لیا۔ حالانکہ جاوید ہاشمی اس حلقے کی قومی نشست سے کامیاب ہوئے تھے اور صوبائی نشست میں شاہ محمود قریشی سے ہار گئے تھے۔ 1987ء کے بلدیاتی انتخابات میں نوجوان شاہ محمود قریشی نے گیلانی خاندان کے 57 سالہ اقتدار کو چیلنج کیا اور ضلع کونسل ملتان کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

نواب صادق حسین قریشی کے بڑے بھائی شاہ رکن عالم سجانی کے گدی نشین مخدوم محمدی حسین قریشی نے اپنے سابق سیاسی حریف وفاقی وزیر صنعت حامد رضا گیلانی سے 1985ء میں دوستی کا معاہدہ کیا تھا۔ یہ دوستی طویل سیاسی جھگڑوں کے بعد ہوئی تھی۔ طرفین نے اخلاص کا ثبوت بھی دیا تھا۔ شاہ محمود بلدیاتی انتخاب میں یوسف رضا گیلانی کی مخالفت کے باوجود دوستی کا رشتہ قائم رہا۔اس صورت حال میں ایک بار پھر طوفان اس وقت آیا جب حامد رضا گیلانی اور صادق حسین قریشی کا آمنا سامنا 1985ء کے غیر جماعتی انتخاب میں ہوتے ہوتے رہ گیا۔البتہ صادق حسین قریشی نے سید محمد رضا گردیزی کو آگے کر دیا جو سید حامد رضا گیلانی سے شکست کھا گئے۔ شاہ محمود قریشی صوبائی حلقے 164 سے امیدوار تھے اور سجاد حسین قریشی کے فرزند نسبتی پیر حسین شاہ مخدوم آف شیر شاہ تحصیل ملتان سے صوبائی اسمبلی اور دوسرے پیر شجاعت حسین قریشی میاں چنوں سے گیلانیوں سے طے شدہ معاہدے کے تحت

الیکشن لڑ رہے تھے۔ صادق حسین قریشی کی طرف سے مخدوم سجاد حسین قریشی پر خاندانی دباؤ تھا کہ گیلانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے جبکہ دوستی اور رفاقت کا معاہدہ گیلانی گروپ کا تقاضہ تھا۔

پیپلز پارٹی کو داغ مفارقت دینے کے بعد قریشی خاندان نے اپنی تمامتر وفاداریاں ضیاء الحق کے پلڑے میں ڈال دیں۔ جب دسمبر 1984ء کو ریفرنڈم ہوا تو اس کی حمایت کے لیے مخدوم سجاد حسین قریشی نے دن رات کام کیا۔ جب غیر جماعتی انتخابات کی کوکھ سے جنم لیے والی مسلم لیگ سامنے آئی جس کے قائد محمد خان جونیجو چنے گئے تو انہوں نے اپنی تمام تر ہمدردیاں اور تعاون مسلم لیگ کو پیش کر دیا جس کے صلہ میں انہیں پنجاب کی نشست سے سینٹر اور بعد ازاں ڈپٹی چیئرمین سینٹ بنا دیا گیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم اور صدارتی ریفرنڈم کی کامیابی کے لیے مخدوم سجاد حسین قریشی نے ان تھک کام کیا۔ ضیاء الحق نے انہیں پنجاب کا گورنر بنا دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نواب صادق حسین قریشی جو 1977ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب تھے اور پورے پنجاب میں ان کا طوطی بولتا تھا وہ ایک بار تو بلا مقابلہ رکن اسمبلی بھی بن گئے تھے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخاب میں انہیں چند ہزار ووٹ ہی مل سکے اور انہوں ے عوام کی اس سرد مہری کو دیکھ کر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ 1988ء کا انتخاب میں مخدوم سجاد حسین قریشی کے صاحب زادے مرید حسین قریشی اور داماد مخدوم محمد احسن شاہ آف شیر شاہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب بے نظیر نے وزارت عظمٰی کا حلف اٹھایا تو اسی دن پنجاب اسمبلی نے میاں نواز شریف کو قائد اعوان منتخب کر لیا۔ بے نظیر نے نواز شریف کا حلف رکوانے کے لئے مخدوم سجاد حسین قریشی پر زور دیا کہ وہ نواز شریف سے حلف نہ لیں۔ مخدوم سجاد حسین قریشی نے محترمہ بے نظیر کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور نواز شریف سے حلف لے کر نواز شریف کے وفادار دوست ثابت ہوئے۔ بعد ازاں انہیں گورنر کے عہدے سے ہٹا کر ٹکا خان کو گورنر بنا دیا گیا۔ 1992ء کا سال قریشی خاندان کے لئے عروج کا باعث بن کر آیا جب ایک بار پھر ضلع کی قیادت قریشی خاندان کے ہاتھ آ گئی۔ یہ قریشی خاندان کی فراست تھی کہ اس نے گیلانی خاندان کے یوسف رضا گیلانی اور حامد رضا گیلانی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کی سیاسی راہیں جدا کر دیں۔ اس وقت حامد رضا گیلانی اور مخدوم سجاد حسین قریشی دونوں حکمران جماعت میں رہے۔ لیکن سیاست کے حوالے سے قریشی خاندان کا ستارہ عروج پر رہے۔ اس وقت شاہ محمود قریشی، مرید حسین قریشی نے 1993ء کے سیاسی بحران میں

میاں نواز شریف کی حمایت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جب غلام حیدر وائیں کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش ہوئی تو شاہ محمود قریشی نے میاں منظور وٹو اور ڈپٹی سپیکر مناظر علی رانجھا جو اس وقت سپیکر کے فرائض ادا کر رہے تھے کو جمہوریت کا دشمن قرار دیا۔ عدم اعتماد کی تحریک کے موقع پر انہوں نے چیخ چیخ کر اسمبلی چیمبر سر پر اٹھا لیا اور آخری لمحے تک میاں نواز شریف کا ساتھ دیا۔ جب میاں نواز شریف عدالتی فیصلے کے بعد خود اسمبلی توڑنے پر مجبور ہوئے تو قریشی خاندان نے بے نظیر بھٹو کو اپنا لیا اور پیپلز پارٹی سے وابستگی اختیار کر لی اور وہ چپکے چپکے میاں نواز شریف کے اقدام کو جمہوریت دشمنی قرار دینے لگے۔ 1994ء تک قریشی خاندان کو پیپلز پارٹی میں ماضی جیسی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ شاہ محمود قریشی چیئرمین زرعی ٹاسک فورس بنے۔ وہ نرم نرم الفاظ میں میاں نواز شریف کے اقدامات کو جمہوریت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ جب 1989ء میں نواز شریف نے مرکز کے خلاف محاذ آرائی کی تو انہوں نے نواز شریف کو جمہوریت کا چمپئن قرار دیا تھا۔ (۱۵)

گردیزی خاندان

عباس حسین شاہ صاحب:۔

سید عباس شاہ گردیزی تاریخ ملتان میں یوں رقم طراز ہیں۔''میں ذاتی طور پر جناب سید عباس حسین گردیزی سے واقف ہوں۔موصوف پاکستان قومی اسمبلی کے ممبر بے حد خوش اخلاق'منکر المزاج'علم دوست' عابد و پرہیز گار بزرگ ہیں۔میں نے ان کی نجی یاداشتیں دیکھ کر اندازہ کیا کہ ان کی تربیت اور فطرت ہمدردی وخدا ترسی' خدمت ومحنت کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اور خاندانی تربیت سے محبت سیکھی۔وہ بہت کم سن تھے جب نماز روزے کی پابندی کے لئے عابد پارٹی کے بانی ہوئے اس سے بڑے ہوئے تو 1928ء میں نوجوانوں کو منظم کیا اور اخلاقی وسماجی مقاصد کو بروئے کار لائے۔نوجوانی کی پسندیدہ سرگرمیوں میں اہم کام اپنے دادا کے بنائے ہوئے مدرسے باب العلوم ملتان کی ترقی وخدمت میں سرگرم عمل رہے اور 1931ء میں آل انڈیا شعیہ یوتھ کانفرنس کا جلسہ ملتان میں طلب کیا۔جس میں تمام ہندوستان کے شیعہ عمائدین نے شرکت کی۔

برکلے اور سکھوں کے معرکے میں پنڈی شیخ موسیٰ ضلع لائل پور کی ایک قدیم مسجد شہید ہوگئی اور مدتوں سے ویران پڑی تھی۔عباس حسین شاہ صاحب نے 1938ء میں اس مسجد کو از سر نو تعمیر کرایا۔

1945ء میں اٹھارہ ہزار روپے کے سرمائے سے ''اقبال وار الہ قا'' بنوایا اور ملتان میں ناخواندگی کے خلاف مہم چلائی۔ بہت سے بچوں کو اپنے گھر پر رکھ کر تعلیم دلوائی اور ان کے قیام وطعام کے اخراجات برداشت کئے۔انجمن وظیفہ سادات ومومنین کی ہزاروں روپے سے مسلسل امداد کرتے چلے آتے ہیں۔1945ء کے لگ بھگ نواب صاحب رام پور نے قومی صنعتی ادارے اور کالج کی تجویز رکھی تو شاہ صاحب نے 2 ہزار روپیہ سے کمک کی۔

تین سال تک پنجاب شعیہ کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے قوم کی رہنمائی کی۔ملتان شہر میں اپنے عزیز و اقربا کو رہائش کے لئے مفت پلاٹ دیئے اور بیمار ومعذور افراد اور بیوہ خواتین کو فصل سے حصے دیتے رہے۔

عباس حسین کو سپاہیانہ آداب سے بھی شغف ہے۔فوجی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہیں۔انہوں نے سرگودہا اور لائل پور کے متعدد شہسواری کے مقابلوں میں انعام حاصل کئے۔

30 اکتوبر 1940ء کو دریائے سندھ کے کنارے اپنے گھوڑے اور کشتی کو موجود نہ پا کر دریا تیر کر عبور کیا۔ ان کی فوجی تربیت بھی قوم کے کام آئی۔ انہوں نے قوم کے جوانوں کو سپاہیانہ جوش و جذبے سے سرشار کرنے کے لئے خاکساروں کو تربیت دی اور خاکسار تحریک میں حصہ لیا۔

سیاسی طور پر عباس حسین شاہ صاحب ممبر قومی اسمبلی ٹھوس اور عملی نقطہ نظر کے حامی اور مسلمانوں کی وحدت ملی کے داعی ہیں۔ چونکہ ان کا عقیدہ پختہ اور ایمان مستحکم ہے اس لئے جب اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی تحریک اٹھی تو وہ مجلس احرار اسلام کے زبردست حامی ہو گئے۔ اور کم و بیش پچاس سال تک تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرتے رہے۔ آخر 2 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی میں ایک معرکہ الآرا تقریر کر کے قادیانیوں کو خارج از اسلام و کافر قرار دی جانے والی قرار داد پر مہر تصدیق کر کے کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ موصوف کی تقریر چھپ چکی ہے شیعہ کانفرنس اور مجلس احرار میں بیک وقت کام کر کے اتحاد کے لئے نئے تجربے اور آزادی وطن کے جذبہ سرشار کے ساتھ اٹھے اور مسلم لیگ کی توسیع و مطالبہ پاکستان کے لیے کمربستہ ہو گئے آپ نے چوہدری رحمت علی مرحوم اور ان کے ساتھیوں سے ملاقاتیں کیں اور جب سرکاری ملازمت میں آ گئے تو اپنے تمام نجی وسائل مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیے ان کا بنگلہ مسلم لیگ ملتان کا دفتر اور باہر سے آنے والے مہمانوں کا مہمان خانہ بنا دیا۔

پاکستان کا پرچم لہرایا:۔

شاہ صاحب طبعاً ملازمت پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے زرعت میں ترقی کی باغات لگائے خاندانی حالات اور بزرگوں کے حکم سے کچھ عرصے تک ملازمت کرنے پر مجبور ہوئے' ریونیو آفسر مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر جیسے عہدوں پر رہ کر کام کیا۔ اس دور میں انہیں سب سے زیادہ خوشی اور فخر اس لمحے پر ہے جب انہوں نے دیپال پور کی تحصیل پر پہلی مرتبہ پاکستان کا پرچم لہرایا تھا۔ 14 اگست 1947ء کو انہوں نے آزاد و خداداد مملکت کا پرچم ستارہ ہلال لہراتے ہوئے کہا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''آج جمعتہ الوداع کے روز پاکستان گورنمنٹ کا قیام نہایت ہی مبارک فال ہے اس مبارک دن حمد و ثنا کے ساتھ جس قدر خوشی کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دیپال پور کے تاریخی مقام میں آج پاکستان کا جھنڈا لہرانے کی رسم ہم

سب کی زندگی میں اہم ترین واقعہ ہے۔

دلی دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال والاکرام پاکستان کے جھنڈے کو بلند رکھے اور پاکستان قائم ودائم رہے۔ پاکستان کا جھنڈا' آزادی ومساوات کا جھنڈا ہے۔ یہ مبارک جھنڈا سلطنت پاکستان میں ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کا ذریعہ' سطوت ملک کی نشانی اور دنیا مین امن کا پیام ہے۔

زندہ باد پاکستان''

شاہ صاحب نے یہ خطاب بڑی حفاظت سے رکھا ہے وہ اسے دیکھ کر خاص نشاط محسوس کرتے ہیں۔

خادم آستان مشہد

اسی قسم کی ایک اور دستاویز مسرت وسعادت ہے جسے عباس حسین شاہ باعث نجات مانتے ہیں یہ سند فخر 1933ء میں مشہد مقدس کی زیارت کے وقت حاصل کی تھی' امام رضا علیہ السلام کے ادارہ تولیت کے نگران ''ہزایکسی لینسی محمد ولی خان اسدی'' کے دستخط سے شاہ صاحب ''خادمی اعزازی آستان قدس رضوی کے لیے نامز کیے گئے۔اصل سند کی عبارت یہ ہے:

بتاریخ ۱۔ ۵ ۔۱۳۱۲ھ عمرہ ۵۵۰

نظر بانیکہ آقلی سید عباس حسین ولد آقای سید الطاف حسین شاہ آرزومند تشریف بخدمت گزاری آستان قدس بووہ مراتب لیاقت وشائستگی مشار الیہ نیز مشہور است بموجب ایں حکم از تاریخ اول مرداده ۱۳۱۲ھ بخدمت جلیل کادمی تشرفی آستان قدس ورکیشک دوم معوب وبایں منصب جلیل نبیل مبالی ومفتخر می گردو۔

نیابت تولیت جلیلہ عظمیٰ

(دستخط محمد ولی اسدی

تولیت آستان قدس

ابھی گذشتہ سال جب شہنشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی پاکستان کے دورے پر آئے تو بحیثیت متولی آستاں قدس آپ نے بھی اس سند پر دستخط فرما دیئے۔مشہد مقدس اور کربلا ونجف وبغداد وسامرا کے عبادت کی زیارت اور حرمین شریفین کے عمرہ وحج وآستان بوسی سرور عالم کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے مشرقی وسطیٰ'

ہندوستان، کولمبو، افغانستان، چین، انگلینڈ اور تمام یورپ کی سیاحت بھی کی ہے۔ وطن عزیز پاکستان کا شہر شہر قریہ قریہ دیکھ چکے ہیں۔ ملکوں کی سیاحت دراصل شاہ صاحب کی تاریخ دوستی کا ایک حصہ ہے، گھر میں بیٹھتے ہیں تو اپنے قیمتی کتب خانے کی نادر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور وقت ملتا ہے تو باہر کی دنیا دیکھ آتے ہیں۔ کتابوں سے ان کی محبت وراثت کا عطیہ ہے۔ ان کے دادا جناب خان بہادر حسین شاہ صاحب نے تھوڑی سی کتابیں دادا صاحب کی حاصل کیں۔ پھر ان میں ہزاروں قیمتی کتابوں کا اضافہ کیا۔ قرآن مجید کے قدیم اور مطلا نسخوں کے علاوہ دوسو خطی کتابیں اور آٹھ دس ہزار مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تذکرہ ملتان مولفہ مخدوم سید محمد یوسف گردیزی مرحوم۔

تواریخ ملتان:۔

شاہ صاحب کی قلمی کتابوں میں ایک نادر کتاب ہے۔ ''تواریخ ملتان' تذکرۃ الملتان فارسی کا آزاد اردو ترجمہ ہے۔ میں نے دونوں کتابوں کے مطالعے کے بعد شاہ صاحب سے اشاعت کی سفارش کی۔ ''تذکرۃ الملتان ''برصغیر میں فارسی ادب کے عہد زوال کی تصنیف ہے۔ اس کے مصنف ملتان کے رہنے والے تھے اس سے ادب زبان فارسی میں سادہ نویسی اور مقامی ادبی روایت کے نقطہ نظر سے اچھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں فارسی ادب کے تسلسل کی ایک کڑی مہیا کرتی ہے جناب عباس حسین صاحب میری رائے سے متفق ہیں اور اسے شائع کرنا چاہتے ہیں۔

'تواریخ ملتان' اردو میں ہے۔ اس کا زیر نظر قلمی نسخہ میرے سامنے ہے' اس کے اول و آخر میں مصنف یا مترجم کا نام اور تاریخ تصنیف ترجمہ و تحریر موجود نہیں ہے۔ لیکن کاغذ اور خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۰ء کے حدود میں لکھا گیا ہے اور یقینی طور پر عمر کی ایک صدری پوری کر چکا ہے۔ کتاب کا سائز تقریباً ۷x۱۰ انچ مسطر گیارہ سطری اور اوراق ۹۵ ہیں۔ کاغذ انگریزی اور باریک ہے جس کا رنگ کہنگی کی وجہ سے زرد ہو گیا ہے۔

مراد شاہ مصنف:۔

تواریخ ملتان قلمی جناب عباس حسین شاہ صاحب کے جد امجد سید مراد شاہ صاحب کے کتب خانہ سے ملی ہے سید مراد شاہ صاحب موصوف گردیزی خاندان میں انگریزی دور کے نامور فرد اور ملتان کے بہت بڑے مدبر

سیاستدان، منتظم اور مفکر وانصاف بزرگ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس سیاسی اور عملی تحریک میں حصہ لیا جس کے نتیجے میں پنجاب کے مسلمانوں نے سکھوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کی۔ ملتان کے مسلمانوں پر شدید ترین دن وہ تھے جب مٹھی بھر سکھ حکمران مظلوم مسلمانوں کے خون سے اپنی گرتی ہوئی دیوار اقتدار کو مضبوط کرنا چاہتے تھے اور دبے ہوئے ستم رسیدہ مسلمان ہر قیمت پر اس اقتدار سے اپنی گردن چھڑانے کی فکر میں تھے۔ سید مراد شاہ نے سکھوں کے مقابلے کی ٹھان لی اور 1848ء کے محاصرہ ملتان میں انہوں نے سکھوں کی سرکوبی کی' الحاق پنجاب کے بعد مراد شاہ مسلمانوں کا سہرا بن کر ابھرے انہوں نے شورکوٹ اور جھنگ کے دبے اور کچلے ہوئے مسلمانوں کی خدمت کی اور عوام کی سربلندی کا موقع دیا۔ انگریزوں نے ابتداء میں انہیں بطور آزمائش ایک رسمی عہدہ دیا۔ لیکن انہیں بہت جلد محسوس ہوا کہ یہ عالی خاندان' بلند فطرت ذہین و منتظم آدمی ہے تو ایکسٹرا کمشنر مقرر کیا۔

بہاول پور کا تحفظ:۔

ملتان کے نزدیک بہاول پور ایک مسلم ریاست تھی جو اپنے گھریلو جھگڑوں کے باعث تباہی کے دہانے تک پہنچ چکی تھی۔ جناب عباس حسین شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نواب صادق محمد خان رابع مرحوم و مغفور خود مثال تھے۔ اس لئے ان کے چچا صاحبزادہ جعفر خان نے ریاست پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی اور نواب صادق محمد خان رابع مرحوم کو قلعہ دراوڑ میں قید کر دیا۔ خاندان کے بزرگ خصوصاً نواب صاحب ممدوح کی والدہ پر اس واقعہ کا بہت اثر تھا۔ انہوں نے انگریزوں سے امداد طلب کی۔ حکومت نے مراد شاہ صاحب کو اس مہم کے لئے منتخب کیا۔ شاہ صاحب صاحبزادہ جعفر خان سے ملے اور متعدد ملاقاتوں کے بعد طے ہوا کہ صاحبزادہ جعفر خان کو جدید اسلحہ مہیا کیا جائے۔ اور پرانا اسلحہ لیا جائے چنانچہ پرانا اسلحہ لے کر جدید اسلحہ مہیا کر دیا گیا ایک تو صاحبزادہ جعفر خان اس اسلحہ کے استعمال کی تربیت نہ رکھتے تھے' دوسرے ان کی تیاری سے پہلے ان پر فوج کشی کر دی۔ نتیجہ میں بہت آسانی کے ساتھ حق دار کو حق دلوا دیا۔

چیف جج:۔

ریاست کے خاندان' ملک کی رعایا ور انگریزوں نے سیاسی بصیرت اور انتظامی قابلیت دیکھ کر ۱۸۶۵ء میں انہیں ریاست کا سیاسی و انتظامی سربراہ مقرر کر دیا۔ اور مراد شاہ پہلے نیٹو ایجنٹ' پھر ایجنٹ اس کے بعد پولیٹکل ایجنٹ

اور اس سے ترقی کر کے سپر نٹنڈنٹ مقرر کیا۔سید مراد شاہ نے اس مختصر سی مدت میں عوام کو خلعت فاخرہ عطا فرما کر رخصت کیا اور خود کابل کی طرف نہضت فرما ہوا۔ جب نواب مظفر خان کو بیٹے کے حسن انتظام سے تسکین خاطر حاصل ہوئی تو باراوہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا اور بعد حصول شرف حج وزیارت نو مہینے کے عرصہ میں واپس آیا۔ان ہی دنوں جناب الفنسٹن صاحب بہادر و چند صاحبان دیگر چوبیں زنجیر فیل وخمہ کلاں و دیگر کے کر بخدمت شجاع الملک تشریف لے جاتے تھے وارداس ملک کے ہوتے اور ڈیرہ اپنا حضوری باغ میں قائم کیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ:۔

جب کھڑک سنگھ نے یہ ملک فتح کیا تو چند روز کے بعد خود مع لشکر لاہور روانہ ہوا۔اور مصر دیوان کو جو کمان افسر اس کی فوج کا تھا واسطے بندوبست اس ملک کے تا تجویز دوسرے صوبہ دار کے چھوڑ گیا۔ چند روز بعد مہاراجہ کی طرف سے (لالہ سکھ دیال کھتری اس ملک کا صوبہ دار ہو کر آیا۔تو مصر دیوان چند نے اس کا حکم کما حصہ جاری کرا دیا اور خود لاہور چلا گیا۔لالہ مذکورہ سے یہ علاقہ ویران ہو گیا تھا۔اس واسطے دیوان مذکور نے اکثر لوگوں کو تقادی دے کر ملک از سر نو آباد کرا دیا۔ اور ہر طرح سے رعایا کی رفاست وانسیت میں کوشش کرتا رہا۔بعد ڈیڑھ برس کے اسوج کے مہینے م ۱۸۷۶ بکرمی میں اس کی تبدیلی ہوگئی اور اس کی جگہ لالہ شام سنگھ پشاوری جو مہاراجہ کے دفتر میں معزز عہدہ پر فائز تھا آیا اس نے چوروں کا بندوبست بصلاح وصوابدید نظر علے نامی کوتوال کے قرار واقعی کیا۔ابھی تک انتظام ملک وسپاہ کا بخوبی صورت پذیر نہیں ہولیا تھا کہ خود مہاراجہ رونق بخش ملتان ہوا۔اور شام سنگھ کو معزول کر کے لالہ بدن ہزاری سنگھ کو صوبیدار اور لالہ سانون مل کر نائب ومددگار مقرر کیا اور دیوان رام چند کو بعہدہ سر فردی ملتان سرفراز فرمایا اور گردونواح کی پانچ طرف مقرر کر کے ہر ایک طرف ایک ایک متصدی اجارہ پر دیدیئے اور تعلقات بیرونی بھی مثل سرائے سدھو وسردار پور تلمبہ ومظفر گڑھ وخان گڑھ ومظفر نگر وغیرہ علیحدہ علیحدہ ٹھیکہ داران کو اجارہ پر دے دی۔الغرض تین مہینے کا عرصہ مہاراجہ نے اس جگہ قیام فرمایا۔اور فقرائے اہل اسلام وہنود کو بھی ملا اور مساجد وخانقاہاں ودہرم سالوں پر بھی بطور درشن وزیارت اتار دیا اور اس کے بعد لاہور کو روانہ ہوا۔لالہ بدن ہزاری سنگھ نے اس ملک پر اپنا تسلط بٹھایا اور بصلاح وصوابدید لالہ سانون مل معاملات مالی وملکی کو سرانجام دینے

لگا۔ مہاراجہ دومرتبہ پھر بھی اس جگہ آیا ایک دفعہ تو ۱۸۷۸میں بعد فتح ملک منکیرہ وچولستان کے اور دوسری دفعہ جب ظفر خان خٹک کی جنگ پر گیا تھا۔ ازراہ سندھ عبور کرکے پہلے لیہ کو گیا۔ اور وہاں سے ڈیرہ غازی خان کو دیکھتا ہوا یہاں پہنچا۔۔ پانچ چھ روز ٹھہر کر پھر لاہور کوتہنیت فرما ہوا۔ کچھ عرصہ تک بدن ہزاری لالہ سانون مل کے اتفاق سے کام صوبہ داری کا انجام دیتا رہا مگر آخر کار ان دونوں میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی اور صورت نفاق کی ظاہر ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوٹ شجاع آباد و مظفر نگر و مراد آباد بدن ہزاری سنگھ سے لیا گیا اور لالہ سانون مل کو بطور اجارہ دیا گیا۔ اور تلنبہ مع سرائے سدھو پہلے خوشحال سنگھ کی جاگیر میں مقرر رہا اور پھر کپتان پریم رام ساکن ملتان محلّہ اقاپورہ کو ملا اور غضنفر نگر سید اللہ وادشال کو اور احمد پور سیالاں میراں امام شاہ کو اور سردار پور عنایت اللہ خان سیال کو بعینہ جاگیر عطا ہوا۔ اور بدن ہزاری کو مہاراجہ نے صوبہ داری سے معزول کرکے صوبہ ملتان مٹھومل شکار پوری کو ٹھیکہ دے دیا۔ اور اس پر سرپرست جمعدار باج سنگھ مقرر رہا۔ پھر مٹھومل کو بھی مہاراجہ نے معزول کردیا اور اس کی جگہ سردار ہمت سنگھ کے بھائی میسوا کو مقرر کیا۔ اس تبدیل وتغیر میں بہت بے انتظامی ہوئی چوروں اور قزاقوں نے بھی موقع پایا اور وزدی ولٹرنی پر کمر باندھی جابجا لوٹ مار ہونے لگی جاگیرداروں نے بھی ناظموں کی اطاعت سے منہ موڑلیا اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کچھ مدت تک تو یہ خرابی اس ملک پر رہی۔ مگر بعد میں اس کی دیوان ساون مل کی حکومت ہوگئی۔(۱۶)

گردیزی خاندان:۔

مخدوم محمد یوسف گردیزی مزاروں کے گدی نشین مقرر ہوئے مغلیہ عہد میں ان کی بڑی عزت افزائی اور پزیرائی حاصل ہوئی تھی اور خاص طور پر اورنگ زیب نے گردیزی سجادہ نشین کی درخواست پر ملتان کا دورہ کیا تھا۔ 1928ء تک مخدوم رشید محمد راجو گردیزی مزاروں کے محافظ تھے۔ انہیں انگریز کے زمانہ میں ڈویژنل درباری اور آنزیری مجسٹریٹ کی حیثیت حاصل تھی اور وہ تیس سال تک میونسپل کمیٹی ملتان اور ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے ممبر رہے وہ 1920ء میں میونسپلٹی کمیٹی کی ممبر شپ سے مستعفی ہوگئے۔ ان کو 100 روپے مالیت کی جاگیر اور سات مربع اراضی چناب کالونی میں الاٹ کی گئی۔ وہ 1928ء میں فوت ہوئے۔

ان کے بیٹے محمد یوسف ان کے بعد گردیزی مزاروں کے محافظ بنے۔ اپنے باپ کے فوت ہونے کے بعد اور ان کی خاندانی تکریم کے باعث انہیں ڈویژنل درباری اور آنریری مجسٹریٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ مخدوم محمد یوسف گردیزوں کی ایک اور شاخ کی لڑی کا تعلق فتح شاہ (جو کہ غلام مصطفےٰ شاہ کے بیٹے تھے) سے ہے۔ حامد شاہ جو کہ فتح شاہ کے بھائی تھے ڈویژنل درباری تھے۔ ان کی موت 1900ء میں واقع ہوئی۔

گردیزیوں کا ایک اور سلسلہ کبیر والا تحصیل میں کوہنہ خاندان سے ہے۔ ان کا رئیس حیدر شاہ تھا۔ وہ ذیلدار اور صوبائی درباری تھا۔ ان کی موت 1905ء میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے پوتوں جعفر شاہ اور مہدی شاہ کے لئے انتہائی قیمتی جائیداد چھوڑی جاگیر کی انتظامیہ کی بدنظمی اور سربراہی کے بحران کی وجہ سے حالات دن بدن خراب ہونے لگے تو ان کی جاگیر کورٹ آف وارڈ میں چلی گئی۔

محمد باقر خان کو جو کہ جعفر خان کے صاحب زادے تھے۔ ذیلدار بنے باقر خان اور ان کے کزن محمد نواز شاہ نے ایچی سن کالج سے تعلیم حاصل کی بعدازاں ان کو جاگیر واپس لوٹا دی گئی۔

مراد شاہ کے چچا گلاب خان ڈویژنل درباری تھے بعدازاں یہ سیٹ ان کے بیٹے زین العابدین شاہ کو مل گئی۔ زین العابدین کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ صاحب خان نے دو بیٹے چھوڑے تھے۔ سب سے بڑے صدر الدین شاہ جو کہ زین العابدین کے بھتیجے تھے وہ ریلوے میں اسسٹنٹ ٹریفک آفیسر تھے۔ ان کے ایک اور کزن ممتاز حسین شاہ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ گردیزیوں کے علاقے میں رمضان شاہ کے صاحبزادے ذوالفقار شاہ جو کہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے' ڈویژنل درباری تھے۔ (۱۷)

مراد پور تحصیل میلسی کے علاقے میں آباد اس خاندان کے سربراہ مصطفےٰ شاہ تھے۔ وہ اس علاقے کے ذیلدار تھے اور لودھراں تحصیل میں امام شاہ کے صاحبزادے احمد شاہ اپنے علاقے میں ذیلدار تھے۔ کہ اب علی شاہ کے صاحبزادے قاسم علی شاہ نے خان بہادر حسن کی بیٹی سے شادی کی وہ ملتان ڈویژن میں نائب تحصیل دار تھے۔ قاسم علی شاہ نے جنگ عظیم میں اپنے علاقے سے سینکڑوں افراد کو فوج میں بھرتی کروایا وہ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ علی رضا شاہ کے صاحبزادے نائب تحصیلدار تھے۔ اس کے دو بھتیجے حامد شاہ ذیلدار ور میونسپل کمشنر اور محمد شاہ بار ایٹ لاء میونسپل کمیٹی ملتان کے سیکرٹری تھے۔ گردیزی ملتان کی دھڑے بندیوں میں ہمیشہ

قریشیوں کے ساتھ رہے۔سید علی گردیزی نے ملتان میں مسلم لیگ کی تنظیم نو میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ صوبائی کونسل کے رکن رہے۔ وہ ترقی پسند نظریات اور رجحانات کے حامل تھے۔ وہ دولتانہ کی سیاست کے حواری رہے ہیں۔ 1951ء میں انہوں نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر حلقہ نمبر 1 سے کامیابی حاصل کی تھی۔ دولتانہ نے جب کابینہ تشکیل دی تو سید علی حسین گردیزی قریشیوں کے نمائندے کے طور پر وزارت میں شامل کئے گئے جس کا گیلانیوں کو شدید افسوس تھا اور وہ دولتانہ وزارت کو گرانے کے لئے مسلسل میاں ممتاز دولتانہ کی مخالف قوتوں کا ساتھ دیتے رہے۔ 1965ء میں انہوں نے مسلم لیگ کنونشن کے ٹکٹ کے لئے درخواست دی۔ 1955ء میں جب ملتان ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب ہوئے تو گیلانیوں کے مقابلہ میں متحدہ محاذ کو شاندار کامیاں حاصل ہوئی۔ اس وقت سید علمدار حسین گیلانی وزیر بلدیات تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ قسور گردیزی کامیاب نہ ہوسکی کیونکہ وہ اس وقت آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما تھے اور رحمت حسین گیلانی کو ضلع کی قیادت کے لئے چیلنج کر سکتے تھے۔ سید علمدار حسین گیلانی ے اپنی اقلیتی گروپ کو جائز ناجائز طریقے سے اکثریت میں تبدیل کرلیا تھا اس پر سید علی گردیزی، ظہور حسین قریشی، صادق حسین قریشی اور قسور گردیزی نے وزیر اعلیٰ سردار عبدالحمید دستی کے سامنے احتجاج کیا اور انہوں نے وزیر بلدیات پر لگائے گئے الزامات کی تحقیقات کا وعدہ کیا۔ 1965ء کے صوبائی انتخابات میں بھی قسور گردیزی کی بنیادی جمہوریتوں کے نمائندوں کو اپنے مدلل و دلائل سے قائل کرلیا۔ لیکن وہ حکومتی مداخلت کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ انہوں نے نمائندوں کو قائل کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ تاجر میں بھی تاجر ہوں اگر آپ میں سے کچھ لوگ صحافی ہیں تو میں بھی امروز اور پاکستان ٹائمز کا ڈائریکٹر رہا ہوں۔

اگر آپ امیر ہیں تو میں نے امارت کے مزے بھی لوٹے ہیں۔ قسور گردیزی بائیں باز و نظریات کے حامی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملتان جہاں مذہبی رجحانات بہت زیادہ ہیں۔ انہوں نے قسور گردیزی کو اہمیت نہ دی۔ وہ بعد ازاں ولی خان کے سیاسی نظریات سے متاثر ہوکر نیب میں شامل ہوگئے۔ سید رضی گردیزی نے بھی گردیزی گھرانے کے فرد کی حیثیت سے خاص نام کمایا ہے اور ان کی وابستگی سیاسی اعتبار سے صادق حسین قریشی کے ساتھ رہی ہے۔

1970ء میں مخدوم سجاد حسین قریشی جو قریشی قبیلے کے سجادہ نشین تھے کونسل مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ صادق حسین قریشی نے کونسل مسلم لیگ میں اس لئے شمولیت اختیار نہ کی کہ انہوں نے سید رضی شاہ گردیزی کو ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا۔

1977ء میں پیپلز پارٹی نے ملتان سے عباس حسین گردیزی اور سید محمد رضی شاہ کو ٹکٹ دیا تھا۔ 1970ء میں بھی سید محمد عباس حسین شاہ گردیزی نے پی ٹی وی کے ڈاکٹر خاور شاہ کو شکست دی تھی۔ 1985ء میں سید محمد رضی گردیزی کے گیلانی خاندان کے سربراہ حامد رضا گیلانی کے مقابلے میں شکست کھائی۔ سید رضی گردیزی 1970 اور 1971ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ بہاولپور کے گردیزی بھی ملتان کے گردیزیوں کے قریبی رشتے دار ہیں۔ 1965ء کے انتخاب میں احمد نواز گردیزی شکست کھا گئے تھے۔ سید تسنیم نواز گردیزی 1983ء کے بلدیاتی انتخابات میں ضلع کونسل کی ایک نشست پر شکست کھا گئے تھے۔ انہوں نے ممتاز پارلیمنٹیرین اور مسلم لیگی رہنما تابش الوری کو شکست دی تھی۔ 1988 کے انتخابات میں بھی سید تسنیم نواز گردیزی کامیاب ہوئے تھے۔ بہاولپور کی گردیزی فیملی کی رشتہ داری پیر پگاڑا سے بھی ہے۔ سید تسنیم گردیزی، محمد خان جونیجو کے دور میں وزیر مملکت رہے اور میاں نواز شریف کی کابینہ میں شامل تھے۔ 1977ء کے بلدیاتی انتخابات میں ضلع بہاولپور کی بلدیاتی قیادت کے مسئلہ پر ان کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں سے اختلافات ابھر کر سامنے آئے تھے۔ جو بعد ازاں مسلم لیگ کے اکابرین نے وقتی طور پر دبا دیئے تھے۔ (۱۸)

میاں ممتاز احمد دولتانہ آف لڈہن:۔

میاں ممتاز دولتانہ کو سیاسیات پاکستان میں لیجنڈ ان پالیٹکس کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے ہاں قدرت کی طرف سے چار نسلوں سے اکیلے بیٹے کی روایت چل رہی ہے۔ میاں ممتاز دولتانہ کے دادا اپنے باپ احمد یار دولتانہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ کے دادا اپنے والد نواب غلام محمد عرف گھوگھا کے اکلوتے بیٹے تھے۔ میاں جاوید ممتاز دولتانہ بھی میاں ممتاز دولتانہ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں۔

لڈہن کے دولتانے:۔

دولتانہ خاندان کی تاریخ کے بغیر پنجاب کی سیاست کا باب مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ خاندان سیاست اور جاگیر

داری کے حوالے سے ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔اگر چہ ان کا ذکر روسا پنجاب میں نہیں ہے۔ دولتانوں کا مورث اعلیٰ بڈھن شاہ تھا۔جس نے اپنے نام پر بڈہن نامی ایک گاؤں آباد کیا۔دولتانہ ان قبائل سے ہیں جو سکندر اعظم کے حملے سے بہت پہلے دریائے ستلج کے کنارے آ کر آباد ہوئے۔قیام پاکستان سے پہلے اس خاندان کے جن فرد نے شہرت حاصل کی وہ میاں احمد یار خان دولتانہ تھے۔ وہ اپنے اثر ورسوخ کی بناء پر پنجاب کی سیاست پر اثر انداز ہوئے۔یونینسٹ پارٹی کے قدآور لیڈر تھے۔احمد یار خان دولتانہ کے صاحبزادے میاں ممتاز دولتانہ نے پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔میاں ممتاز دولتانہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس میں گذشتہ چار پشتوں سے قدرت کی طرف سے Law of Primogeniture جاری ہے۔میاں ممتاز دولتانہ اپنے والد کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔میاں احمد یار خان دولتانہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔میاں ممتاز دولتانہ کے دادا اپنے والدنواب غلام محمد عرف گھوگھا کے اکلوتے بیٹے تھے۔اس وجہ سے میاں ممتاز دولتانہ کو چار پشتوں کے بعد جو جاگیر ملی، وہ تقسیم در تقسیم ہونے کے باوجود بے حد وسیع وعریض تھی۔اتفاق سے نواب میاں ممتاز دولتانہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک ہی صاحبزادے میاں جاوید ممتاز دولتانہ سے نوازا۔ پنجاب کی نہایت محبوب شخصیت یعنی آنریبل چوہدری شہاب الدین نے بھی جو کہ میاں ممتاز دولتانہ کے سگے خالو تھے اور جن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ میاں صاحب کو اپنا بیٹا بنالیا تھا کہا جاتا ہے کہ اگر میاں ممتاز دولتانہ سیاسی جھمیلوں میں پڑنے کی بجائے سیاست میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیتے تو وہ پروفیسر لاسکی سے بھی زیادہ شہرت حاصل کرتے۔اگر صرف کاروبار کی طرف توجہ دیتے توراک فیلر سے بھی زیادہ دولت کماتے لیکن انہوں نے اپنے لئے عملی سیاست کا خارزار پسند کیا۔دولت کی طرح سیاست بھی انہیں ورثے میں ملی ہے ان کو تحریر وتقریر پر کامل عبور تھا۔وزارت کے زمانے میں ان کو فائلوں پر اکثر نوٹ مضمون کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ وہ ملک کے واحد سیاستدان ہیں جنہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تو سیاست سے کنارہ کشی تک مسلم لیگی ہی رہے۔اس عرصے میں انہوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔

میاں ممتاز دولتانہ 23 فروری 1916ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ 1929ء میں گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا اور جب بی اے کے امتحان کا نتیجہ نکلا تو آپ تاریخ میں صوبہ بھر میں اول رہے

1933ء میں آپ آکسفورڈ چلے گئے۔ سیاسیات' فلسفہ اور اقتصادیات ان کے پسندیدہ مضامین تھے۔ ان میں وہ بڑے اعزاز کے ساتھ پاس ہوئے۔ 1939ء میں بیرسٹری کے امتحان میں اول آئے۔ آکسفورڈ قیام کے دوران آپ انڈین مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔ 1943ء میں ممتاز دولتانہ پہلی مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس زمانے میں مسلم لیگ کی تحریک کل پرزے نکال رہی تھی۔ پنجاب کے نوجوان طبقہ نے انہیں 1944ء میں پنجاب مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کیا۔ جب قائداعظم نے 1946ء میں ایکشن کمیٹی کی تشکیل دی تو میاں ممتاز دولتانہ بھی اس کمیٹی کے سات ارکان میں سے ایک تھے۔ مسلم لیگ کی تحریک میں آپ مرحوم لیاقت علی خاں کے دست راست تھے اور جب تک وہ زندہ رہے ممتاز دولتانہ کا ستارہ بڑے عروج پر رہا۔(۱۹)

نواب افتخار احمد ممدوٹ پنجاب کے پہلے وزیراعلیٰ چنے گئے تو سردار شوکت حیات اور میاں ممتاز دولتانہ ان کے اہم وزیر تھے۔ ممدوٹ دولتانہ کشمکش عروج پر تھی۔ قائداعظم کی کوششوں کے باوجود ان میں مصالحت نہ ہو سکی تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ اب دولتانہ صاحب مستعفی ہو کر ممدوٹ صاحب کی قیادت کے لئے چیلنج بننے والے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میاں ممتاز دولتانہ نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے ساتھ سردار شوکت کو بھی لے گئے۔ خان ممدوٹ کی کابینہ کی اصل طاقت اس کے پرائیویٹ شہر تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ نواب ممدوٹ کی شکایت اکثر قیادت سے کیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پنجاب کی ایڈمنسٹریشن ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کا تھوڑا بہت جو بھرم ہے وہ صرف اور صرف انگریز سرکار کے زمانے کی یادگار ہے جو زیادہ دیر پا نہیں۔ ممتاز دولتانہ کی رائے تھی کہ اگر ممدوٹ حکومت کا چلن اسی طرح رہا تو یہاں کا مزارع زمیندار کی گردن ناپے گا اور اسے زرعی اصلاحات کے ذریعے مطمئن نہ کیا تو پنجاب میں زوردار طبقاتی جنگ شروع ہو جائے گی۔

میاں ممتاز دولتانہ کا خیال تھا کہ اگر وہ ممدوٹ کابینہ سے مستعفی ہو گئے تو پنجاب میں ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گی اور پنجاب کے عوام کی طرف سے خان ممدوٹ سے زوردار مطالبہ ہوگا ''دولتانہ کا استعفیٰ واپس لو ورنہ تم بھی جاؤ'' سردار شوکت حیات اور میاں ممتاز دولتانہ نے مستعفی ہونے پر جو بیان دیتے تھے' لوگوں نے اسے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا اور جہاں تک اختیارات کا تعلق تھا' انہوں نے میاں ممتاز دولتانہ اور

شوکت حیات کے استعفوں کا نوٹس ہی نہ لیا۔عوام اوران کیساتھ خواص کی اس بے مہری سے دِل شکست ہوکر میاں ممتاز دولتانہ مری چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اچانک میاں ممتاز دولتانہ مری کی پہاڑیوں سے ایک بار پھر ممدوٹ وزارت کے خلاف سرگرم ہوگئے۔اس موقع پر صف اول کے ایک صحافی نے خان ممدوٹ اور ممتاز دولتانہ کے درمیان صلح کرانے کی کوشش بھی کی۔میاں ممتاز دولتانہ نے ان صحافی کو بلا بھیجا اوران سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں مفاہمت کی راہ پیدا کریں اور خود ہی ایک مسودہ تیار کریں۔جس میں اہم اس بات کا عہد ہو کہ ہم نے اپنے جزوی وفروعی اختلافات ختم کردیتے تھےاوراب خان ممدوٹ کی قیادت میں کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔

انہوں نے ممتاز صاحب کی خواہش کے مطابق مسودہ تیار کیا۔جب یہ مسودہ خان ممدوٹ کو بھیجا انہوں نے ایک دوست کو ممتاز دولتانہ کے پاس بھیجا کہ وہ واقعی اس مسودے پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہیں۔لیکن کچھ جواب نہ ملا اور بات آئیں بائیں شائیں ہوگئی۔

اِس دوران ممتاز دولتانہ نے ایک اور کراچی کا چکر کاٹا۔مئی میں میاں ممتاز دولتانہ سردار شوکت حیات کو وزیراعظم بنانے کا تہیہ کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔جب خان ممدوٹ کے متعلق یہ وہم یا خیال رفع ہوگیا کہ وہ اس کے ساتھی ممتاز دولتانہ کی ذہانت اور صداقت کے بغیر وزارت کا کاروبار نہیں چلا سکتے تو صلح کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہوا۔لیاقت علی خان نے خان ممدوٹ کو کراچی بلایا اور مشورہ دیا کہ دولتانہ صاحب کو دوبارہ شریک وزارت کرلو۔ممدوٹ صاحب نے آمادگی ظاہر کی لیکن اس روز حضرت ناظم الملک نے ممدوٹ کو مشورہ دیا کہ فیروز خان نون کو بھی شامل کرلو یہ نام سنتے ہی میاں ممتاز دولتانہ سیخ پا ہوگئے۔حد کمال یہ کہ کشمکش کے اس نقطہ عروج پر پنجاب اسمبلی کے ارکان کی اکثریت خان ممدوٹ کے ساتھ تھی۔بالآخر خان ممدوٹ کے خلاف 26 جنوری 1949ء کو عدم اعتماد کی قرارداد کا نوٹس دے دیا گیا۔جب جناب دولتانہ کو یقین ہوگیا کہ وہ ارکان اسمبلی کی اکثریت توڑنے سے قاصر ہیں جو ان کے ہمنوا بنتے ہیں۔ان میں ہر کوئی وزارت عظمٰی کا امیدوار ہے تو انہوں نے لیاقت علی خان کو ایک خط لکھا۔جس میں اسمبلی توڑنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔بجائے اس کے کہ 26 جنوری 1949 کو ارکان اسمبلی کی رائے کا حال معلوم ہوتا۔یکا یک 24 جنوری 1949ء کو گورنر جنرل نے پنجاب اسمبلی کی فاتحہ پڑھ دی۔

1951ء کے شروع میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو اس وقت تک میاں ممتاز دولتانہ پنجاب مسلم

لیگ سے ہر اس شخص کو نکلوا چکے تھے جو ان کے مقابلے میں کبھی آنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ ملک فیروز خان نون بنگال کے گورنر ہو کر جا چکے تھے۔ میاں افتخار الدین اور سردار شوکت حیات کو سیاسی پٹخنی دی۔ پہلے سردار شوکت حیات کو ساتھ لے کر مستعفی ہوئے کچھ دنوں بعد شوکت حیات سے الگ ہو گئے۔ خان ممدوٹ کو وزارت عظمٰی سے معزول کرایا تو شیخ کرامت علی سے گٹھ جوڑ کرلیا۔ پھر ان سے بھی کنارہ کش ہو گئے اس طرح انہوں نے میاں افتخار الدین کو بھی چت کردیا اور یوں پنجاب مسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ صدر بننے کے بعد نواب ممدوٹ سے جنگ چھیڑ دی۔ میاں صاحب خود تو وزیر اعلیٰ نہیں بن سکتے تھے کیونکہ ان دنوں مسلم لیگ نے عہدے داروں پر حکومتی عہدے لینے پر پابندی عائد کر رکھی تھی وہ خان ممدوٹ کے مقابلے میں فیروز خان نون کو آگے بڑھاتے رہے۔ بعد ازاں میاں عبدالباری کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔ نواب ممدوٹ دوستی کی سزا میں میاں عبدالباری کی صدارت کا دھڑن تختہ کردیا۔

ممتاز دولتانہ کی سیاسی زندگی کا سب سے زوردار دور افتخار ممدوٹ کی وزارت اعلیٰ کا زمانہ ہے۔ اس جنگ کا خمیازہ آج تک پنجاب کو بھگتنا پڑا ہے۔ اس دور میں ایم ایل اے کو یکا یک اپنی طاقت اور اہمیت کا احساس ہوا۔ وہ نواب ممدوٹ کو آنکھیں دکھانے لگے۔ صبح ایم ایل اے جتھہ بنا کے جاتے اور مطالبہ کرتے کہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ ہمارا مخالف ہے اس کا تبادلہ کردیا جائے ورنہ ہم آپ کے مخالف کیمپ میں جا رہے ہیں۔ تار کے ذریعے ٹرانسفر کا حکم جاری ہو جاتا۔ شام کو دوسرے چار پانچ ایم ایل اے ممدوٹ شاہ کو پکڑ لیتے کہ ٹرانسفر کا آرڈر واپس لیں ورنہ ہم مخالف دھڑے میں جا رہے ہیں اس پر چیف سیکرٹری عبدالحمید نے احتجاج کیا تو نواب صاحب کے دوستوں نے پٹی پڑھائی کہ چیف سیکرٹری دولتانہ سے ملا ہوا ہے۔ (۲۰)

پنجاب کے نظم و نسق کا معیار اور افسروں کا مورال اس سے پہلے بھی اس حد تک تباہ نہیں ہوا تھا کہ بیورو کریسی کرپٹ ہو چکی تھی۔ یا یوں کہیے سیاسی انتشار کی وجہ سے سیاست دان ان کے تعاون کے بغیر چل ہی نہیں سکتے تھے۔ مارچ 1949ء میں گورنر راج کے بعد پنجاب میں نئی سیاسی جنگ شروع ہو گئی۔ پنجاب میں گورنر راج کے بعد میاں ممتاز دولتانہ نے مصالحت کنندوں کی اپیل پر صوبائی لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تھا اور پیش کش کی کہ وہ کسی متفق علیہ غیر جانبدار شخص کو اس عہدے پر بٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ دونوں گروپوں کا اتفاق میاں

عبدالباری پر ہو گیا اور وہ اتفاق سے صوبائی لیگ کے صدر چن لئے گئے۔ ادھر گورنر موڈی نے دفعہ 92 الف کے تحت صوبائی نظم ونسق کا چارج سنبھالنے کے بعد سرکاری افسروں کو یہ ہدایات بھیج دی تھیں کہ اب وہ اپنے کام میں کسی پارٹی کے ممبروں اور کارکنوں کی سفارش قبول نہ کریں بلکہ اپنا کام بلا رورعائت کریں۔ افسروں نے گورنر کا اشارہ پا کر مسلم لیگی لیڈروں کی سفارش کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنا شروع کر دیا اور پچھلے زمانے کی طرح نوکریاں' مراعات' لائسنس اور روٹ پرمٹ وغیرہ اپنی ذاتی صوابدید کے مطابق تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ میاں عبدالباری نے صوبے کا دورہ کیا تو ہر جگہ اضلاع کے مسلم لیگی لیڈروں نے ان کی شکایت کی افسروں نے ہمارا اثر ورسوخ ختم کر دیا ہے اور یہ سب کچھ گورنر کے حکم سے ہو رہا ہے۔ وہ صوبے کی لیگ کے وقار کو تباہ کر رہے ہیں۔ میاں عبدالباری یہ سن کر گورنر کے خلاف جدوجہد کرنے لگے۔ گورنر نے نواب ممدوٹ کے خلاف پیروڈا کا مقدمہ قائم کرنے کا حکم دیا یہ سنکر میاں افتخار ممدوٹ بھی میاں عبدالباری کے ساتھ مل گئے۔ جب لیاقت علی خان واپس آئے تو مسلم لیگ کے صدر گورنر موڈی کی برطرفی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس مطالبے کے حق میں سول نافرمانی کی چلانے کی دھمکی بھی دی گئی۔ نواب افتخار ممدوٹ میاں عبدالباری کے قریب ہو گئے تھے۔ جب گورنر موڈی پریشان ہو گئے تو دولتانہ صاحب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میاں عبدالباری اب جانبدار نہیں رہے اور صوبے میں گورنر کے مشیروں کے اب مخالف دھڑے کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔

چنانچہ ممتاز دولتانہ نے مشیروں کے تقرر کے خلاف صوبائی لیگ کے اندر ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا۔ 24 جولائی 1950ء کو صوبائی لیگ کونسل کے ہنگامہ خیز اجلاس میں ایک مشیر کے خلاف قرار داد پاس ہوئی یہ قرار دد بالواسطہ میاں عبدالباری کے خلاف تھی۔ لہٰذا اگلے ہی دن میاں عبدالباری نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ یہ سب کچھ میاں ممتاز دولتانہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کر رہے تھے۔ 20 اگست 1950ء کے صوبائی لیگ کے اجلاس میں ان کے نامزد امیدوار صوفی عبدالحمید کو مسلم لیگ پنجاب کا صدر چن لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم لیگ پنجاب کے انتخابات میں عددی طور پر ان کی جیت ہو گئی لیکن انہیں اخلاقی فتح حاصل نہیں ہوئی۔ 1951ء کے الیکشن میں جھرلو کی اصلاح پہلی بار منظر عام پر آئی کہ 1951ء کی اسمبلی جھرلو کی پیداوار ہے۔

آخر کار دفعہ 92 الف کی حکومت ختم ہوگئی۔ میاں محمد ممتاز دولتانہ نے وزارت ترتیب دی اس طرح انہوں نے ایک نئے دور کا آغاز کیا جب انہوں نے اقتدار سنبھالا تو گزرے ہوئے 2 سالوں میں تلخیوں اور شکایتوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ان کا اقتدار عوامی اعتباری سے ایک میزان بن گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس ترازو میں کس فریق کا پلڑا عوامی خدمت کے اعتبار سے بھاری رہتا ہے اب پنجاب میں میاں ممتاز دولتانہ کا طوطی بولنے لگا۔ مرکز میں انکے مربی وزیراعظم لیاقت علی خان کا اقبال نصف النہار پر تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کی صدارت میاں ممتاز دولتانہ کی جیب میں تھی۔ ان کے نامزد وزراء کی ٹیم چوہدری محمد حسین چھٹہ' نوابزادہ محمد خان لغاری شیخ فضل الٰہی پراچہ' سردار عبدالحمید دستی اور سید علی شاہ گردیزی جیسے سیاست دانوں پر مشتمل تھی۔ انسپکٹر جنرل پولیس چچا قربان علی خان تھے اور (ڈی آئی جی) اور (سی آئی ڈی) یار خاص میاں انور علی تھے اور میاں محمد شفیع م ش زمینداروں' جاگیرداروں اور خطاب یافتگان کی مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ نے اس کامیابی کے بعد اپنے پسماندہ حلقہ انتخابات کی تحصیل وہاڑی میں جن خیالات کا اظہار کیا اس کے متعلق اخبارات نے اتنا ہی کہا تھا کہ دولتانہ صاحب وزارت کا پیالہ اٹھانے سے پہلے ہی بہک گئے تھے۔ یہ اقتدار کوئی مستقل شے نہیں یہ ایک آنی جانی شے ہے۔ پنجاب میں کیسے کیسے لوگ اقتدار کی گدی پر نہیں تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ نے وزارت کی گدی پر بیٹھ کر اپنے کمزور ناقدوں کا اس طرح کس بل نکالا کہ اس کا رزلٹ ان کے حق میں سوائے ناراضگی کے کچھ نہیں ہوا۔ یکا یک حالات میں ایک تزلزل برپا ہوا۔ قائد ملت لیاقت علی خان راولپنڈی میں شہید ہوئے۔ مرکز میں تبدیلیاں رونما ہوئیں خواجہ ناظم الدین مرحوم گورنر جنرل کی گدی پر براجمان ہوگئے۔ لیاقت علی خان کی موت کے بعد میاں ممتاز دولتانہ سیاست میں تنہا تنہا سے رہ گئے ان کی مسٹر عبدالقیوم سے دوستی نہ تھی جبکہ مسٹر عبدالقیوم کی خواجہ ناظم الدین سے گاڑھی چھنتی تھی۔ ممتاز دولتانہ کا عقبی محاذ جو کہ لیاقت علی خان کے دور میں مضبوط اور محفوظ سمجھا جاتا تھا یکا یک ایک کمزور ہوگیا۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر مجلس عمل نے راست اقدام کا الٹی میٹم دے دیا۔ پنجاب کے لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ میاں ممتاز دولتانہ نے اس ایجی ٹیشن سے پولیس کے ذریعے نمٹنے کی کوشش کی تا کہ خواجہ ناظم الدین کی چھٹی ہو جائے۔ یہ ہوسکتا تھا کہ ان کی جگہ دولتانہ صاحب وزیراعظم بن جاتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے احمدیوں کے خلاف تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ تحریک اپنی شدت اور قوت میں بلاخیز تھی اور پورے پنجاب میں ایسے حالات

پیدا کر دیئے گئے کہ مرکزی حکومت سخت پریشان ہوگئی۔ جسٹس منیر رپورٹ میں اس کی ذمہ داریاں دولتانہ صاحب پر بھی ڈال دی۔ مارشل لاء بظاہر لاہور میں نافذ ہوا۔ مگر اس نے پورے ملک کی سیاسی اور آئینی زندگی کو متاثر کیا اور یوں دولتانہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ میاں ممتاز دولتانہ پنجاب کے ایک ایسے سیاستدان ہیں جنہیں ناکام بنانے کے لئے بہت سے طاقتور گروہ اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان کے حامیوں کی تعداد ہمیشہ نمایاں رہی ہے ایوب دور میں انہیں سیاسی اعتبار سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہزاروں ایکڑ اراضی زرعی اصلاحات کی زد میں آ گئی۔

دوسری زد ایوب خان نے سیاسی نااہلی کے قانون ایبڈو کی صورت میں لگائی تو ممتاز دولتانہ نے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کا دفاع کرنے کی بجائے ہتھیار ڈال دیئے جب ان کی نااہلی کی مدت ختم ہونیوالی تھی تو انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کی جگہ میاں ممتاز دولتانہ کونسل مسلم لیگ کے صدر تھے۔

محترمہ فاطمہ جناح کے بعد انہوں نے کونسل مسلم لیگ کا صدر بن کر بڑے زور و شور سے تنظیم نو شروع کی۔ موجودہ تنظیم میں جو کچھ نکلتا تھا' اس میں سے بہتر سے بہتر لوگ تنظیمی ڈھانچے میں شامل کر لئے یہ حقیقت ہے کہ بار بار ایسے بحران سے بھی انہیں واسطہ پڑا جنہیں یہ حل نہ کر سکے۔ کراچی زونل مسلم لیگ کی قیادت کا مسئلہ' شہزادی عابد سلطانہ کی علیحدگی اور پھر شمولیت اور پھر علیحدگی کے پیچھے جو داستانیں گردش کرتی رہیں ان کا تعلق اعلیٰ قیادت کی کمزور حکمت عملی سے تھا۔ اس طرح کراچی سے غفار پاشا کی شمولیت کا مسئلہ کونسل مسلم لیگ کے بہت سے کارکن غفار پاشا کو کونسل مسلم لیگ میں شامل کرنے کے لئے تھے۔ وہ ممتاز دولتانہ کی گاڑی کے آگے لیٹ گئے تھے۔ پاشا کے گھر کو گھیر لیا تھا تاکہ دولتانہ صاحب اندر نہ جاسکیں لیکن غفار پاشا کو کونسل مسلم لیگ میں شامل کرلیا گیا تھا۔ اس دور کا دوسرا مسئلہ جی ایم سید کے سندھ متحدہ محاذ کیساتھ کونسل مسلم لیگ کے سیاسی الحاق کا تھا جس نے مسلم لیگیوں کو پریشان کر دیا تھا یہ معاہدہ جس طرح ہوا اسے موجودہ دور کا عجوبہ ہی قرار دیا جاسکتا تھا۔ جب اس معاہدے پر تنقید شروع ہوئی تو ممتاز دولتانہ نے وضاحتیں دینا شروع کردیں۔ معلوم ہوا معاہدے کو جتنا خطرناک سمجھا جارہا تھا یہ اس سے کئی گنا خطرناک تھا۔

اس کے بعد جب انتخابات کا زمانہ آیا تو کنونشن مسلم لیگ کو برا بھلا کہنے کے باوجود میاں ممتاز دولتانہ نے کنونشن مسلم لیگ کے لئے کونسل لیگ کے دروازے کھول دیئے انہوں نے اس کا جواب کارکنوں کو یوں دیا کہ کوئی

جمہوری سیاسی پارٹی اپنے دروازے کسی شخص پر بند نہیں کرسکتی۔اگر کوئی کنونشن مسلم لیگی ہے اور ہمارے ساتھ ملنا چاہتا ہے تو ہم اسے روک نہیں سکتے۔(۲۱)

میاں ممتاز دولتانہ نے کونسل مسلم لیگ کا صدر بننے کے بعد اشتراکیوں اور علاقائیت پرستوں پر کھلے اور جارحانہ حملے شروع کردیئے تھے۔1970ء میں مغربی پاکستان میں دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں سے اتحاد نہ کرنے پر پیپلز پارٹی کی فتح یقینی ہوئی۔کونسل مسلم لیگ کے مرکزی رہنما جی ایچ لدری نے کہا کہ 70 میں کونسل مسلم لیگ کو جس شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔اس کی ذمہ داری میاں ممتاز دولتانہ پر عائد ہوتی ہے۔

ریٹائرڈ ائیر مارشل نور خان کی کونسل مسلم لیگ میں شمولیت نے پارٹی کو فائدہ پہنچایا تھا۔اس کے بعد میاں صاحب نے خرابی صحت کے باعث مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا جب انہوں نے استعفیٰ دیا' اس وقت کونسل مسلم لیگ میں انتشار موجود تھا۔بعض ٹولیاں میاں ممتاز دولتانہ کے خلاف صف آراء تھیں۔کونسل مسلم لیگ کی قیادت تین حصوں میں بٹ چکی تھی۔مشرقی پاکستان کی قیادت کے خطوط کچھ اور تھے۔سردار شوکت حیات اور ائیر مارشل نور خان ایک قیادت بنتے جا رہے تھے۔اور تیسری قیادت دولتانہ صاحب کے ہاتھ میں تھی۔گول میز کانفرنس کے موقع پر دولتانہ اور سردار شوکت حیات ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔1970ء کے صدارتی انتخاب میں سردار شوکت حیات نے مرکزی صدارت کا انتخاب لڑنے کی بجائے پنجاب کی صدارت قبضہ کرلیا۔ان سے پہلے اس نشست پر میاں ممتاز دولتانہ کے دست راست محمد حسین چھٹہ فائز تھے۔کونسل مسلم لیگ کی تمام تر طاقت پنجاب میں تھی اور اس طرح سردار شوکت حیات نے پنجاب کی صدارت پر قبضہ کرلیا۔چند دنوں بعد میاں ممتاز دولتانہ نے اعلان کیا کہ وہ کونسل مسلم لیگ کا صدارتی انتخاب نہیں لڑیں گے۔سردار شوکت حیات کو معلوم تھا کہ ون یونٹ ٹوٹ جانے اور صوبائی خودمختاری کا اصول طے ہوجانے کے بعد مرکزی صدارت غیر موثر ہوجائے گی۔

ایک طرف یہ کشمکش جاری تھی' دوسری طرف کونسل مسلم لیگ میں ایسی شخصیتیں آ گئی تھیں جن کے آنے سے مخاطب کے وقار میں اضافہ ہوا تھا مگر غیر شعوری طور پر قیادت کی کشمکش اور تیز ہوگئی۔ڈاکٹر جاوید اقبال میاں ممتاز دولتانہ کے بڑے مداح تھے۔لیکن انہوں نے پنجاب کا دورہ سردار شوکت حیات کے ساتھ ہی کیا جس سے سردار شوکت حیات کی قوت میں اضافہ ہوگیا کہ مشرقی پاکستان میں خواجہ فیروز الدین اور ابوالقاسم خاصے تیز نکلے

اور وہاں یہ شعور اور پختہ ہوگیا کہ سیاسی جماعتوں کے سربراہ مشرقی پاکستان سے ہی ہونے چاہیے۔ مشرقی پاکستان کی مسلم کونسل لیگ اپنے آپ کو آزاد اور اہم سمجھنے لگی۔

جب میاں ممتاز دولتانہ نے استعفیٰ دیا تو عام انتخابات میں صرف تین ماہ رہ گئے تھے۔ انہوں نے 1967ء سے 1969ء کے آخری عشرے تک کونسل مسلم لیگ کو ایک امید دی تھی اور یہ ان کی قیادت ہی کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے جاگیردار کنونشن مسلم لیگ کو چھوڑ کر اس میں شامل ہو رہے تھے۔ پیپلز پارٹی نے ان انتخابات میں مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت حاصل کی۔ مسلم لیگ مغربی پاکستان کی دوسری جانب بڑی جماعت تھی۔ 1973ء میں انہیں انگلینڈ میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔ ان کی چھوڑی ہوئی نشست پر میاں ریاض احمد دولتانہ جوان کے کزن ہیں۔ 1973ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

1977ء میں انہیں دوبارہ پیپلز پارٹی کا ٹکٹ دیا گیا پیپلز پارٹی کی حکومت جب برسر اقتدار نہ رہی تو میاں ریاض احمد دولتانہ مجلس شوریٰ کے رکن نامزد ہوئے۔ 1985ء تک شوریٰ کے رکن رہے۔ غیر جماعتی انتخابات میں انہوں نے علاقے کے معروف زمیندار چوہدری محمد اسحاق تارڑ کو شکست دی۔ 1979ء کے بلدیاتی انتخابات میں ان کے کزن ریاض احمد دولتانہ اور بیٹے جاوید ممتاز دولتانہ نے والا کی طرح سیاست سے آگے نہ بڑھ سکے۔ میاں ممتاز دولتانہ کا بیٹا جاوید ممتاز سیاست میں نمایاں ہونے کی کوشش میں مصروف ہے ان کی کئی شادیاں ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی اولاد نہ ہوسکی۔ 1993ء کے سیاسی بحران میں دولتانہ خاندان کی ہمدردیاں میاں نواز شریف کے ساتھ تھیں۔ البتہ چوہدری الطاف حسین جو اس وقت گورنر پنجاب تھے۔ سیاسی بحران سے نمٹنے کے لئے میاں ممتاز دولتانہ سے مشورے لینے المستاز جایا کرتے تھے۔

چوہدری الطاف اور ممتاز دولتانہ کی رفاقت 1956ء سے پہلے کی تھی۔ جب چوہدری اویس پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ 1993ء کیا انتخابات میں تہمینہ دولتانہ اور جاوید ممتاز دولتانہ نے قومی اور صوبائی نشست سے کامیابی حاصل کی تھی۔

1994ء میں تہمینہ دولتانہ کے حوالے سے زاہد واہلہ کا سیکنڈل اچھالا گیا۔ زاہد واحلہ تہمینہ دولتانہ کے خاوند ہیں۔ جس کی محبت ان کی انتخابی مہم کے دوران پروان چڑھی تھی۔ جاوید ممتاز دولتانہ کے میاں منظور احمد وٹو

سے قریبی رابطے رہے ہیں۔ 1994ء میں ان کا نام اس حوالے سے نمایاں ہوتا رہا ہے کہ شاید وہ میاں منظور وٹو کی قیادت کو تسلیم کر کے مسلم لیگ (ج) میں شامل ہونیوالے ہیں۔ تہمینہ دولتانہ آج کل مسلم لیگ (ن) میں سرگرم ہیں۔ (۲۲)

بُچہ خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق ملک اسحاق بچہ صاحب، محمد علی بچہ صاحب، یہ ایک ہی پارٹی، پیپلز پارٹی سے منسلک رہے اور آج تک اسی پارٹی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہ خاندان بنیادی طور پر سماجی کارکن کے طور پر اثر ااور دیرہ داری کی وجہ سے ملکی سیاست پہ چھاتے رہے۔ ملک خدا بخش بچہ صدر ایوب کے دور میں ذراعت کے وزیر مملکت رہے۔ بینظیر بھٹو کے دور میں 1988ء میں وزیر اعظم کے مشیر برائے ذراعت رہے۔

کانجو خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق یہ خاندان بھی سیاسی وابستگیاں تبدیل کرتا رہا۔ صدیق خان کانجو، خورشید احمد صاحب اور صادق خان کانجو صاحب پیپلز پارٹی کے سرگرم رکن رہے اور اپنی اس وابستگی کی وجہ سے وہ سیاست میں کامیاب رہے بعد میں صدیق خان کانجو نواز شریف کی حکومت مسلم لیگ (ن) میں بطور خارجہ تعینات رہے۔ یہ خاندان بھی اپنی وابستگیاں بدلتے رہتے ہیں۔

نون خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق رانا ممتاز احمد خان نون، قاسم خان نون، تاج احمد نون، رانا سہیل نون نے الیکشن میں حصہ لیا اور یہ خاندان بھی پارٹیاں تبدیل کرتا رہا۔ راجپوتوں کا یہ خاندان بنیادی طور پر شجاع آباد سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ خاندان بھی ملکی سیاست میں پاکستان پیپلز پارٹی کے دور میں سیاست میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ اپنے قدم جما لیے۔

انصاری خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق نفیس احمد انصاری، بابو فیروز دین انصاری، محمد بوٹا انصاری، عباس علی انصاری، الیکشن میں کھڑے ہوئے اور یہ خاندان بھی پارٹیاں تبدیل کرتا رہا۔ یہ خاندان پہلے سماجی کارکن تھا اور بعد میں جب تعلیم حاصل کی گئی تو سیاست کے میدان میں کود پڑے۔

کھوسہ خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق سردار محمد شفیع الدین خان کھوسہ، سردار ذوالفقار احمد خان کھوسہ، سردار محمد احمد فاروق کھوسہ، سردار دوست محمد کھوسہ، یہ خاندان بھی وفاداریاں تبدیل کرتا رہا۔اس خاندان کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے ہے۔ یہ خاندان بھی بھٹو دور میں نمایاں طور پر سامنے آیا اور بعد میں وفاداری تبدیل کر کے مسلم لیگ نواز گروپ میں شامل ہوا۔اور پچھلے کئی سالوں سے نواز شریف کے حکومت کے ساتھ شامل ہے۔ انہوں نے بھی انگریزوں کے عہد میں انگریزوں کی خدمت کی جو سب پر عیاں ہے۔

ہراج خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق یہ خاندان بھی اپنی وابستگیاں تبدیل کرتا رہا ہے۔ حاجی محمد اقبال ہراج، سردار اللہ یار ہراج، رضا حیات ہراج، نے اس الیکشن میں حصہ لیا اور وفاداریاں تبدیل کرتے رہے۔ بنیادی طور پر انگریز سے وفاداری کے صلہ میں انہیں جاگیریں اور منصب عطا ہوئے۔ ملکی تاریخ میں سیاسی طور پر ان کا اثر رسوخ قابل ذکر ہے۔

مخدوم سجاد حسین قریشی:۔

دسمبر 1985ء سے دسمبر 1988ء تک گورنر پنجاب رہے۔صدر ضیاء الحق نے اپنے دور اقتدار میں مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا۔آپ سینٹ کے ڈپٹی چیئر مین بھی نامزد ہوئے اور آپ نے تین سال تک ڈپٹی چیئر مین کے دوران سرکاری خزانے سے کوئی تنخواہ نہیں لی اور آپ نے قناعت اور کفایت شعاری میں لازوال مثالیں قائم کیں آپ نے گورنر پنجاب کی حیثیت سے ملتان اور بہاولپور یونیورسٹیوں کی توسیع' پارکوں کی تعمیر' سڑکوں کی توسیع' پاکستان آرٹس کونسل کی عمارت کے لئے جگہ فراہم کی۔اس کے علاوہ ملتان میں حاجی کیمپ کے لیے زمین کی منظوری اور موجودہ ڈسٹرکٹ جیل میں تعمیرات کے لیے باقاعدہ منظوری دی۔ملک کی ساری سیاسی اور دینی جماعتیں آپ کے بے حد احترام کرتی تھیں۔چونکہ آپ نے اپنی عملی سیاست کا آغاز بلدیاتی انتخابات سے کیا تھا آپ میونسپل کارپوریشن کے میئر منتخب ہوئے اور دس سال تک اس عہدے پر فائز رہے آپ مسلسل چار مرتبہ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔آپ نے کئی بار پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے کئی ممالک کا دورہ کیا۔دو مرتبہ آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے سعودی عرب گئے اور شاہ فیصل اور شاہ خالد کے محل میں قیام فرمایا۔ آپ کے سعودی عرب کے فرماں رواؤں کے ساتھ ساتھ ملیشیاء کے تنکو عبدالرحمٰن' ایران کے شہنشاہ رضا شاہ پہلوی' ایران کے امیر عباس ہویدا' وزیر خارجہ علی اکبر ولائتی اور کئی ایشیائی ریاستوں کے حکمران شامل تھے۔آپ کے ذاتی مراسم جرنل محمد ایوب خان' فیروز خان نور' چوہدری محمد علی' ذوالفقار علی بھٹو' جنرل محمد ضیاء الحق' غلام الحق خان' محمد خان جونیجو اور سردار فاروق احمد خان لغاری اس کے علاوہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف آپ کی شخصیت سے متاثر تھے۔پاکستان کی تمام درگاہوں کے جانشین بزرگ' نامور علماء ومشائخ آپ کے قریبی تعلقات ومراسم تھے۔آپ کی زندگی شائستگی اور رواداری پر منحصر تھی۔سندھ میں آپ کے جانثار مرید آپ کے اشارے پر جان کی بازی لگانے کو ہر وقت تیار رہتے تھے آپ کے حلقہ ارادت میں پاکستان کی سرزمین ہی نہیں بلکہ بھارت کے کئی وسیع علاقے بھی شامل تھے۔

نواب صادق حسین قریشی:۔

سیاست دان' جاگیر دار 1927ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق ملتان کے مخدوم قریشی خاندان سے ہے۔

آپ کے والد نواب عاشق حسین قریشی یونینسٹ پارٹی کے سرکردہ لیڈر رہتے صوبائی وزیر بھی رہے۔ 1947ء میں لاہور کے فسادات میں وفات پائی۔ 1948ء میں ضلع کونسل ملتان کے رکن اور اگلے سال نائب منتخب ہوئے۔ 1962ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بھی چنے گئے۔ 1970ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب جیتا۔ 12 نومبر 1973ء تا مارچ 1975ء پنجاب کے گورنر رہے۔ جولائی 1975ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب مقرر ہوئے۔ مارچ 1977ء کے عام انتخابات میں پھر صوبائی اسمبلی کے رکن بنے۔ 11 اپریل 1977ء کو مارشل لاء کے نفاذ پر اس عہدے سے برطرف ہوئے۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی کے اس فیصلے کے باوجود کہ پارٹی کا کوئی رکن انتخاب میں حصہ نہیں لے گا انہوں نے ملتان سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا لیکن بری طرح ہار گئے۔

قریشی خاندان کی وابستگیوں کی سیاسی صورتحال:۔

1988-1997ء تک کے نتائج کے مطابق پیر ریاض قریشی صاحب، شاہ محمود قریشی صاحب، مرید حسین صاحب، شجاعت حسین قریشی صاحب الیکشن میں کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ پارٹیاں تبدیل کرتے رہے۔ یہ قریشی خاندان ہر دور میں دخیل کار رہا ہے۔

قریشی (مہاجر) خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق سعید احمد قریشی، حسان حسین قریشی نے الیکشن میں حصہ لیا۔قریشیوں کا یہ کا ندان ہجرت کر کے پاکستان آیا، سماجی خدمت کا مزہ ایسا پڑا کہ رفتہ رفتہ ملک کی سیاست میں قدم جمالئے حالانکہ یہ بات عیاں ہے کہ اس خاندان کا سیاسی پس منظر نہ ہونے کے برابر ہے۔

مخدوم حامد رضا گیلانی:۔

رکن سینٹ 17 اگست 1936ء کو ملتان کی ایک معزز گیلانی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ جس کے افراد نے تحریک پاکستان میں گرم جوشی سے حصہ لیا تھا اور جن کی خدمات اپنے علاقے میں نمایاں ہیں ابتدائی تعلیم سینٹ میری کنوینٹ سکول ملتان اور ایچی سن کالج لاہور سے حاصل کی۔ بی اے (آنرز) کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کی۔ بیرسٹری کا امتحان لنکنز ان لندن سے پاس کیا۔ بین الاقوامی قانون کا ڈپلومہ ہیگ سے اور بین الاقوامی تعلقات کا ڈپلومہ اقوام متحدہ سیکٹریٹ سے حاصل کیا۔ مخدوم صاحب کا سیاسی کیریئر خاصا طویل ہے۔ 1962ء، 1965ء، 1977 اور 1985ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1962ء میں امور خارجہ کے پارلیمانی سیکرٹری اور 1965ء میں امور داخلہ کے پارلیمانی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ 1977ء میں وفاقی وزیر صنعت مامور ہوئے۔ 1972ء تا 1976ء شرقی افریقہ KANYA میں پاکستان کے سفیر رہے۔ 1963ء تا 1988ء کے عرصے میں گاہے بہ گاہے اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی اور منتخب بین الاقوامی اداروں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ پاکستان مسلم لیگ کے رکن رہے اور اس کی مرکزی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے۔ 1991ء میں چھ سال کے لیے سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ جب آپ برطانیہ میں زیر تعلیم تھے اور کانگو کا مسئلہ آیا تو آپ اس دوران اقوام متحدہ کے سیکٹر گریٹ میں بھی کام کرتے رہے۔

یوسف رضا گیلانی:۔

سیاست دان: ملتان کے سیاسی گیلانی خاندانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ علمدار حسین گیلانی کے فرزند ہیں۔ یوسف رضا ملکی سیاست کے افق پر اس وقت نمایاں ہوئے جب انہوں نے 1983ء، 1987ء میں ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کی چیئرمین شپ کا انتخاب جیتا۔ ان کے مدمقابل فخر امام تھے جو ان دنوں وفاقی وزیر بلدیات بھی تھے۔ سید فخر امام نے یہ انتخاب ہارنے کے بعد وفاقی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ 1982ء سے 1985ء تک مجلس شوریٰ کے ممبر بنے۔ 1985ء میں یوسف رضا گیلانی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور محمد خان جونیجو کی کابینہ میں ہاؤسنگ اور فزیکل پلاننگ اور پھر ریلوے کا محکمہ سونپا گیا۔ 1985ء میں آپ ہاؤسنگ اور فزیکل پلاننگ اور پھر 1986ء میں ریلوے کے وفاقی وزیر بنے۔ 1988-89 تک ٹوریزم Tourism کے وفاقی وزیر رہے۔

1988ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ملتان کے حلقے سے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کو ہرا کر دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور بے نظیر حکومت میں دوبارہ ریلوے کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو کر قومی اسمبلی کے اسپیکر کے منصب پر فائز ہوئے اور نومبر 1996ء میں صدر فاروق لغاری کی جانب سے بے نظیر حکومت کی معزولی تک اس منصب پر رہے۔ 2001ء تا 2003ء تک جیل میں رہے۔ پاکستان PP کے مرکزی وائس چیئرمین ہیں دوسری بار 2005ء میں مشرف حکومت نے انہیں گرفتار کیا ان پر الزام تھا کہ انہوں نے 339 لوگوں کو روزگار فراہم کیا ان کے تعینات کردہ افسران اور ملازمین آج بھی وزارت داخلہ، وزارت دفاع، وزارت ریلوے، ٹیلی کمیونیکشن میں نہ صرف ملازم ہیں بلکہ کئی وزراء کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی ہیں۔ ان میں سے 110 افراد کو گریڈ 16-21 تک ترقی دی گئی۔ 86 افراد کو گریڈ 17 میں بھرتی کیا گیا۔ اس طرح گریڈ 18 اور 15 گریڈ سے 16 گریڈ تک۔ 166 افراد کو بھرتی کیا گیا۔ یوسف رضا کی اسیری کے دوران ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی جاری ہے اور ان پر ملازمت سے فارغ ہونے کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ آپ حال ہی میں کئی سال اسیر رہنے کے بعد رہائی حاصل کر کے PP کے پلیٹ فارم سے پارٹی کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یوسف رضا گیلانی نے سپیکر کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے مسلم لیگ (ن) کے قید ارکان کو اسمبلی میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کئے بے نظیر بھٹو یوسف رضا سے ناراض ہو گئی تھی۔ یوسف رضا گیلانی نے اپنی اسیری کے بارے میں کہا کہ میری قید غیر آئینی ہے۔ حکومتی اور اپوزیشن ارکان نے بھی اسی طرح کا بیان دیا ہے۔ یوسف رضا گیلانی صاحب کا موقف ہے کہ چونکہ مجھ پر Pressure ڈالا گیا کہ میں PP چھوڑ کر حکومت کے ساتھ شامل ہو جاؤں جب میں نے ایسا نہ کیا تو مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ ورنہ میں وفاقی وزیر ہوتا۔ ان کے وکلا کے مطابق لوگوں کو نوکریاں دینے کے معاملہ میں صرف گیلانی صاحب کو پھنسایا گیا ہے۔ اگر نہ منظور وٹو، انور سیف اللہ، وسیم سجاد، ریاض بھی اس قانون کی زد میں آ سکتے تھے۔ چونکہ یہ سزا نیب نے دی تھی اس کے ساتھ آصف رضا زرداری کو بھی نیب نے سزا دی تھی۔ یوسف رضا گیلانی کے ساتھ پیش ہونے کا حکم دیا گیا۔ آصف زرداری نے برملا کہا کہ یہ سزا PP نے چھوڑنے پر گیلانی صاحب کو پھنسایا گیا۔ 2007ء میں یوسف رضا گیلانی صاحب زد

میں آ چکے ہیں۔جاوید ہاشمی صاحب آج تک حکومت کی اسیری میں ہیں جو آج تک رہا نہیں ہو سکے۔

Biography:-

سوانح عمری: جناب یوسف رضا گیلانی نے ابتدائی تعلیم سینٹ میری سکول ملتان سے حاصل کی۔میٹرک لا سال ملتان سے پاس کیا۔F.Sc ولائت حسین اسلامیہ کالج ملتان سے پاس کی۔M.A صحافت گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔L.L.B پنجاب سے پاس کی۔بین الاقوامی طور پر آپ دنیا کی Inter Parliment Association کے ممبر ہیں۔آپ اپنے عہدے کے دوران آسٹریلیا' نیوگنی' سنگاپور' ملائیشیاء' مالدیپ' جاپان' منیلا' چین' تھائی لینڈ' نیپال' سری لنکا' بنگلہ دیش' انڈیا' Guly اور مڈل ایسٹ میں حکومت کے وفد کی حیثیت سے ان ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔امریکہ' یوسن' جنوبی افریقہ' نائیجریا بھی Visit کر چکے ہیں۔

مخدوم تنویر الحسن گیلانی:۔

آپ اکتوبر 1948ء میں پیدا ہوئے۔والد کا نام مخدوم سید شوکت حسین گیلانی ابتدائی تعلیم کانونیٹ سکول ملتان سے پاس کی۔میٹرک صادق پبلک سکول بہاول پور سے پاس کیا۔F.A گورنمنٹ ولائت حسین اسلامیہ کالج سے پاس کیا۔ B.A ولائت حسین کالج ملتان سے پاس کیا۔L.L.B پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پاس کیا اور ملتان میں لاء کی پریکٹس شروع کی۔آپ نے اپنی سیاست کا آغاز بلدیاتی سیاست سے کیا۔1979ء میں میونسپل کمیٹی کے ممبر بنے۔1990ء میں قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔1993ء کی میر بلخ شیر مزاری کی نگران حکومت میں وفاقی وزیر برائے پارلیمانی امور اور نوجوانان رہے۔

اسد مرتضٰی گیلانی:۔

2002ء کے الیکشن میں گیلانی خاندان کے مرتضٰی گیلانی MNA بنے آپ نے الیکشن PP کے پلیٹ فارم سے جیتا۔بعد میں آپ PP Patrate میں شامل ہو گئے۔آج کل آپ وزیر اعظم کے وفاقی پارلیمانی سیکرٹری کے عہدہ پر فائز ہیں۔حال ہی میں مرتضٰی گیلانی ق لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔

گیلانی خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

الیکشن 1988-1997ء کے نتائج کے مطابق سید یوسف رضا گیلانی صاحب، تنویر الحسن گیلانی صاحب، احمد مجتبیٰ گیلانی صاحب، سید غلام یزدانی گیلانی صاحب الیکشن میں کھڑے ہوئے اور سیاسی وفاداریں تبدیل کرتے رہے۔

گردیزی خاندان کے حسین جہانیاں گردیزی:۔

آج کل اس خاندان کے روح روا ہیں۔آپ ایم ایس سی آنرز ایگریکلچر لسٹ ہیں یونین کونسل اور ضلع کونسل خانیوال کے ممبر رہے ہیں۔ان کے آباواجداد صوبائی اور قومی اسمبلی کے کئی عہدوں پر فائز رہے۔آپ نے بھی حکومت پاکستان کی طرف سے بین الاقوامی کانفرنسوں میں بحثیت Agriculturist نمائندگی کی ہے۔

گردیزی خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن نتائج کے مطابق ولایت حسین گردیزی صاحب خورشید عباس گردیزی صاحب سید حسنین جہانیاں گردیزی صاحب نے الیکشن میں حصہ لیا اور اپنی وفاداریاں بھی تبدیل کیں۔گردیزی خاندان کے فیوض اور برکات کے قصے تو تذکروں میں موجود ہیں۔دیکھنا یہ ہے کہ ملکی سلامتی اور ملکی مفاد میں ان کا کیا سیاسی کردار ہے۔

سردار شوکت حسین مزاری:۔

سردار شوکت حسین مزاری صوبائی وزیر ہیں۔ دو مرتبہ جنرل اسمبلی میں بحیثیت Delegation نمائندگی کی 1988 میں Basir سوئیٹزرلینڈ میں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی۔ آپ نے کئی بار U.K میں حکوم پاکستان میں نمائندگی کی۔ اسی طرح جرمنی، فرانس، بلجیم، امریکہ، کینیڈا، سنگاپور، تھائی لینڈ، ترکی اور سعودی عرب میں حکومت کے پلیٹ فارم سے نمائندگی کی۔ 2002ء میں MPA کا الیکشن جیت کر راجن پور سے ڈپٹی سپیکر کے عہدہ پر کام کرتے رہے۔ آپ کا شمار بہترین Agriculturist میں ہوتا ہے۔ آپ Black Burn یونیورسٹی U.K میں بحیثیت طالب علم صدر پاکستان ایسوسی ایشن بھی رہے ہیں۔

مزاری خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن نتائج کے مطابق سردار میر بلخ شیر مزاری صاحب، سردار محمد عاشق مزاری صاحب، سردار شوکت خان مزاری صاحب نے بھی وفاداریاں تبدیل کیں۔ یہ خاندان مالی اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔ پاکستانی سیاست چند مال دار خاندانوں کے گرد گھومتی ہے۔ مزاری خاندان بھی ان میں سے ایک ہے۔

فاروق احمد خان لغاری:۔

پاکستان کے نویں صدر مملکت سردار فاروق احمد خان لغاری 2 مئی 1940 ءمیں وزیرستان کے علاقے ٹانک میں پیدا ہوئے۔آکسفورڈ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔1964 ءمیں پاکستان کی سول سروس میں شامل ہوئے۔ترقی کرکے جوائنٹ سیکرٹری کے Home Department عہدہ تک پہنچے وزیراعظم ذوالفقارعلی بھٹو کے کہنے پر بھٹوتحریک میں شامل ہوئے۔1973 ءمیں PP میں شامل ہوئے۔اسی سال سینٹ کے رکن منتخب ہوئے اور کچھ عرصہ وفاقی وزیر بھی رہے۔آپ PP میں پنجاب کے فنانس سیکرٹری بھی رہے۔ آپ PP کے جنرل سیکرٹری بھی رہے ہیں اورضیاء کی مارشل لاء کے دوران کئی مرتبہ گرفتار ہوئے۔1980 ءمیں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور محترمہ بےنظیر بھٹو کی کابینہ میں پانی اور بجلی کے وزیر رہے۔ 1990 ءکے انتخابات میں بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1993 ءمیں جب نواز شریف کی حکومت کو برطرف کیا تو فاروق لغاری میر بلخ شیر مزاری کی نگران حکومت میں وزیرخزانہ مامور ہوئے۔14 نومبر 1993 ءکوصدر مملکت منتخب ہوئے۔6 نومبر 1996 ءکوانہوں نے اپنی پارٹی ہی کی وزیراعظم بےنظیر بھٹو اور ان کے شوہر آصف زرداری کی بدعنوان حکومت کو برطرف کردیا۔ملک معراج خالد 5 نومبر 1996 ءکونگران وزیراعظم بنے اور صدر فاروق لغاری نے 90 دن کے اندر اندر انتخابات کرائے جس کے نتیجے میں نواز شریف دوسری بار وزیراعظم منتخب ہوئے۔آپ کے وزیراعظم نواز شریف سے سپریم کورٹ کے ججوں کی تقرری کے مسئلہ پر اختلافات شروع ہوئے جو بعدازاں سنگین صورت حال اختیار کرگئی یہاں تک کے وفاقی کابینہ نے اجلاس میں صدر کے مواخذے کا فیصلہ کیا گیا۔سپریم کورٹ کے جج صاحبان باہمی اختلافات طے نہ کرسکے۔فاروق لغاری جسٹس سجاد علی شاہ کو آئینی اور قانونی لحاظ سے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس خیال کرتے تھےاوراسی اصول کی استواری میں 2 دسمبر 1997 ءکو صدارت کے عہدہ کے منصب سے مستعفی ہوگئے۔2002ءکے انتخابات میں ایم این اے کا الیکشن لڑا اور دوبارہ MNA بن گئے۔ان کے بیٹے اویس لغاری MNA اوروفاقی وزیر برائے ٹیلی کمیونیکیشن ہیں۔

لغاری خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن نتائج کے مطابق سردار فارعق احمد خان لغاری صاحب، سردار جعفر خان لغاری صاحب، سردار اویس خان لغاری صاحب نے الیکشن میں حصہ لیا اور وابستگیاں تبدیل کیں۔لغاری خاندان اپنے قبیلے کے تمندار ہین اور انگریز سے وفاداری کے عوض انہیں بے شمار مالی مفادات حاصل ہوئے۔دیکھنا یہ ہے کہ اس خطہ عرض سے مالی مفادات حاصل کرنے کے بعد ان کا ملکی سیاست میں کیا کردار ہے۔

سید فخر امام:۔

جناب فخر امام سپیکر نیشنل اسمبلی اور وفاقی وزیر رہے۔ آپ امریکہ کی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا یونیورسٹی امریکہ سے MA فارغ التحصیل ہیں اور کئی مرتبہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں حکومت پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ آپ اپنے علاقے کے جاگیردار ہیں۔ ان کے بھائی سید فیصل امام بھی امریکہ سے تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ سید فخر امام نے 1968ء میں سول سروس میں شمولیت اختیار کی۔ 1969-1970ء سے آپ کے فنڈ سروس اکیڈمی میں کورس پاس کیا۔ 74-1970ء تک آپ ہرکولیس کیمیکل فرٹیلائزر کارپوریشن میں سروس کی اور 1979ء میں سیاست کے میدان میں داخل ہوئے۔ (۲۳)

سید خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے مطابق یہ خاندان بھی وفاداریاں تبدیل کرتا رہا ہے۔ سید فخر امام صاحب، سیدہ عابدہ حسین صاحبہ، سیدہ صغریٰ امام صاحبہ، سید فیصل صالح حیات سادات گھرانہ روحانی فیوض و برکات کے حوالے سے ویسے بھی پاکیزگی اور برکت کا حامل ہے ان کا نام ہی ان کے ووٹ کیلئے کافی ہے۔ اس خاندان سے لوگوں کا ایک قلبی تعلق ہے۔ اس خاندان کی صورتحال دوسرے خاندانوں سے مختلف ہے۔

غلام مصطفیٰ کھر:۔

سیاست دان کھر مغربی ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد محمد یار کھر اپنے علاقے کے زمیندار تھے۔ ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم پائی اور سینئر کیمرج کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ 1962ء میں سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا اور نئے آئین کے تحت قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور مواصلات کی مجلس قائمہ کے رکن نامزد ہوئے۔ 1965ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مظفر گڑھ سے دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1964ء میں پاکستانی وفد کے ہمراہ چین گئے۔ 1967ء میں پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے۔ 1970ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر مظفر گڑھ سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 23 دسمبر 1971ء تا 18 نومبر 1973ء اور پھر 14 مارچ 1975 تا 31 جولائی 1975 گورنر پنجاب اور اگست 1973ء تا مارچ 1974ء پنجاب کے وزیر اعلیٰ رہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نفاذ پر لندن پہنچ گئے اور صدر ضیاء الحق کے خلاف محاذ آرائی کے لیے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور ان کے خلاف پاکستان میں مسلح بغاوت کروانے کی منصوبہ بندی بھی کی مگر یہ راز فاش ہوگیا۔ 11 اکتوبر 1977ء کو بہاول پور کی مارشل لاء کی عدالت نے انہیں پانچ سال قید کی سزا سنائی۔ 1986ء میں واپس وطن پہنچے تو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کی وفات کے بعد رہائی ملی۔ 1988ء کے عام انتخابات میں مصطفیٰ کھر نے دو حلقوں سے کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی ایک خالی کردہ نشست اپنے دیرینہ دوست غلام مصطفیٰ جتوئی کو پیش کردی۔ 6 اگست 1990ء کو جب جتوئی صاحب نگران کابینہ میں بطور وزیر داخلہ شامل تھے۔ 1990ء کے اور 1993ء کے عام انتخابات میں بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1993ء میں بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں بجلی اور پانی کے وزیر کی حیثیت میں شریک ہوئے۔ فروری 1997ء کے عام انتخابات میں کامیاب نہ ہوسکے۔

کھر خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن نتائج کے مطابق ملک غلام مصطفیٰ کھر صاحب، ملک ربانی کھر صاحب، حنا ربانی کھر صاحبہ، عبدالرحمٰن کھر صاحب، غلام مرتضیٰ کھر صاحب، بھی اپنی سیاسی وابستگیاں بھی تبدیل کرتے رہے ہیں۔اس خاندان کا عروج غلام مصطفیٰ کھر کے گورنری کے دور سے ہوا۔آپ پنجاب کے گورنر 1972ء میں رہے اور بعد میں وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔کھر خاندان نے اس دور میں اپنے آپ کو بہت نمایاں کیا۔اب کھر خاندان کا ہر فرد ملکی سیاست میں قدم جمائے ہوئے ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے دور میں اپنے علاقے میں کیا ترقی کی؟

نواب قاسم خان خاکوانی:۔

قاسم خاکوانی نے صدر ایوب کے دور حکومت میں دوبارہ 1962ء اور 1965ء کی مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی سے الیکشن لڑا اور ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔ آپ نے 1965ء کی مغربی پاکستان کی اسمبلی میں بل پیش کیا۔ یہ بل ملتان میں یونیورسٹی کے قیام کے لیے پیش کیا گیا تھا جو بالآخر 1975ء میں ملتان یونیورسٹی کی شکل میں مکمل ہوا۔ 1979ء کے ملتان کے بلدیاتی انتخابات میں بطور میئر ملتان فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1983ء کے بلدیاتی انتخابات میں ایک مرتبہ پھر ملتان کے میئر بنے اور ملتان کی ترقی کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ 1970ء کے الیکشن میں مسلم لیگ قیوم گروپ کے صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر ملک مختار اعوان کے مدمقابل الیکشن ہار گئے۔ 1991ء کے بلدیاتی انتخابات میں آپ کونسلر بنے میئر کا الیکشن لڑا اور شوکت ڈوگر سے یہ الیکشن ہار گئے۔

حافظ اقبال خان خاکوانی:۔

اقبال خاکوانی 1991ء میں بلدیاتی الیکشن لڑا اور کونسلر بن گئے اور اپوزیشن میں بیٹھنا پسند کیا۔ 1993ء میں آپ نے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور صوبائی الیکشن جیت گئے۔ بے نظیر اور منظور وٹو کی صوبائی اسمبلی میں اپوزیشن کے طور پر بیٹھنے پر اکتفا کیا۔ 1997ء کے الیکشن میں دوبارہ ایم پی اے بنے اور نواز شریف کی حکومت میں صوبائی وزیر صحت وخوراک بنے اور اکتوبر 1999ء تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے اس طرح ان کے ایک چچازاد بھائی 2002ء کے الیکشن میں وہاڑی کی قومی اسمبلی کی سیٹ پر اسحٰق خان خاکوانی کا مقابلہ تہمینہ دولتانہ سے ہوا اور تہمینہ دولتانہ الیکشن ہار گئیں۔ آج کل اسحٰق خان خاکوانی وفاقی وزیر ہیں۔

خاکوانی خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن کے نتائج کے مطابق اسحاق خان خاکوانی صاحب، احسن خان خاکوانی، حافظ اقبال خان خاکوانی، شہزاد خان خاکوانی، M.K خاکوانی، محمد خان خاکوانی نے الیکشن میں حصہ لیا اور وفاداریاں تبدیل ہوتی رہیں۔ اس خاندان کی دوعملی پالیسی کی وجہ سے انگریز کے عہد میں بھی مراعات حاصل کیں اور آج بھی اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے ملکی مفاد کو پیش پیش ڈال کر اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

خواتین کا کردار

سیدہ بیگم عابدہ حسین:۔

سیاست دان، سماجی کارکن۔1946ء میں شاہ جیونہ جھنگ میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد کرنل سید عابد حسین پنجاب کے سابق وزیر اور بااثر سیاسی شخصیت تھے۔وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں۔ان کی والدہ میر مراتب علی کی دختر ہیں۔عابدہ حسین نے ابتدائی تعلیم لاہور کے کانونٹ سکول میں حاصل کی۔اس کے بعد مزید تعلیم سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں حاصل کی۔حصول تعلیم کے بعد اپنے علاقے کی سماجی وسیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔غریب خواتین کی بہبود کے لیے شاہ جیونہ میں ''عابدہ ویلفیئر سوسائٹی'' قائم کی۔جھنگ شہر میں ''عابدہ میمونہ ہسپتال'' کی بنیاد ڈالی۔1969ء میں اپنے خالہ زاد فخر امام کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔1970ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔مارچ 1977ء میں پیپلز پارٹی سے علیحدگی اختیار کرکے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہوئیں مگر 1979ء میں اس جماعت سے بھی الگ ہوگئیں۔

1979ء کے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لیا اور ڈسٹرکٹ کونسل جھنگ کی صدر منتخب ہوئیں۔1980ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں پاکستان وفد کے رکن کی حیثیت سے شرکت کی۔1983ء میں دوسری مرتبہ ضلع کونسل جھنگ کی صدر منتخب ہوئیں۔1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں قومی اسمبلی میں پہنچیں تو ''انڈی پنڈٹ پارلیمانی گروپ''(آئی پی پی) تشکیل دیا جو وزیراعظم محمد خان جونیجو سے اختلاف رکھتا تھا۔نومبر 1988ء کے انتخابات میں اپنے مضبوط حریف مولانا حق نواز جھنگوی کو شکست دے کر قومی اسمبلی کی رکن بنیں اور وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو اعتماد دینے کے باوجود حزب اختلاف میں بیٹھیں۔اگست 1990ء کے بعد نگران وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی کی کابینہ میں وزیر اطلاعات ونشریات مامور ہوئیں۔اکتوبر 1990ء کے انتخابات میں عابدہ حسین نے اپنے بھتیجے فیصل صالح حیات سے ہار گئیں۔تاہم محمد نواز شریف کے پہلے عہد میں انہیں امریکا میں پاکستان کا سفیر بنایا گیا۔18 اپریل 1993ء کو صدر غلام اسحاق خان نے نواز شریف کی حکومت برطرف کی تو انہوں نے اس اقدام سے پہلے ہی سفارت سے استعفیٰ دے دیا۔فروری 1997ء کے انتخابات میں ایک مرتبہ پھر

قومی اسمبلی کی کارکن منتخب ہوئیں اور فی الوقت میاں نواز شریف کی کابینہ میں وزیر بہبود آبادی تھیں۔سیدہ کو مویشیوں کی افزائش سے اپنے والد کی طرح ''گہرا لگاؤ'' ہے۔ جھنگ میں اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی افزائش کے لیے ایک ''سٹڈ فارم'' قائم ہے۔آپ پاکستان لائیو سٹاک بریڈرز ایسوسی ایشن کی سربراہ بھی ہیں۔

صغریٰ امام:۔

آپ نے Harward یونیورسٹی سے گریجویشن کی ہے۔U.S.A میں ہی Foreign Policy تھنک ٹینک میں کام کیا۔اس طرح The council of Foreign Relation نیو یارک میں کام کیا۔ UNDP میں Consultant کی حیثیت سے کام کیا' ضلع کونسل جھنگ کی چیئر پرسن 1998 سے 1999ء تک رہیں۔ Provincial Assembly پنجاب کے جنرل الیکشن میں M.P.A بنی۔2003ء میں آپ صوبائی وزیر سوشل ویلفیئر رہیں بعد میں آپ نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

محترمہ تہمینہ دولتانہ:۔

مسلم لیگ نواز گروپ سے 1986ء سے ممبر ہیں۔آپ وفاقی وزیر بہبود آبادی رہی ہیں۔اپنے علاقے وہاڑی میں NGO چلا رہی ہیں اور خواتین کی طرف سے حکومت کی اپوزیشن میں شامل ہیں آپ سوشل ورکر ہیں اور خواتین کی بہبود کے لیے بہت سے کام کر چکی ہیں۔

دولتانہ خاندان کی سیاسی وابستگی کی صورتحال:۔

1988-1997ء کے الیکشن نتائج کے مطابق محترمہ تہمینہ دولتانہ صاحبہ، میاں محمد زاہد دولتانہ صاحب، جاوید ممتاز دولتانہ صاحب نے الیکشن میں حصہ لیا۔اور ان کی پارٹی وابستگی بھی تبدیل رہی۔دولتانہ خاندان عرصہ دراز سے ملکی سیاست میں شریک کار ہے۔اور ہر دور میں سیاسی اعتبار سے مفادات حاصل کرتے رہے ہیں۔اور اس خاندان کے افراد کافی عرصہ تک اقتدار میں شامل رہے ہیں۔

حنا ربانی:۔

کھر خاندان کی حنا ربانی کو آج کل آ کنا مک اقتصادی امور کی وزیر مملکت سنٹر فارسٹیٹ ہیں اور کھر خاندان کی حکومت میں نمائندگی کر رہی ہیں۔سوشل ورکر ہیں اور خواتین کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہیں۔

میمونہ ہاشمی:۔

میمونہ ہاشمی قومی اسمبلی کی ممبر ہیں آپ کا تعلق مسلم لیگ ن سے ہے آج کل اپنے والد جاوید ہاشمی کی اسیری کی وجہ سے بہت زیادہ Active ہیں اور اپوزیشن میں بیٹھ کر اپنے والد کے مشن کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ میمونہ کالج برائے خواتین ملتان میں کافی عرصہ سے چلا رہی ہیں خواتین کی فلاح کے لیے (ن) کا کردار نمایاں ہے۔

سمیرا ملک:۔

کالا باغ سے سمیرا ملک منسٹر فارسٹیٹ ہیں برائے ترقی نسواں وامور نوجواناں اس طرح عائلہ ملک اور سمیرا ملک بھی خواتین کی سیٹ پر قومی اسمبلی میں فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔آپ کا تعلق ق لیگ سے ہے۔

سرائیکی علاقے کی محرومیوں کا ذکر اکثر وبیشتر اخبارات اور رسالوں میں ہوتا رہتا ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ سرائیکی علاقے کے سیاستدانوں کو کئی بار اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کا موقع ملا ہے۔لیکن افسوس کے انہوں نے اپنے علاقے کی ترقی وخوشحالی کے لیے کچھ نہ کیا اور اپنے علاقے کو سدھار نہ سکے۔(۲۴)

جنوبی پنجاب کی انتخابی پوزیشن دلچسپ مقابلوں کے لبریز نظر آ رہی ہے تینوں بڑی پارٹیوں نواز لیگ، ق لیگ اور پیپلز پارٹی کے امیدوار صف آرا ہیں۔ جو پارٹیاں اور اُمیدوار انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں وہ ووٹروں کی دہلیز پر جھولی پھیلائے ہوئے ہیں۔ان میں بیشتر قد آور سیاست دان بھی ہیں۔ سابق صدر فاروق احمد خان لغاری، سابق سپیکر قومی اسمبلی یوسف رضا گیلانی، سید فخر امام سابق وفاقی وزیر شاہ محمود قریشی بہت سے وزراء، وفاقی وصوبائی اسمبلیوں کے اُمیدوار اپنی قسمت کے فیصلے کے منتظر ہیں۔جنوبی پنجاب کی پسماندگی اور خطے سے ابھرنے والی لیڈر شپ کا جائزہ لیا جائے تو اس علاقے کے بڑے قد آور سیاست دان پیدا کئے ہیں جنہوں نے قومی سیاست

میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔قومی نوعیت کے اہم فیصلے کرنے میں بااختیار رہے ہین اور یہ بھی ہوا ہے کہ وہ اپنے ہی وسیب کے عوام کونظر انداز کرتے رہے ہیں۔ماضی کی طرح اس بار بھی۔مخدوم، گیلانی، لغاری، کھوسے، دولتانے، سید، کانجو اور کھر اسمبلیوں تک رسائی حاصل کرنے میں یقیناً کامیاب رہیں گے۔لیکن کیا وہ ذاتی مفادات کو پس پشت ڈال کر پسماندگی کی چکی میں پھنسے عوام کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی لانے کی تگ ودو کریں گے؟ یہ سوال قیام پاکستان سے اب تک سیاستدانوں کو اپنے عمل سے دینا ہوگا۔ 2008ء کے الیکشن میں جنوبی پنجاب میں کوئی بھی پارٹی کلین سویپ کی پوزیشن میں نہیں۔تینوں پارٹیوں میں یہ نشستیں تقسیم ہونگی۔

سیاسی بالا دستی قائم رکھنے میں جنوبی پنجاب کے بااثر گھرانے 2008ء کی انتخابی مہم میں پھر شامل ہو گئے ہیں ان خاندانوں کے کئی افراد بیک وقت قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات نشستیں جیتنے کے لئے الیکشن لڑ رہے ہیں۔ان میں پنجاب اور سندھ کے پرانے سیاسی خاندان کے افراد کی تعداد نمایاں ہے۔ان میں سابق صدر، وزراءاعظم، گورنر، وزیراعلیٰ، وفاقی وصوبائی وزیر بن کر قومی اور صوبائی سطح پر اپنی سیاسی بالا دستی کالوہا منواتے رہے ہیں۔ان میں لغاری، مزاری، قریشی، گیلانی، مخدوم، چوہدری، کھر، دولتانے، دستی، سید اور سیاسی خاندانوں کے کئی سرکردہ افراد قومی اور صوبائی سیاست پر چھائے رہے ہیں۔(۲۵)

جنوبی پنجاب کی قومی سیاست میں خانوادوں کا کردار:۔

روزنامہ جنگ 2002ء الیکشن سروے کے مطابق ضلع ملتان سیاسی لحاظ سے پنجاب میں اہم مقام رکھتا ہے۔ملتان میں کئی نئی حلقہ بندیاں ہوئی ہیں۔ضلع ملتان میں قومی کی 6 اور صوبائی کی 12 نشستیں ہیں۔ملتان کے قومی حلقہ این اے 148 سے پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے مخدوم شاہ محمود قریشی اور مسلم لیگ ن کے جاوید ہاشمی' نیشنل الائنس کے مخدوم سید غلام یزدانی گیلانی اور تحریک انصاف کے سردار محمد اکرم سندھو کے درمیان مقابلہ ہوا شاہ محمود قریشی 2002ء کے قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔اسی طرح ضلع ملتان کے حلقہ پی پی 194 سے 9 امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔جن میں سرائیکی پارٹی کے قاضی یعقوب ایاز صدیقی' مسلم لیگ ن کے چوہدری عارف محمود بوٹا' متحدہ مجلس عمل کے چوہدری عدنان الدین اور پیپلز پارٹی کے معین الدین ریاض قریشی' مسلم لیگ ق کے شاہد محمود خان' تحریک انصاف کے ڈاکٹر کوثر نصیر نے انتخاب میں حصہ لیا اور معین الدین ریاض قریشی نے کامیابی

حاصل کی۔ حلقہ این اے 150 پر 10 امیدواروں میں مقابلہ ہوا۔ جن میں مسلم لیگ ق کے تنویر الحسن گیلانی اور پیپلز پارٹی کے ملک مختار اعوان اور نظام مصطفےٰ پارٹی کے حامد سعید کاظمی، تحریک انصاف کے بشیر احمد سیال، متحدہ مجلس عمل کے یعقوب مسعود رضوی، نیشنل الائنس کے عباس علی انصاری، مسلم لیگ ن کے رانا محمود الحسن شامل ہے۔ رانا محمود الحسن نے کامیابی حاصل کی۔ حلقہ این اے 151 کی نشست پر پیپلز پارٹی کے احمد مجتبیٰ گیلانی، مسلم لیگ ق کے سکندر حیات بوسن، تحریک انصاف کے لطیف انصر لجپال، متحدہ مجلس عمل کے انیس احمد، ایم کیو ایم کے ذیشان محمود رندھاواہ اور مسلم لیگ ن کے مولوی سلطان عالم انصاری، آزاد امیدوار محمد ابراہیم نے انتخاب لڑا جس میں سکندر حیات بوسن اس حلقہ سے کامیاب ہوئے۔ حلقہ پی پی 200 سے پیپلز پارٹی پارلمنٹیرین کے احمد حسین ڈہیڑ، مسلم لیگ ق کے سکندر حیات بوسن، مسلم لیگ ن کے محبوب عالم خان، پیپلز پارٹی کے ملک ارشد راں شامل تھے۔ احمد حسین ڈہیڑ اس انتخاب میں کامیاب ہوئے۔

ضلع خانیوال کا محور بھی مخصوص خاندان ہیں اور وہی خاندان ہر انتخاب میں حصہ لیتے ہیں۔ این اے 156 اس حلقہ کی سیاست 2 بڑے خاندانوں کے گرد گھومتی ہے۔ ایک سید اور دوسرا ہراج خاندان۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں فخر امام جیتے۔ 1988ء کے انتخابات میں مہر محمد اقبال ہراج نے کامیابی حاصل کی۔ 1990ء میں فخر امام دوبارہ کامیاب ہوئے۔ 1993ء میں بازی پھر مہر محمد اقبال ہراج کے ہاتھ آئی۔ 1997ء میں فخر امام ایک بار پھر منتخب ہوئے۔ 2002ء کے الیکشن میں حلقہ این اے 156 سے سید فخر امام مسلم لیگ ق کے راؤ فرمان علی مسلم لیگ ن، بیرسٹر رضا حیات ہراج (پی پی پی پی)، آزاد امیدوار مہر محمد افضل نے حصہ لیا اور پی پی پی پی کے بیرسٹر رضا حیات ہراج کامیاب ہوئے۔

جھنگ حلقہ این اے 88 میں بیگم سیدہ عابدہ حسین مسلم ق سے اور مخدوم سید فیصل صالح حیات کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں سید فیصل صالح حیات پیپلز پارٹی (پی پی پی پی) کامیاب ہوئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگرچہ دونوں قریبی رشتہ دار ہیں مگر سیاست میں راستے جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ پرانے سیاسی حریف ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان زوردار مقابلہ ہوتا ہے۔ بیگم سید عابدہ حسین وفاقی وزیر اور امریکہ میں پاکستان کی سفیر رہ چکی ہیں۔ پی پی 76 سے سابقہ ایم این اے مخدوم زادہ سید اسد حیات کا مقابلہ صغریٰ امام کے ساتھ ہوا۔ اسد

حیات کا تعلق پی پی پی سے تھا اور جبکہ سیدہ صغریٰ امام مسلم لیگ ق کے پلیٹ فارم سے لڑی۔ اسد حیات اس پلیٹ فارم سے جیت گئے۔ 2008ء کے الیکشن میں جنگ سروے کے مطابق خطے کے مرکز میں ملتان میں قومی اسمبلی کے 6 حلقے ہیں ویسے تو پارٹیاں بدلنے والوں کی لمبی فہرست ہے۔لیکن قومی اسمبلی کے انتخاب میں پارٹی ٹکٹ بدلنے والے 7 امیدوار ہیں۔ یہ ایسے امیدوار ہیں جو 2002ء میں کسی اور پارٹی کے ٹکٹ پر امیدوار تھے اور 2008ء کے لئے انہوں نے کسی اور پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرلیا ہے۔ملتان میں قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 148 میں ق لیگ کے امیدوار رائے منصب علی ہیں جنہوں نے 2002ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔ وہ صوبائی اسمبلی کے حلقہ 203 سے رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہوئے۔ ق لیگ کی حکومت بنی تو انہوں نے پیٹریاٹ کے ذریعے چوہدری برادران سے رابطے قائم کئے اور پھر کچھ عرصہ بعد باقاعدہ طور پر ق لیگ میں ہی شامل ہوگئے۔ان پر پارٹی بدلنے سے اسمبلی رکنیت ختم ہونے کے قانون کا اطلاق بھی نہیں ہوا۔اس بار وہ ق لیگ کے امیدوار ہیں۔قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 149 میں اس بار ق لیگ کے ٹکٹ ہولڈر شیخ طاہر رشید ہیں ۔2002ء کے انتخاب مین وہ نواز لیگ میں تھے۔ ق لیگ کی حکومت میں پارٹی بدلنے والوں میں وہ بھی شامل ہوئے اوراس بار ق لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 152 کی انتہائی دلچسپ صورتحال ہے۔اس حلقہ سے تینوں بڑی پارٹیوں کے امیدواروں نے اپنی پوزیشن تبدیل کی ہے۔ سابقہ انتخاب 2002ء میں نواز لیگ کے ٹکٹ ہولڈر ہیں۔ 2002ء میں ق لیگ کے ٹکٹ ہولڈر نوری لیاقت علی اس بار پیپلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔2002ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ ہولڈر سید اسد مرتضیٰ گیلانی اس بار نواز لیگ کے ٹکٹ ہولڈر ہیں۔تینوں میں سے کوئی امیدوار کسی دوسرے پر لوٹا بننے کا الزام نہیں لگا سکتا کیونکہ تینوں ہی اس عمل سے گزر چکے ہیں۔2002ء کے انتخاب میں اس حلقہ سے سید اسد مرتضیٰ گیلانی نے کامیابی حاصل کی تھی۔اس وقت یہ ان کا پہلا انتخاب تھا۔سید یوسف رضا گیلانی جیل میں تھے انہوں نے اپنے بھانجے کو پارٹی ٹکٹ دلایا۔منتخب ہونے کے بعد اسد مرتضیٰ گیلانی یہ کہتے ہوئے پیٹریاٹ میں چلے گئے کہ انہوں نے اپنے ماموں کو جیل سے رہائی دلانا ہے جس پر سید یوسف رضا گیلانی نے سخت ردعمل ظاہر کیا۔اس حلقہ سے 2002ء میں سید دیوان جعفر بخاری نے نواز لیگ کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کی۔ ق لیگ حکومت سازی کرنے لگی

تو ایک ایک ووٹ کی ضرورت پڑی تو دیوان جعفر بخاری نے اپنی خدمات پیش کیں اور ق لیگ کے وزیراعظم کے امیدوار میر ظفر اللہ جمالی کو ووٹ دیا۔ 5 سال ق لیگ میں رہے۔ حالیہ انتخابی گہما گہمی شروع ہوئی تو ق لیگ کی ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے پارٹی کو درخواست دی۔ ق لیگ نے ان کی جگہ ان کے بھائی دیوان عاشق بخاری کو ٹکٹ دے دی جس پر دیوان جعفر حسین بخاری نے دوبارہ نواز لیگ سے رابطہ کیا۔ اس حلقہ میں نواز لیگ کے اکرم امیدوار تھے جو نواز لیگ کو چھوڑ کر آزاد گروپ کی جانب سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑ رہے ہیں۔ نواز لیگ نے امیدوار نہ ہونے پر ایک بار پھر دیوان جعفر حسین بخاری پر بھروسہ کرنے کا فیصلہ کیا اور انہیں ٹکٹ دے دیا ہے۔ ضلع لودھراں کی تحصیل دنیا پور سے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 155 میں 2002ء میں ق لیگ کے اختر کانجو نے کامیابی حاصل کی۔ وہ حکومت کے ساتھ رہے۔ لیکن آخری سال ناراضگی کے باعث ق لیگ سے الگ ہو گئے اور نواز لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ اس بار انہیں نواز لیگ نے ٹکٹ دیا ہے۔ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 156 کبیر والہ میں بھی دلچسپ صورتحال ہے۔ پیپلز پارٹی اور ق لیگ کے امیدوار پارٹی بدلنے والوں کی فہرست مین شامل ہیں۔ سید فخر امام (سابق سپیکر قومی اسمبلی) نے 2002ء میں ق لیگ کے ٹکٹ پر حصہ لیا۔ اس وقت رضا حیات ہراج پیپلز پارٹی کے امیدوار تھے۔ دونوں نے ہی اپنی پارٹیاں بدل لی ہیں۔ رضا حیات ہراج پیٹریاٹ میں شامل ہوئے اور بعد ازاں قاف لیگ کا حصہ بن گئے۔ انتخاب میں ناکامی کے بعد سید فخر امام نے ق لیگ کو خیر باد کہہ دیا اور لندن میں بے نظیر بھٹو سے متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ اور ان کی اہلیہ بیگم عابدہ حسین پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اس بار انہوں نے پیپلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کیا ہے جبکہ 2002ء کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کرنے والے رضا حیات ہراج ق لیگ کے امیدوار ہیں۔ میاں چنوں سے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 158 سے پیر اسلم بودلہ اس بار ق لیگ کے ٹکٹ ہولڈر ہیں وہ بھی پانچ سالوں میں پیٹریاٹ کے راستے ق لیگ میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ پیر اسلم بودلہ نے 2002ء میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا۔ کامیابی کے بعد پیٹریاٹ کی راہ اختیار کی۔ 5 سال اقتدار کو انجوائے کرتے رہے ہیں اس بار انہیں ق لیگ نے ٹکٹ دیا ہے۔ سردار فاروق خان لغاری ضلع ڈیرہ غازی خان قومی اسمبلی کے کے حلقہ این اے 172 سے حصہ لے رہے ہیں۔ 2002ء کے انتخاب میں انہوں نے

اپنی ملت پارٹی ختم کر کے نیشنل الائنس بنایا اور اسی الائنس کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لیا۔انہوں نے کامیابی حاصل کی اور بعد ازاں ق لیگ کی حکومت کے اتحادی بن گئے۔ان کے فرزند کو وفاقی وزارت بھی دی گئی۔ لیگ کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو صدر پرویز مشرف کے کہنے پر انہوں نے ملت پارٹی کو ق لیگ میں ضم کر دیا۔ اس بار وہ ق لیگ کے انتخابی نشان پر امیدوار ہیں۔این اے 173 پر ڈیرہ غازی خان میں بھی یہی صورتحال ہے۔ سردار فاروق خان لغاری کے فرزند سابق وفاقی وزیر سردار اویس لغاری اس بار ق لیگ کے ٹکٹ پر امیدوار ہیں۔ حالانکہ 2002ء میں انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ نیشنل الائنس کے ٹکٹ پر حصہ لیا تھا۔ جام پور قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 174 سے جعفر خان لغاری اس بار ق لیگ کے ٹکٹ پر امیدوار ہیں۔ 2002ء کے انتخاب میں انہوں نے ملت پارٹی کا ٹکٹ حاصل کیا تھا۔ ضلع مظفر گڑھ سے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 177 سے حنا ربانی کھر 2008ء کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر امیدوار ہیں۔ 2002ء میں انہوں نے ق لیگ کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کی تھی۔وہ مسلم لیگ کی حکومت سازی کے بعد وزارت خزانہ میں خاصا اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ وزیر اعظم شوکت عزیز کے گروپ میں شمار کی جاتی تھیں۔حالیہ انتخاب کے اعلان پر شوکت عزیز کو گرین سگنل نہ ملا تو ان کے ساتھ ان کے گروپ کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔حنا ربانی کھر کو ق لیگ کا ٹکٹ نہیں ملا تو انہوں نے پیپلز پارٹی کی قیادت سے رابطہ کیا۔پیپلز پارٹی نے انہیں مضبوط امیدوار شمار کرتے ہوئے پارٹی ٹکٹ دے دیا۔لیہ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 182 سے نیاز جھکڑ نے 2002ء کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر حصہ لیا۔وہ انتخاب کے بعد کچھ عرصہ پارٹی میں رہے۔ بعد ازاں ق لیگ میں شامل ہو گئے ہیں اور اس بار وہ ق لیگ کے امیدوار ہیں۔ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 183 سے مخدوم سید علی حسن گیلانی نے 2002ء میں ق لیگ کے ٹکٹ پر حصہ لیا اور کامیاب رہے۔ بعد ازاں پارٹی میں اختلافات پر پارٹی چھوڑ دی اور انتخاب سے چند ماہ قبل مخدوم جاوید ہاشمی اور اسمبلی سے مستعفی ہونے کی تحریر لکھ دی۔ اس موقع پر انہوں نے نواز لیگ میں شمولیت اعلان بھی کیا۔ مسلم لیگ (ن) نے انہیں پارٹی ٹکٹ دے دیا ہے۔

ڈیرہ غازی خان کا اعزاز:۔

(1) ڈیرہ غازی خان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سے تعلق رکھنے والی تین شخصیات ملک کے تین اہم

ترین منصب پر فائز ہوئیں۔ سابق صدر پاکستان سردار فاروق خان لغاری کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے ہے جب کہ ن لیگ کے دور حکومت میں گورنر پنجاب رہنے والے سردار ذوالفقار محمد کھوسہ بھی اسی شہر سے تعلق رکھتے ہیں اور اب ان کے صاحبزادے سردار دوست محمد کھوسہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ پنجاب کے نئے وزیر اعلیٰ تھے۔ کھوسہ فیملی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ باپ' بیٹا پنجاب کے اہم ترین منصب پر فائز ہوئے۔ یعنی دوست محمد کھوسہ وزیر اعلیٰ بنے جب کہ ان کے والد سردار ذوالفقار خان کھوسہ پنجاب کے گورنر رہ چکے ہیں۔

سردار ذوالفقار علی خان کھوسہ کے تین صاحبزادے ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے سردار حسام الدین خان کھوسہ ہیں جب کہ دوسرے بیٹے سردار سیف الدین خان کھوسہ ضلع کونسل ڈیرہ غازی خان کے چیئر مین رہ چکے ہیں اور سردار دوست محمد خان کھوسہ کے بڑے بھائی سردار سیف الدین خان کھوسہ حالیہ قومی الیکشن میں سابق صدر سردار فاروق احمد خان لغاری کے صاحبزادے سابق وفاقی وزیر سردار اویس احمد خان لغاری کو شکست دے کر رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے ہیں۔

سابق وزیر اعلیٰ پنجاب سردار دوست محمد خان کھوسہ کے والد محترم سردار ذوالفقار علی خان کھوسہ کا شمار ڈیرہ غازی خان کے سینئر ترین سیاستدانوں میں ہوتا ہے اور مسلسل 8 مرتبہ رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہونے کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہے جب کہ یہ امر انتہائی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی سیاست کا آغاز 1962ء سے کیا اور 1997ء تک وہ نا قابل تسخیر رہے۔

سردار ذوالفقار علی خان کھوسہ نے جوان ہونے کے بعد باقاعدہ عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ وہ 1962ء میں رکن صوبائی اسمبلی 1972ء اور 1977ء میں پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔ تاہم 1977ء میں بھٹو حکومت کے خلاف تحریک شروع ہونے کے بعد وہ رکن قومی اسمبلی میر بلخ شیر مزاری اور صوبائی اسمبلی نصر اللہ خان دریشک کے ہمراہ احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں بھی رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔ 1988ء میں نواز شریف کی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر الیکشن لڑا اور خزانہ و تعلیم کی وزارتوں کے قلمدان سنبھالے۔ 1990ء اور 1993ء کے انتخابات میں بھی رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوتے رہے۔ 1997ء کے انتخابات کے بعد سینئر وزیر کی حیثیت سے پنجاب حکومت میں خدمات ادا کرتے رہے۔

1999ء میں گورنر پنجاب منتخب ہوئے تاہم حلف برادری کی تقریب کے موقع پر صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی طرف سے حکومت کے خاتمہ کے اعلان کے ساتھ ہی پابند سلاسل ہونا پڑا۔ 1999ء سے 2008ء تک نواز شریف کا بھرپور ساتھ دیا اور مسلم لیگ ن کے صوبائی صدر کی حیثیت سے جماعت کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے بڑے صاحبزادے سردار سیف الدین خان کھوسہ 1991ء اور 1997ء میں ضلع کونسل ڈیرہ غازی خان کے چیئرمین رہے۔ 1991ء میں ان کے خلاف کرپشن کے الزامات کے تحت انٹی کرپشن پولیس نے کئی مقدمات درج کئے۔ تاہم سماعت کے بعد یہ مقدمات خارج ہو گئے۔

ذوالفقار علی خان کھوسہ کے دوسرے صاحبزادے حسام خان کھوسہ نے سیاست کی بجائے زمینداری کی طرف توجہ مرکوز کئے رکھی۔ ذوالفقار علی خان کھوسہ کے چچازاد بھائی سردار امجد فاروق خان کھوسہ 1983ء میں ممبر ضلع کونسل منتخب ہوئے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں رکن صوبائی اسمبلی 1988ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ایم پی اے منتخب ہوئے۔ 1990ء اور 1997ء میں رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے جب کہ 2008ء کے عام انتخابات میں ایم پی اے منتخب ہوئے۔ دوسرے چچزاد بھائی سردار محسن عطا خان کھوسہ 1990ء 93 اور 97ء کے انتخابات میں رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوتے رہے۔ سردار ذوالفقار علی خان کھوسہ نے 1970ء میں اپنے چچا عطا محمد خان کھوسہ کے مستعفی ہونے پر ضمنی انتخابات میں بھی حصہ لیا اور رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے تھے۔ ان کے ایک کزن سردار صلاح الدین خان کھوسہ 1988ء میں پیپلز ورکس پروگرام کے ایڈمنسٹر منتخب ہوئے جب کہ ایک چچازاد بھائی سردار عاصم زبیر کھوسہ 2001ء میں لغاری گروپ کے معاونت سے تحصیل ناظم منتخب ہو کر پانچ سال تک اپنے چچازاد کی بھرپور مخالفت جاری رکھی۔ (۲۶)

جنوبی پنجاب کے مسائل:۔

جنوبی پنجاب ایک پسماندہ اور دیہی آبادی پر مشتمل قطعہ اراضی ہے۔ زیادہ تر لوگوں کا انحصار زراعت پر ہے۔ یہاں کے کاشت کاروں کو نہری پانی کی کمی اور شہریوں کو پینے کے صاف پانی کا مسئلہ عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ جب کہ تعلیم اور صحت دو ایسے سیکٹر ہیں جنہیں عرصہ دراز سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ تقریباً 56 سال قبل 1952ء میں ملتان کے چار لاکھ کے لگ بھگ آبادی کے علاج معالجہ کے لئے نشتر ہسپتال قائم کیا گیا تھا لیکن وقت گزرنے

کے ساتھ ساتھ اس پر مریضوں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا اور اب یہ نہ صرف جنوبی پنجاب کے تین سابق سول ڈویژن بہاول پور' ڈیرہ غازی خان' ملتان بلکہ ڈیرہ اسماعیل خان' بھکر اور بلوچستان کے متعدد اضلاع کے لئے واحد آپشن ہے۔ جنوبی پنجاب کے تمام ڈسٹرکٹ اور تحصیل ہیڈ کوارٹرز کے ہسپتالوں کی فوری اپ گریڈیشن اور کنسلٹنٹس کی تعیناتی بھی انتہائی توجہ طلب مسئلہ ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں میڈیکل کالج کے قیام کا مطالبہ انتہائی دیرینہ ہے۔ کپاس اور گندم کی پیداوار میں اس خطے کا کوئی ثانی نہیں لیکن کسانوں کو بجلی' کھاد' پانی اور بیج سمیت کسی بھی ان پٹ کے لئے آج تک کوئی ریلیف اور سبسڈی نہیں دی گئی۔ زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والی ٹیوب ویلوں پر فلیٹ ریٹ کا اطلاق اہم ترین مطالبہ ہے۔ چولستان میں اراضی کی الاٹمنٹ مقامی افراد کا حق ہے۔ اپنے انتخاب کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب کو اس معاملہ پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ شاہرات' پل ملکی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب کہ جنوبی پنجاب کے بیشتر سڑکیں اور پل انتہائی خستہ حالی کا شکار ہیں۔ ڈیرہ' ملتان قومی شاہراہ نہ صرف اس ریجن بلکہ بلوچستان کی مارکیٹ کے لئے ایک انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے دورویہ کرنے کا مطالبہ سالہا سال پرانا ہے۔ لیکن ماضی میں اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز شخصیات نے بوجوہ اس کو نظر انداز کیا۔ (۲۷)

☆ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲۰

نتائج

ملتان کے ان روایتی سیاسی خانوادوں کا جیسا ماضی میں سیاسی کردار رہا ہے وہی روش زمانہ حال میں بھی موجود ہے البتہ زمانہ مستقبل میں اس میں تبدیلی کے امکانات نظر آتے ہیں گو کہ دنیا میں تبدیلیاں آ رہی ہیں جن میں سیاسی، سماجی، ثقافتی اور جغرافیائی تبدیلیاں شامل ہیں ان تبدیلیوں کا سیاست، سماج اور ثقافت پر گہرا اثر پڑتا ہے ملتان کے سیاسی خانوادے اپنے آپ کو ان تبدیلیوں کے مطابق اپنے مخصوص انداز میں ڈھال لیتے ہیں۔ موجودہ حکومت نے اسمبلیوں (قومی، صوبائی) کے ممبران کے لیے B.A تک تعلیم لازمی قرار دی ہے اس سے صرف یہ فرق پڑا ہے کہ خاندان کے بزرگ انتخابات میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے حصہ نہ لے سکے لیکن انہیں کے خاندان کے کئی نوجوان افراد سیاست میں آ گئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی میدان پھر بھی انہیں کے ہاتھ رہا۔ جنوبی پنجاب کے چند سیاسی خاندانوں کا نسبی تعلق صوفیائے عظام سے جا ملتا ہے۔ ان خاندانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی اپنی خانقاہوں کے گدی نشین بھی ہیں اور اسمبلیوں کے ممبر بھی ان کا ووٹ بینک ان کے مریدین ہیں اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور یہ لوگ سیاست میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی سیاسی خاندان سیاست میں جوڑ توڑ کے ماہر بھی مانے جاتے ہیں اور ملکی سطح پر ہونے والی سیاسی تبدیلیوں میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرتے ہیں بظاہر ان خاندانوں کے سیاسی اثر ورسوخ میں کمی ہوتی نظر نہیں آ رہی ان میں جھنگ کے مخدوم صاحبزادہ نور سلطان باہو، سیدہ عابدہ حسین، فیصل صالح حیات، قتال پور (خانیوال) کے سید خاندان۔ ملتان کے گیلانی، قریشی اور گردیزی شامل ہیں۔ ان خاندانوں کے مریدین اپنی ذاتی مسائل کے سلسلہ میں ان کے پاس آتے ہیں یہ ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ عوام الناس کو لاہور، اسلام آباد لے جاتے ہیں اور ان صوبائی اور وفاقی سیکٹریٹ میں ان کے مختلف مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ یہ سجادہ نشین، مخادیم اپنے حلقہ کے عوام کے مسائل کو حل کرانے کے لیے دن رات کوشاں بھی رہتے ہیں۔ ان کی زندگی میں فرصت کے لمحات کم ہیں عوام اور حکومت کے درمیان پل کا کام کرتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے مریدین کو ملازمتیں بھی دلواتے ہیں اور ان کے علاقے کی سڑکوں، فون، گیس اس قسم کے درپیش مسائل کو ممکن حد تک حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے اس مشینی دور میں حکومت جہاں ملک کو صنعتی لحاظ سے مالا مال کر رہی ہے وہاں حکومت چاہتی ہے کہ جاگیردار طبقہ بھی اپنی زرعی

زمینوں سے حاصل کردہ آمدنی کوصنعتوں کے قیام کے لیے استعمال میں لائیں تاکہ علاقہ کے لوگوں کو ملازمتیں بھی ملیں اور علاقے کی خوشحالی بھی ممکن ہے۔ یہ ساری صورتحال ملتان کے سیاسی کلچر میں جمہوری تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ جنوبی پنجاب کے ان خاندانوں نے بدلتے حالات کے پیش نظر اپنی سیاسی پالیسی بھی تبدیل کرلی ہے اس لیے وہ ہر نئے آنے والے سیاسی نظام کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرسکتے ہیں ملکی وغیر ملکی اداروں سے تعلیم یافتہ ان خاندانوں کے نوجوان بین الاقوامی طور پر مقبول ہیں اور مختلف اوقات میں مختلف بین الاقوامی ملک کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ محمود قریشی نے اپنی سیاست کا آغاز بلدیاتی سیاست سے کیا۔ 1987ء میں امریکہ کے کسانوں کے وفد فارمز ڈیلیگیشن Forms Delegation کے ممبر رہے 1992 میں سیلز برگ سیمینار میں حصہ لیا 1996ء میں جنوبی ایشیاء کی کانفرنس برائے ماحول وتوانائی (انڈیا) میں شمولیت اختیار کی اس طرح اسی سال کیلیفورنیا امریکہ میں گول میز ایشین لیڈر کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ 1988ء میں برسلز (بیلجیم) میں منعقد ہونے والی جنوبی ایشیاء/یورپی یونین تعاون کانفرنس میں شمولیت اختیار کی۔ 1998ء میں یو ایس آئی ایس سیمینار ڈی سی میں فارن پالیسی نکھار کی کانفرنس میں حصہ لیا۔ نومبر 2000 میں پاکستان انڈیا مکالمہ کی بازیابی میں حصہ لیا۔ 2001ء میں بلوسا گروپ کانفرنس ''داری شیپنگ آف یورپین سیکورٹی ریلیشن 1980-2000ء کا نفیڈریشن اینڈ سیکورٹی بلڈنگ میٹر اینڈ کنوشنل آرمز کنٹرول جو U.K میں منعقد ہوئی اس میں شرکت کی۔ 1988,1985ء اور 1990ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی ٹکٹ پر ممبر صوبائی اسمبلی منتخب رہے اور پنجاب کے وزیر خزانہ اور منصوبہ بندی' ترقیات کے صوبائی وزیر رہے۔ 1993ء میں PP کی ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور بنائے گئے۔ وزیراعظم کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملک کی نمائندگی کی۔ 1997ء میں پیپلز پارٹی میں سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر بنادیئے گئے۔ 1998ء میں درگاہ حضرت بہاءالدین زکریا کے سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ 2001ء میں ڈسٹرکٹ ناظم ملتان منتخب ہوئے۔ 2002ء کے الیکشن میں MNA بنے اور PP کی طرف سے وزیراعظم کے لئے انتخاب لڑا مگر ناکام رہے۔ حال ہی میں وہ پنجاب پیپلز پارٹی کے صدر چنے گئے ہیں۔ آپ چیئرمین کسان ایسوسی ایشن پاکستان رہے۔ ممبر آف سینٹ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی بنے۔ اس طرح جناب یوسف رضا گیلانی صاحب

جناب بلخ شیر مزاری صاحب، جناب فاروق احمد خان لغاری صاحب یہ بھی بین الاقوامی فورم پر اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ملتان کے سیاسی خانوادوں کی سیاسی وابستگی کی صورتحال کا تقابلی جائزہ اور وفاداریاں تبدیل کرنے کی دلچسپ صورتحال یہ ہے۔ الیکشن نتائج 1988,1990,1993 کے مطابق ملتان کے معروف خاندان بار بار اپنی وفاداریں تبدیل کرتے رہے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آئین کی چودھویں ترمیم کے مطابق ☆ سیاسی وفاداریاں تبدیل نہیں کی جاسکتیں۔ جبکہ عملی طور پر صورتحال بالکل مختلف ہے۔ خاندانوں کے اپنے مفادات ہیں اور انہی مفادات کے حوالے سے ان کی سیاسی وابستگیاں بھی ہیں۔ الیکشن رپورٹ ہر خاندان کے صفحہ کے ساتھ لف ہے۔

محقق نے سیاسی وفاداریوں کو تبدیل کرنے کی وجوہات معلوم کیں یہ پتہ چلا کہ پاکستان میں سیاسی پارٹیوں کا اس تبدیلی سے گہرا تعلق ہے۔ پاکستان کی سیاسی پارٹیوں اور پروگراموں کا جائزہ لیں تو ایک تاثر کھل کر سامنے آتا ہے۔

ا۔ ان میں سے اکثریت کے زاویہ نگاہ اور سوچ پر علاقائیت کی گہری چھاپ ہے۔ اور بہت کم سیاسی جماعتیں ملک وقوم کی سطح پر سوچتی ہیں۔ صرف دو تین سیاسی جماعتیں ملک کے تمام حصوں اور صوبوں میں سیاسی جڑیں اور اثر ورسوخ رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے انہیں قومی سیاسی جماعتیں کہا جاسکتا ہے۔ وگرنہ بہت سی سیاسی جماعتیں محض پریشر گروپ ہیں۔ پاکستان میں اس وقت کثیر جماعتی نظام ہے اور ستر کے لگ بھگ سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔

۲۔ ان گنت سیاسی جماعتوں کے ظہور سے ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ خود سیاسی محاذ منفی سیاست میں مبتلا ہو گیا ہے سیاستدان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہیں۔ اس طرح سیاسی رہنماؤں کا امیج عوام کی نگاہوں میں مجروح ہوا ہے۔

۳۔ پاکستان میں علاقائی تحریکوں کے ابھرنے کا خوفناک مسئلہ درپیش ہے جس کی وجہ سے مارشل لائی حکومتیں بار بار آتی رہیں اور مارشل لائی حکومتوں نے صوبوں، علاقوں، اور گروہوں کو قومی سیاسی تحریک میں اپنے ساتھ رکھا۔

۴۔ یوں تو دنیا بھر میں دولت اور جمہوریت کا چولی دامن کا ساتھ ہے دراصل سیاست مشغلہ ہے۔صرف دولت مندوں کا کیونکہ دولت کے بغیر نا سیاسی جماعت بنتی ہےاور نا سیاست ممتاز حیثیت حاصل کرتی ہے۔

۵۔ دولت اور سیاست کے گہرے رشتے سے ایک اور مسئلہ جنم لیتا ہے اور وہ ہے سیاسی مہم جوئی کا۔ جب دولت سیاست کا محور بن جاتی ہے تو پھر سیاسی سرگرمی کی بنیاد ذاتی ہو جاتی ہے۔یعنی ووٹ پیسے کی مدد سے مانگے جاتے ہیں۔اور پھر برادری کی بنیاد پر ووٹ حاصل کیے جاتے ہیں۔اس کالازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سیاسی جماعتیں کمزور ہوتی ہیں۔سیاسی وفاداری بے معنی شے بن جاتی ہے۔اور جماعتوں کا پروگرام اور منشور پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں سیاسی پارٹیاں سائنسی طریقہ کار اپنانے کی عادی نہیں۔کسی پارٹی کا کوئی تحقیقی ونگ یا ریسرچ سیل موجود نہیں ہے۔کسی نے بھی قومی مسائل کے مطالعے کیلئے سائنسی بنیادوں پر گہرا مطالعہ و تجزیہ کرنے کیلئے کوئی طریقہ کار وضع نہیں کیا۔ بہت سی سیاسی جماعتیں اپنے منشور پر عمل درآمد نہیں کرتیں وہ ووٹ حاصل کرنے کیلئے عوام کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔اور ووٹ حاصل کرنے کے بعدان کے رویے میں تبدیلی آجاتی ہے۔

۶۔ پاکستان میں سیاسی زندگی کا ایک اہم پہلو مذہب ہے۔مذہب کی بنیاد پر سیاست دان ووٹ حاصل کرتے ہیں۔پاکستان میں کوئی سیاسی پارٹی ایسی نہیں ہے جو اسلامی طرز حیات کا وعدہ نہیں کرتی۔قیادت خواہ دل سے اسلام پر یقین رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو اس کے بارے میں مخلص ہو یا نہ ہو اسلام انتخابی مہموں کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ انتخابات کے قریب آتے ہی سیاسی پارٹیوں میں اتحادوں کی وباء پھوٹ پڑتی ہےاور کبھی گیارہ پارٹیوں کا اتحاد تشکیل پاتا ہےاور کبھی آٹھ پارٹیوں کا اتحاد۔ یہ اتحاد اگرچہ وقتی مصلحت کی عکاسی کرتا ہے مگر۔ بہت جلد بکھر جاتا ہے۔ملتان کے سیاسی خانوادے بھی اس کشتی کے سوار ہیں۔ یہ خانوادے اپنی پارٹیوں کے صدر اور جنرل سیکٹری بھی ہیں مثلاً شاہ محمود قریشی پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر ہیں۔جبکہ سید یوسف رضا گیلانی پاکستان پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں دونوں سیاستدان وزیراعظم اور وزیر خارجہ کے قلمدان سنبھالے ہوئے ہیں۔ان کی ایک بات اچھی یہ ہے کہ اس دور (2008) میں ملتان کی ترقی کیلئے میگا پراجیکٹس کا اعلان کیا ہے جو جنوبی پنجاب کی عوام کیلئے امید کی ایک تازہ کرن ہے۔

حوالہ جات

مصنف کا نام	کتاب کا نام	پبلشرز	تاریخ	صفحہ
۱۔ڈاکٹر صفدر محمود	پاکستان،تاریخ وسیاست	جنگ پبلشرز لاہور	1992	282
۲۔W.G.چوہدری	Constitutional development of pakistan	London	1957	258
۳۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز	1993	22,21,20,17,16,15
۴۔سید عباس گردیزی	تاریخ ملتان	سید حریاجی گردیزی شاہ گردیز ملتان	1982	178
۵۔ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	180
۶۔سہیل وڑائچ	سیاسی شطرنج اور 40 گھرانے	جنگ	27اگست 1991	
۷۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز	1993	32-21
۸۔طارق اسمٰعیل	پاکستان میں وزارت عظمٰی کی کرسی آنے اور جانے والوں کی کرسی	جمعہ میگزین روزنامہ پاکستان		
۹۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز	1993	121-106
۱۰۔رسال حسین	معیار (جنگ آزادی کے غدار انگریزوں کے وفادار پاکستان کے حکمران		23دسمبر 1977ء	
۱۱۔رسالہ الفتح	ملتان کی سیاست گیلانیوں اور قریشیوں کے ہاتھ میں	الفتح	1 تا 8 اپریل	
۱۲۔رسالہ چٹان	پیروں کی گدیاں سیاست میں (اداریہ)	چٹان	7 اگست 1950	
۱۳۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز	1993ء	131-126
۱۴۔نوائے وقت	لغاریوں کی سیاست	نوائے وقت	7دسمبر 1970ء	
۱۵۔افتخار غوری	ضلع ڈیرہ غازی خان کی بلدیاتی ڈائری فاروق لغاری اور ذوالفقار کھوسہ میں انتخابی کشمکش	جنگ	23دسمبر 1991ء	
۱۶۔نوائے وقت	لغاریوں کی سیاست	نوائے وقت	7 دسمبر 1970ء	
۱۷۔نوائے وقت	سانپ اور سیڑھی کا کھیل کب تک	نوائے وقت	11 اکتوبر 1991ء	
۱۸۔سید عباس حسین گردیزی	تاریخ ملتان	سید حریاجی گردیزی شاہ گردیز ملتان		

۱۹۔وکیل انجم	سیاست کے فرعون	فیروز سنز		220-217
۲۰۔رسالہ معیار	ملتان کی سیاست پر سیاسی خاندانوں کا قبضہ	معیار	18 فروری 1977ء	
۲۱۔رسالہ چٹان	ممدوٹ اور دولتانہ میں مصالحت کی کوشش	چٹان	8 مئی 1950ء	
۲۲۔رسالہ چٹان	میاں ممتاز دولتانہ کے افطار	چٹان	2 اپریل 1951	
۲۳۔اخبار جہاں	میاں ممتاز دولتانہ انٹرویو	اخبار جہاں	25 نومبر 1970ء	
۲۴۔سپیشل رپورٹ	روزنامہ جنگ	اشفاق احمد	الیکشن 2008ء	
۲۵۔سید قاسم محمود	انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا	شاہد فاؤنڈیشن کراچی	1998ء	644-645
۲۶۔سپیشل رپورٹ	بائیوگرافی آف دی نیشنل اسمبلی ممبرز	اسلام آباد	2002	
۲۷۔منصور احمد	جنگ الیکشن سپلیمنٹ	لاہور	2002	7-8

باب ششم

مقالے کے موضوع کے حوالے سے سفارشات

مقالے کا موضوع ملتان اور ساتھ کے علاقوں کے جاگیرداروں کے حالات اور کردار سے متعلق ہے اور ان جاگیرداروں اور سرداروں کے تاریخی پس منظر کی نشاندہی کرنا ہے۔ ملتان پر 712ء سے محمد بن قاسم کے فتح یاب ہونے کے بعد اسلامی حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہاں ہندو راجاؤں کی برسوں حکومت رہی۔ 712ء سے 1037ء تک یہ علاقہ عربوں کے مختلف حکومتوں مثلاً بنی اُمیہ اور بنو عباس وغیرہ اور ان کے نائبین ور پھر قرامطہ کے زیر اثر رہا۔ محمود غزنوی نے اسے 1037ء میں فتح کیا اور یوں فارسی زبان عربی کی جگہ یہاں کی سرکاری زبان بنی۔

غزنویوں کی آمد پر ایران سے مختلف خاندان خاص طور پر بخارا سمرقند، ترمز، ہرات، غزنی اور گردیز کے علاقوں سے جو فارسی زبان بولتے تھے یہاں آ گئے۔ غزنویوں کے بعد غوری خاندان، سلاطین دہلی، لودھی، مغل اور افغان بھی مختلف زمانوں میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ اور ان خاندانوں کے حکمرانوں نے جو خود بھی ایران اور ماوراء النہر سے آئے تھے۔ آنے والے اپنے ہم شہریوں اور ہم زبانون کی خوب مدد کی اور انہیں مختلف خدمات اور مقامات کے تحت بڑی جاگیریں عطا کیں تاکہ وہ حکومت کی مدد میں معاون ثابت ہوں اور مقامی آبادی اور مسلمان آباد ان کے زیر اثر رہے۔

ان نئے آنے والوں میں مذہبی رہنما ور صوفی مثال کے طور پر حضرت شاہ یوسف گردیز، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت موسیٰ پاک شہید اور ان کے خاندانوں کے افراد تھے۔ ان بزرگان دین نے بھی حتی المقدور وقت کے بادشاہوں کی مدد کی اور جاگیریں اور زمینیں حاصل کیں جو آج تک ان کے خاندانوں کے پاس موجود ہیں۔ ان مذہبی رہنماؤں کے علاوہ حکومتی خاندان کے لوگوں کو بھی جاگیریں اور زمینیں دی گئی۔ خاکوانی خاندان اور دوسرے موجود افغان خاندان کے پاس زمینیں اور جاگیریں اسے حوالے سولہویں صدی عیسوی تک ڈیرہ غازی کا علاقہ مسلمان سلاطین کے زیر اثر رہا۔ سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں غازی خان بلوچ سردار نے یہ علاقہ فتح کیا اور اپنے نام ڈیرہ غازی خان کا شہر دریائے سندھ کے کنارے آباد کیا۔ اس کے بھائی اسماعیل خان نے ڈیرہ اسماعیل خان کا شہر آباد کیا۔

ان دونوں حکمرانوں کے عہد میں بلوچ قبائل بلوچستان کے علاقوں سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آئے۔مزاری اور لغاری قبائل اسی حوالے سے یہاں آ کر آباد ہوئے اور سردار کہلائے غازی خان وراسی کا بھائی مغل حکومت کے وفادار رہے۔بعد میں سندھ کے کلہوڑوں' بہاولپور کے عباسیوں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان علاقوں پر وقتاً فوقتاً حکومت کی۔انگریزوں نے انیسویں صدی کے شروع میں ملتان پر سکھوں کے خلاف حملے کا آغاز ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان کے راستے سے کیا۔اس علاقے کے سرداروں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔

علاقے پر انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد انہوں نے قبائلی نظام کو قائم رکھتے ہوئے جوان کے لئے مفید تھا۔علاقے کے سرداروں کے جاگیریں اور انعامات سے نوازا۔

بلوچ قبائل کو فوج 'پولیس اور دوسرے محکموں میں سرداروں کی سفارش پر نوکریاں دیں اور انہیں اپنے زیر رکھا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مزاری اور لغاری قبائل نے خاص طور پر اپنی طاقت میں اور سیاسی میں خوب اضافہ کیا۔ان کے افراد اسمبلیوں کے ممبر بنے۔نگران وزیراعظم اور صدر مملکت بنے اور اب بھی اپنے وقار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ملتان کے ٹی دی اور افغانوں کے بھی دل کھول کر انگریزی حکومت کے استحکام میں بھرپور مددی اور اپنی جاگیروں پر قابض رہے۔پاکستان بننے کے بعد بھی سیاسی طور پر وہ چھائے رہے۔قریشی خاندان کے دو افراد کو پنجاب کا گورنر بننے کا شرف حاصل رہا۔گیلانی خاندان کو اسمبلی کے سپیکر بننے کا اعزاز حاصل رہا۔ علاقے کے دوسرے زمیندار مثلاً فخر امام وزیر اور سپیکر بنے ان کی اہلیہ محترم امریکہ میں پاکستان کی سفیر رہیں۔

آج بھی افغان خاندان کے لوگ وزارت کا قلمدان تھامے ہوئے ہیں۔الغرض ملتان کے اور ڈیرہ غازی خان کے بڑے خاندانوں کے لوگ صدیوں سے حاصل مقام پر اب بھی قابض ہیں۔

سفارشات:۔

ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی کہ ان خاندانوں کے تاریخی پس منظر اور تاریخی واقعے اور خاندان کے احوال کے کچھ سفارشات بیان کی جائیں جو مستقبل میں عوام الناس کے فائدے میں مدد ثابت ہو سکیں۔

1- ظاہر ہے یہ خاندان اپنی صدیوں کی وجاہت سیاسی اور دنیاوی و مالی قوت کے بل بوتے پر آج بھی اپنے اپنے علاقوں میں بڑے صاحب اختیار ہیں۔ وہ حکومتی سطح پر بھی اعلیٰ مناسب پر فائض ہیں اور وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور حکومت سے ہر بات بھی منوا سکتے ہیں۔ انہیں اس بات پر آمادہ ہونا چاہیے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں جب دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ اپنے علاقوں میں عوام کی خاطر جو صدیوں سے ان کی بات مانتے چلے آرہے ہیں ترقی اور رفاہ عامہ کے کام کریں۔

2- انہیں چاہیے کہ اپنے علاقوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتوں کو وجود میں لائیں۔ تاکہ پڑھا لکھا نہ صرف پنجاب بلکہ پاکستان وجود میں آئے اور جہالت کا خاتمہ ہو سکے۔ ملتان کے گیلانیوں کی تعلیمی خدمات قابل ذکر ہیں انہوں نے انگریزوں کے زمانے میں بھی اسلامیہ پرائمری اور ہائی سکول کھولے۔ پاکستان بننے کے بعد کئی سکول اور دو کالج بنائے جوان کا دوسروں کے لئے مثالی کارنامہ ہے۔

3- انہیں چاہیے کہ جدید دور کے تقاضوں کے تحت اپنے اپنے علاقوں میں فنی تعلیم کے اجراء کے سلسلے میں ٹیکنیکل ادارے کھلوائیں تاکہ لوگ فنی تعلیم حاصل کر کے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل کر سکیں۔

4- ملتان اور ڈیرہ غازیخان کا علاقہ صنعتی کارخانوں کی بڑی کم مقدار کا حامل ہے۔ اگر صنعتی یونٹ قائم ہو جائیں تو بیروزگار افراد کو اچھی ملازمت مل سکتی ہے۔ ایک صنعتی کارخانے میں کسی حد تک یا پانچ سو خاندانوں کو روٹی مل سکتی ہے۔ بڑے کارخانے ہزاروں افراد کو یہ سہولت دے سکتے ہیں۔ لاہور کراچی کی مثال سامنے ہے۔

5- جاگیردارانہ نظام کے مستقل حامل یہ سب خاندان بے شمار زمینوں کے حامل ہیں اور انہیں زمینوں کے سہارے عیش وعشرت کی زندگی کے ساتھ ساتھ سیاسی مقام حاصل کرتے ہیں۔ انگریزوں نے ایک خاکوانی اس کی خدمات کے تحت وہاڑی میں 60,000 ہزار زرعی اراضی دی جواب بھی موجود ہے۔ باقی خاندانوں کو بھی زمینوں سے نوازا۔ اور یہ نظام موجود ہے۔ یہ زمیندار اگر زرعی ترقی پر توجہ دیں اور اپنا زیادہ وقت اسلام آباد لاہور، مری اور بیرون ملکوں میں نہ گزاریں تو سونا اگلتی زمینیں علاقے کو مالا مال کر سکتی ہیں۔

یہ علاقہ زرعی اعتبار سے سونے کی چڑیا ہے وہی عوام انہیں ووٹ دیتے ہیں انہیں ان کی مالی، علمی، معاشرتی ترقی میں شامل ہونا چاہیے۔

6- ان خانوادوں کا اخلاقی ضابطہ مضبوط ہونا چاہیے۔

7- الیکشن کمیشن کے اصول وضوابط کے پابند ہوں۔

8- اگرچہ برطانیہ کا آئین غیر تحریری ہے اور روایات پر قائم ہے لیکن اخلاقی روایات ایسی مضبوط ہیں کہ وہ اس سے انحراف نہیں کرتے یہ ان کی سیاست کا حصہ ہے۔ ہمارے سیاسی قائدین کا بھی سیاسی شعور اسی طرح ہونا چاہیے۔

9- ہر ضلعی سطح پر عوامی مسائل کو حل کرنے کے لئے سیکرٹریٹ قائم ہونے چاہئیں تا کہ عوام کے مسائل ان کے آبائی شہر میں حل ہوسکیں۔

10- قیام پاکستان سے لے کر اب تک ایک عام آدمی کی آسانی کیلئے کوئی ٹھوس منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔

11- ذوالفقار بھٹو نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا۔ نواز شریف نے خوشحالی کا نعرہ لگایا۔ مشرف حکومت نے روشن خیالی کا نعرہ لگایا۔ لیکن تمام کھوکھلے نعروں کے باوجود عوام کی حالت کو نہیں سدھارا جا سکا۔

محقق معروف خانوادوں کے افراد سے یہ امید کرتا ہے کہ آئندہ آنے والے وقتوں میں ملتان اور جنوبی پنجاب کے علاقے کی ترقی کیلئے ٹھوس بنیادوں پر منصوبہ بندی کریں گے۔

ضمیمہ نمبر ا

پنجاب کی انتظامی تقسیم انگریز عہد میں

انگریز سرکار نے پنجاب کا انتظام کرنے کے لیے اسے پچیس اضلاع اور پانچ کمشنریوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ انبالہ، لاہور، جالندھر، ملتان اور راولپنڈی کمشنریاں تھیں انبالہ کمشنر میں انبالہ، حصار، شملہ، رتھک کرنال اور کوڑ گانوں کے اضلاع شامل تھے۔ لاہور کمشنری، لاہور شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور گورداسپور کے اضلاع پر مشتمل تھی۔ جالندھر کمشنری میں جالندھر، ہوشیار پور، کانگرہ، فیروز پورہ اور لدھیانہ کے اضلاع شامل تھے۔ ملتان کمشنری کے اضلاع کچھ یوں تھے۔ ملتان، منٹگمری، لائل پور، جھنگ، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازیخان، راولپنڈی کمشنری، جہلم، گجرات، سرگودھا، اٹک، راولپنڈی اور میانوالی کے اضلاع پر مشتمل تھی۔

ماخذ:۔ شفیع چوہدری، تحریک پاکستان، جدید بک ڈپو لاہور

ضمیمہ نمبر۲

ہندوستان کی اہم مذہبی انجمنیں

ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز ہونے کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے مذاہب کی حفاظت کے لئے اور عوام میں مذہبی شعور اجاگر کرنے کے لیے کئی انجمنوں اور سوسائیٹیوں کا آغاز کیا جن میں اہم کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

☆ آریہ سماج کی بنیاد دیانند سرسوتی نے ۱۸۵۷ء میں ڈالی۔ یہ ہندومت کے احیاء کی تحریک تھی۔ ویدوں کے علم کو ہندو معاشرے میں عام کیا جانا عیسائیت اور اسلام کے خلاف جارحانہ اقدامات کرنا اہم مقاصد تھے۔ یہ ایک متشدد مذہبی تحریک تھی۔ جلد ہی اس نے نیم سیاسی حیثیت حاصل کر لی۔

☆ برہمو سماج کی بنیاد راجہ رام موہن رائے بنگال کے ایک برہمن نے رکھی برہمو سماج کو برہما سبھا بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کی مجلس جنہوں نے بت پرستی ترک کر کے خدا کی وحدانیت پر یقین کیا ہو۔ مغربی تعلیم پر زور دیا گای۔ راجہ رام موہن رائے نے اپنی ابتدائی تعلیم مسلم طرز پر حاسل کی تھی اس لیے اسلمای نظریہ توحید سے بہت متاثر تھا۔ یہ تحریک انیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئی۔ رام موہن کی وفات کے بعد رابندناتھ ٹیگور کے والد دیوبندرا ٹیگور کو برہمو سماج کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔

☆ انجمن اسلامی لاہور ۱۸۶۹ء میں قائم ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس انجمن کے بنیادی مقاصد مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ تھا۔ اس انجمن کا مرکز بادشاہی مسجد تھی۔ رفتہ رفتہ اس انجمن نے اپنا حلقہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری تک بڑھا لیا۔

☆ انجمن حمائیت اسلام لاہور منشی چراغ دین نے قائم کی۔ یہ جماعت سرسید کی تحریک سے بہت متاثر تھی۔ اس تحریک کے مقاصد مسلمان بچوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانا۔ انہیں عیسائی مشنروں اور آریہ سماجیوں کی یلغار سے محفوظ کرنا۔ مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقی کے لیے کوششیں کرنا اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت، اسلامی اقدار کا تحفظ کرنا اس انجمن کے لیے ماہانہ چندہ اکٹھا کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں مخیّر حضرات عطیات دے دیتے تھے۔

ماخذ: سلیم شیخ، اسد، انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان، لاہور، ۱۹۹۹ء

ضمیمہ نمبر۳

منٹو مارلے اصلاحات (۱۹۰۹ء)

گورنر جنرل لارڈ منٹو اور سیکریٹری آف سٹیٹ جان مارلے نے مل کر ہندوستان کے پہلے اصلاحات کا مسودہ تیار کیا۔

☆ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا۔

☆ اصلاحات کے تحت گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے زائد ممبران کی تعداد بڑھا کر ۶۰ کر دی۔ گویا اس طرح ایک چھوٹے پیمانے پر اسمبلی قائم کرنے کی طرف قدم اٹھایا گیا۔ کل ممبران میں سے ۳۲ غیر سرکاری اور باقی سرکاری ممبران ہونگے۔ امن اصلاحات میں ۶ نشستیں زمینداروں کے لیے مخصوص کی گئی تھیں۔

☆ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ارکان کے اختیارات میں اضافہ کر دیا گیا۔ اب ممبران بجٹ پر بحث کرنے اور ٹیکس میں تبدیلی کے متعلق قرار دادیں پیش کرنے کے مجاز تھے۔ یہ اختیارات ایک خاص حد تک ملے ہوتے تھے، قرض پر سود، مذہبی گرانٹ اور ریلوے پر بحث کی اجازت نہیں تھی۔

☆ منٹو مارلے اصلاحات کے تھت ممبران کو ضمنی سوال پوچھنے کا حق دیا گیا مگر ساتھ ہی متعلقہ شعبے کے انچارج کو اس بات کا حق دے دیا گیا کہ وہ ضمنی سوالل کا فوری جواب دینے سے انکار کر دیں۔

☆ لیجسلیٹو کونسل کے ممبران کو قرار دادیں پیش کرنے کی اجازت مل گئی لیکن کونسل کے صدر کو اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی قرار دار کے کسی بھی حصے پر بحث کرنے سے روک دے۔

☆ بمبئی، مدراس اور بنگال کے گورنروں کی انتظامی کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں بھی اضافہ کر کے ان کی تعداد چار کر دی گئی۔

☆ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھی زائد ممبران کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ بڑے صوبوں میں بنگال، مدراس، یوپی اور بمبئی شامل تھے ان کے ممبران کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۵۰ مقرر کی گئی۔ پنجاب اور برما میں ممبروں کی تعداد ۳۰ مقرر کی گئی۔

☆ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں ایک ہندوستانی کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ماخذ: سعید، احمد، حصول پاکستان، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۹۶۔

ضمیمہ نمبر ۴

مانٹیگو چمفورڈ اصلاحات (۱۹۱۹ء)

جولائی ۱۹۱۸ء میں مانٹیگو سیکریٹری آف سٹیٹ اور گورنر جنرل چمسفورڈ نے مل کر آئینی اصلاحات کے بارہ میں ایک تفصیلی رپورٹ تیار کی جو ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے متعلق پہلی جامع رپورٹ تھی۔اس رپورٹ کی بنیاد پر ۱۹۱۹ء کی مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کی تشکیل ہوئی۔

☆ گورنر جنرل کی انتظامی کونسل میں ہندوستانیوں کی تعداد بڑھا کر تین کر دی گئی

☆ دو ایوانوں پر مشتمل ایک مرکزی قانون ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ایوان زیریں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی اور ایوان بالا کونسل آف سٹیٹ کہلاتا تھا۔ایوان زیرین کے ممبر تین سال کے لیے منتخب کیے جاتے تھے جبکہ ایوان بالا کے ممبران کی میعاد پانچ سال تھی۔

☆ قانون سازی کے اصول کو مرکز اور صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔مرکزی امور میں دفاع،امور خارجہ، کسٹمز، دیسی ریاستوں سے تعلقات، کرنسی،ٹیلیفون اور ریلوے شامل تھے،صوبائی امور میں لوکل سلف گورنمنٹ،صحت عام،تعلیم،آبپاشی اور زراعت شامل تھے۔

☆ ارکان اسمبلی کو مزید اختیارات دیے گئے قراردادیں اور تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔

☆ مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کو برقرار رکھا گیا۔

☆ سیکرٹری آف سٹیٹ کی تنخواہ قبل ازیں ہندوستانی خزانہ سے ادا کی جاتی تھی اب اس تنخواہ کا بوجھ برطانوی خزانہ پر ڈال دیا گیا۔

☆ دس سال بعد مزید اصلاحات کرنے کا اعلان کیا گیا۔

ماخذ: سعید،احمد،حصول پاکستان،لاہور،۱۹۹۶ء ص ۱۰۷۔

ضمیمہ نمبر ۵

یونینسٹ پارٹی

پنجاب کی مشہور سیاسی جماعت۔ یہ جماعت مسلم لیگ کے موقف کی حامی نہ تھی۔ اس کا قیام پنجاب میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات سے قبل ۱۹۲۳ء میں عمل میں آیا۔ یہ ایک شروع میں غیر فرقہ وارانہ جماعت تھی اور اس کے بانی میاں فضل حسین تھے۔ اس جماعت نے ۱۹۲۳ء کے صوبائی انتخابات میں حصہ لیا اور ایک انتخابی منشور بھی شائع کیا۔ یہ جماعت درحقیقت دیہاتی زراعت پیشہ افراد کی نمائندگی کی دعوے دار تھی اور اسی بنیاد پر اس نے اسمبلی اور سمبلی سے باہر سیاست کی۔

۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک یونینسٹ کی حالت میاں فضل حسین اور سر سکندر حیات کش مکش کے باعث دگر دوں ہوتی رہی۔ ۱۹۳۵ء میں پارٹی کو از سر نو منظم کیا گیا۔ اس پارٹی کے اغراض و مقاصد درج ذیل تھے۔

☆ برطانوی دولت مشترکہ کے اندر نو آبادیاتی درجہ کا حصول

☆ اصلاحات کو مدبرانہ انداز میں روبہ عمل میں لا کر یہ ثابت کرنا کہ اگر موزوں اور مناسب سہولتیں دی جائیں تو ہندوستانی حکومت خود اختیار کے اہل ہیں۔

☆ سرکاری اداروں کے ذریعہ پسماندہ طبقات کو فائدہ پہنچایا

☆ زراعت پیشہ اور دوسرے طبقات کے مابین صوبائی محاصل کے بوجھ کو منصفانہ طریقہ سے تقسیم کرنا۔

☆ صوبہ کی سرکاری ملازمتوں میں تمام طبقوں اور فرقوں کے لیے منصفانہ نمائندگی حاصل کرنا۔

☆ بالاتر طبقوں کو نچلے طبقوں کے معاشی استحصال سے روکنا

☆ دیسی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرنا

☆ صوبہ سے ناخواندگی کا خاتمہ کرنا

☆ مقدمہ بازی کو کم کرنا

☆ حکومت خود مختاری کے اداروں کو توسیع دینا

☆ انتظامیہ کے اخراجات میں کفائت شعاری اختیار کرنا۔

☆ رشوت ستانی کا انسداد کرنا

☆ ترک مسکرات کی ہمت افزائی کرنا

☆ قانون انتقال اراضی پنجاب کو برقرار رکھنا تا کہ پست طبقات کا تحفظ ہو سکے۔

یونینسٹ پارٹی کے بانی میاں فضل حسین نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے تعلیمی میدان میں پنجاب اور بالخصوص مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہوں نے کئی انٹرمیڈیٹ کالج کھولے۔ تعلیم بالغاں کو شروع کیا۔ مسلمانوں میں تعلیم پھیلائی۔

ضمیمہ نمبر ۶

دولتانہ زرعی رپورٹ ۱۹۴۹ء

۱۲ اپریل ۱۹۴۹ء کو صدر مسلم لیگ نے اس مقاص کے لیے زرعی کمیٹی بنائی جس کا کنوینئر میاں ممتاز دولتانہ کو نامزد کیا گیا۔ کمیٹی نے زرعی مسائل کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ ۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء کو صدر پاکستان مسلم لیگ کے سامنے پیش کی۔ اس رپورٹ میں درج ذیل سفارشات کی گئیں تھیں۔

☆ جاگیروں اور انعامات کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے اور اس کے لیے کوئی معاوضہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ جاگیریں حکومت برطانیہ کا عطیہ ہیں۔ آزادی کو ہمارے دامن سے یہ داغ دھو دینے چاہئیں۔

☆ حکومت برطانیہ کی خدمات کے صلے میں عطا کردہ اراضی فوراً بحق سرکاری ضبط کر لی گائیں۔

☆ قابض مزارعین زمینداروں کو سالانہ لگان ادا کرتے ہیں۔ ایسی اراضی مزارعین کو دے دی جائیں۔

☆ موجودہ صورتحال کے مطابق زمیندار جب بھی چاہیے مزارع کو نکال سکتا ہے۔ ایسے قوانین بنائے جائیں کہ زمیندار پندرہ سال سے پہلے مزارع کو بے دخل نہ کر سکے۔

☆ کوئی زمیندار بھی خود کاشت کے لیے ۱۲۵ ایکڑ سے زیادہ اراضی نہیں رکھ سکے گا۔

☆ زمیندار مزارع سے حکومت کے لگان کے علاوہ اور کوئی فیس یا خدمات نہیں لے گا۔

☆ فصل کا ۲/۵ زمیندار لے گا اور باقی مزارعے۔ لگان، پانی کا خرچہ وغیرہ زمیندار ادا کرے گا۔

☆ مزارعین کے لیے بھی مراعات ہونی چاہئیں جو مزدوروں کے لیے ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ زمیندار اپنے مزارعین کے لیے رہائشی کوارٹر تعمیر کرے۔ ہفتے میں ۵۶ گھنٹے سے زیادہ کام نہ لے وغیرہ

☆ زمینداروں اور مزارعین کے اشتراک سے بے روزگاری الاؤنس، بیمہ اور پنشن وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔

☆ کاشتکاروں اور مزارعین کے لیے صحت اور تعلیمی سہولیات کا انتظام کیا جائے۔

☆ ۱۵۰ ایکڑ نہری زمین اور ۴۵۰ ایکڑ بارانی زمین سے زیادہ اراضی زمینداروں سے بحق سرکار ضبط کر لی جائے۔ ایسی اراضی کے حصول کے لیے حکومت تحقیقی کمیٹی بنائے۔ زمینداروں سے حاصل کی ہوئی اراضی مزارعین کو کوآپریٹو سوسائٹیوں کو دی جائے۔

ماخذ: صفدر محمود، ڈاکٹر، مسلم لیگ کا دور حکومت، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

ضمیمہ نمبر ۷

ون یونٹ میں شامل ڈویژن اور اضلاع

گورنر جنرل کے حکم کے مطابق ون یونٹ میں شامل علاقے اس طرح سے تھے:

پشاور ڈویژن:

مردان، ہزارہ، کیمل پور، پشاور، دیر، سوات، چترال، مالاکنڈ، خیبر ایجنسی اور ہزارہ کے ملحق علاقے

ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن:

ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں کوہاٹ، اور ان سے ملحق قبائلی علاقے، میاں والی کے اضلاع اور شمالی جنوبی وزیرستان۔

راولپنڈی ڈویژن:

راولپنڈی، جہلم، گجرات اور شاہ پور کے اضلاع

لاہور ڈویژن:

لاہور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے اضلاع

ملتان ڈویژن:

ملتان، جھنگ، لائل پور (فیصل آباد) اور منٹگمری (ساہیوال) کے اضلاع

بہاول پور ڈویژن:

بہاول پور، بہاولنگر، رحیم یار خان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع

خیر پور ڈویژن:

ریاست خیر پور، جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ اور نواب شاہ

حیدر آباد ڈویژن:

حیدر آباد، ٹھٹھہ، دادو، میر پور خاص اور سانگھڑ

ضمیمہ نمبر ۸

گورنر جنرل

No.	Name	Period
1.	Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah	Aug. 15, 1947 to Sept. 11, 1948
2.	Khawaja Nazimuddin	Sept. 14, 1948 to Oct, 17, 1951
3.	Malik Ghulam Muhammad	Oct. 19, 1951 to Oct. 5, 1951
4.	Maj. Gen. Iskander Mirza	Oct. 6, 1955 to Mar. 22, 1956

صدور

No.	Name	Period
1.	Maj. Gen Iskander Mirza	Mar. 23, 1956 to Oct. 27, 1958
2.	Field Marshal Muhammad Ayub Khan	Oct. 27, 1958 to Mar. 25, 1969
3.	Gen. Agha Muhammad Yahya Khan	Mar. 25, 1969 to Dec. 20, 1971
4.	Mr. Zulfikar Ali Bhutto	Dec. 20, 1971 to Aug. 13, 1973
5.	Chaudhary Fazal Elahi	Aug. 14, 1973 to Sept. 16, 1978
6.	Gen. Muhammad Zia-ul-Haq	Sept. 16, 1978 to Aug. 17, 1988

7.	Mr. Ghulam Ishaq Khan	Acting from Aug. 17, 1988 to Dec. 13, 1988 and elected from Dec. 13, 1988 to July 18, 1993.
8.	Sardar Farooq Ahmad Khan Laghari	Nov. 14, 1993 to Dec. 2, 1997
9.	Justice (R) Muhammad Rafiq Tarar.	Jan. 1, 1998 to 2001
10.	General Pervez. Musharraf	June 20, 2001 to-date

ضمیمہ نمبر ۹

پاکستان کے وزرائے اعظم 1947ء تا حال

نمبر شمار	نام	مدت	تاریخ پیدائش	پارٹی
۱	لیاقت علی خان	15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء	یکم اکتوبر 1896ء	ML
۲	خواجہ ناظم الدین	17 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء	19 جولائی 1894ء	ML
۳	محمد علی بوگرہ	17 اپریل 1953ء تا 11 اگست 1955ء	15 جولائی 1909ء	ML
۴	چوہدری محمد علی	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء	15 جولائی 1905ء	ML
۵	حسین شہید سہروردی	12 ستمبر 1956ء تا 18 اکتوبر 1957ء	8 ستمبر 1892ء	AL
۶	ابراہیم اسماعیل چندریگر	18 اکتوبر 1957ء تا 16 دسمبر 1957ء	15 اپریل 1898ء	ML
۷	ملک فیروز خاں نون	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء	18 جون 1893ء	RPP
۸	نورالدین	7 دسمبر 1971ء تا 20 دسمبر 1971ء	15 جولائی 1893ء	ML
۹	ذوالفقار علی بھٹو	14 اگست 1973ء تا 5 جولائی 1977ء	5 جنوری 1928ء	PPP
۱۰	محمد خان جونیجو	23 مارچ 1985ء تا 28 مئی 1988ء	18 اگست 1932ء	PML
۱۱	محترمہ بینظیر بھٹو	2 دسمبر 1988ء تا 6 اگست 1991ء	21 جون 1953ء	PPP
۱۲	غلام مصطفیٰ جتوئی	6 اگست 1990ء تا 6 نومبر 1990ء	14 اگست 1931ء	IJI
۱۳	میاں محمد نواز شریف	6 نومبر 1990ء تا 18 اپریل 1993ء	25 دسمبر 1949ء	IJI
۱۴	میر بلخ شیر مزاری (نگران)	18 اپریل 1993ء تا 26 مئی 1993ء	08 جولائی 1928ء	IJI
۱۵	میاں محمد نواز شریف	26 مئی 1993ء تا 8 جولائی 1993ء	25 دسمبر 1949ء	IJI
۱۶	معین قریشی (نگران)	8 جولائی 1993ء تا 19 اکتوبر 1993ء	16 اپریل 1930ء	IJI
۱۷	محترمہ بینظیر بھٹو	19 اکتوبر 1993ء تا 5 نومبر 1996ء	21 جون 1953ء	PPP
۱۸	ملک معراج خالد (نگران)	6 نومبر 1996ء تا 17 فروری 1997ء	20 ستمبر 1916ء	PPP
۱۹	میاں محمد نواز شریف	17 فروری 1997ء تا 12 اکتوبر 1999ء	25 دسمبر 1949ء	PML(N)
۲۰	میر ظفر اللہ جمالی	23 نومبر 2002ء تا 26 جون 2004ء	یکم جنوری 1944ء	PML(Q)

۲۱	چوہدری شجاعت حسین	30 جون 2004ء تا 26 اگست 2004ء	27 جنوری 1946ء	PML(Q)
۲۲	شوکت عزیز	28 اگست 2004ء تا 15 نومبر 2007ء	6 مارچ 1949ء	PML(Q)
۲۳	محمد میاں سومرو	16 نومبر 2007ء تا 24 مارچ 2008ء	19 اگست 1950ء	

ضمیمہ نمبر ۱۰

پنجاب کے وزرائے اعلیٰ

مغربی پاکستان قانون ساز اسمبلی

نمبر شمار	نام	عہدے کی میعاد	عہدہ
1	نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ	5 اگست 1947ء تا 6 نومبر 1948ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
2	نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ	15 نومبر 1948ء تا 25 جنوری 1949ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
3	میاں ممتاز محمد خان دولتانہ	4 اپریل 1951ء تا 3 اپریل 1953ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
4	ملک محمد فیروز خان نون	3 اپریل 1953ء تا 21 مئی 1955ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
5	سردار عبدالحامد خان دستی	21 مئی 1955ء تا 14 اکتوبر 1955ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
6	ڈاکٹر خان صاحب	14 اکتوبر 1955ء تا 16 اگست 1957ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
7	سردار عبدالرشید خان	16 اگست 1957ء تا 18 مارچ 1958ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
8	نواب مظفر علی خان قزلباش	18 مارچ 1958ء تا 17 اکتوبر 1958ء	وزیر اعلیٰ پنجاب

پنجاب اسمبلی

نمبر شمار	نام	عہدے کی میعاد	عہدہ
9	شیخ مسعود صادق	1962ء تا 1965ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
10	خان حبیب اللہ خان	1965ء تا 1966ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
11	ملک خدا بخش جوئیہ	1966ء تا 1969ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
12	ملک معراج خالد	2 مئی 1972ء تا 12 نومبر 1973ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
13	غلام مصطفیٰ کھر	12 نومبر 1973ء تا 15 مارچ 1974ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
14	محمد حنیف رامے	15 مارچ 1974ء تا 15 مارچ 1975ء	وزیر اعلیٰ پنجاب
15	نواب صادق حسین قریشی	15 جولائی 1974ء تا 11 اپریل 1977ء	وزیر اعلیٰ پنجاب

16	سردارزادہ ظفر عباس	1977ء	وزیراعلیٰ پنجاب
17	میاں محمد نواز شریف	9 اپریل 1985ء تا 30 مئی 1988ء	وزیراعلیٰ پنجاب
18	میاں محمد نواز شریف	31 مئی 1988ء تا 2 دسمبر 1988ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
19	میاں محمد نواز شریف	2 دسمبر 1988ء تا 6 اگست 1990ء	وزیراعلیٰ پنجاب
20	میاں محمد نواز شریف غلام حیدر	13 اگست 1990ء تا 8 نومبر 1990ء	وزیراعلیٰ پنجاب
21	میاں منظور احمد وٹو	8 نومبر 1990ء تا 25 اپریل 1993ء	وزیراعلیٰ پنجاب
22	میاں منظور احمد وٹو	25 اپریل 1993ء تا 29 مئی 1993ء	وزیراعلیٰ پنجاب
23	میاں منظور احمد وٹو	29 مئی 1993ء تا 18 جولائی 1993ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
24	شیخ منظور الٰہی	19 جولائی 1993ء تا 20 اکتوبر 1993ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
25	میاں منظور احمد وٹو	20 اکتوبر 1993ء تا 12 دسمبر 1995ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
26	سردار عارف نکئی	13 دسمبر 1995ء تا 3 نومبر 1996ء	وزیراعلیٰ پنجاب
27	میاں منظور احمد وٹو	3 نومبر 1996ء تا 16 نومبر 1996ء	وزیراعلیٰ پنجاب
28	میاں محمد افضل حیات	17 نومبر 1996ء تا 20 فروری 1997ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
29	میاں محمد شہباز شریف	20 فروری 1997ء تا 12 اکتوبر 1999ء	وزیراعلیٰ پنجاب
30	چوہدری پرویز الٰہی	29 نومبر 2002ء تا 17 نومبر 2007ء	وزیراعلیٰ پنجاب
31	اعجاز نثار	17 نومبر 2007ء تا 12 اپریل 2008ء	نگران وزیراعلیٰ پنجاب
32	دوست محمد کھوسہ	12 اپریل 2008ء ----- تا حال	وزیراعلیٰ پنجاب

ضمیمہ نمبر ۱۱

گورنر پنجاب

No.	Name	Period
1.	Sir Rober Francis Moody	Aug. 15, 1947 to Aug. 2, 1949
2.	Sardar Abdur-rab Nishtar	Aug. 2, 1947 to Nov. 24, 1951
3.	Ibrahim Ismail Chundrigar	Nov. 24, 1951 to May 2, 1953
4.	Mian Amin-ud-Din	May 2, 1953 to June 24, 1954
5.	Habib Ibrahim Rehmat Ullah	Sept. 26, 1954 to Nov. 26, 1954
6.	MiaN Mushtaq Ahmed Gormani	Nov. 27, 1954 to Oct. 14, 1955

Governors of the Punjab

No.	Name	Period
7.	Lt. Gen. Attiq-ur-Rehman	July 1, 1970 to Dec. 24, 1971
8.	Ghulam Mustafa Khar	Dec. 23, 1971 to NOv. 18, 1973
9.	Nawab Sadiq Hussain Qureshi	Nov. 1973, to March 1975
10.	Ghulam Mustafa Khar	March 14, 1975 to July 31, 1975
11.	Nawab M. Abbas Khan Abbasi	July 31, 1975 to July 5, 1977
12.	Mr. Justice Aslam Riaz (Acting)	July 5, 1977 to Sept. 18, 1978
13.	Lt. Gen. Sawar Khan	Sept. 18, 1978 to April 30, 1980
14.	Lt. Gen. Ghulam Jilani	May 1, 1980 to Dec. 1985
15.	Makhdoom Sajjad Hussain Qureshi	Dec. 30, 1985 to Dec. 7, 1988

16.	Gen. Tikka Khan	Dec. 9, 1988 to Aug. 6, 1990
17.	MiaN Muhammad Azhar	Aug. 6, 1990 to April 19, 1993
18.	Altaf Hussain (Acting)	April 19, 1993 to July 19, 1993
19.	Lt. Gen. (Retd.) Muhammad Iqbal (Acting)	July 19, 1993 to Mar. 25, 1994
20.	Altaf Hussain	Mar. 26, 1994 to May 21, 1995
21.	Chief Justice Ch. Muhammad Ilyas (Acting)	May 22, 1995 to June 19, 1995
22.	Lt. Gen. (Reted.) Raja Saroop	June 19, 1995 to Nov. 11, 1996
23.	Khawaja Ahmed Tariq Rahim (Acting)	Nov. 11, 1996 to March 11, 1997
24.	Shahid Hamid	Mar. 11, 1997 to Aug. 18, 1999
25.	Zulfiqar Ali Khosa	Aug. 18, 1999 to Oct. 12, 1999
26.	Lt. Gen. (Retd.) Muhammad Safdar	Oct. 25, 1999 to Oct. 27, 2001
27.	Lt. Gen. Khalid Maqbool	Oct. 29, 2001 to-date

ضمیمہ نمبر ۱۲

Pictures\Picture\Picture.jpg not found.

ضمیمہ نمبر ۱۳

Pictures\Picture\Picture 001.jpg not found.

ضمیمہ نمبر ۱۴

اجلاس کی طلبی کا فرمان

In exercise of the powers conferred by Article 109 of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, I, Makhdoom Muhammad Sajjad Hussain Qureshi, Governor of the Punjab, hereby summon the Provincial Assembly of the Punjab to meet on wednesday, the 30th November, 1988 at 9.00 A.M. in the Assembly Chambers, Lahore.

Dated Lahore

The 29th November, 1988.

Makhdoom Muhammad Sajjad Hussain Qureshi

Governor of the Punjab.

صوبائی اسمبلی پنجاب

صوبائی اسمبلی پنجاب کا پہلا اجلاس

بدھ ۳۰ نومبر ۱۹۸۸ء

(چہارشنبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

ضمیمہ نمبر ۱۵

’’ملتان کے معروف خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ‘‘

1970-2000ء

عوامی رائے (سوالنامہ)

-1 سیاسی شخصیت

-2 حلقہ این اے/پی پی

-3 نام ووٹر

-4 ولدیت

-5 پتہ

(i) آپ کے حلقہ کے ایم این اے/ایم پی اے سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

(ii) کیا وہ آپ کے حلقہ میں تسلسل سے آتے ہیں یا صرف الیکشن کے دنوں میں آتے ہیں؟

(iii) کیا علاقے کے مسائل حل کروانے میں دلچسپی لیتے ہیں؟

(iv) کیا پنچایتی جھگڑوں میں فیصلے کرواتے ہیں؟

(v) آپ کے علاقے میں کون کون سے تعمیری کام کروائے؟

(vi) خواتین کے مسائل حل کروانے میں کہاں تک دلچسپی لیتے ہیں؟

(vii) کیا ووٹ آپ صرف اپنی پسندیدہ شخصیت ہی کو دیتے ہیں؟

(viii) کیا مستقبل میں آپ ووٹ ان کو دیں گے اگر ہاں تو کیوں؟

(ix) کیا آپ حلقہ میں امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے اپنے نمائندے کی کوششوں سے مطمئن ہیں؟

جائزہ

ریاض احمد قریشی سکالر برائے پی ایچ ڈی
شعبہ مطالعہ پاکستان بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ضمیمہ نمبر ۱۶

’’ملتان کے معروف وسیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ‘‘

1970-2000ء

سوال نامہ

1- خاندان کا نام

2- شخصیت کا نام

3- ولدیت

4- علاقہ

5- تعلیم

6- پتہ

7- خاندان کا شجرہ نصب

8- آپ نے سیاسی سفر کا آغاز کب کیا؟

بحیثیت وزیر اعظم پاکستان

(i) بحیثیت وزیر اعظم پاکستان کب سے ------------- تک

(ii) آپ نے بحیثیت وزیر اعظم کتنے الیکشن کروائے؟

(iii) کیا الیکشن فیئر تھے؟

(iv) ملک کو بحرانوں سے بچانے کے لئے کیا کیا؟

(v) ملک کی یکجہتی کے لئے کیا کیا؟

(vi) بین الاقوامی تعلقات میں کیا کردار ادا کیا؟

(v) ملک کی تعمیر کے لئے کیا پروگرام دیئے؟

قومی سطح

(i) بحیثیت ممبر قومی اسمبلی کس تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک

(ii) الیکشن کس حلقہ سے لڑا؟

(iii) کس پارٹی کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لیا۔

(iv) کوئی قانون سازی کی؟

(v) کوئی عہدہ ملا؟ (وزیر) کس تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک

(vi) مرکز میں بیٹھے ہوئے اپنے شہر کے لئے کیا سکیمیں منظور کروائیں۔

مجلس شوریٰ

(i) بحیثیت ممبر مجلس شوریٰ کب سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک

(ii) صدر ضیاء الحق کے دور میں قانون سازی میں حصہ لیا؟

(iii) ملک کی جمہوریت کے لئے کیا کیا؟

(iv) اس دور میں بحالی جمہوریت کے لئے کیا قربانیاں دیں؟

ایوان بالا (سینٹ)

(i) بحیثیت ممبر سینٹ کس تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک

(ii) قانون سازی میں حصہ لیا؟

(iii) ملک کی جمہوریت کے لئے کیا کیا؟

(iv) کس علاقے سے الیکشن لڑا؟

(v) کس پارٹی کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لیا۔

سپیکر قومی/صوبائی اسمبلی

(i) بحیثیت ممبر قومی اسمبلی و سپیکر کب سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک

(ii) قومی اسمبلی جیسے بڑے ادارے کو کیسے چلایا؟

(iii) آپ کے دور میں کون کون سی ترامیم ہوئیں؟

(iv) اپنے صوابدیدی فنڈز سے ملتان میں کیا تعمیری پروگرام ہوئے؟

عمومی سوالات برائے ممبران

(i) کیا آپ کے نزدیک جمہوری استحکام کے لئے بلدیاتی سیاست یا قومی سیاست فعال کردار ادا کرتی ہے؟

(ii) کیا آپ وراثتی سیاست کو ملک کے جمہوری استحکام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں؟

(iii) آپ نے یا آپ کے بزرگوں نے جمہوریت کے لئے کیا کردار ادا کیا؟

(iv) باربار مارشل لاء کیوں آنے دیا؟

(v) کیا آپ نے بحالی جمہوریت کے لئے مارشل لاء دور میں قربانیاں دیں؟

(vi) ملک میں نفاذ اسلام کے لئے آپ کی کیا خدمات ہیں؟

(vii) ملک استحکام کے لئے کوئی خاص تجویز؟

(viii) پارٹیاں تبدیل کیوں کیں؟

(ix) پارٹیوں کے درمیان آپ کے تعلقات کیسے تھے؟

(x) کیا آپ نے ہارس ٹریڈنگ میں حصہ لیا؟

ضمیمہ نمبر ۱۷

''ملتان کے معروف وسیاسی خانوادوں کا جمہوری اداروں میں کردار کا تنقیدی جائزہ''

1970-2000ء

سوال نامہ

1- خاندان کا نام

2- شخصیت کا نام

3- ولدیت

4- علاقہ

5- تعلیم

6- پتہ

7- خاندان کا شجرہ نصب

8- آپ نے سیاسی سفر کا آغاز کب کیا؟

بحیثیت وزیر اعلیٰ پنجاب

(i) بحیثیت ممبر صوبائی اسمبلی کب سے ---------------------- تک

(ii) بحیثیت وزیر اعلیٰ پنجاب کب ---------------------- تک

(iii) بحیثیت وزیر اعلیٰ کون سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے؟

(iv) ملتان کے لئے کون سے ترقیاتی پروگرام منظور کروائے؟

بحیثیت گورنر پنجاب

(i) بحیثیت گورنر کب سے ---------------- تک

(ii) بحیثیت گورنر پنجاب آپ نے کون سے انتظامی فرائض سرانجام دیئے؟

(iii) امن عامہ کا کیا حال رہا؟

(iv) اپنے علاقے کے لئے کوئی تعمیری پروگرام بنوائے؟

بحیثیت ڈپٹی چیئر مین سینٹ

(i) بحیثیت ڈپٹی چیئر مین سینٹ کب سے ---------------- تک

(ii) اپنے علاقے کے لئے کوئی خدمت؟

(iii) کوئی قانونی ترامیم ہوئیں؟

(iv) جمہوریت کی بحالی کے لئے کیا کام کیا؟

ضمیمہ نمبر ۱۸

پیپلز پارٹی کا منشور

☆ پاکستان کے سارے عوام کو روٹی کپڑا اور مکان کی ضمانت دی جائے گی۔

☆ اسلام سوشلزم نافذ کیا جائے گا۔ عوام کے معیار زندگی کو بلند کیا جائے گا۔ محنت کش طبقے کے حقوق کا دفاع ہوگا اور معاشرہ میں

استحصال ختم کر دیا جائے گا۔

☆ شہریوں کو بنیادی حقوق، ضمیر کی آزادی، پریس کی آزادی اور اجتماعات کے انعقاد کی آزادی دی جائے گی۔

☆ خواتین کو معاشرے میں مردوں کے مساوی ترقی کے مواقع حاصل ہوں گے اور ان کی عزت واحترام کا خصوصی بندوبست ہوگا۔

☆ عوام کو انصاف فراہم کرنے کے لئے عدلیہ کا نیا ڈھانچہ بنایا جائے گا اور اسے انتظامیہ کے اثر سے آزاد کر دیا جائے گا۔

☆ عوام میں تعلیم شرح کو بہت بہتر بنایا جائے گا۔ تعلیم کا حصول آسان ہوگا۔ بنیادی تعلیم مفت ہوگی۔ تعلیم کے ذریعے روشن خیالی کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

☆ تمام ذرائع پیداوار قوم کو مشترکہ ملکیت میں لئے جائیں گے۔ بنک انشورنس کمپنیاں اور صنعتیں قوم کی مشترکہ دولت ہوں گے۔

☆ جاگیردارانہ نظام کو ختم کر کے زرعی اصلاحات کے ذریعے عام کسانوں کے حقوق متعین کئے جائیں گے۔ کاشتکاروں کو باوقار مقام حاصل ہوگا اور انہیں زمینداروں کے استحصال سے بچایا جائے گا۔

☆ ملک کی سلامتی کے لئے خصوصی تحفظات فراہم ہوں گے۔

☆ وفاقی نظام میں صوبائی خودمختاری علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کو فروغ ملے گا۔

☆ کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت کی جائے گی، ملک میں آزاد اور غیر جانبدار خارجہ پالیسی اختیار کی جائے گی۔ ملک کو دفاعی اعتبار سے مضبوط بنایا جائے گا۔

☆ فلاحی معاشرہ کی تشکیل اور معاشی انصاف کے لئے کوششیں ہوں گی۔

ضمیمہ نمبر ۱۹

مسلم لیگ کا منشور

☆ وفاقی ڈھانچے کے اندر صوبائی خودمختاری کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔

☆ پاکستان کو ایک جداگانہ اسلامی نظریاتی مملکت کی شکل دی جائے گی۔

☆ مملکت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

☆ پاکستانی عوام کے لئے مکانات کی تعمیر کچی آبادیوں کے مسائل کے حل اور محنت کشوں کو بہتر زندگی کی فراہمی کے لئے کوششیں کی جائیں گی۔

☆ ملک سے بلیک مارکیٹنگ' رشوت' ذخیرہ اندوزی اور کئی ایسی ہی دوسری سماجی برائیوں کا قلع قمع کیا جائے گا۔

☆ تعلیم کو عام کرنے کے لئے ملک گیر منصوبے بنائے جائیں گے۔ معاشرہ کو تعلیم کی مدد سے جدید خطوط پر ڈھالا جائے گا اور ملک میں خواندگی کی شرح کو تیزی سے فروغ دینے کے لئے خصوصی رقوم خرچ کی جائیں گی۔

☆ پاکستان کے اسلامی ممالک سے بہت ہی قریبی تعلقات قائم کئے جائیں گے تمام اقوام کے حق خودارادیت کی حمایت کی جائے گی۔ عالمی امن کے قیام کی تمام کوششوں کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون کیا جائے گا۔ ملک کی خارجہ اور دفاعی پالیسیوں کو نئے سرے سے ترتیب دیا جائے گا تاکہ بہترین بین الاقوامی تعلقات قائم کئے جاسکیں۔

☆ آمدورفت اور رسل ورسائل کے ذریعے یعنی ریلوے سڑکیں' ڈاک تار اور فون کے شعبوں کو جدید ترین خطوط پر ڈھالا جائے گا۔

☆ ملک میں توانائی کے بحران کو ختم کرنے کے لئے خصوصی منصوبے بنائے جائیں گے۔ تاکہ صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز تر کیا جاسکے۔

☆ عوام کے لئے ذرائع روزگار پیدا کئے جائیں گے۔

☆ کسانوں اور دیہاتیوں کے مسائل پر غور کیا جائے گا اور ایک ہمہ گیر حکمت عملی تیار کی جائے گی۔ زرعی

ترقی کے لئے کھاد، بیج، جدید آلات کاشتکاری اور دیگر سہولتوں کی فراہمی کا ہنگامی انداز میں بندوبست کیا جائے گا۔

☆ ملک کے عدل و انصاف کے لئے نیا نظام بنایا جائے گا۔ مساوی حقوق فراہم کئے جائیں گے اور خواتین کو معاشرہ میں باعزت اور مردوں کے مساوی مقام ملے گا۔

ضمیمہ نمبر ۲۰

جماعت اسلامی کا منشور

☆ اقلیتوں کی مذہبی آزادی کی داعی ہے انہیں شہری اور قانونی حقوق دینا چاہتی ہے۔

☆ جماعت نے زرعی زمین کی حد ملکیت 100 ایکڑ سے 200 ایکڑ فی کس مقرر کی ہے تا کہ معاشی انصاف حاصل کیا جا سکے۔ اس تجدید کو جماعت عارضی طور پر مانتی ہے۔

☆ جماعت قومیانے کی پالیسیوں کی مخالف ہے اور ذاتی جائیداد پر کسی قسم کی پابندی پسند نہیں کرتی۔

☆ جداگانہ اور متناسب طریق انتخاب پسند کرتی ہے۔

☆ جماعت معاشی انصاف چاہتی ہے لیکن معاشی مساوات کی قائل نہیں ہے۔ غربت کے خاتمے اور مساوی مواقع کی فراہمی کا نعرہ بلند کرتی ہے۔

☆ جماعت ہمیشہ جمہوریت' بنیادی حقوق اور انسانی آزادیوں کی حمایت کرتی رہی ہے اور انتخابی عمل کو اسلام کے آئین کے مطابق سمجھتے ہوئے پاکستان میں جمہوری قوتوں اور قدروں کو فروغ پاتا دیکھنا چاہتی ہے۔

☆ مملکت پاکستان کی سالمیت اور وحدت پر یقین رکھتی ہے۔

☆ تعلیمی نظام کو اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں معاون تصور کرتے ہوئے اس میں مناسب تبدیلیوں کی خواہشمند ہے۔

☆ جماعت اسلامی ایک نظریاتی جماعت ہے جو پورے عالم کے لئے اسلام کے جامع اور عالمگیر نظام پر یقین رکھتی ہے۔ یہ وطن پرست جماعت نہیں۔ دنیا بھر کے انسانوں کی فلاح اور انہیں اسلام کی راہ پر لانے کی حامی ہے۔

☆ افغان مسئلہ پر جماعت کا موقف بڑا واضح ہے۔ وہ مہاجرین کو پناہ دینے' انہیں مالی و دفاعی انخلاء کے لئے پارٹی نے پاکستان کے طول وعرض میں زبردست تحریک منظم کی تھی۔

☆ دنیا بھر میں سامراجیت اور استعماری نظام کو بین الاقوامی انصاف کے خلاف سمجھتی ہے۔

☆ خواتین کے صرف ان ہی حقوق کو تسلیم کرتی ہے جو شریعت نے عطا کئے ہیں۔ عائلی قوانین کو شرعی

احکام سے ہم آہنگ کرنا چاہتی ہے۔

☆ معاشرہ کو بدکاری، جوا، شراب اور فحاشی سے پاک کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲۱

1973ء کے آئین کی چودھویں ترمیم

پارلیمنٹ نے یکم جولائی ۱۹۹۷ء کو اتفاق رائے سے آئین کی ۱۴ویں ترمیم کے بل کی منظوری دی، جس کے تحت آئین کی دفعہ ۶۳ میں ایک نئی شق کا اضافہ کیا گیا ہے اس کے مطابق پارلیمنٹ کے ارکان پر سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ایسا رکن جو اس اقدام کا مرتکب قرار پائے گا، پارلیمنٹ میں اپنی نشست سے محروم کیا جاسکے گا۔ نیز پارٹی کے سربراہ کو یہ اختیار ہوگا کہ اسمبلی پارٹی کے فیصلوں کے خلاف اظہار رائے کرنے والے رکن کی رکنیت ختم کر سکے۔

بشکریہ:۔ ڈاکٹر محمد سرور، کتاب شہریت حصہ دوئم، علمی کتاب خانہ لاہور، ص 208

کتابیات (اردو کتب)

نمبر شمار	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مقام اشاعت	پبلشر	سن اشاعت
1-	احمد سلیم	پاکستانی سیاست کے 50 کردار	لاہور	تخلیقات	1997ء
2-	احمد سلیم	سیاست دانوں کی جبری نا اہلیاں	لاہور	جنگ پبلشر	1992ء
3-	الطاف حسین قریشی	معاہدوں اور خوابوں کے بادشاہ دولتانہ	لاہور	ہفت روزہ زندگی	1970ء
4-	الطاف حسین قریشی	قیام پاکستان کی کوشش	لاہور	ہفت روزہ زندگی	1970ء
5-	اکرام الحق	ارض ملتان	ملتان	الکرم پبلشر	1970ء
6-	ارشد حسین ارشد	ملتان قدیم وجدید	ملتان	بزم ثقافت	1978ء
7-	اے زیڈ خان	سندھ کی تاریخ وثقافت	کراچی	بک ٹاک	1989ء
8-	امتیاز حسین شاہ	تذکرہ اولیائے ملتان	ملتان	کتب حاجی نیاز احمد	1994ء
9-	ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین	لاہور		1970ء
10-	اسبرن۔ڈبلیو۔جی	رنجیت سنگھ کا دربار	لاہور	مترجم ذوالفقار علی خان	1991ء
11-	احسن اعتزاز	سندھ ساگر اور قیام پاکستان	اسلام آباد	مترجم مستنصر جاوید	1999ء
12-	اعوان ایم ۔ جے	تحریک آزادی میں پنجاب کا کردار	راولپنڈی		1993ء
13-	انجم تجمل حسین	پاکستان کا تاریخی و سیاسی جائزہ 1947-1992	لاہور		1993ء
14-	انجم وکیل	سیاست دانوں کی کلابازیاں	لاہور	جلد اول	1994ء
15-	او کے میم کمال	تحریک خلافت	کراچی		1991ء
16-	ازجھم چند	تواریخ ملتان	لاہور	گورنمنٹ پریس	1892ء
17-	انجم رحمانی ڈاکٹر	پنجاب تمدنی ومعاشرتی جائزہ	لاہور	الفیصل ناشران	1998ء
18-	کہنیا لال ہندی	تاریخ پنجاب	لاہور	مجلس ترقی ادب	2004ء
19-	بلازری	الملل ونحل	دہلی	دہلی	1892ء
20-	تونسوی طاہر ڈاکٹر	سرائیکی ادب	اسلام آباد	اکادمی ادبیات	1994ء
21-	تصور علی خان	بائیوگرافی انسائیکلوپیڈیا آف پاکستان	لاہور	گورنمنٹ پریس	1961ء
22-	تقی الدین حافظ	پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور تحریکیں	لاہور		1995ء
23-	تہمینہ درانی	مینڈا سائیں	لاہور	بک ٹاک	1992ء
24-	حقانی ارشاد احمد	آئینہ ایام پاکستان کے سیاسی و آئینی بحران تجزیہ	لاہور	تخلیقات	1995ء
25-	حسن رضا گردیزی	بحوالہ جمال یوسف	ملتان	شاہ گردیز	1982ء

-26	خان عمر کمال ایڈووکیٹ	نواب مظفر خان شہید	ملتان	بزم ثقافت	1995ء
-27	خان عمر کمال ایڈووکیٹ	پبلک لائبریری باغ لانگے خان 100 سالہ جشن	ملتان	بزم ثقافت	1995ء
-28	خان عمر کمال ایڈووکیٹ	ملتان لنگاہ دور میں ملتان	ملتان	بزم ثقافت	1995ء
-29	خان عمر کمال ایڈووکیٹ	نواب مظفر خان شہید اور اسکا عہد	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	1978ء
-30	خان مولانا نور احمد فریدی	ملتان اور مورخین	ملتان	قصر ادب	1991ء
-31	خان مولانا نور احمد فریدی	بلوچ قوم اور اس کی تاریخ	ملتان	ملتان قصر الادب	1991ء
-32	خان امان اللہ سرحدی	عرس اور میلے			
-33	خالد حسین	دی مین اپوری باڈی لو یوسف رضا گیلانی	لاہور	فرائی ڈے ٹائم	دسمبر
-34	خورشید ملک ڈاکٹر	میر بلخ شیر مزاری	کوٹ مٹھن	ماہنامہ عصائے کلیم	1993ء
-35	ذوالفقار ڈاکٹر غلام حسین	جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار	لاہور		1996ء
-36	رائے حنیف	پنجاب کا مقدمہ	لاہور		1986ء
-37	روبینہ ترین ڈاکٹر	ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ	ملتان	بیکن بکس	1989ء
-38	زاہد علی واسطی	دیکھ لیا ملتان	ملتان	بیکن بکس ملتان	2002ء
-39	سلیم احمد	سیاست دانوں کی جبری نا اہلیاں	لاہور		1991ء
-40	ایضاً	ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں اور سول ملٹری بیوروکریسی کا کردار	لاہور		1990ء
-41	سید محمد لطیف	ملتان کی قدیم تاریخ	ملتان	بیکن بکس ملتان	2006ء
-42	سالک عبدالحمید لاہوری	مسلم ثقافت ہندوستان میں			
-43	سید معین الحق ڈاکٹر	تاریخ فیروز شاہی	لاہور	مرکزی ادبی بورڈ	1969ء
-44	سبطین گیلانی	ملتان ماضی اور حال کے آئینے میں	ملتان	بیکن بکس	1994ء
-45	سید محمد لطیف	تاریخ پنجاب	لاہور	تخلیقات	1989ء
-46	سید محمد عباس	تاریخ شیخ الہند	لاہور		1991ء
-47	سید محمد اولاد علی گیلانی	مرقع ملتان	ملتان	جاذب پبلشر	1995ء
-48	منشی ہرنا رائن	بھاگوت پران (ترجمہ) پنڈت بہادر سنگھ	لاہور	کوہ نور پریس لاہور	1992ء
-49	سجاد حیدر پرویز	تاریخ مظفر گڑھ	لاہور	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ	1989ء
-50	سید قاسم محمود	انسائیکلوپیڈیا آف پاکستان	کراچی	شاہکار فاؤنڈیشن	1998ء
-51	سید نوازش علی	تذکرہ روسائے پنجاب (ترجمہ)	لاہور		1993ء
-52	سہیل وڑائچ	سیاسی شطرنج	لاہور	روزنامہ جنگ	1991ء

-53	سینٹ ڈائرکٹری آف ممبرز	پارلیمنٹ ہاؤس	اسلام آباد		1991-94
-54	شبانہ نظر	ملتان عرب مورخین کی نظر میں	ملتان	ملتان یونیورسٹی پریس	2007ء
-55	شیخ اکرام	آب کوثر	ملتان	الکرم پبلشرز	1984ء
-56	شاہ امتیاز حسین	تذکرہ اولیائے ملتان	ملتان	ملتان ادبی بورڈ	1982ء
-57	شاہ محمد یوسف گردیزی	تذکرہ ملتان		بشیر انور	1982ء
-58	شہنشاہ جہانگیر	تزک جہانگیری (فارسی)	لاہور	رحم علی ہاشمی سنگ میل پبلشرز	1971ء
-59	صفدر محمود ڈاکٹر	پاکستان تاریخ وسیاست	لاہور		1990ء
-60	صادق جعفری	خطہ ملتان۔رسالہ روزنامہ جنگ	ملتان	اشاعت خاص	2002ء
-61	طاہر تونسوی	ملتان میں اردو شاعری	لاہور	سنگ میل پبلیکیشنز	1985ء
-62	طاہر کامران پروفیسر	پنجاب غلامی سے آزادی تک	لاہور	مجلس ترقی ادب	1989ء
-63	طارق اسماعیل	الیکشن 1985ء	لاہور		
-64	طارق اسماعیل	الیکشن 1988ء	لاہور		
-65	ظہور احمد	دھریجہ سرائیکی وسیب	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	2003ء
-66	علامہ عتیق فکری	ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر	ملتان	فکری اکیڈمی	1982ء
-67	عاشق محمد درانی ڈاکٹر	تاریخ ملتان	ملتان	الکتاب گرافکس کراچی	2007ء
-68	عاشق محمد درانی ڈاکٹر	ملتان افغانوں کے دور میں	کراچی	رائل بک کارپوریشن	2007ء
-69	علامہ عتیق فکری	نقش ملتان	ملتان	فکری اکیڈمی	1982ء
-70	عبداللطیف	تاریخ پنجاب	لاہور	مجلس ترقی ادب	1989ء
-71	عبدالحلیم شرر	تاریخ سندھ	لاہور	منشی بک پوائنٹ	2004ء
-72	عبدالحق مہر ڈاکٹر	نور جہال (باراول)	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	1985ء
-73	عباس حسین گردیزی	تاریخ ملتان	ملتان	سید ھربانی گردیزی شاہ گردیز	1982ء
-74	عقیل عباس نقوی	پاکستان کے سیاسی وڈیرے	کراچی	گڈ بکس	1995ء
-75	قادری محمد ایوب	جنگ آزادی 1857ء	کراچی		1976ء
-76	قاضی جاوید	پنجاب کے صوفی دانشور	لاہور	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1979ء
-77	ایضاً	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	لاہور	بک ٹریڈرز	1977ء
-78	فریدی نور احمد	دیوان فریدی	ملتان	ملتان قصر الادب	1980ء
-79	قاضی اطہر مبارک پوری	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	کراچی	مکتبہ عارفین	1967ء
-80	قریشی اشتیاق حسین	جدوجہد پاکستان	کراچی	مترجم جلال زبیری	1990ء

نمبر	مصنف	کتاب	مقام	ناشر	سال
-81	قریشیز آف پاکستان	دی فرائی ڈے ٹائم			
-82	کنہیالعل	تاریخ پنجاب	لاہور	سنگ میل پبلیکیشنز	1978ء
-83	لنگیوایل ولیم	انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم	لاہور		1961ء
-84	منیرمنیراحمد	پاکستان کے سیاسی اتحاد	لاہور		1993ء
-85	محمد علی چوہدری	ظہور پاکستان	لاہور		1981ء
-86	مجاہد حسین	پاکستان کے متنازعہ سیاستدان	لاہور	تخلیقات	1998ء
-87	مہرعبدالحق ڈاکٹر	ملتان کے بادشاہ نامور گورنر	ملتان	بیکن بکس	1994ء
-88	مہرعبدالحق ڈاکٹر	ملتانی زبان اوراس کا اردو سے تعلق		رووو اکاومی بہاول پور	1967ء
-89	مہرعبدالحق ڈاکٹر	پیام فرید	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	1988ء
-90	محمد تقی شمیم	تاریخ لودھراں	لاہور	ایم یو کمپوزنگ سنٹر	1993ء
-91	محمد رفیق عاطر پروفیسر	تاریخ شجاعباد	ملتان	روحانی پریس	1997ء
-92	محمد علی درویش	تاریخ ریاست بہاول پور	بہاول پور	سرصادق اکیڈمی	1987ء
-93	محمد اسلم میتلا	ملتان نامہ	ملتان	سرائیکی ریسرچ سنٹر زکریا یونیورسٹی	2005ء
-94	منشی عبدالرحمن	آئینہ ملتان	ملتان	مکتبہ اشرف المعارف	1972ء
-95	منشی عبدالرحمن	تاریخ ملتان	ملتان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	2000ء
-96	منشی عبدالرحمن	بہار رفتہ	ملتان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	2000ء
-97	منشی عبدالرحمن	افسر شاہی	ملتان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ	2000ء
-98	مجاہد حسین	پاکستان کے متنازعہ سیاست دان	لاہور	تخلیقات	1998ء
-99	مہدی حسن ڈاکٹر	پاکستان کی سیاسی جماعتیں	لاہور	سارنگ پبلشر	1997ء
-100	محمد حنیف رامے	پنجاب کا مقدمہ	لاہور	جنگ پبلشر	1985ء
-101	ملک منیر احمد بھٹہ	ملتان تاریخ اور ثقافت کے آئینے میں	ملتان	جھوک پبلشر	1999ء
-102	محمد عاشق درانی ڈاکٹر	روزنامہ خبریں	ملتان	خبریں پبلشر	2003ء
-103	محمد ایوب قادری	ماثر الامراء	لاہور	مرکز اردو ادب	1949ء
-104	مخدوم سید روشن جمال	تذکرۃ العمان	ملتان	زکریا یونیورسٹی پریس	2004ء
-105	محمد عوفی	لباب الالباب (فارسی)	تہران	ایران	1960ء
-106	مسعود اشعر	پاکستان کی سیاسی جماعتیں	لاہور	سنگ میل	1998ء

نمبر	مصنف	کتاب	مقام	ناشر	سال
107-	ناظم بشیر حسین	اولیائے ملتان	لاہور	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور	1972ء
108-	ندوی مسعود علی مولانا	ہندوستان عربوں کی نظر میں	اعظم گڑھ	دارالمصنفین	1960ء
109-	نور احمد خان آفریدی	تاریخ ملتان	ملتان	قصر ادب	1992ء
110-	نور احمد خان آفریدی	بلوچ قوم اور اسکی تاریخ	ملتان	قصر ادب	1992ء
111-	وکیل انجم	دولتانہ داستان	لاہور	فیروز سنز	1993ء
112-	وکیل انجم	سیاست کے فرعون	لاہور	فیروز سنز	1997ء
113-	نہال سنگھ	رگ وید	لاہور	نگارشات	1999ء
114-	نوید شہزاد	ضلع ملتان تاریخ، ثقافت، ادب	لاہور	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ	1999ء
115-	الیکشن کمیشن	رپورٹ آف جنرل الیکشن	اسلام آباد	الیکشن کمیشن پریس	1990ء
116-	بائیوگرافی آف ممبرز	ڈائری اسمبلی سیکرٹریٹ پنجاب	لاہور	نثار آرٹ پریس	2002ء
117-	تصور علی خان	بائیوگرافی انسائیکلوپیڈیا آف پاکستان	لاہور	گورنمنٹ پریس	1961ء
118-	دی گزٹ آف پاکستان	فرائی ڈے ٹائم	لاہور	ڈان	1980ء
119-	رپورٹ آف دی جنرل الیکشن	الیکشن کمیشن آف پاکستان	اسلام آباد		1990ء

انسائیکلوپیڈیا

۱۔	قاسم محمود سید	شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا	لاہور	2007ء
۲۔	ایضاً	انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا	لاہور	1998ء
۳۔	سلیم شیخ اسد	انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان	لاہور	1999ء
۴۔	اردو انسائیکلوپیڈیا	فیروز سنز لاہور	لاہور	1984ء

غیر مطبوعہ مقالہ

۱۔ پاکستان میں جاگیرداری نظام ایک جائزہ 1947-1988 مقالہ برائے پی ایچ ڈی 2000 اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مطبوعہ دستاویزات

۱۔ پنجاب اسمبلی تقاریر مطبوعہ گورنمنٹ پریس پنجاب لاہور (ماخذ پنجاب لائبریری)

۲۔ گزیٹر آف ملتان ڈسٹرکٹ (1923-24) گورنمنٹ پرنٹنگ پریس پنجاب لاہور 1926

۳۔ رپورٹ آن جنرل الیکشن 1951ء مطبوعہ گورنمنٹ آف پنجاب لاہور (پنجاب آرکائیو)

۴۔ رپورٹ آن جنرل الیکشن 1988ء طارق اسماعیل روزنامہ چٹان لاہور 1990ء

۵۔ مغربی پنجاب گزٹ لاہور 1956ء

اردو اخبارات

۱۔ روز نامہ جنگ لاہور، ملتان
۲۔ روز مانہ خبریں لاہور، ملتان
۳۔ روز نامہ امروز ملتان، لاہور
۴۔ روز نامہ ایکسپریس ملتان
۵۔ روز نامہ نوائے وقت ملتان، لاہور

رسائل

۱۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی
۲۔ ہفت روزہ فیملی میگزین
۳۔ ہفت روزہ میگ MAG
۴۔ ہفت روزہ ڈان DAWN

انٹرویوز

۱۔ ملتان کے معروف سیاسی خانوادوں سے انٹرویوز (راقم نے خود انٹرویو ریکارڈ کیا)
۲۔ حلقہ انتخاب سے عوام الناس سے انٹرویو
۳۔ شماریاتی تحقیقی جائزہ عوام الناس بالمقابل سیاسی شخصیات

Bibliography

English Books

	Author	Title	Place	Year
1.	Ahmad Nabi Khan	Multan history and Architecture. Institute of Islamic History culture and civilization	Islamabad	1983ء
2.	Aziz K.K	The life and works of Amir Ali	London	1967ء
3.	Aziz K.K	The making of Pakistan	London	1967ء
4.	Afzal Dr. M. Rafique	Political parties in pakistan Vol-I 1947-58	Islamabad	1986ء
5.	Ahmad Jamil-ud-din	Muslim Political Movement	Lahore	1967ء
6.	Banarsi parsad Saxena	History of Shahjahan of Dehli	Dehli	1990ء
7.	B.R. Bakshi	Struggle for Independance, Dehli	Dehli	1990ء
8.	Ch. Muhamamd Ali	The Emergence of Pakistan	Lahore	1973ء
9.	Ch. Nirad	An Autobiography of An Unknown india	New York	1953ء
10.	Durani F.H.K	The future of Islam in India (Ed the making of Pakistan)	Dehli	1946ء
11.	Biography Data	Makhdoom Shah Mehmood Qureshi Multan	Multan	2000ء
12.	David Gilmartin	Empire and Islam Berkeley	London	1988ء
13.	Durani A.M.K Dr.	Multan Under the Afghan (1752-1858)	Carvan Books	1985ء
14.	Deep Publications	Punjab Disturbancies 1918-1920 Indian perspective	Lahore	1976ء
15.	Dr. Qureshi I.H	The struggle of Pakistan	Karachi	1976ء
16.	Gilbert Martin	Servant of India,	London	1966ء
17.	Gopal Ram	Indian Muslims	Bombay	1959ء
18.	Gillani, Syed Aulad Ali	Maraqa-i-Multan	Lahore	1938ء
19.	Hussain Muhammad Dr.	A history of the freedom movement	Karachi	1975ء

20. Hughes Kennedy	Land of five Rivers Punjab	Lahore	1897ء
21. Ishwaria Parsad Dr.	Muslim Rule In India.	Lahore	1959ء
22. Ishtiaq Hussain Qureshi Dr.	The struggle of Pakistan	Karachi	1974ء
23. Ikram S.M	History of Muslim civilization in India and Pakistan	Lahore	1961ء
24. John Dunlop M.D.	Multan During and after the Seige	Sharakat Press Lahore	2002ء
25. J. Royal Rose Burry III	Imperial rule in Punjab (1818-1881)	London	1920ء
26. John Jones Cole, ESQ.	The stege of Multan	Lahore	1946ء
27. Jamil-ud-Din	The final phase of the struggle for Pakistan	Karachi	1975ء
28. Khan Munshi Abdul Rehman	Tehrik-i-Multan Zishan.	Multan	1985ء
29. Lal Bahadar Dr.	The Muslim league, its history, activities and achievements	Lahore	1976ء
30. Lal Bahadar	The Muslim League	Agra	1954ء
31. Latif S.M.	The History of Punjab	New Dehli	1964ء
32. Latif S.M.	The early history of Multan.	Lahore	1963ء
33. Lepel Griffin	The Punjab chief's (Multan)	Lahore	1965ء
34. M. Hanif Raza	Multan Past & Present	Multan	1980ء
35. M. Farooqi	A study of local Government institution in Sindh (1843-1947)	Karachi	1970ء
36. Masud Ahmed	pakistan a study, its constitutional history (1957-1979)	Lahore	1980ء
37. Mahmood Safdar	Pakistan Affairs	Lahore	1976ء
38. Mukhtar Zaman	Student role in the pakistan movement	Karachi	1978ء
39. Mukhtar Zaman	Role of Muslim student after the pakistan Resolution	Islamabad	1990ء

40. Malik Hafeez	Muslim nationalism in India and pakistan	Washington	1963ء
41. N.A. Baloch	Early Advent and constitution of Islam	Karachi	1980ء
42. P.H. M. Van De Dungen	The Punjab traditions	London	1961ء
43. Qureshi Dr. Ishtiaq Hussain	The struggle for pakistan	Karachi	1974ء
44. Q. Abid Dr.	Muslim Politics in the Punjab	Lahore	1992ء
45. Q. Abid Dr.	Pakistan Resolution and Plitics in the Punjab.	Islamabad	1990ء
46. Q. Abid Dr.	Pakistan was invitable (14 August 1987 the Pakistan Times)	Lahore	1987ء
47. Rose Burry	Punjab under the Imperialism	London	1966ء
48. S.M Latif	Ancient hsitory of Multan.	Lahore	1970ء
49. S.S. Thorburn	The Punjab in peace and war	Agra	1966ء
50. Sharma S.R.	Mughal Empire in India	Dehli	1966ء
51. Syed Sharif-ud-Din Perzada	Foundation of Pakistan Vol 1	Karachi	1966ء
52. Stiphens Jan	Pakistan old country and new nation	Cambridge England	1964ء
53. Zaidi-A-Moin	Evolution fo Muslim Political thought in india Vol-6	Dehli	1975ء

PRIVATE PAPERS, DIARIES, NOTES, SPEECHES & STATEMENTS OF:

1. Qureshis
2. Gillanis
3. Khakwanis
4. Gardazis
5. Kanjoos
6. Noons
7. Syeds
8. Daultanas
9. Shahs
10. Buchas
11. Khars
12. Legharis
13. Mazaris
14. Migrated Families
    (Sheikh, Qureshi, Ansari)

GAZETTEERS

NIAZ AHMED	Gazeteer of the Multan Distt 1902,1908, 1923, 1924
MULTAN DISTT	Gazeteer of 1926
CIVIL AND MILITARY PRESS	Gazeteer, April 1942
SIR EDWARD MACLAGAN	Gazeteer Multan
MR. EMERSON	Distt Gazeteer Multan
IMPERIAL GAZETEER	42 Edition
THE PUNJAB	Gazeteer August 2001

English Newspapers

1. Daily DAWN Karachi.
2. Daily Pakistan Times Lahore.

THE ROLE OF EMINENT POLITICAL FAMILIES OF MULTAN IN THE DEMOCRATIC INSTITUTIONS FROM 1970 TO 2000 – A CRITIQUE

Abstract:

Multan, the land of rivers, saints and eminent political and social figures has witnessed many ups and downs in the annals of history. In every age there have been many personalities in social, religious and spiritual circles who provided guidance and enlightment to people of this area. So, Multan has always enjoyed a very significant place in history due to its fertile lands as well as minds. This is such an ancient city as has been mentioned in the travelogues of many renowned historians and explorers of the world. A large part of ancient and religious book "Rugved" was written in and around the areas of Multan. This city was founded even before the arrivals of Aryans and its civilization is as old as the civilization of Harapa and Mohenjodaro.

The advent of Islam started with the coming of Muhammad Bin Qasim in this area in the eighteenth century. Soon after this many Muslim saints and religious scholars like Khwaja Moeen-o-Din Chishti and other arrived in Multan in order to spread the message of Islam in this area. It was due to their selfless and devoted efforts that Multan became a centre of knowledge and was given the title of the city of saints. When Bahawal Haq Zakariya Settled here, Multan became the meeting point of the civilization of Sindh and Punjab. There are various shrines and Masulems of many saints

in and around Multan. Even today Multan is the centre of guidance and enlightment for the millions of people of our country at large. The patrons and custodians of these shrines have been devoting their lives for their services to the people of this area. Among them the most famous families are Qureshi’s, Gilani’s, Gardazi’s, Khakwani’s, Kanjo’s, Bucha’s, Mazari’s, Laghari’s, Syed’s, Khar’s, Noon’s, and Doultana’s.

These families have always been in political Arena, either in government or in opposition before and after the creation of Pakistan. The researcher has opted this topic because he thinks that these families have played a prominent role in the politics of Southern Punjab. This study will highlight their political as well as their personal character and role in politics. The researcher intentionally chose the period of 1970 to 2000 for the reason that the first real democratic elections were held in 1970, resulting in setting up the democratic governments more or less during this period.

A close study of the role played by the forefathers of these families before and after the freedom war of 1857, demonstrates the fact that they earned a name and fame due to their close co-operation with the Aliens rulers (the English). Among them the most famous Qureshi leader Shah Mehmood helped the English in the mutiny of 1848 in Multan and got many lands and Galantary awards due to his unflinching support. Similarly Abdul Qadir Khakwani was awarded with lands and titles due to the services he provided to the English. Imam Baksh who belonged to Mazari family was given the title of ‘Nawab’ due to his loyal support to the English. In 1868 Syed Abbas Hussain Gardezi was appointed as the senior judge of high court. Similarly, the eminent head of Gilani family, Rajan Baksh Shah, was made the member of municipal committee in 1903 and then its Vice President in 1913. He also remained a provincial courtier for many years and

wa given the title of Khan Bahadur. In 1875 Jalal Khan Laghari was awareded the title of Nawab due to his loyalities to the English. Ahmed Yar Daultana, an eminent politician, was the member of central and provincial legislative council in 1899 in British regime. His son Mumtaz Daultana became the Chief Minister of the Punjab in 1951. He was the member of unionist party of India and then after freedom he became the member of Pakistan council Muslim League. The political and social study of the period after the creation of Pakistan shows the personalities of the above mentioned families who earned reputation while being in Government or in opposition are the following:-

1. Gillani Family:

a. Syed Wilayat Hussain Gilani remained
Member District Board Multan.

b. Makhdoom Syed Alamdar Hussain Gilani
was the Minister of state (in Feroz Khan Noon Govt.) and then Minister of Health, Punjab in 1953.

c. Syed Hamid Raza Gilani
was an M.N.A (west Pakistan), central minister of mindustry in 1974, deputy chairman senate, and them ambassador to east Africa in 1976.

2. Qureshi Family:

a. Nawab Saddiq Hussain Qureshi
was governor Punjab in 1975 and then chief minister of the Punjab.

b. Nawab Sajjad Hussain Qureshi
was MNA and governor of the Punjab in 1985 and then chairman senate.

3. Daultana Family:

a. Mian Mumtaz M. Khan Daultana

was the chief minister of the Punjab in 1951 and then ambassador to Britain in Bhutto regime.

4. Mazari Family:

a. Mir Balakh Sher Khan Mazari

was MNA in Ayub Regime, he was also member of the constitutional committee in 1955, caretaker Prime Minister in 1993

b. Mir Sher Baz Mazari

was an MNA Zia's regime.

5. Laghari Family:

a. Sardar Muhammad Khan Laghari

was an MNA

b. Atta Muhammad Khan Laghari

was Member Majlis Shura and the member Punjab assembly.

6. Khakwani Family:

a. Nawab Ghulam Qasim Khan Khakwani

was an MNA from (West Pakistan) and then the major Municipal corporation Multan.

7. Bucha Family:

a. Malik Khuda Bakhsh Bucha

was Minister of Agriculture and food in 1962.

b. Advisor to Prime Minister Benazir Bhutto in 1988 for food and agriculture.

8. Syed family:

a. Colonel Syed Abid Hussain

was the provincial minister Punjab in 1953.

In chapter 4 the researcher interviewed some of the political personalities from the above mentioned families. He put a questionnaire before them which can be seen at Appendix 15 & 16 in the main text of chapter 4. He also put another questionnaire before the public at large in respective constituencies of the above mentioned personalities. According to the statistical data, the people expressed a mixed reaction about the political role and services of the interviewed political figures. On the whole, the performance of these personalities was found to be 60% satisfactory and 40% vice versa. The researcher is satisfied with his performance data. However, he advises these families to put in more for the betterment and welfare of the public which they represent. If we go into the pages of the past history of southern Punjab, the researcher infers that the worries and grievances of the people at large in southern Punjab have never been redressed their problems are the same even today, as they were many years back, the people have been raising their voice at different platforms about the solution to their problems and deprivations is still a far cry. During the research, the researcher concluded that the eminent personalities from the families under discussion used the people only for the acquisition of their votes and political support. The world is developing rapidly but the situation in Pakistan is not very heartening. If we study deeply the present development in Pakistan, we come to the conclusion that the upper Punjab is much ahead of the southern Punjab. The southern Punjab is rich in agricultural products and the government receives a lot of revenue from this area. Inspite of all this, the southern Punjab lacks in the basic facilities of

life, for which the elected members from these areas are mainly responsible. If we turn over the pages of history relating to the 1970-2000 period, we find that many of prominent political personalities of southern Punjab have been occupying the highest offices both in central and provincial government, but the backwardness and the deprivation of the people of this area did not change a bit. This period witnessed two marshal laws and the elected governments of both the Pakistan peoples party (PPP) and Muslim league also ruled the country alternatively. If ever the elected members of this area in parliament and the Punjab assembly tried to effect plans for the development and prosperity of this area, the beaurocracy played the traditional role to frustrate the efforts of the political figures and hence the development plans remained unimplemented consequently nothing could be done for the uplift of this deprived and unfortunate area.

In the research topic, the researcher has also noted that in the period 1970-2000, most of the time the army has been at the helm of affairs in the country. In order to prolong its rule and to prove its regime as democratic, the military governments tried to include. Some prominent figures of the political families of southern Punjab in governments with a view to win sympathies of the peoples in Pakistan and to satisfy the western democratic people. In this way the prominent political families went on becoming a part of the military regimes and by supporting the wrong policies of military rule, they also added to the deprivations of the people of Pakistan at large and those of southern Punjab in particular.

In 1985 non party elections were held in Zia’s regime some members belonging to the middle class also succeeded in reaching the assemblies. However, they also could not do anything for the amelioration of the area. It can be said that during this period whosoever went into the mine of salt,

became salt itself. Moreover the political families and some migrated families also went on changing their political loyalties. It was during this period that the laws of floor crossing was passed but it could never prevent the horse trading consequently, the problems of the people of this area got augmented.

The most prominent and painful problems of this area are the following:

1. The lack of pure water in Multan city and southern Punjab.
2. The even increasing unemployment.
3. Lack of health facilities.
4. The non establishment of industry
5. The non establishment of industry
6. No provision for the export of fruit and grain age of the area.
7. Lack of proper facilities in Haji Camp
8. Illiteracy and poverty in the rural areas.
9. Improper schooling both in urban and rural areas.
10. No measures have been taken to preserve and to promote the cultural heritage of this area.
11. There are no facilities guidance and residential for the tourists.

The researcher has pointed out some of the burning issues of this area, although there are many other problems which have been left untouched. However, the researcher thinks that the above mentioned issues demand instant attention of the prominent political families of this area, in order to continue then political legacy and political participation in the years to come. The only possible way to continue their hold and influence on the people is that they should take keen interest in the development plans for the progress and prosperity of this area, they should demand their due share

from the central and provincial revenue in order to put this deprived area on the road to prosperity and to bring it at par with the privileged areas of this homeland, which is the homeland for all.